کتاب الفقہ

عبدالرحمٰن الجزیری

ترجمہ: مظہر احسن عباسی

علیا اکیڈمی

شعبہ مطبوعات گلبرگ ارزاں پنجاب

Marfat.com

کِتَابُ الفقه

علی المذاهب الاربعه

جزءسوم

معاملات

تالیف: عبدالرحمٰن الجزیری

ترجمہ: منوراحسن عباسی

عُلَمَاءاکیڈمی

شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب

۲۰۱۳ء

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

ISBN NO. 978-969-28-0298-7

ناشر : محمد حسن رضوی

ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور واوقاف، پنجاب، لاہور

نگرانِ طباعت : عبدالحمید چودھری

ڈپٹی ڈائریکٹر۔علماء اکیڈیمی اوقاف پنجاب، لاہور

اشاعت ہشتم : دسمبر 2012ء (طباعت جدید)

تعداد : ایک ہزار

طابع : آغا امیر حسین

کلاسیک۔42 شاہراہ قائداعظم، لاہور

ملنے کا پتہ: (i) شعبہ مطبوعات علماء اکیڈیمی اوقاف، بادشاہی مسجد لاہور

فون: 042-37657115

(ii) سیل پوائنٹ۔مطبوعات اوقاف دربار حضرت داتا گنج بخشؒ، لاہور

فون: 042-37113464

Marfat.com

مقدمہ طبع جدید ہشتم

محمد حسن رضوی

ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور

واوقاف پنجاب

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیّد الانبیاء والمرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین.

دین اسلام کے احکام کو سمجھنے کے لیے قرآن وسنت کے بعد فقہ کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ فقہ دراصل ان مضبوط دلائل کا نام ہے جن کی روشنی میں قرآن وسنت کے مطابق انسانی زندگی میں درپیش مسائل کے حل اور احکام دین کو سمجھنے کا کام کیا جاتا ہے اوران انسانی زندگی کے مسائل کا حل فقہ کے دلائل کے ذریعے قرآن وسنت کی روشنی میں اخذ کیا جاسکتا ہے۔ فقہ ایک ایسا علم ہے جس کے تحت انسانی زندگی کے شعبہ ہائے جات میں روزمرہ پیش آمدہ مسائل واعمال بیان کئے جاتے ہیں ۔ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور مسلمانوں کے دیگر روزمرہ کے معاملات جیسا کہ نکاح وطلاق، خرید وفروخت، حلال وحرام، مزارعت ومساقات اور مضاربت، کرایہ داری وعاریت، ہدیہ ومیراث، شرکت وبٹائی، چوری، ڈکیتی، شراب خوری وحرام کاری، حدود وتعزیرات وغیرہ تمام عبادات وانسانی معاملات کی شرعی تفصیلات اس علم کے تحت آتی ہیں۔ اسلام ایک مکمل دستور حیات اور جامع نظام حیات ہے اس لئے اس کے زیر اثر فقہ کے علم کو بھی نہایت وسعت وعظمت حاصل ہے اور انسانی زندگی کا کوئی بھی عملی پہلو اس علم کے احاطے سے باہر نہیں رہ سکتا۔

Marfat.com

بلاشبہ شعبہ ہائے زندگی میں اختلاف انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔اس لئے ان فقہی مسائل کے بارے میں حضور ﷺ کے بعد بعضی علمی اختلافات سامنے آئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علمی اختلافات کے بعض اسباب جو کہ دور تک اثر انداز ہوئے ان کا ذکر زندگی گزارنے کے لیے اس دور میں اشد ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کے فرمانِ ذی شان کا ہر صحابی کے علم میں نہ ہونا۔مختلف اوقات میں حضور ﷺ کے اقوال واعمال کا مختلف ہونا، حضور ﷺ کے فرمان، اقوال واعمال کی پیروی سنت ہے یا واجب یا کیا ہے؟، اس میں اختلاف، حضور ﷺ کے قول وفعل کو پورے طریقے سے نہ سمجھ سکنا، تحصیل علم کی صلاحیت کا مختلف ہونا، پھر مسائل کے اخذ کرنے کے طریق کار کا مختلف ہونا، کسی نے صرف نقل کو ضروری سمجھا اور کسی نے عقل کی رو سے مسئلہ کے حل کو جائز مانا، کسی حکم کی علت کو سمجھنے میں اختلاف، سہو ونسیان اور حفظ ویادداشت کا اختلاف۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اس قسم کے اسباب کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے ایسے اسباب رونما ہوئے جن کی بناء پر فقہی مسائل میں علمی اختلاف بڑھتا گیا جن میں ہر قول کسی نہ کسی دلیل پر مبنی ہے اور شرعی اصول وحدود کے مطابق ہے، اسی لئے اس اختلاف کو کبھی بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا بلکہ بنظر تحسین دیکھا گیا کہ بسا اوقات اسی علمی اختلاف اقوال کی بدولت انسان کسی بڑی مشکل اور الجھن سے نجات پالیتا ہے۔

فقہی مسائل میں امت مسلمہ کے درمیان اختلاف کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ امت میں فقہی مذاہب بھی کثیر مقدار میں پیدا ہو گئے، اگر چہ تمام کے تمام زیادہ مدت باقی نہ رہ سکے۔البتہ ایسے مذاہب جو باقی رہے، خوب پھلے پھولے اور پھیلے، وہ پورے طور پر جمع بھی گئے گئے اور مشہور بھی ہوئے، حسب ذیل ہیں: حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی، ظاہری، اثنا عشری۔ظاہریہ مذہب کے علاوہ اہل السنۃ والجماعۃ کے باقی چاروں مذہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی قرآن وحدیث واجماع کے ساتھ ساتھ قیاس سے بھی استدلال پر متفق ہیں اگر چہ بے شمار مسائل کے حق میں طریق استدلال اور نتائج میں اختلاف رکھتے ہیں۔اس لیے امت کا بڑا حصہ ہر عہد میں انہیں چاروں مذاہب کا پابند رہا ہے۔

Marfat.com

پیش نظر "کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه" مصر کے مشہور جلیل القدر عالم وفقیہ شیخ عبدالرحمٰن الجزیری کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ جسے ممالک اسلامیہ کے علمی وفقہی حلقوں میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ مصنف موصوف نے اپنی اِس ضخیم کتاب میں جملہ مسائل فقہ از قسم عبادات، معاملات، شخصی قوانین اور حدود وتعزیرات مذکورہ مذاہب اربعہ کی روشنی میں بڑی شرح وبسط سے بیان کیے ہیں۔ علامہ موصوف نے اس کتاب کی ترتیب میں جس نہج کو اختیار کیا ہے اس کی اہم نکات درج ذیل ہیں:

1۔ ہر مسئلہ کو ایک خاص عنوان کے تحت درج کیا ہے تا کہ قاری مطلوبہ مسئلہ کو فہرست مضامین کی مدد سے باآسانی معلوم کر لے۔

2۔ متن میں وہ مسائل دیئے گئے ہیں جن پر حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے یا پھر کم از کم دو مذاہب کا اتفاق ہے۔ بقیہ مذاہب کی تفصیل حاشیہ میں دے دی گئی ہے۔

3۔ جن مسائل میں حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کا مسلک الگ الگ ہے۔ ان کا ذکر حاشیہ میں کر دیا گیا ہے۔

4۔ ہر مسئلہ میں آئمہ اربعہ کے دلائل کو قرآن وسنت کی رو سے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا نقطۂ نظر واضح ہو جائے۔

5۔ جملہ مسائل کی وضاحت اور صراحت میں بھرپور کوشش کی گئی ہے، تا کہ جو شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے وہ باآسانی اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کر سکے۔

6۔ جن مسائل کے متعلق کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی نص نہیں بالہ ان کے متعلق تمام مسالک کی بنیاد اجتہاد پر ہے ان کا ذکر بھی حاشیہ میں کر دیا گیا ہے۔

111 یہ کہ ایسے مسائل جن میں آئمہ اربعہ کا اجماع، یا کم از کم دو آئمہ کا اتفاق ہو تو ان کا ذکر متن ہی میں کیا گیا ہے۔

7۔ پوری کتاب میں ممکن حد تک احکام شریعہ کی حکمت ومصلحت کو بیان کیا گیا ہے۔

8۔ اس پوری کتاب میں جہاں تک ہو سکا ہر جگہ احکام شریعہ کی حکمت کو بیان کر دیا گیا ہے۔

الغرض اس کتاب کے قارئین جہاں اپنا مسلک اور اُس کا مآخذ معلوم کریں گے وہاں انہیں

Marfat.com

دوسرے مسالک اور اُن کے مآخذ و دلائل کا بھی علم ہوگا۔

اس کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا منظور احسن عباسی نے پوری دیانت، محنت اور مہارت سے کیا ہے اور پوری کوشش کی ہے کہ عبارت عام فہم ہو۔ جہاں کہیں اصل متن میں اس قدر ایجاز تھا کہ اُس کا محض ترجمہ کر دینے سے زیر بحث مسئلہ کی وضاحت نہ ہو سکی وہاں توضیح مقصد کی خاطر بعض عبارات کا اضافہ خطوط وحدانی کر دیا گیا ہے۔

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ: اپنی پانچوں جلدوں کے ساتھ اسلامی احکام و مسائل کی ایسی جامع اور مستند کتاب ہے جس کا ہر گھر، دفتر، لائبریری اور علماء، فقہا، مفتیان، قانون کے طلباء اور وکلاء کے پاس ہونا انتہائی ضروری ہے تا کہ روزمرہ پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے میں اس فقہی انسائیکلوپیڈیا سے رجوع کیا جا سکے۔ علمی، دینی اور قانونی حلقوں میں یہ عظیم کام بے حد پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔

اہل علم اور دانش اور دینی و تدریسی حلقوں کے مسلسل تقاضوں کی بناء پر اس کتاب کے کئی ایڈیشن طبع کئے جا چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب 1999 میں کمپیوٹر کمپوزنگ کی شکل میں عوام الناس کے سامنے آئی جس کا سراہا جانا ایک فطری امر تھا۔ سال 2006ء میں نئے ایڈیشن کی طباعت کے مرحلے پر پروف ریڈنگ اور رموز و اوقاف کی درستگی کو یقینی بنایا گیا۔

زیر نظر آٹھویں ایڈیشن کی اشاعت پر ہم، طارق محمود پاشا، سیکرٹری/ چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف و مذہبی امور، پنجاب کے تہہ دل سے ممنون اور شکر گزار ہیں جن کی بدولت ہم اس ضخیم اور عظیم کتاب کی پانچ جلدوں کو شائع کر کے قارئین کرام کی ضرورت کو پورا کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔

زیر نظر ایڈیشن کمپیوٹرائزڈ کمپیوزنگ سے مزین کتابت، اعلیٰ طباعت، خوبصورت سرورق، عمدہ کاغذ اور بہترین جلد بندی کے ساتھ پیش خدمت ہے جو یقیناً قارئین و محققین اور ریسرچ سکالرز کے لئے انتہائی مفید ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قارئین کرام کو اس سے بھرپور استفادہ کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے! آمین۔

ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق جنوری 2013ء

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	شرکت کا بیان	
۱۔	اس کی تعریف اور اقسام	۱
۲۔	ارکان شرکت کا بیان	۱۷
۳۔	شرکت کی شرائط اور ان کے متعلقہ مسائل کا بیان	۱۸
۴۔	مال وغیرہ میں شرکاء کے تصرف کا بیان	۲۶
۵۔	کسی شریک کے اس دعوے کا بیان کہ مال تلف ہوگیا	۳۲
	اجارہ (اجرت یا کرایہ) کا بیان	
۶۔	عقد اجارہ کی شرطیں	۴۳
۷۔	ایسی اشیاء کا بیان جن کا کرایہ پر لینا جائز ہے اور جن کا جائز نہیں ہے	۶۱
۸۔	بیان اس امر کا کہ اجرت پر کام کرنے والا کس نقصان کا ذمہ دار ہے اور کس کا نہیں ہے۔	۹۵
۹۔	ان صورتوں کا بیان جن سے عقد اجارہ منسوخ ہو جاتا ہے اور جن سے نہیں ہوتا	۱۰۵
	وکیل بنانے کا بیان	
۱۰۔	وکالت کی تعریف	۱۲۱
۱۱۔	وکالت کے جائز ہونے کا ثبوت اور اس کے ارکان	۱۲۲
۱۲۔	وکالت کی شرطیں	۱۲۴
۱۳۔	خرید و فروخت کے لیے وکیل بنانے کا بیان	۱۴۲
۱۴۔	خصومات (یا نزاعی مقدمات) میں وکیل بنانے کا بیان	۱۵۸
۱۵۔	کیا وکیل اپنی طرف سے کسی اور کو وکیل بنا سکتا ہے	۱۶۳
۱۶۔	وکیل کو وکالت سے ہٹانے کا بیان	۱۶۵
	حوالہ کا بیان	
۱۷۔	حوالہ کی تعریف	۱۷۱
۱۸۔	حوالہ کے ارکان، اجزائے لازمی اور شرائط	۱۷۳
۱۹۔	حوالہ کے بعد مقروض کے بری الذمہ ہو جانے کا بیان	۱۸۳
	ضمانت کا بیان	
۲۰۔	ضمانت کی تعریف	۱۸۵
۲۱۔	ضمانت کے ارکان اور اس کی شرطیں	۱۹۱
۲۲۔	کفالت (ضمانت) کے بعض متعلقہ مسائل کا بیان	۲۰۷
	ودیعت (یا امانت) کا بیان	
۲۳۔	ودیعت کی تعریف	۲۱۶
۲۴۔	ودیعت کے ارکان اور ان کی شرائط	۲۱۸
۲۵۔	امانت کی شرعی حیثیت اور اس کے ضمنی امور کا بیان	۲۲۱
	عاریت (عارضی طور پر لی ہوئی اشیاء) کا بیان	
۲۶۔	عاریت کی تعریف	۲۴۲
۲۷۔	عاریت کی شرعی حیثیت، اس کے ارکان اور شرائط کا بیان	۲۴۵
۲۸۔	عاریت کے اقسام اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان	۲۵۲
۲۹۔	عاریت میں کون کون سی چیزیں آتی ہیں اور کون سی نہیں آتیں	۲۵۹
	ہبہ (عطیہ) کا بیان	
۳۰۔	ہبہ کی تعریف	۲۶۷
۳۱۔	ہبہ کے ارکان اور ہر ایک کی شرائط کا بیان	۲۷۱
۳۲۔	قرض (واجب الوصول) کے ہبہ کر دینے کا بیان	۲۸۱
۳۳۔	ہبہ شدہ شے کو واپس لینے کا بیان	۲۸۳
۳۴۔	مالی معاوضہ لے کر ہبہ کرنے کا بیان	۲۹۲
	وصیت کا بیان	
۳۵۔	وصیت کی تعریف اور اس کا ثبوت	۲۹۷
۳۶۔	وصیت کے ارکان اور اس کی شرطیں	۲۹۶
۳۷۔	عمل وصیت کی شرعی حیثیت کا بیان	۳۱۱
۳۸۔	حج کرانے اور قرآن خوانی وغیرہ کے لیے وصیت کرنے اور میت کے گھر میں دوسری ماتمانہ رسوم کا بیان	۳۱۳
۳۹۔	مخصوص اشخاص مثلاً پڑوسیوں اور قرابت داروں وغیرہ کے حق میں وصیت کرنے کا بیان	۳۲۰
۴۰۔	متعدد اشخاص کے حق میں وصیت کرنے کا بیان	۳۳۳
۴۱۔	وصی مختار یا وصی مجاز) کا بیان	۳۴۱

Marfat.com

مقدمہ از مصنف

الحمد اللّٰہ تعالیٰ حمداً کثیراً واصلی واسلم علی نبیہ محمد خاتم الانبیاء والمرسلین و علی آلہ وصحبہ اجمعین. امابعد واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے دو حصے جو (مسائل) عبادات و معاملات پر مشتمل ہیں حسب منشاء تکمیل کو پہنچے اور میں نے دیکھا کہ ان دونوں حصوں کو قبول عام حاصل ہوا کیوں کہ لوگوں کو اپنے اپنے مسلکوں کے مطابق مطلوبہ فقہی احکام کے سمجھنے میں سہولت ہوگئی اور اس میں ان منتشر مسائل کو جمع کر دیا گیا ہے جن سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے عام مسلمانوں کے علاوہ متخصصین علم بھی کوشاں تھے۔

ان (دونوں حصوں) کے قبول عام نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور اس امر پر آمادہ کیا کہ فقہ اسلامی کے دوسرے ابواب یعنی معاملات اور احوال شخصیہ (یعنی اسلامی شخصی قوانین) کو بھی ہر چہار مسالک فقہیہ کی رو سے مکمل کروں اور ان کو بھی اسی طرح کی (آسان) یا اس سے زیادہ واضح عبارت میں بیان کر دیا جائے تا کہ لوگوں کو (دوسروں کے ساتھ) معاملات کرنے اور شخصی قوانین کی بجا آوری کے متعلق دینی احکام سے پوری واقفیت حاصل ہو جائے اور دین حنیف کے ان احکام کو جان لینے کے بعد اپنے معاملات خرید و فروخت، فصل تنازعات اور نکاح وغیرہ میں ان احکام کے مطابق عمل کریں۔ اور یہ کہ ان پر احکام اسلامی کی خوبیاں روشن ہو جائیں کہ ان کی تدوین میں کس دقت نظر سے کام لیا گیا ہے اور کس طرح تمام چھوٹے بڑے امور کو جو بالعموم پیش آتے رہتے ہیں مدنظر رکھا گیا ہے اور جس کے سامنے (دوسری) تمام شریعتوں کے طریقے اور ان کے قانون بنانے والوں کے قوانین جن میں اہل فرانس و رومانیہ شامل ہیں بے حقیقت ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہی وہ قوانین ہیں جن کی عظمت نے انہیں دعوت فکر و عمل دی اور اس کے نکات اور محاسن

Marfat.com

نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ اس کی پیروی کریں اور اس کی جانب مائل ہوں، تا کہ جمہور خوشگوار زندگی بسر کر سکیں اور باہمی نزاع کے اسباب دور ہو جائیں جن کے باعث نوبت جان و مال کے ضائع ہونے تک آجاتی ہے اور ان کی دولت ایسے امور میں صرف ہو جاتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے جیسے جھوٹے دعوؤں اور ان پر دوسرے اخراجات ہیں۔ (حالانکہ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بها الی الحکام الایه** (یعنی لوگو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ اسے حاکموں تک بطور رشوت کے پہنچاؤ تا کہ جان بوجھ کر لوگوں کے مال کا ایک حصہ ہضم کر کے گناہ مول لو۔ (بقرہ ۱۸۸)۔

یہ تو وہ چند کامیابیاں ہیں جو دینی احکام سے واقفیت اور اس پر عمل کے بعد دنیوی معاملات میں حاصل ہوتی ہیں، رہا آخرت کا معاملہ سو اللہ تعالیٰ نے احکام دینی پر عمل پیرا ہونے والے کے لیے دائمی بہشت اور پائدار ملکیت کا وعدہ فرمایا ہے۔

میں نے ابتدا میں یہ محسوس کیا کہ یہ کام مجھ جیسے ضعیف انسان کے لیے بہت بڑا ہے۔ مزید براں حیات دنیوی کے بعض تقاضے اس ارادے پر غالب آتے رہے اور امور دنیوی کی الجھنیں اس میں حائل ہوتی رہیں۔ تاہم میں نے اس ذات الٰہی پر بھروسا رکھا جس نے سابقہ دونوں حصوں کی تکمیل کی سبیل پیدا کر دی اور میری مدد فرمائی اور مجھے اپنے آئندہ کے ارادے کو پورا کرنے کے اقدامات پر ابھارا۔ میرے دل سے ہر مشکل کا خوف اور ہر مزاحمت کا اندیشہ نکل گیا کیوں کہ میرے پیش نظر محض اپنے پروردگار کی خوشنودی ہے جس کے دست قدرت میں سب کچھ ہے اور اسی کی ذات ہر شے کا مرجع ہے اور میری آرزو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس روز جب کہ کسی کے مال یا اس کی اولاد سے اسے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا (میرا یہ عمل) اللہ کے نزدیک مقبول ہو۔ اور (مجھے یقین ہے کہ) جو شخص بھی اپنے خدائے واحد سے مدد کا طالب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کا ضامن ہوتا ہے اور وہی بہترین آقا اور بہترین مددگار ہے اور میں اسی سے التجا کرتا ہوں کہ وہ میرے اس کام کو خالص اپنی ذات کرم فرما کے لیے بنا دے اور حیات دنیوی کے فتنوں میں پڑنے اور مال دنیا کے پیچھے دوڑنے کے شر سے محفوظ رکھے نیز اس (کتاب) کو مسلمانوں کے لیے نفع بخش بنا دے۔

بالآخر یہ عرض کرنا ہے کہ میرا ارادہ تھا کہ میں احکام شرعیہ کے ساتھ ان کی حکمتوں (خوبیوں) کو بھی بیان کر دوں نیز ائمہ فقہا کے (مسالک متعلقہ) کے حق میں ان کے دلائل کا بھی ذکر کروں لیکن میں نے

Marfat.com

یہ محسوس کیا کہ دلیلوں کی چھان بین میں دشواریاں ہیں اور میں نے آسان عبارت (میں اظہار مطالب) کا جو ارادہ کیا ہے یہ اس کے منافی ہوگا، نیز میں نے دیکھا کہ احکام کی تشریعی تفصیل موجب طوالت ہوگی اور شرعی مسائل کے سمجھنے میں رکاوٹ ہوگی لہٰذا میں نے حکمت تشریع کی تفصیل اپنی کتاب الاخلاق کے دوسرے حصہ میں بیان کر دی ہے۔ رہے (فقہی) دلائل سو ان کو بہت سے علماء نے مستقل طور پر بیان فرمایا ہے اور اس موضوع پر ضخیم کتابیں تالیف ہوئی ہیں (جو کافی ہیں)۔ تاہم ایک ایسی تالیف کی بلاشبہ ضرورت ہے جس میں اختلاف فقہا کے ذکر کے ساتھ ان کے نقطہ ہائے نظر کو بھی آسان عبارت میں بیان کر دیا جائے اور ان کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ اس کتاب سے اخذ مطالب آسان ہو۔ اسی غرض کے پیش نظر میں نے ارادہ کیا ہے کہ خدائے واحد کی مدد سے ایک ایسی کتاب تالیف کروں جو ہر لحاظ سے اس مقصد کی تکمیل کر دے اور لوگوں پر یہ روشن ہو جائے کہ ائمہء اسلام نے (احکام) شریعت اسلامیہ کو سمجھنے کا حق ادا کر دیا ہے نیز امور تشریعی کے مفتشین کو یقین ہو جائے کہ شریعت اسلامیہ ان تمام امور کا مجموعہ ہے جن پر عمل پیرا ہونے میں انسان کی بہتری ہے اور کوئی چھوٹا یا بڑا مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے تشریعی نکتوں اور اس کی طرفگی کی نشاندہی نہ کی گئی ہو۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ یہ کام ہر ظرف و حال کے مطابق ہے اور جب تک یہ دنیا اور زمانہ قائم ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نافذ العمل رہیں گے کیوں کہ وہ سب خدائے حکیم و دانا کی طرف سے ہیں۔

مولف

عبدالرحمان الجزیری

تصریح

اس کتاب میں صرف ان مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جو ائمہ فقہا کے نزدیک قابل اعتماد و لائق ترجیح ہیں۔ بالعموم ایسے مسائل کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جن کو ترجیح حاصل نہیں ہے، تاہم جہاں کہیں مفید خیال کیا گیا وہاں ان کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرکت کا بیان

تعریف اور اس کی اقسام:

شرکت کا لفظ شین کے زیر اور رے کے جزم کے ساتھ ہے۔ کبھی شین کو زیر اور 'را' کو زبر کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے لیکن پہلی صورت زیادہ فصیح ہے یہاں تک کہ بعض اصحاب کے نزدیک اس کے سوا اور کوئی صورت صحیح نہیں ہے۔ لغت کی رو سے اس لفظ کے معنے ایک مال کو دوسرے مال کے ساتھ اس طرح ملا دینا ہے کہ دونوں مال میں امتیاز نہ رہے۔ اصطلاح میں یہ لفظ اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ شراکت کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً شرکت مفاوضہ (یعنی مال، اُس کے استعمال اور دین میں باہم شریک ہونا) شرکت عنان (یعنی مخصوص مال میں شریک ہونا) شرکت ابدان (یعنی جسمانی مشقت میں شریک ہونا) اور شرکت وجوہ (یعنی وجاہت میں شریک) ہونا وغیرہ۔ تمام اقسام کی شرکتوں کے مسائل بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

---

(۱) احناف کے نزدیک شرکت کی بنیادی دو قسمیں ہیں:

(۱) شرکت ملک (۲) شرکت عقود:

شرکت ملک یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص کسی امر میں بغیر کسی معاہدے کے شریک ہوں۔ اور شرکت عقود یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص باہمی۔ معاہدے کے ذریعہ کسی مال یا اس کے منافع میں شرکت کریں۔ مثلاً یہ کہ شرکاء میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہے کہ میں آپ کو اس بات میں شریک کرتا ہوں اور دوسرا کہے کہ میں قبول کرتا ہوں۔ یہ (ایجاب وقبول) وہی عام بات ہے جو معاہدوں میں شرکت کی تمام قسموں میں ہوتی ہے۔ ذیل میں مختلف قسم کی شرکتوں کی الگ الگ تعریف درج کی جاتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ملکیت میں شریک ہونے کی دو قسمیں ہیں: شرکت اضطراری اور شرکت اختیاری۔ شرکت اضطراری یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص کسی شے کی ملکیت میں ناگزیر طور پر باہم جمع ہو جائیں مثلاً یوں کہ دونوں کسی مال کے وارث ہوں یا اس طرح کہ ایک کا مال دوسرے کے مال میں ناگزیر طور پر اس طرح مل جل جائے کہ (دونوں کے مال میں) امتیاز قطعاً ممکن نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص کی گندم دوسرے کی گندم میں مل جائے۔ یا دونوں کے مال کا جدا جدا کرنا محنت طلب اور دشوار ہو جیسے جو اور گندم یا چنے اور جو کی آمیزش۔

اختیاری شرکت یہ ہے کہ دونوں شرکاء کسی شے کی ملکیت میں اپنے اختیار سے شریک ہو جائیں۔ مثلاً دونوں شرکاء

Marfat.com

اپنے ارادے سے اپنے اپنے مال کو باہم خلط ملط کر دیں، یا یہ کہ دونوں نے کوئی شے مشترکہ طور پر خریدی، یا کسی شخص نے دونوں کے لیے مال کی وصیت کی اور دونوں نے اسے قبول کرلیا۔ یہ تمام شکلیں شرکت ملک اختیاری کی ہیں اور ملکیت میں شرکت کی بنیاد دونوں کے حصوں کا باہم جمع ہونا ہے۔ یہی شرکت ملک ہے۔

واضح ہو کہ شرکت ملک سے تعلق رکھنے والے چند مسائل ہیں:

اوّل یہ کہ جب دو اشخاص کسی اراضی کے مشترکہ مالک ہوں اور شرکاء میں سے ایک شخص موجود نہ ہو تو دوسرے کو یہ حق ہے کہ اگر زراعت زمین کے لیے نفع بخش ہو تو وہ اس زمین میں زراعت کرے اور جب غیر حاضر شریک آجائے تو مفتیٰ بہ قول ہے کہ اس کا حق ہوگا کہ وہ بھی پوری زمین سے اتنے عرصہ تک فائدہ اٹھائے جتنے عرصہ تک اس کے شریک نے فائدہ اٹھایا۔ کیونکہ وہ شریک جو غیر حاضر تھا وہ ذہنی لحاظ سے اس شخص کے فائدہ اٹھانے پر جو موجود تھا راضی متصور ہوگا، اگرچہ زراعت کرنے کی اس نے اجازت نہ دی ہو۔ اور اب اس کو حق ہوگا کہ جس طرح اس کے فریق نے فائدہ اٹھایا اسی طرح وہ بھی فائدہ اٹھائے۔ لیکن اگر زمین ایسی ہو جس میں زراعت کرنا زمین کے لیے نقصان دہ ہو، یا اس میں زراعت نہ کرنا زیادہ مفید ہو کہ زمین کی قوت نمو بڑھ جائے، ایسی صورت میں شریک حاضر کو یہ حق نہیں ہے کہ اس میں قطعاً کسی شے کی زراعت کی جائے۔ اگر اس حال میں زراعت کی گئی تو زارع کی حیثیت غاصب (ناجائز تصرف کرنے والے) کی ہوگی۔ اب اگر غیر حاضر شریک اس حالت میں آجائے اور زراعت کو باقی رہنے دینا نہ چاہے بلکہ اسے اکھاڑنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے اختیار ہے کہ زمین تقسیم کر کے اس میں سے اپنا حصہ نکال کر اس میں اگی ہوئی کھیتی کو جس طرح چاہے اکھاڑ دے اور دوسرے حصہ کو جس میں دوسرے شریک نے زراعت کر رکھی ہے اس کے لیے چھوڑ دے۔ اور زراعت کرنے والے شخص مذکور پر لازم ہے کہ دوسرے کی زمین میں زراعت سے جو نقصان ہوا ہے اس کا معاوضہ ادا کر دے کیوں کہ اس نے دوسرے کا حصہ غصب کیا ہے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ کھیت کے پورے چھوٹے چھوٹے ہوں اور ان کا اکھاڑنا درست ہو۔ اگر کھیتی تیاری کو پہنچ گئی ہے یا تیاری کے قریب ہو تو اس کا اکھاڑنا درست نہیں ہے۔ ہاں کھیتی کرنے والے کو لازم ہے کہ زمین کو زراعت سے جو نقصان ہوا ہے اس کا معاوضہ ادا کر دے اور تمام پیداوار لے لے۔

دوم یہ کہ اگر دو اشخاص ایک رہائشی مکان میں شریک ملکیت ہوں اور ان میں سے ایک موجود نہ ہو تو اس کا شریک پورا مکان استعمال کر سکتا ہے۔ درآنحالیکہ استعمال کرنا گھر کے لیے مفید ہو اور استعمال نہ کرنے سے کوئی خرابی نہ ہو۔ اگر ایسی صورت نہ ہو تو شریک حاضر کو صرف اس قدر حصہ استعمال کرنے کا حق ہوگا جو اس کا اپنا ہے، بایں طور کہ اس کے کمروں اور صحنوں کو تقسیم کر لے اور جو حصہ اپنے لیے خاص کیا ہے اسی میں رہے۔ یا یہ کیا جائے کہ اس میں دونوں فریق اپنے اپنے حصوں کی نسبت سے کچھ عرصہ تک رہیں اور کچھ عرصہ کے لیے رہائش ترک کر دیں۔ الغرض گھر کا استعمال بہر کیف اس طرح ہونا چاہیئے کہ غیر حاضر شریک کے حصہ کو فائدہ پہنچے۔ اگر اس کے استعمال سے کوئی نقصان ہوا تو اسے گوارا نہ کیا جائے گا اور شریک حاضر شریک غائب کے حصہ کا غاصب متصور ہوگا لہٰذا شریک حاضر پر واجب ہوگا کہ ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھے

Marfat.com

جواس کے شریک کے حق میں کسی نہ کسی طرح مفید ہوں۔

اگر شرکاء میں سے ایک شریک کسی ایسے گھر میں رہتا ہو جس کی ملکیت میں دو اشخاص شریک ہوں اور اس میں سکونت کے باعث گھر کو کوئی نقصان پہنچے تو رہنے والے شریک کو لازم ہے کہ اس کی درستی کرادے۔

تیسرا یہ کہ اگر ایک شریک اپنے مال کو دوسرے کی رضامندی سے اس کے مال میں ملا دے مثلاً دونوں کے پاس ایک ایک بوری گندم ہے اور وہ دونوں اس پر راضی ہیں کہ دونوں گندم کو اکٹھا کر دیا جائے، یا نادانستہ طور پر ایک کا مال دوسرے کے مال میں مل گیا مثلاً دونوں میں سے ایک نے اپنی گندم کو اس کوٹھی (ذخیرہ کرنے کے ظرف) میں ڈالا۔ جو دوسرے کی کوٹھی سے ملحق ہے اور درمیان میں جو آڑ تھی وہ ٹوٹ گئی۔ اور دونوں گندم اکٹھی ہو گئیں تو اس صورت میں دونوں شرکاء میں سے کسی ایک کا دوسرے کی اجازت کے بغیر اپنے حصہ کی گندم فروخت کرنا درست نہیں ہے۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کو گندم کے ایک ایک دانے پر حق ملکیت ہے لہٰذا جب تک دونوں کے حصہ الگ الگ نہ کیے جائیں اور ان کو سپرد کرنے کا اختیار حاصل نہ ہو ملی جلی حالت میں اپنے حصہ کی فروخت کرنا درست نہیں ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ دو اشخاص گندم کی کسی مقدار کے وارث ہوں تو ان میں سے ہر ایک اس اکٹھی گندم میں اپنے اپنے حصہ کا بغیر دوسرے کی اجازت کے مالک متصور ہوگا۔

اگر دونوں میں سے ایک نے اپنی گندم دوسرے کی گندم میں اس کی اجازت کے بغیر شامل کر دی تو اب ملانے والے کو حق ہے کہ وہ تمام گندم فروخت کر دے کیوں کہ ملانے کے بعد وہ دوسرے کے حصہ کا مالک ہو گیا ہے اور اس حصہ کی ادائیگی کا ذمہ دار ہو گیا ہے کیوں کہ اس نے زیادتی سے کام لیا ہے۔

چہارم یہ کہ اگر دو اشخاص مثلاً کسی مکان کی تعمیر میں شریک ہوئے تو دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ زمین جس پر مکان بنا دونوں کی مشترکہ ملکیت ہوگی یا صرف ایک شخص مالک ہوگا اور دوسرا نہ ہوگا، یا پھر یہ کہ وہ زمین کسی تیسرے اجنبی شخص کی ملکیت ہو گی، اگر وہ دونوں اس زمین کے مالک تھے تب تو ان شرکاء میں سے ایک شخص کو مطلق یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنا حصہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کرے؛ قطع نظر اس کے کہ دوسرے شریک نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ فروخت کنندہ کو اس صورت میں یہ حق ہے کہ وہ خریدار سے مطالبہ کرے کہ وہ تعمیر کو ڈھا دے اور زمین کو خالی کر دے کیوں کہ خریدار کو ملبے کے سوا اور کچھ حق نہیں ہے۔ اگر وہ ڈھایا گیا تو اس سے شریک دوم کو نقصان ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ ایک شخص نے نصف مکان فروخت کرنے کے لیے تعمیر کیا ہو، کیوں کہ خریدنے والا اپنا ملبہ جو اس نے خریدا ہے ڈھائے جانے کا مطالبہ کرے گا؛ ایسی صورت میں فروخت کنندہ کو نقصان ہوگا لہٰذا یہ فروخت فاسد ہوگی۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ایک شریک کو یہ حق ہے کہ مشترکہ تعمیر کا نصف حصہ اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کر دے یا یہ حق نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جائز ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے کیوں کہ ایسی حالت میں فروخت کنندہ کو حق ہے کہ اپنے شریک سے جس نے خریدا ہے مطالبہ کرے کہ جو حصہ تعمیر اس نے خریدا ہے اسے منہدم کر دے تا کہ وہ زمین خالی ہو جائے اور ایسا کرنا نقصان دہ ہے۔

Marfat.com

اگر وہ زمین (جس پر دو اشخاص نے مشترکہ تعمیر کی ہے) دونوں میں سے ایک شخص کی ملکیت ہے، دوسرے کی نہیں ہے تو ان دونوں میں سے کسی کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ اپنا حصہ کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرے کیوں کہ اس میں بھی وہی خرابی ہے جس کا ذکر ہوا یعنی یہ کہ خریدار اپنے خرید شدہ ملبہ کے لیے اسے ڈھائے جانے کا مطالبہ کرے گا جس سے دوسرے شریک کو نقصان ہوگا۔ اور ان دونوں شرکاء میں سے ایک شریک کا دوسرے شریک کے ہاتھ اپنے حصہ کا فروخت کر دینا بغیر کسی اختلاف کے درست ہے۔ خواہ خریدار وہ ہو جو زمین کا مالک ہے یا وہ جو زمین کا مالک نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ جو مالک نہیں ہے اسے تعمیر کا حق نہیں ہے لیکن جو شخص مالک ہے اسے یہ کام روا ہے اور جو شے روا ہو اس کا زائل کر دینا درست ہے۔ پس اگر مشترکہ تعمیر کا ایک حصہ مالک زمین کے ہاتھ فروخت کیا جائے تب تو معاملہ ظاہر ہے کہ وہ جو چاہے سو کرے تمام زمین اور اس کی تمام تعمیر اس کی ہے اگر مالک زمین کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت ہو تو اس خریدنے والے کو اور مالک زمین دونوں کو اس کے زائل کر دینے کا حق ہے۔ اب رہی وہ صورت کہ زمین کا مالک شرکاء کے علاوہ کوئی اور شخص ہو۔ مثلاً وہ زمین عاریتاً یا کرائے پر لی ہوئی ہو یا غصب شدہ (ناجائز قبضہ کی ہوئی) ہو یا یہ کہ وہ وقف ہو اور دو اشخاص نے مشترکہ طور پر اس میں عمارت کھڑی کی تو ان میں سے کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنا حصہ کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کر دے کیوں کہ جو شخص خریدے گا اسے یہ حق ہے کہ وہ ملبہ جو اس نے خریدا ہے اسے حاصل کرے اور ایسا کرنے میں شریک ثانی کو نقصان ہے۔ البتہ شرکاء میں سے ہر ایک کو اپنا حصہ اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کر دینا جائز ہے بشرطیکہ اس سے کوئی نقصان نہ ہو۔ اگر دو اشخاص نے ایک زمین خاص عرصہ کے لیے عاریتاً حاصل کی اور دونوں نے مشترکہ طور پر وہاں کوئی عمارت بنائی اور اسے مدت گزر گئی تو شرکاء میں سے ہر ایک کو یہ حق ہے کہ وہ اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے کیوں کہ اب ان میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کو منہدم کرنے کا مطالبہ کرے۔ نہ وہ زمین کسی کی ہے اور نہ اس پر کسی کا حق ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ زمین ایک خاص عرصہ کے لیے کرایہ پر لی گئی ہو اور وہ میعاد ختم ہو گئی ہو۔ اگر کرایہ کی مدت ختم نہ ہوئی ہو تو شریک ثانی کے ہاتھ فروخت کرنا بھی درست نہیں ہے کیوں کہ کرایہ دار فروخت کنندہ کو حق ہے کہ وہ اس تعمیر کے ہٹا لینے کا مطالبہ کرے تاکہ کرایہ پر لی ہوئی زمین مالک کے سپرد کر دے۔ البتہ اگر فروخت سے پہلے ہی اس نے اپنے حصہ کو کرایہ پر دے دیا ہو تو ایسا کر سکتا ہے۔

اگر وہ زمین غصب شدہ ہو تو شرکاء میں سے ہر ایک کو اپنا حصہ اپنے ساتھی کے ہاتھ یا کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کر دینے کا حق ہے کیوں کہ وہ تعمیر جو اس زمین پر ہے کسی وقت بھی ڈھائی جانے کے قابل ہے۔

اگر وہ زمین وقف ہے اور عرصہ تک روک رکھنے کے بعد، جیسا کہ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ عرصہ تک اسے روک رکھنا جائز ہے، دو اشخاص نے مشترکہ طور پر عمارت بنالی تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو یہ حق ہے کہ وہ اپنا حصہ کسی اجنبی شخص یا اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کر دے کیوں کہ اب خریدار کی حیثیت زمین کو روک رکھنے اور عمارت کا حصہ دار ہونے میں وہی ہے جو فروخت کنندہ کی تھی لہٰذا اس سے شریک کو کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس نے اپنا حصہ روک رکھنے سے پہلے فروخت کر دیا اور بعد میں اس زمین کو روک رکھا تو وہ فروخت درست ہو

جائے گی کیوں کہ اس میں خرابی کا جو سبب ہے وہ دور ہو گیا یعنی وہ نقصان جو ڈھانے سے فریق ثانی کو ہوتا۔

پانچواں یہ کہ دو اشخاص ایسی شے کے بنانے میں شریک ہوئے جس کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا مثلاً حمام، کشتی، کنواں، یا آلہ آبپاشی (ماکینہ) یا پیسنے کے آلات (ابور) وغیرہ ایسی اشیاء جن کی افادیت تقسیم ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اب اگر اس کی تعمیر ضروری ہو اور شرکاء میں سے کسی نے اس کو بنانا چاہا اور دوسرا مانع ہوا تو اس کا بنانا درست نہیں جب تک کہ اس معاملہ کو عدالت میں نہ پیش کیا جائے کیوں کہ ایسی حالت میں حاکم تعمیر سے روکنے والے کو اس کے لیے مجبور کرے گا۔ پس اس باب میں حاکم عدالت کی اجازت کے بغیر جلدی کرنا اور خودسری سے کام لینا مناسب نہیں ہے تاوقتیکہ اس امر کا یقین نہ ہو کہ حاکم عدالت دوسرے شریک پر لازم قرار دے گا کہ وہ اس کو بنائے۔ اب اگر عدالت نے بنانے کا حکم دے دیا اور وہ شخص مجبوری یا دشواری کے باعث عمل درآمد نہ کر سکا تو بقول مفتیٰ بہ حاکم اس شخص کو جو بنانے پر تیار ہے بنانے کی اجازت دے دے گا اور دوسرے شریک کو اس سے فائدہ اٹھانے کی ممانعت کر دے گا یہاں تک کہ وہ شخص اس کی تیاری میں اپنے حصہ کے مصرف نہ ادا کر دے۔ یہی حکم ہر ایسی شے کے بارے میں ہے جس کی تقسیم ممکن نہ ہو کہ حاکم اس کام سے انکار کرنے والے کو شریک کے ساتھ کام پر مجبور کرے۔

اگر کسی شریک نے اپنے ساتھی کی اجازت یا حاکم کے حکم کے بغیر کار تعمیر کیا تو وہ اس میں رضا کار متصور ہو گا اور جو کچھ خرچ کیا ہے اس کا مطالبہ نہیں کر سکے گا۔

اگر دو شخص ایسی املاک میں شریک ہوں جن کو تقسیم کیا جا سکے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی:

پہلی صورت یہ ہے کہ شرکاء میں سے ایک شریک کا اس کی تعمیر میں دوسرے شریک کو شامل کرنا ناگزیر ہو مثلاً دو اشخاص نے ایک ایسی عمارت کے بنانے میں شرکت کی جس کی اوپری منزل ایک شریک کی ہو اور دوسری منزل دوسرے شریک کی۔ اب ظاہر ہے کہ اوپری منزل کے لیے نچلی منزل کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اگرچہ دونوں کے لیے مستقل مکان ہیں لیکن ان میں سے ایک کی تعمیر دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ حاکم دوسرے شریک کو تعمیر کے لیے مجبور نہ کرے گا۔ اب اگر اوپری منزل والا خود نچلی منزل کی تعمیر سے عاجز ہو اور اسے نچلی منزل کی ضروری تعمیر پر اخراجات کرنے پڑے تو اسے حق ہے کہ نچلی منزل کی تعمیر کے مصارف کا مطالبہ اپنے شریک سے کرے کیوں کہ وہ مجبور ہے کہ اس کی شرکت سے کام کرے۔ ایسی صورت میں ابتداء حاکم کے فیصلہ کی ضرورت نہیں ہے، لیکن بعد میں جو کچھ خرچ کیا ہے اس کے مطالبہ کا حق ہے۔ یہی حکم ہر ایسی شے کے بارے میں ہے جو قابل تقسیم ہو۔ مگر مجبوراً دوسرے شریک کے ساتھ شامل کار ہونا پڑے جیسے ایک دیوار دونوں شرکاء کی چھتوں کے درمیان ہو؛ اگر یہ دیوار گر گئی اور قابل تقسیم تھی کہ اس کا آثار چوڑا ہو اور اس کی تقسیم اس طرح ہو سکتی ہے کہ شرکاء میں سے ایک آدھی دیوار لے لے اور دوسری نصف چھوڑ دے یا حاکم نے ایسا ہی فیصلہ کر دیا ہو تو جس نے اس کی تعمیر پر خرچ کیا اس کے اخراجات کا مطالبہ تو کر سکتا ہے لیکن اگر وہ تعمیر دیوار سے انکار کرتا ہے تو اسے تعمیر کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا کیوں کہ وہ دیوار قابل تقسیم ہے۔ ہاں اگر ایک شریک تقسیم کا مطالبہ کرے تو قول مفتیٰ بہ کے مطابق تقسیم پر اسے مجبور کیا جائے گا۔ اگر دیوار کی موٹائی اتنی تنگ ہے کہ اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی تو

Marfat.com

ایسی صورت میں یہ معاملہ پہلی قسم کے تحت آتا ہے جس میں حاکم اس شریک کو تعمیر پر مجبور کر سکتا ہے لہٰذا اس معاملہ کو عدالت میں لے جانا درست ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شریک تعمیر کے لیے دوسرے کو شامل کرنے پر مجبور نہ ہو مثلاً ایک مکان دو آدمیوں کی مشترکہ ملکیت ہے اور مکان قابل تقسیم ہے؛ وہ منہدم ہو گیا تو دونوں شرکاء کو اس کے باہم تقسیم کا حق ہے۔ لیکن ایک شریک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر اس مکان کو بنا لیا تو اس کا یہ فعل رضا کارانہ ہوگا اور اپنے شریک کے حصہ کی تعمیر میں جو کچھ اس نے لگایا وہ اس کا اپنا خرچ ہے۔

یاد رہے کہ عدالت کسی شریک کو ان تین صورتوں کے سوا تعمیر پر مجبور نہیں کر سکتی:

اول یہ کہ مشترکہ املاک کو تقسیم کرنا ممکن نہ ہو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

دوم یہ کہ شرکاء نابالغ ہوں اور ہر ایک کا وصی (ولی یا سرپرست) ہو۔ اب اگر دو نابالغ بچوں کے مکان کی چھتیں مشترکہ دیوار پر قائم ہیں اور اس دیوار میں شگاف آ گیا اور دونوں کے سرپرستوں میں سے ایک تو دیوار کے بنانے پر تیار ہے اور دوسرا انکاری ہے تو عدالت انکار کرنے والے کو تعمیر کے لیے مجبور کر سکتی ہے خواہ وہ قابل تقسیم ہو یا نہ ہو لیکن اگر انکار کرنے والا بالغ ہے تو جیسا کہ بتایا گیا، اگر وہ دیوار قابل تقسیم ہے تو عدالت اس کی تعمیر پر مجبور نہ کرے گی کیوں کہ بالغ شخص اس کے نقصان سے آگاہ ہے اور اس پر راضی ہے۔ لیکن نابالغ کو علم نہیں ہوتا اور وصی چاہتا ہے کہ اس میں مداخلت کرے تو عدالت ایسی صورت میں شریک کو اس کے بنانے پر مجبور کرے گی۔ اگر شرکاء میں سے ایک نابالغ ہو اور دوسرا بالغ ہو اور نقصان کا اندیشہ بالغ کو ہو تو نابالغ کے ولی کو مجبور نہ کیا جائے گا۔ اگر ضرر کا اندیشہ نابالغ کو ہو تو بالغ کو مجبور کیا جائے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دو اشخاص ایک وقف مکان کے مشترکہ طور پر نگران ہوں اور اس میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے۔ دونوں میں سے ایک اس کے بنانے کے لیے تیار ہو اور دوسرا انکار کرے تو بقول مفتیٰ بہ مال وقف سے اس کو تعمیر پر مجبور کیا جائے گا۔

اگر ایک ایسے مکان میں دو اشخاص کی شرکت ہو جس کا کچھ حصہ وقف ہو اور کچھ مملوکہ ہو اور وقف شدہ حصہ کو نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کے نگران کو تعمیر کے لیے مجبور کیا جائے گا۔ اگر مملوکہ حصہ کو ضرر کا اندیشہ ہو تو مجبور نہ کیا جائے گا۔

شرکت عقود (یعنی معاہدہ کے ذریعہ شریک ہونے) کی تین قسمیں ہیں: یعنی یہ شرکت یا تو مال میں ہوگی یا محنت مشقت میں یا وجاہت سے یعنی کام لینے میں پھر ان تینوں شرکتوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں: شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان۔ پس شرکت کی مجموعی اقسام چھ ہو گئیں۔

پہلی قسم شرکت مال جس سے مراد یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص مال کی کوئی مقدار مشترکہ طور پر لگائیں تا کہ اس سے کاروبار کر کے فائدہ اٹھایا جائے اور شرکاء میں سے ہر ایک کو منافع کا ایک حصہ مقرر کیا جائے۔ پھر شرکت مال کی دو صورتیں ہیں: شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان۔ شرکت مال میں مفاوضہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ طور پر یہ معاہدہ کریں کہ وہ باہم مل کر کام کریں گے اور شرط یہ ہوگی کہ دونوں کا سرمایہ برابر خرچ برچ کا یکساں اختیار اور مذہب ایک ہوگا اور دونوں میں

Marfat.com

سے ہر ایک تمام ضروری کاموں مثلاً خرید وفروخت میں ایک دوسرے کے ذمہ دار ہوں گے۔ گویا دونوں شرکاء امور متعلقہ شرکت میں ایک دوسرے کے وکیل ہیں۔ اس معاہدہ میں یہ صحیح نہیں ہے کہ شرکاء مفاوضہ میں سے کسی ایک کا سرمایہ دوسرے سے کم ہو۔ اس میں یہ شرط ہے کہ سرمایہ کا مال ایسی شے ہو جس میں شرکت درست ہوتی ہے یعنی سرمایہ نقدی کی صورت میں ہو اور یہ نہ ہو کہ ایک نے ہزار اشرفی لگائی ہو اور دوسرے نے پانچ سو۔ ہاں اگر مال دونوں کا برابر ہو لیکن شرکاء میں سے ایک کا سامان خانہ تجارت کا مال اور مکان بھی ہو تو یہ ممکن ہوگا کہ ان میں سے ایک کا حق تصرف دوسرے کے حق تصرف کے مقابلہ میں کم ہو۔ نابالغ بچے اور بالغ شخص کے درمیان یہ معاہدہ درست نہ ہوگا اور نہ آزاد شخص اور ماذون غلام جس کو آقا نے تجارت کی اجازت دے رکھی ہو کے درمیان درست ہے۔ اسی طرح مختلف مذہب رکھنے والے اشخاص کے درمیان بھی مشارکت درست نہیں ہے۔ پس مسلم اور کافر کی شرکت صحیح نہیں ہے اور ظاہر ہے مال میں تصرف کی یکسانیت کے لیے دین میں یکسانیت لازم ہے۔ یہ تصریح مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے کی گئی ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ شرکاء باہم مختلف مذاہب کے ہوں تو شرکت مفاوضہ درست ہے البتہ مکروہ ہے۔ اور یہ شرط شرکت کفالت اور شرکت وکالت یعنی مشترکہ ذمہ داری اور مشترکہ نمایندگی میں بھی ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر شرکت کے معاملہ میں یہ شرط ملحوظ نہ رکھی گئی ہو تو شرکت درست نہ ہوگی۔

شرکت مالی کی دوسری صورت شرکت عنان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو اشخاص تجارت کی مختلف چیزوں میں سے کسی ایک شے کی تجارت مشترکہ طور پر کریں۔ مثلاً گندم یا روئی کی تجارت میں شریک ہوں یا پھر ہر قسم کے مال تجارت میں شریک ہوں۔ اس میں کفالت کی شرط نہیں رکھی جاتی یعنی فریقین ایک دوسرے کے نقصان یا مال کے ذمہ دار نہیں ہوتے لہٰذا اس میں وکالت تو ہوتی ہے کفالت نہیں ہوتی۔ وکالت ہونے اور کفالت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کی نمایندگی تو کرتا ہے لیکن دوسرے کے نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا لہٰذا یہ شرکت مسلمان اور کافر کے درمیان نیز نابالغ یا غلام ماذون جسے تجارت کی اجازت دی گئی ہو اور بالغ شخص کے درمیان ہو سکتی ہے اور اس میں راس المال یعنی سرمایہ کے حصص کا برابر ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ غرض مالی شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان میں فرق یہ ہے کہ شرکت مفاوضہ میں شرکاء کفالت کے اہل ہوتے ہیں، اس لحاظ سے کہ شرکاء بالغ، آزاد اور ہم مذہب ہوتے ہیں اور سرمایہ میں سب کا حصہ برابر ہوتا ہے۔ شرکت عنان میں یہ شرط نہیں ہوتی جیسا کہ ابھی بتایا گیا۔

دوسری قسم شرکت اعمال ہے اور وہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ صنعت کار، دونوں ترکھان ہوں، یا لوہار ہوں یا ایک ترکھان ہو اور دوسرا لوہار ہو اور دونوں باہم یہ معاہدہ کریں کہ بغیر مال لگائے مل کر کام محنت مشقت کریں گے اور جو کچھ کمائیں گے اس کو باہم تقسیم کر لیں گے اور شرکت کی حیثیت یہ ہے کہ ان شرکاء میں سے ہر ایک جائز کام حاصل کرنے میں اپنے ساتھی کا وکیل ہوگا، خواہ وہ وکیل صنعت کاری میں اچھا ہو یا نہ ہو۔

شرکت ابدان یا شرکت اعمال کی بھی دو صورتیں ہیں یعنی اعمال میں شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان۔

پہلی صورت شرکت ابدان مفاوضہ ہے۔ اس شرکت کے معاہدہ میں لفظ مفاوضہ یا اس کا ہم معنی لفظ استعمال کرا

Marfat.com

جاتا ہے بایں طور کہ فریقین صنعت کار باہم یہ شرط کریں گے کہ ہم مل کر کام ہاتھ میں لیں گے اور نفع نقصان میں باہم برابر کے شریک ہوں گے اور یہ کہ ہر حالت میں جو بسلسلہ شرکت کار پیش آئے اس میں باہم ایک دوسرے کے ذمہ دار ہوں گے۔

شرکت اعمال کی دوسری صورت شرکت عنان ہے اور وہ یہ ہے کہ شرکاء کے کام اور اجرت میں تفاوت کی شرط طے ہوئی ہو بایں طور کہ مثلاً شرکاء یہ طے کریں کہ ان میں سے ایک کو کارکردگی کے صلہ میں دو تہائی ملے گا اور دوسرے کو ایک تہائی اور نفع ونقصان بھی اسی نسبت سے ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہوگا جب کہ معاہدہ میں لفظ عنان استعمال کیا جائے عنان ایسی شرکت کو کہتے ہیں جس میں شرکاء کے درمیان امتیاز روا رکھا گیا ہو۔

تیسری قسم شرکت وجوہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دو اشخاص جو ذی وجاہت اور معتبر اشخاص ہوں باہم شریک کار ہونے کے لیے یہ طے کریں کہ وہ اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر سامان تجارت بعد میں ادائیگی قیمت کے وعدہ پر یا ادھار خرید کریں اور اس سے جو فائدہ ہو اس میں دونوں کا حق ہو۔

شرکت وجوہ کی بھی دو صورتیں ہیں: مفاوضہ اور عنان۔ شرکت وجوہ مفاوضہ یہ ہے کہ وہ دونوں شرکاء کفالت کے اہل (یعنی ایک دوسرے کی ذمہ داری اٹھانے والے) ہوں اور یہ کہ دونوں آدھے آدھے مال کے خریدار متصور ہوں گے، یعنی دونوں میں سے ہر ایک پر دام کی ادائیگی واجب ہوگی اور یہ کہ نفع میں برابر کے شریک ہوں گے۔ اور معاہدے میں مفاوضہ باہم سپردگی یک دگر کے الفاظ استعمال کریں گے اور اس کے مفہوم کی گہرائی بتادی جائے گی۔ پس شرکاء میں سے ہر ایک مطالبات اور واجبات یعنی لین دین کی ذمہ داری میں دوسرے کا وکیل ہوگا۔

دوسری صورت شرکت وجوہ کی عنان ہے جس میں یہ تمام قیود عائد نہ کی جائیں گی، یعنی دونوں باہمی کفالت قبول نہ کریں گے اور جو مال انھوں نے خریدا ہے ان میں باہم کمی بیشی ہو۔ مثلاً ایک شریک صرف ایک چوتھائی مال خریدے اور دوسرا باقی تمام مال تین چوتھائی خریدے اور ایسی کوئی شرط نہ ہو جس سے مفاوضت باہم سپردگی یک دگر سمجھی جائے۔

واضح ہو کہ شرکت کی تمام قسمیں یہ ہیں۔ حنفیہ معاملہ مضاربت کو شرکت کی اقسام میں شمار نہیں کرتے، کیوں کہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس میں شرکاء کا حصہ منافع حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ جب تک نفع حاصل نہ ہو حالات کے مختلف ہونے کی بنا پر صورت معاملہ مختلف ہوتی ہے جیسا کہ مضاربت کے بیان میں بتایا گیا۔ علاوہ اس کے مضاربت کا معاملہ قیاس یعنی اصول مشارکت کی بنا پر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مضاربت کو دوسری اقسام شرکت کے خلاف جو قیاس پر مبنی ہیں، ایک جداگانہ کے تحت رکھا گیا ہے۔ بعض مسالک کی رو سے مضاربت کو بھی معاملات شرکت میں شمار کیا گیا ہے کیوں کہ اس میں نفع کے اندر مشارکت ہوتی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک شرکت کے اقسام:

(۱) شرکت الارث (وارثوں کا مال میراث میں شریک ہونا) (۲) **شرکت الغنیمت** (لشکر کا مال غنیمت میں شریک ہونا)

(۳) شرکت المبتا عین (کسی چیز کو مشترکہ طور پر خریدنا مثلاً دو یا زیادہ اشخاص مل کر کوئی مکان وغیرہ خریدکریں)

نوٹ: حنفیہ اسی کو شرکت ملک سے تعبیر کرتے ہیں۔

Marfat.com

مالکیہ کے نزدیک ''شرکت'' کے بارے میں حکم یہ ہے کہ شرکاء میں سے کسی شریک کے لیے جائز نہیں کہ شریک ثانی کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف کر سکے۔ ایسا کرنے کو غصب (تصرف بے جا) کے مانند کہا گیا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ پس اگر کسی شریک نے ایسی زمین میں جو دونوں کی مشترکہ ہو زراعت کر لی یا اس پر تعمیر کھڑی کی تو قول اول کے مطابق وہ کھیت اکھاڑ دیا جائے گا اور مکان منہدم کر دیا جائے گا۔ اور بقول ثانی وہ کھیتی اور تعمیر قائم رکھی جائے گی اور اس میں شریک کا جو حصہ ہے اسے کرایہ ادا کرنا ہوگا۔ اور شریک ثانی کو اس تعمیر کی لاگت ادا کرنا ہوگا جو شرکت کے شبہ میں بنائی گئیں۔

واضح ہو کہ شرکت ملک میں (مندرجہ ذیل) چند باتیں پیش آسکتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے

کہ دو یا زیادہ اشخاص ایسی املاک میں شریک ہوں جن کی تقسیم نہ کی جا سکے جیسے حمام، تنور یا کشتی۔ پھر وہ املاک خراب ہو جائیں۔ ایک شریک اس کو بنانا چاہے لیکن دوسرا شریک منع کرے تو ایسی صورت میں انکار کرنے والے کے خلاف یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ بھی اس کے بنانے میں شریک ہو جائے یا اپنے حصہ کو اپنے اس شریک کے ہاتھ فروخت کر دے جو اس کے بنانے پر تیار ہے، گو منع کرنے والا اس املاک کے بیشتر حصہ کا مالک ہو۔ یا پھر وہ حصہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ جو تعمیر کرنا چاہے فروخت کر دے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے خلاف یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ اس املاک کا صرف اس قدر حصہ فروخت کر دے جس سے تعمیر کی جا سکے، لیکن پہلی بات ہی قابل ترجیح ہے تا کہ شرکاء کی تعداد زیادہ نہ ہو جائے۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس ناقابل تقسیم املاک کا کچھ حصہ مملوکہ ہو اور کچھ وقف ہو اور جس کے لیے وہ وقف ہے وہ یا ناظم وقف تعمیر سے انکار کرے۔ اس صورت میں یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ شریک اس کو بنا لے اور تعمیر پر جو خرچ آیا ہے وہ اس کی آمدنی سے پورا کر لے۔ اور فروخت ہی کرنا ہو تو صرف اس قدر حصہ فروخت کیا جائے جس سے تعمیر کا خرچ پورا ہو سکے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ شرکاء کی تعداد کم ہو جیسا کہ املاک غیر موقوفہ کے بارے میں ذکر ہوا۔ وقف شدہ املاک کو فروخت کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا، سوا اس صورت کے جب کہ اس وقف سے کوئی آمدنی نہ ہوتی ہو جس سے کہ اس کی تعمیر کی جا سکے اور نہ کوئی ایسا کرایہ دار ملتا ہو جو اتنے سال کا کرایہ فوری طور پر ادا کر دے جو اس کی تعمیر کے لیے مکتفی ہو۔ اگر ایسا ممکن ہو تو اس کی فروخت کا حکم نہ دیا جائے گا۔

یاد رہے کہ (مذکورہ بالا) دونوں صورتوں میں وقف جائداد کو فروخت کرنے کا فیصلہ نہ کیا جائے گا بجز اس کے کہ پہلے تعمیر کا حکم دیا جائے گا۔ اگر تعمیر کے حکم کی تعمیل نہ ہو تب ہی فروخت کا حکم دیا جائے گا۔ (شرکت ملک میں پیش آنے والی باتوں میں سے) ایک یہ ہے کہ مثلاً دو شخص ایک مکان کے مشترکہ مالک ہوں جن میں سے ایک نچلی منزل کا اور دوسرا اوپری منزل کا مالک ہو، پھر نچلی منزل شکستہ ہو گئی یا اس کی دیواریں اتنی کمزور ہو گئیں کہ اوپری منزل کو نہ سنبھال سکیں تو ایسی صورت میں حاکم اس کی درستی کا حکم دے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے خلاف شرائط سابقہ کے مطابق یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ ایسے شخص کے ہاتھ اسے فروخت کر دے جو اس کی تعمیر کے لیے تیار ہو، خواہ وہ جائداد کسی کی مملوکہ ہو یا وقف ہو۔ اور نچلی منزل والے پر لازم ہوگا کہ اپنی منزل کی تعمیر کے وقت اوپری منزل کو گرنے سے محفوظ رکھے خواہ بغیر سہارا دے یا گرنے سے بچانے کے لیے اڑواڑ وغیرہ لگا کر۔ اور تنازع کی صورت میں چھت ڈالنا بھی اس پر لازم ہوگا کیوں کہ چھت کا تعلق

Marfat.com

اسی سے ہے۔ نچلی منزل والے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اوپری منزل پر جانے کے لیے زینہ بنائے۔اس طرح یہ بھی لازم نہیں ہے کہ وہ چھت کے اوپر پتھر کا فرش لگائے۔(اس بارے میں) نزاع کی صورت میں یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ چھت ڈالنا نچلی منزل والے کا کام ہے اور فرش لگوانا اوپر منزل والے کا کام ہے۔لیکن پاخانہ جو نچلی منزل میں واقع ہے اس کی جھاڑو بہارو دونوں نچلی اور اوپری منزل والوں کا مشترکہ کام ہے۔جیسا دستور ہو اسی کے مطابق عمل ہوگا۔اگر کوئی عام دستور نہ ہو تو دونوں شرکاء جس قدر استعمال کرتے ہیں۔اس کے مطابق عملدرآمد کریں۔یہی حکم ان پاخانوں کا ہے جو کرایہ کے مکانوں میں ہوں کہ ان کی جھاڑو بہارو اور صفائی عام دستور کے مطابق ہوگی۔کوئی عام دستور نہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ مالک مکان کی ذمہ داری ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کرایہ دار کا کام ہے۔لیکن بارش کی وجہ سے جو کیچڑ (یا گیلی مٹی) بازاروں میں اکھٹی ہو جاتی ہے اس کا صاف کرنا دکان داروں کا کام نہیں ہے۔ہاں اگر انھوں نے اس کو خود بازار کے بیچ میں اکھٹا کر دیا ہو جس سے آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہو تو ایسی حالت میں دکان داروں پر لازم ہے کہ وہی اسے صاف کریں۔(شرکت ملک میں) ایک بات یہ پیش آسکتی ہے کہ شرکاء میں سے ایک کے پاس نچلی منزل ہو اور دوسرے کے پاس اوپری منزل ہو اور اوپری منزل والا ایک اور تیسری منزل بنانے کا ارادہ کرے تو اسے اس کا اختیار نہ دیا جائے گا اور اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ ایسا نہ کرے؛ بجز اس صورت کے جب کہ نچلی منزل کو نہ سردست کوئی نقصان ہو اور نہ آئندہ ایسے نقصان کا اندیشہ ہو۔اس بارے میں کسی واقف کار سے جو اس معاملہ میں پورا ادرک رکھتا ہو دریافت کیا جائے گا۔

ایسی ہی ایک بات یہ ہے کہ کوئی مکان تین اشخاص کی مشترکہ ملکیت ہو اور وہ منہدم ہو جائے؛ ان میں سے ایک شخص اس کے بنانے کو تیار ہو اور باقی دو شرکاء انکار کریں تو اس شخص کو حق ہوگا کہ وہ مکان بنالے اور اس کی تمام آمدنی حاصل کرتا رہے، یہاں تک کہ جس قدر اس نے خرچ کیا ہے وہ پورا ہو جائے اس کے بعد جو آمدنی ہوگی وہ تمام شرکاء میں تقسیم ہو گی۔ہاں اگر اس کے اخراجات ان دونوں نے ادا کر دیے ہوں تو تعمیر کرنے والے شخص کو اس کے بعد اس کی تمام آمدنی پر قبضہ کرنا درست نہیں ہے۔

یاد رہے کہ صورت مذکورہ میں آمدنی پر قبضہ کرنا اسی صورت میں ہوگا جب کہ یہ چار باتیں پائی جائیں:۔

اول یہ ہے کہ اس نے اپنے شرکاء سے تعمیر کی اجازت مانگی ہو اور انھوں نے انکار کر دیا ہو۔

دوم یہ کہ پہلے تو انکار نہ کیا ہو بلکہ خاموش رہے ہوں اور تعمیر ہو رہی تو انکار کریں۔

سوم یہ کہ ان سے پوچھا گیا تو انکار کر دیا لیکن تعمیر ہوتے دیکھ کر کچھ نہ کہا۔

چہارم یہ کہ پہلے تو تعمیر کی اجازت دے دی لیکن بعد میں کہ ہنوز سامان تعمیر خریدا نہ گیا تھا کہ وہ انکاری ہو گئے اور ان کے منع کرنے کے بعد وہ مکان تعمیر کیا گیا۔

ان چار صورتوں میں اس مکان کی پوری آمدنی پر تعمیر کرنے والے کا حق ہے۔ان صورتوں کے علاوہ اگر اس کی تعمیر کی گئی تو جو کچھ خرچ ہوا وہ دوسرے شرکاء کے ذمہ قرض متصور ہوگا۔

شرکت ملک میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پڑوسیوں میں سے کسی پڑوسی کی دیوار دوسرے پڑوسی کے گھر سے لگی ہوئی ہو

Marfat.com

اوراس دیوار کی مرمت مطلوب ہواور پڑوسی کے گھر میں داخل ہوئے بغیر ممکن نہ ہوتو پڑوسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس دیوار کی مرمت اور درستی کے لیے اپنے گھر میں داخل ہونے سے منع کرے۔ اگر وہ منع کرے تو اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا جس کی رو سے وہ باڑ وغیرہ کے لیے کوئی لکڑی وغیرہ وہاں گاڑ سکے گا اور کوئی کپڑا اگر گیا یا کوئی جانور چلا گیا تو اسے لانے کا موقع دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر بیت الخلا کا گڑ پڑوسی کے گھر میں ہوتو یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ اس کو صاف کرنے کے لیے صفائی کرنے والے وہاں جاسکیں۔ ہاں پڑوسی کو یہ حق ہے وہ گارا چونا اپنے مکان میں لانے سے منع کرے اور تعمیر کرنے والے کو لازم ہے کہ گھر کی چار دیواری میں کوئی راستہ ضروری سامان تعمیر لے جانے کے لیے کھول لے تا کہ پڑوسی کا گھر گندا نہ ہو۔

ایک بات یہ ہے کہ اگر دو پڑوسیوں کے مکانوں کے درمیان کوئی پردہ کی دیوار ہو اور کسی وجہ سے ایک پڑوسی کو اسے گرانا ضروری ہو جائے اور اس کی وجہ سے دوسرے پڑوسی کا مکان بے پردہ ہو جائے تو فیصلہ کیا جائے گا کہ جس نے اس دیوار کو گرایا ہے اسے دوبارہ بنادے۔ ہاں اگر دیوار میں دراڑ آ گئی ہو اور اس سے نقصان کا اندیشہ ہو، یا وہ دیوار خود ہی گر پڑے تو اس صورت میں یہ حکم نہ دیا جائے گا کہ پڑوسی اس کی تعمیر کرے بلکہ اس کو جس کی بے پردگی ہو رہی ہو کہا جائے گا کہ وہ چاہے تو اپنے پردہ کی خاطر دیوار بنالے۔ شرکت ملک میں ایک بات یہ پیش آسکتی ہے کہ لوگوں کے مشترکہ راستے میں کوئی شخص عمارت بنالے تو اسے حکم دیا جائے گا کہ جو بنایا ہے اسے گرادے خواہ وہ عمارت آنے جانے والوں کے لیے نقصان دہ نہ ہو اور خواہ وہ راستہ چالو ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر کسی جگہ پر ایک شخص کا مملوکہ مکان تھا اور وہ گر گیا اور راستہ بن گیا تو اس سے مالک کا حق ملکیت زائل نہیں ہوتا لہٰذا اسے وہاں پر تعمیر مکان سے منع نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ جگہ اسی حال میں ایک طویل زمانہ تک، جس کی مدت بعض اصحاب نے دس سال بتائی ہے گزر جائے تو اس کا حق ملکیت زائل ہو جائے گا۔

ایک بات یہ پیش آسکتی ہے کہ مکان کے سامنے کھلی جگہ ہے، اس میں خوانچہ فروشوں کو بیٹھنے سے منع نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی اجازت دی جائے گی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کھلے چالو راستے میں لوگوں کے آنے جانے کے وقت پھیری لگاتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ عمل دن کے کچھ حصے میں ہونا چاہیے تمام دن جاری رہنے سے منع کیا جائے گا اور بقول راجح اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہی حکم دکانوں کے سامنے کی کھلی جگہ کا ہے اور گھروں کے سامنے یا اس کے آس پاس بیٹھ کر غپ شپ کرنے سے منع کیا جائے گا کیوں کہ اس میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور آنے جانے والوں کے لیے زحمت بھی ہوتی ہے۔ اگر دو تھڑی لگانے والوں میں کسی جگہ پر بیٹھنے کے بارے میں جھگڑا ہو تو جو پہلے وہاں پہنچا ہے اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا۔ مسجد میں جگہ لینے کا بھی یہی حکم ہے کہ جو پہلے آئے گا وہ پہلی جگہ لے گا۔ ہاں اگر کوئی درس دینے والا مفتی ہو جسے تعلیم دینا یا فتویٰ دینا ہے تو نشست کے معاملہ میں اسے مقدم رکھنا بہتر ہے۔ یعنی جو پہلے سے آگیا ہے اسے چاہیے کہ استاد کو اپنی جگہ دے دیں۔

شرکت ملک میں ایک بات یہ بھی پیش آسکتی کہ کسی پڑوسی نے اپنی دیوار میں جو پڑوسی کے مکان کے درمیان ہے کوئی موکھا کھولا جس سے پڑوسی کی بے پردگی اور گھر والوں کا سامنا ہوتا ہو تو اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ موکھا بند کرے اور اس میں کچھ خلا باقی نہ رہے جس پر پڑوسی کو احتجاج کرنا پڑے۔ ہاں اگر وہ دراڑ ایسی ہو کہ اس سے شکل دکھائی نہ دے یا

Marfat.com

کھیت اور جانوروں کی جانب کھلتی ہوتو اسے بند کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیوں کہ اس سے کوئی حرج نہیں ہے۔ پڑوسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایسے موکھے کو بند کرنے کا مطالبہ کرے جو دس سال سے ہو اور کچھ نہ کہا گیا ہو۔

ایک اور بات یہ ہے کہ پڑوسی کو یہ حق ہے کہ ایسی تعمیر سے منع کرے جس میں دھواں نکل کر پڑوسیوں اور گھر کے رہنے والوں کو نقصان پہنچائے جیسے حمام، باورچی خانہ یا تنور وغیرہ بنانا۔ اسی طرح یہ بھی منع ہے کہ ایسی جگہ بنائی جائے جہاں سے ناگوار بدبو نکلتی ہو جیسے چمڑا تیار کرنے یا گوشت وغیرہ بھوننے کی جگہ۔ لیکن اس کی ممانعت اس حال میں ہوگی جب کہ ایسی جگہ بعد میں بنائی جائے۔ اگر پہلے ہی سے یہ جگہ بنی ہوئی ہے اور پڑوسی بعد میں آئے ہوں تو اس کو ہٹانے کا حکم نہیں دیا جائیگا۔

ایک اور بات یہ ہے کہ لوگ اپنی قیام گاہ کے قریب اناج وغیرہ چھڑنے کی جگہ بنانے سے منع کر سکتے ہیں کیوں کہ چھڑنے سے جو گرد و غبار اٹھتا ہے اس کی دھانس نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس بارے میں دکان کا بھی وہی حکم ہے جو گھر کا ہے (کہ دکان کے قریب بھی اس کی ممانعت کی جا سکتی ہے)۔

اسی طرح ایسی شے کے بنانے سے بھی منع کیا جا سکتا ہے جو مکان کی دیوار کو نقصان پہنچائے جیسے چکی، کوٹنے والی مشین، کنواں، پاخانہ یا اصطبل وغیرہ۔ البتہ لوہار، کسیرے اور ترکھان وغیرہ کو ان کے پیشے کے کاموں سے منع نہیں کیا جا سکتا تا آنکہ پاس کے مکان کی دیوار کو ضرر نہ پہنچے۔ محض اس لیے کہ لوگوں کو (اس کا شور) ناگوار ہے انھیں روکا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح رنگ ساز کو جو کپڑوں کو کوٹ کر رنگتا ہے منع نہیں کیا جا سکتا۔ نیز مکان یا دکان کے سامنے خرید و فروخت کا تھڑا بنانے سے روکا جا سکتا ہے، بشرطیکہ گھر میں رہنے والوں کو تکلیف دہ ہو، ان کی آزردگی کا موجب ہو۔ کسی مالک مکان کو چالو راستے یا کھلی جگہ کی جانب دروازہ کھولنے سے بھی منع نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ دروازہ پڑوسی کے گھر کے دروازہ کے سامنے کھلتا ہو۔ اسی طرح کوئی شخص ایسی عمارت بنانے سے منع نہیں کر سکتا جس سے اس کے مکان میں روشنی یا دھوپ میں رکاوٹ ہوتی ہو۔ تاہم تعمیر کرنے والے کو چاہیئے کہ ایسی تعمیر سے دستکش رہے جو پڑوسیوں کو روشنی اور دھوپ سے محروم کر دے۔ یہ امر مستحب ہے کہ ایک شخص اپنے پڑوسی کے لیے راستہ کھول دے جس سے وہ آمد و رفت رکھ سکے بشرطیکہ اس سے خود اس کو نقصان نہ ہو۔ نیز یہ بھی مستحب ہے کہ وہ اپنی دیوار میں، یہ گنجائش رکھے کہ اس کے پڑوسی کو اس میں لکڑی (بالا یا شہتیر وغیرہ) لگانے کی ضرورت پوری کرنے میں سہولت ہو۔ یہ امر بلند اخلاقی کا ثبوت ہے۔

واضح ہو کہ معاملہ شرکت کی مشہور قسمیں جو ان کے علاوہ ہیں جو چھ ہیں: مفاوضہ۔ عنان۔ جبر۔ عمل۔ ذمم اور مضاربہ۔ ان میں سے ہر ایک کی مستقل تعریف ہے۔

بعض اصحاب نے شرکت کی مکمل تعریف یوں بیان فرمائی ہے: شرکت دو یا زیادہ مالکوں کے درمیان مالی ملکیت کا تعین ہے۔ اس تعریف میں ملکیت کے تعین کا مطلب یہ ہے کہ دو یا زیادہ مالکوں کے درمیان ایسی شے کی ملکیت کا تعین کر دیا جائے جس شے کی کوئی مالیت ہو۔ اس قید سے شرکاء کو یہ حق ہے کہ اس شے میں مالک کی حیثیت سے تصرف کریں۔ اس سے غیر مالی حقوق کا تعین خارج ہو گیا جیسے نسب یا ولایت کے حقوق کا تعین۔ چنانچہ دو اشخاص کے درمیان جو رشتہ نسب کا اشتراک ہے وہ مالی اشتراک کا معاملہ نہیں ہے لہٰذا نسب اور ولایت میں ان کا تصرف شرکاء کا سا تصرف نہیں ہے۔ اور ''دو

Marfat.com

مالکوں کے درمیان'' کے الفاظ کہنے سے دو وصیوں یا دو وکیلوں کے درمیان حقوق کا اقرار دینا نکل گیا کیونکہ قاصر (یعنی معذورالتصرف) کا جو مال بذریعہ وصیت دو وصیوں کی سپردگی میں ہو اس مال میں دونوں وصیوں کو شرکت حاصل نہیں ہوتی۔ یہی صورت کسی شخص کے دو وکیلوں کی ہے کہ ان کو مال پر شرکاء کی طرح تصرف کرنے کا حق نہیں ہے کیوں کہ وہ مال کے مالک نہیں ہوتے۔

واضح ہو کہ اس تعریف میں شرکت کی تمام اقسام داخل ہیں خواہ شرکت ورثہ یا شرکت مال غنیمت یا شرکت مال تجارت بصورت مفاوضہ ہو یا بصورت عنان۔ اور شرکت ذمم جو شرکت وجوہ کے نام سے مشہور ہے اس کا معاہدہ ممنوع ہے جیسا کہ اس کی تعریف میں آگے بتایا جائے گا۔ اسی طرح اس تعریف میں شرکت ابدان یعنی شرکت صنعت کاری بھی شامل ہے کیوں کہ اس میں جو مالی نفع حاصل ہوتا ہے شرکاء اس کے مالک ہوتے ہیں۔

بعض اصحاب نے تجارتی شرکت مالی اور اس کی اقسام کی تعریف یوں کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک کی طرف سے دوسرے شریک کو یہ اجازت ہو کہ وہ مشترکہ مال میں تصرف کر سکیں اور انھیں حق ہو کہ وہ اس مال کو اپنے اور دوسرے شریک کے مفاد میں استعمال کر سکیں۔ پس تمام شرکاء دوسرے کے مال کو بھی اپنے شریک اور اپنی ذات کے مفاد میں بکار لا سکیں گے۔ بخلاف وکیل کے جو اپنے موکل کے مال کو صرف موکل کے مفاد میں استعمال کر سکتا ہے۔ اب جملہ اقسام شرکت میں سے ہر ایک کی تعریف جداگانہ بیان کی جاتی ہے۔

شرکت مفاوضہ: یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص باہمی مشترک مال کی تجارت میں شریک ہوں اور شرط یہ ہو کہ اس تجارت کے منافع میں ہر ایک کا حصہ سرمایہ کے مطابق بغیر کسی فرق کے ہوگا اور شرکاء میں سے ہر ایک کو حق ہوگا کہ دوسرے کے مال میں بھی تصرف یعنی خرید و فروخت کرنے، کرایہ پر لینے اور کرایہ پر دینے کی اجازت ہوگی۔ اگر شرکاء نے یہ شرط رکھی کہ ایک شریک کو تو مطلق تصرف کا اختیار حاصل ہوگا، دوسرے کو نہ ہوگا تو اس پابندی کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ یہ شرکت عنان ہے اور آزادی عمل کے لحاظ سے شرکت مفاوضہ ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہی سرے سے فاسد ہے، اور یہی خیال غالب ہے۔

شرکت عمل: جس کو بعض اہل مسالک شرکت ابدان کہتے ہیں، یہ ہے کہ دو یا زیادہ پیشہ ور یا صنعت کار مل کر یہ معاہدہ کریں کہ دونوں مل کر محنت کریں گے اور حاصل شدہ اجرت اپنے اپنے کام کی نسبت سے تقسیم کر لیں گے بشرطیکہ شرکاء ہم پیشہ ہوں مثلاً دونوں شرکاء لوہار، ترکھان، درزی یا جامہ باف ہوں۔ پس لوہار اور ترکھان کا شرکت کرنا درست نہیں ہے اور نہ جامہ باف کے ساتھ کوئی اور پیشہ ور شریک ہو سکتا ہے۔ ہاں ایسے صنعت کاروں کا اشتراک جن کے کام ایک دوسرے پر منحصر ہوں درست ہے مثلاً ایک غوطہ خور جو سمندر میں غوطہ لگا کر موتی نکالتا ہے وہ کشتی بان کے ساتھ جو اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاتا ہے شرکت کرے۔ اور یہ کہ دونوں کام کرنے میں برابر ہوں، یعنی ہر شریک اس کام کی آمدنی میں سے اپنے کام کی مقدار کے مطابق حصہ لے گا۔ اور ان میں سے کسی کا حصہ زیادہ رکھنا بھی، جو عام دستور کے مطابق ہو، درست ہے۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ شرکاء میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ہونا چاہیئے خواہ دو مختلف دکانوں میں کام کرتے ہوں۔ اگر

شرکاء میں سے ہر ایک کے پاس گھسائی، لوہاری اور ترکھانی کے کام کے اوزار ہوں تو ان کا استعمال اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ ایک شریک اپنے اوزار کے نصف کے عوض دوسرے کے اوزار کا نصف حصہ نہ خرید لے تا کہ ان میں سے ہر ایک آدھے حصہ کا تو مالک ہے ہی خریدنے کے بعد دوسرے حصہ کا مالک بھی ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا نہ کریں تب بھی شرکت جائز ہے، لیکن پہلی بات قابل اعتماد ہے۔

شرکت ذمم یہ ہے کہ شرکائے کار باہم یہ معاہدہ کریں کہ کوئی مال بعد میں ادائیگی قیمت کے وعدے پر یا ادھار اور ایک دوسرے کی ضمانت پر خرید کریں گے۔ یعنی ہر ایک دوسرے شخص کا ضامن ہوگا۔ پھر اس خریدے ہوئے مال کو فروخت کر کے حاصل شدہ نفع میں دونوں حق دار ہوں گے۔ اب اگر کسی خاص مال کے خریدنے پر جس کا تعین معاہدہ شرکت کے وقت طے ہو گیا تھا دونوں شرکاء متفق ہو گئے اور دونوں نے یکساں طور پر یہ بار اٹھایا تو یہ درست ہے۔ اس قسم کی شرکت کو بعض مسالک میں شرکت وجوہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک شرکت وجوہ یہ ہے کہ ایک ذی وجاہت معزز شخص ایک گم نام شخص کے ساتھ، جس کی کوئی اہمیت نہ ہو، باہم اس شرط پر شریک کار ہو کہ وہ معزز شخص اس گم نام آدمی کا مال فروخت کرے۔ اور اس کے معزز ہونے کے باعث لوگ اسے قابل اعتماد تصور کر کے اس کا مال خرید لیں جس کے عوض اس شخص کو نفع میں سے ایک حصہ کا حق ہوگا۔ مالکیہ کے نزدیک ایسا کرنا ممنوع ہے کیوں کہ یہ لوگوں کو دھوکہ دینا ہے۔ تاہم اگر ایسا عمل کر لیا جائے تو اس معزز شخص کو نفع میں سے اجر مثل مناسب معاوضہ ملے گا۔ لیکن جس نے وہ مال خریدا ہے اسے اختیار ہے کہ اسی قیمت پر مال کو رکھ لے یا واپس کر دے۔ اگر وہ مال کھپ گیا ہو تو اس کی کم سے کم قیمت خریدار کو ادا کر دینا لازم ہے لیکن اگر شرکت ذمم کا معاہدہ طے پا جائے اور معاہدے پر عمل درآمد ہو جائے تو اس کے نفع میں اس معاہدے کے مطابق جس پر شرکاء باہم متفق ہیں عمل کیا جائے گا۔

شرکت جبر یہ ہے کہ ایک شخص کوئی مال اس تاجر کی موجودگی میں جو اس مال کی تجارت کرتا ہو خرید کرے اور خریدار کے ذہن میں یہ نہ ہو کہ وہ مال کو اپنے لیے خرید رہا ہے اور تاجر نے اس بارے میں کچھ نہ کہا ہو تو اس تاجر کو یہ حق ہے کہ جس نے وہ مال خریدا ہے اس کے ساتھ خرید میں شرکت کر لے اور خریدار کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس تاجر کو اپنے ساتھ شریک کر لے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں عام مروج طریقہ کے لحاظ سے فیصلہ فرمایا ہے۔

شرکت جبر یہ میں ان چھ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان میں سے تین شرائط کا تعلق مال سے ہے اور تین شرائط کا تعلق اس سے ہے جو شرکت کرنا چاہتا ہے۔ مال کی مخصوص شرطیں یہ ہیں:

مال کو اس بازار سے خریدا جائے جہاں بالعموم اس مال کی تجارت ہوتی ہے اور یہ کہ اس کی خریداری تجارت کی غرض سے ہوئی ہو۔ اگر اس کو رکھ چھوڑنے کے لیے خریدا گیا یا اس لیے خریدا ہے کہ سامان خانہ کے طور پر اس کو استعمال میں لایا جائے تو دوسرے شخص کو اس مال میں شرکت کا حق نہیں ہے اور یہ کہ اس مال کی تجارت اسی شہر میں ہو جہاں وہ خریدا گیا۔ اگر اس مال کو لے کر سفر کرنے کا ارادہ ہے تو اس میں شرکت کے لیے مجبور نہ کیا جائے گا۔

ایسی شرائط جن کا تعلق اس شخص سے ہے جو شرکت کا خواہش مند ہے یہ ہیں کہ وہ شخص مال خریدنے کے وقت موجود

Marfat.com

ہواور یہ کہ وہ اس مال کے تاجروں میں سے ہو جو اس کی موجودگی میں فروخت ہوا اور یہ کہ خریداری کے وقت اس نے کچھ نہ کہا ہو۔ یہاں پر ایک اور شرط خریدار کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ خریدار لوگوں سے یہ نہ کہے کہ یہ میں خرید رہا ہوں اور کسی کو اس میں شریک کرنے کا ارادہ نہیں ہے، اگر کوئی شخص اور لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ اگر یہ کہا تو وہاں پر موجود شخص کو خریدار کے ساتھ شریک ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر اس کا وہ مطالبہ کرے اور یہ مطالبہ مان لیا جائے تو ایسا ہو سکتا ہے۔

شرکت مضاربت کے معنے اور اس کے متعلقہ مسائل باب مضاربت میں پہلے بتائے جا چکے ہیں، وہاں پر ملاحظہ ہوں حنابلہ کہتے ہیں کہ شرکت کی دو قسمیں ہیں: شرکت فی المال (مالی مشارکت) اور شرکت فی العقود (معاملہ میں شریک ہونا)۔

شرکت مال دو یا زیادہ اشخاص کا کسی شے پر مشترکہ حق ہونا۔ یہ حق خواہ ورثے کے مال میں ہو یا خرید کردہ شے میں اور یا بذریعہ ہبہ وغیرہ حاصل شدہ شے میں یہ حق اصل شے اور اس کے فوائد دونوں میں ہو سکتے ہیں یا اس شے کے مالک ہوں اور نفع کے مالک نہ ہوں یا صرف نفع کے مالک ہوں اور اصل شے کے مالک نہ ہوں۔

شرکت عقود سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص کسی شے کے حق استعمال میں شریک ہوں۔ شرکت عقود کی پانچ قسمیں ہیں: شرکت عنان شرکت وجوہ، شرکت ابدان، شرکت مفاوضہ اور شرکت مضاربہ۔

شرکت عنان یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص باہم مشترکہ مال میں شریک ہونے کا اس طرح معاہدہ کریں کہ شرکاء باہم مل کر اس مال میں اضافہ کی کوشش کریں گے اور حاصل شدہ نفع میں طے شدہ شرائط کے مطابق دونوں شریک ہوں گے یا یہ کہ دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ سرمایہ میں اس شرط کے ساتھ شریک ہوں کہ شرکاء میں سے صرف ایک شخص اس مشترکہ سرمایہ سے کاروبار کرے گا جس کے عوض اس کو دوسرے کی بہ نسبت اس سے زیادہ ملے گا جتنا کہ محض شرکت مال سے ملتا۔ یہ مزید حصہ اس کی محنت کا معاوضہ ہوگا۔ اگر یہ طے ہوا کہ کام کے باوجود اسے صرف اسی نسبت سے حصہ ملے گا جس نسبت سے اس نے مال لگایا ہے تو یہ ایضاع (کار بے منفعت) ہے جو درست نہیں ہے کیوں کہ یہ بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کے مال سے کاروبار چلانا ہے۔

شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ معزز اشخاص جنہیں قابل اعتماد مانا جاتا ہے مال تجارت ادھار خریدیں اور اس کی قیمت کی ادائیگی اوٹ لیں۔ پھر اس مال کو فروخت کر دیں اور حاصل شدہ نفع میں نصف یا تہائی وغیرہ باہم طے کر لیں تو یہ مطلقاً جائز ہے، خواہ انھوں نے تجارت کے لیے خاص مال، خاص مقدار یا خاص مالیت کا تعین کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ لہٰذا اگر انھوں نے یہ کہا ہو کہ ہم خواہ کوئی مال خریدیں اس میں ہمارا حق ہوگا تو درست ہے۔

شرکت ابدان (جسمانی محنت میں شریک ہونا) یہ ہے کہ دو یا زیادہ صنعت کار پیشہ ور اشخاص اس شرط پر شرکت کریں کہ شرکاء اپنی جسمانی مشقت سے جو کچھ کمائیں اس سے طے شدہ شرط کے مطابق دونوں کا حق ہو۔ یہ شرکت مطلقاً جائز ہے خواہ ان کے کام ایک ہی قسم کے ہوں یا مختلف ہوں۔ چنانچہ اگر ترکھان اور لوہار دونوں مل کر کام کریں تو ان میں سے ہر ایک کو اجرت وصول کرنے کا حق ہوگا اور کام کرانے والا جسے چاہے کام کی اجرت دے دے۔ بہر حال وہ دونوں کی مشترکہ ہوگی)۔

Marfat.com

واضح ہو کہ ایسے شرکاء کا مباح (یا جائز) اشیاء کا حصول مثلاً شکار کرنا یا لکڑی جمع کرنا وغیرہ بھی شرکت ابدان میں داخل ہے۔

شرکت مفاوضہ سے مراد مال مشترکہ سے اس شرط کے ساتھ نفع حاصل کرنا ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک دوسرے شریک کو خریدنے، فروخت کرنے معاملہ مضاربت کرنے، وکیل بنانے، ادھار بیچنے اور مال کا بھاؤ تاؤ کرنے، رہن رکھنے، رہن کرنے اور ضامن بننے کا پورا اختیار دے دے۔ ہاں اس میں خارجی شے کے اتفافیہ حاصل ہونے والی شے کو داخل کرنا درست نہ ہوگا مثلاً کہیں سے گری پڑی چیز مل جائے یا دفینہ وغیرہ ہاتھ آجائے۔

اب رہا شرکت مضاربت کا بیان سو اس کی تفصیل سابقاً بتائی جا چکی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں جائز شرکت کی صرف ایک قسم ہے اور وہ شرکت عنان بکسر عین ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ مال کی بابت باہم یہ معاہدہ کریں کہ اس مال سے تجارت کی جائے گی اور اس سے حاصل شدہ منافع کو لگائے ہوئے مال کی نسبت سے خاص شرائط کے تحت شرکاء میں تقسیم کر لیا جائے گا۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

دوسرے مسالک میں شرکت کی جو غلط قسمیں بتائی گئی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں:

اول شرکت ابدان یعنی دو یا زیادہ اشخاص کا کسی امر میں شریک ہونا کہ پیشہ ور شرکاء جسمانی محنت سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ اس کا جو صلہ دے وہ باہم تقسیم کر لیں۔ یہ شرکت ممنوع ہے خواہ شرکاء ہم پیشہ ہوں مثلاً تمام شرکاء لوہار ہوں یا مختلف پیشہ رکھتے ہوں مثلاً لوہار اور ترکھان۔ اگر احیاناً ایسا معاملہ کر ہی لیا جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک اپنی ذاتی کارکردگی سے جو کچھ کمائے گا وہی مال اس کا ہوگا اور اس میں سے دوسرے شریک کو کچھ نہ ملے گا۔ لیکن وہ کام جو شرکاء نے مل کر کیا ہے اس سے حاصل شدہ اجرت ان کے کام کی نسبت سے ان میں تقسیم کی جائے گی مثلاً شرکاء نے مل کر کوئی دیوار بنائی تو ان میں سے ہر ایک اپنی روزانہ اجرت جس کا وہ مستحق ہے پائے گا۔ اگر ان میں سے ایک شخص کی اجرت دس قرش روزانہ ہے اور دوسرے کی بیس قرش ہے تو حاصل شدہ اجرت اسی نسبت سے باہم تقسیم کی جائے گی۔

شرکت باطلہ کی دوسری قسم شرکت مفاوضہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص اپنے مال میں باہم شریک ہونے کا معاہدہ کریں لیکن معاہدہ سے پہلے انھوں نے اپنا مال باہم شامل نہ کیا ہو۔ اگر معاہدہ سے پہلے ہی دونوں نے اپنا مال باہم ملا دیا ہو تو وہ شرکت مفاوضہ نہیں بلکہ شرکت عنان ہوگی جو جائز ہے۔ یہاں تک کہ اگر مال کو اکٹھا کر کے اسے معاہدہ مفاوضہ کہا گیا ہو لیکن نیت معاہدہ عنان کی ہو تو مال کو اکٹھا کرنے کے باوجود بھی اسے معاہدہ عنان تصور کیا جائے گا۔ واضح ہو کہ معاملہ مفاوضہ جس طرح مال مشترکہ میں کیا جاتا ہے اسی طرح صرف شرکت ابدان یا شرکت اموال و ابدان کے مشترکہ معاہدہ میں بھی ہوتا ہے۔

شرکت باطلہ کی تیسری قسم شرکت وجوہ ہے اور وہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ ذی وجاہت یا معزز اشخاص اپنی وجاہت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشترکہ طور پر مال تجارت ادھار خریدیں اور دونوں اس کی قیمت کی بتاخیر ادائیگی کی ذمہ داری اوٹ لیں اور اسے فروخت کر کے حاصل شدہ نفع باہم تقسیم کر لیں۔ یا یہ صورت ہو کہ شرکاء میں سے ایک شخص ذی وجاہت اور معتبر

Marfat.com

ارکان شرکت (شرکت کے لازمی اجزا) کا بیان

عام معاملہ مشارکت کے حسب ذیل چند ارکان (لازمی اجزا) ہیں: فریقین معاہدہ الفاظ معاہدہ، محل معاہدہ (جس شے کے بارے میں معاہدہ کیا جائے)۔ یہ اشیاء دو ہیں: مال اور اعمال (یعنی سرمایہ اور محنت)[1]

ہو اور دوسرا گم نام ہو اور وہ باہم یہ طے کر لیں کہ وہ گم نام شخص اپنے سرمایہ سے کوئی مال خریدے اور ذی وجاہت شخص اپنی وجاہت کے سہارے اس مال کو فروخت کر دے اور اس طرح اس گم نام شخص کو فائدہ حاصل ہو۔

یہ تمام اقسام متذکرہ باطل ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ شرکت کا صرف ایک رکن ہے یعنی ایجاب وقبول تسلیم ورضا کیوں کہ یہی وہ چیز ہے جس سے معاہدہ وجود میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ اور چیزیں مثلاً فریقین معاہدہ اور مال سو یہ اشیاء معاہدے کی حقیقت سے خارج ہیں، جیسا کہ معاملہ بیع کے بیان میں بتایا گیا۔

ایجاب سے مراد یہ ہے کہ شریکوں میں سے ایک کہے کہ میں فلاں چیز میں آپ کو اپنے ساتھ شریک کرتا ہوں اور دوسرا کہے کہ میں قبول کرتا ہوں۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ کسی خاص قسم کے کاروبار کا نام بھی لیا جائے مثلاً کوئی کہے کہ میں آپ کے ساتھ گندم یا روئی کے کام میں شرکت کرتا ہوں یا عمومیت کے ساتھ کہے کہ میں آپ کو ہر قسم کے کاروبار تجارت میں شریک کرتا ہوں اگر شرکاء میں سے کسی نے لفظ شرکت استعمال نہ کیا مثلاً کسی نے یوں کہا کہ آج جو مال تجارت خریدوں گا وہ ہم دونوں کا ہوگا اور اس کے ساتھی نے یہ بات مان لی تو یہ معاملہ شرکت متصور ہوگا۔ لیکن شرکاء میں سے کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر اس مال کو فروخت کر دے کیوں کہ وہ دونوں خرید میں شریک ہوئے ہیں اور فروخت میں شریک نہیں ہوئے کہ دونوں میں سے کسی کو دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کا حق حاصل ہو جائے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس کے لیے کوئی وقت مقرر کیا جائے مثلاً یہ کہ آج یا اس مہینے میں جو سودا میں کروں گا وہ ہم دونوں کا ہوگا۔

ایجاب وقبول کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کے لیے الفاظ استعمال کیے جائیں لہٰذا اگر کسی نے ایک شخص کو ایک ہزار دے کر کہا کہ اتنا ہی آپ بھی لائیے تا کہ مال تجارت خریدا جائے جس سے ہم دونوں کو نفع حاصل ہو۔ اس پر دوسرے شخص نے وہ رقم لے لی اور کچھ کہا نہیں اور اس رقم کو کام میں لگایا تو یہ بھی شرکت ہو جائے گی۔ اور شرکت کی دستاویز کا مضمون اسطرح ہے:

یہ دستاویز فلاں فلاں کے مابین ایک شراکت نامہ ہے۔ اس شرکت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے خوف اور دیانت داری پر ہے۔ اس میں اس قدر سرمایہ فلاں کا اور اس قدر سرمایہ فلاں کا ہوگا۔ اس تمام مال پر دونوں شرکاء کا تصرف ہوگا جسے وہ جدا گانہ یا باہم مل کر خرید وفروخت میں استعمال کریں گے اور ہر ایک کو اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرنے کا حق ہوگا؛ چاہے نقد فروخت کریں یا ادھار۔ اس سے حاصل شدہ منافع کا حصہ ہر ایک کو اپنے لگائے ہوئے سرمائے کی نسبت سے ملے گا۔ اسی

Marfat.com

شرکت کی شرائط اوران کے متعلقہ مسائل کا بیان

عقد شرکت کی چند شرطیں ہیں۔ان میں سے کچھ شرائط کا تعلق شرط سے ہے، کچھ کا الفاظ شرکت سے اور کچھ کا نفع سے۔اور شرکت کی جملہ اقسام میں سے ہر قسم کی مخصوص شرائط ہیں۔ ہر ایک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

طرح نقصان یا کوئی اور افتاد ہو تو اس میں دونوں شریک ہوں گے۔اس کے بعد تاریخ درج کی جائے۔

تحریری معاہدہ شراکت کی یہ پوری عبارت ہے۔اگر چہ اس میں بعض باتیں غیر ضروری ہیں مثلاً یہ کہ دونوں شرکاء کو مال کے نقد یا ادھار بیچنے کا اختیار ہوگا، کیوں کہ یہ اختیار تو انھیں معاہدے کے ساتھ ہی از خود حاصل ہو جاتا ہے۔تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کے لیے شریک ثانی سے اجازت ضروری ہے لیکن یہ خیال کمزور ہے۔ پھر چوں کہ نفع کے حصوں میں تفاوت کی شرط صحیح ہے لہٰذا یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ یہ بتایا جائے کہ ہر ایک کو اس میں لگائے ہوئے سرمایہ کی نسبت سے نفع کا حصہ ملے گا۔لیکن یہ اسی صورت میں ہے جب کہ شرکاء میں باہم اتفاق ہو۔اور شرکاء کو یہ حق ہے کہ وہ اس امر پر اتفاق کر لیں کہ شرکاء میں سے کسی ایک کو اپنے لگائے ہوئے سرمائے کی نسبت سے کم نفع ملے گا۔اگر ایسی صورت ہو تو اس کی وضاحت تحریر میں ضروری ہے۔البتہ خسارے کی بابت یہ ہے کہ وہ بہر حال شرکاء پر سرمایہ کی نسبت سے ڈالا جائے گا۔اور اگر یہ شرط رکھی گئی کہ ان میں سے کسی ایک پر اس کے لگائے ہوئے سرمایہ کی نسبت سے زیادہ خسارہ ڈالا جائے گا تو یہ معاہدہ فاسد ہو جائے گا۔

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ شرائط متعلقہ شرکت کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم کا تعلق شرکت کی تمام اقسام سے ہے خواہ مالی شرکت ہو یا کسی اور قسم کی۔دوسری قسم کا تعلق شرکت مال سے ہے، خواہ وہ شرکت مفاوضہ ہو یا شرکت عنان۔تیسری قسم شرکت مفاوضہ۔اور اس کی اقسام سے مخصوص ہے اس طرح چوتھی قسم شرکت عنان سے مخصوص ہے۔

قسم اول اور اس کی ہر گونہ شرکت میں دو باتیں شرط ہیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ جس چیز کی بابت شرکت کی جائے وہ ایسی ہو جس کے لیے کسی شخص کو وکیل بنایا جا سکے۔ چنانچہ اگر مثلاً دو اشخاص نے معاہدہ کیا کہ وہ مل کر شکار کریں گے یا لکڑی چنیں گے یا گھاس مباح جس کے کاٹنے کی ممانعت نہ ہو جمع کریں گے اور اسے فروخت کریں گے، تو یہ معاہدہ درست نہ ہو گا کیوں کہ یہ تمام اشیاء مباح ہیں (کہ جو چاہے حاصل کر سکتا ہے) اس کے لیے کسی کو وکیل (یا نمائندہ) نہیں بنایا جا سکتا)۔ یہ اشیاء، جو شخص بھی فراہم کر لے اس کو ان پر حق ملکیت ہو جاتا ہے۔جس نے مباح لکڑی جمع کر لی یا مچھلی یا ہرن وغیرہ کا شکار کیا تو وہ ہاتھ لگتے ہی اس کا مالک بن جاتا ہے۔ کسی اور کا اس پر حق ملکیت نہیں ہوتا کہ اس کا مالک اسے حاصل کرنے کے لیے کسی کو اپنا وکیل بنائے۔

Marfat.com

دوسری بات کا تعلق منافع سے ہے جس کے لیے یہ ضروری ہے کہ شرکت میں جو حصہ مقرر کیا جائے وہ اس کا متعین حصہ ہو مثلاً آدھا، تہائی وغیرہ۔ اگر نفع کا متعین حصہ نہ ہو بلکہ ایک مقررہ تعداد ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر ایک شریک نے دوسرے سے کہا کہ میں آپ کو نفع میں سے ایک حصہ میں شریک کرتا ہوں اور یہ نہ بتایا کہ نفع کا کون سا حصہ، یا یوں کہا کہ آپ کو نفع میں سے بیس اشرفی ملیں گی تو یہ صحیح نہ ہوگا کیوں کہ پہلی صورت میں حصہ متعین نہ ہونے کے باعث نزاع پیدا ہوگا اور دوسری صورت میں منافع میں سے مقررہ تعداد کی شرط سے شرکت ختم ہو جائے گی کیوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس تعداد سے زیادہ نفع نہ ہو تو وہ ایک شریک کو شرط کے مطابق مل جائے گا اور دوسرے کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا، ایسی حالت میں صورت شرکت ہی جاتی رہے گی۔

دوسری قسم کی شرکت کا تعلق مال سے ہے، خواہ بصورت عنان ہو یا معاوضہ، اس میں چند امور کو ملحوظ رکھنا لازم ہے:

ایک تو یہ کہ سرمایہ نقدی کی صورت میں ہو جیسے اشرفی یا ریال لہٰذا شرکت مفاوضہ کا معاہدہ ہو یا شرکت عنان کا یہ درست نہ ہوگا اگر سرمایہ نقدی کی بجائے مال تجارت کی شکل میں ہو یا جانور کی صورت میں یا پیمانے والی اشیاء میں سے ہو جیسے گندم یا مسور یا وزن والی شے جیسے گھی یا شہد۔ اگر شرکاء نے اپنی اپنی مملوکہ شے مثلاً گندم کو باہم ملا کر شامل کر دیا تو یہ شرکت ملکیت ہے جس کا پہلے ذکر ہوا۔ اس سے فروخت کرنے میں جو فائدہ ہوگا اس میں شرکاء کا حق ان کی شامل کردہ مملوکہ جنس کی نسبت سے ہوگا اور اسی نسبت سے نقصان بھی ان پر عائد ہوگا۔ لیکن اگر اجناس شامل کردہ مختلف ہوں جیسے گندم اور جو تو ان کے دام میں شرکاء کا حق اس مالیت کی نسبت سے ہوگا جو فروخت کے وقت اس کی تھی۔

سونے چاندی کے ڈلوں کا بھی جو حکومت کے سکوں کی شکل میں نہ ہوں یہی حکم ہے۔ ہاں اگر کسی جگہ عام طور پر اسی سے کاروبار ہوتا ہو تو بقول صحیح جائز ہے کہ اس کو مالی شرکت کا سرمایہ بنایا جائے۔ لیکن سونے چاندی کو ڈھال کر بنائی ہوئی اشیاء جیسے عورتوں کے زیور یا جھانجھ بلا اختلاف مال تجارت کی مانند ہیں۔ اور پیسے یعنی وہ سکے جو سونے چاندی کے نہ ہوں بلکہ تانبے پیتل کے ہوں تو ان کو معاملہ شرکت میں سرمایہ بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس سے کاروبار ہوتا ہو جیسا کہ مضاربت کے باب میں بتایا گیا۔ تاہم مال تجارت کو ایک ترکیب سے سرمایہ قرار دیا جا سکتا ہے: وہ ترکیب یہ ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک اپنے مال کا آدھا حصہ دوسرے کے مال کے عوض فروخت کر دے؛ پھر اس طرح جس مال کے وہ مالک ہوئے ایک دوسرے کے مال میں شامل کر دیں تو اب ان کے درمیان شرکت ملک ہو جائے گی (یعنی دونوں اس مال کی ملکیت میں شریک متصور ہوں گے اور ان میں سے کسی شریک کو جائز نہ ہوگا کہ دوسرے کی اجازت کے بغیر اپنے حصہ میں تصرف کر سکے۔ اس کے بعد وہ باہم شرکت مفاوضہ کر لیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو حق تصرف سپرد کر دے۔

دوسری بات یہ ہے کہ معاہدۂ شرکت یا خریداری مال کے وقت سرمایہ موجود ہو۔ لہٰذا اگر کسی نے ایک شخص کو سو اشرفی دے کر کہا کہ اتنا ہی تم بھی شامل کر کے مال خریدو اور فروخت کرو تو معاہدہ درست ہوگا بشرطیکہ اس شخص نے مال خریدنے کے وقت سو ملا دیا ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر رقم شامل کرنے سے پہلے وہ وہاں سے ہٹ گئے تو معاہدہ درست نہ ہوگا۔

Marfat.com

تیسرا امر یہ ہے کہ شرکت کا سرمایہ قرض کی صورت میں ہو۔ مثلاً ایک شخص کا قرض دوسرے کے ذمہ ہو اور وہ کسی سے کہے کہ میں تمہارے ساتھ شریک ہوتا ہوں اور سرمایہ کے طور پر قرض کی وہ رقم دے رہا ہوں جو مجھے فلاں سے لینی ہے؛ یا یوں کہے کہ میں اپنی وہ رقم جو تمہارے ذمہ ہے دیتا ہوں تو یہ درست نہ ہوگا کیوں کہ قرض کی رقم واجب الوصول موجود نہیں ہے اور اس میں حاضر مال کا ہونا شرط ہے جیسا کہ بتایا گیا۔

شرکت مفاوضہ کی چند خاص شرائط ہیں:

ایک یہ کہ دو یا تمام شرکاء جو سرمایہ لگائیں وہ سب کا برابر برابر ہو، کہ ایک نے جتنا دیا ہے اتنا ہی دوسرا بھی دے۔ شرکت مفاوضہ میں یہ درست نہیں ہے کہ ایک تو سو اشرفی لگائے اور دوسرا پچاس لگائے۔ اگر شرکاء میں سے ایک کے لگائے ہوئے مال کی نوعیت دوسرے کے مال سے مختلف ہو مثلاً ایک نے سونا دیا اور دوسرے نے چاندی دی تو لازم ہے کہ مالیت کے اعتبار سے دونوں برابر ہوں۔ چنانچہ اگر مثلاً ایک نے دس مصری اشرفی لگائی تو واجب ہے کہ دوسرا چاندی کے پچاس ریال شامل کرے یا دس دس قرش کے سو نوٹ دے وغیرہ۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس میں یہ نہ ہونا چاہیئے کہ شرکاء میں سے کوئی جس مقدار سرمایہ پر شرکت مفاوضہ کرے اس میں کچھ محفوظ رکھ لے بلکہ لازم ہے کہ تمام مال شامل کر دے چنانچہ اگر اس کی ایک ہزار اشرفی ہے تو یہ درست نہ ہوگا کہ دوسرے کے ساتھ پانچ سو میں شرکت مفاوضہ کرے بلکہ چاہے کہ ہزار اشرفی سے شرکت کرے۔ اگر اس نے اپنے مملوکہ مال سے کم میں شرکت کی تو یہ شرکت عنان ہوگی شرکت مفاوضہ نہ ہوگی۔ ہاں یہ جائز ہے کہ شرکاء میں سے کسی کے پاس مال شامل کردہ کے علاوہ سامان اور مکان بھی ہو اور دوسرے کے پاس نہ ہو یا کوئی ایسے مال کا مالک ہو جو اس کے پاس موجود نہ ہو مثلاً یہ کہ اس کا قرض کسی پر ہو اور اسے ابھی وصول نہیں کیا۔ اگر وہ قرض بھی وصول کر لیا اور سرمایہ میں لگا دیا تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا اور وہ شرکت عنان ہو جائے گی۔ اگر کسی شریک نے سرمایہ مفاوضہ سے زائد کوئی نقدی کسی کے پاس امانت رکھ دی تو معاہدۂ مفاوضت فاسد ہوگا۔ اس شرط کا تعلق سرمایہ سے ہے۔

یہ امر بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک کفیل بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں بایں لحاظ کہ وہ آزاد، ذی شعور اور ہم مذہب ہوں، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ اس شرط کا تعلق فریقین شرکاء سے ہے۔

ایک اور امر یہ ہے کہ شرکت ہر قسم کے مال کی تجارت کے لیے عام ہو۔ لہٰذا اگر معاہدہ شرکت میں کسی خاص قسم کے مال تجارت مثلاً روئی، گندم یا کسی اور شے کی شرط رکھی گئی تو معاہدہ درست نہ ہوگا۔ اس شرط کا تعلق اس شے سے ہے جس کے لیے شرکت کی گئی۔

شرکت مفاوضہ کے متعلقہ مسائل میں یہ امور ہیں کہ شرکاء میں سے کوئی شریک بھی جو کچھ خریدے گا وہ مشترکہ خرید متصور ہوگی۔ مثلاً اپنے کنبہ کی خوراک، روزینہ، اور ان کا اپنا لباس، توشہ، اخراجات سفر اور رہائش مکان کا کرایہ اور ضرورت مثلاً حج کے لیے سواری کا کرایہ وغیرہ۔ پس شرکاء میں سے ہر ایک ایسی اشیاء کے منجملہ، جن کا خصوصیت کے ساتھ اس سے تعلق ہے اور جس سے وہ وابستہ ہے، جو کچھ خریدنے میں صرف کرے گا دوسرا شریک ان سب کا ذمہ دار ہوگا یہاں تک کہ لباس اور خوراک وغیرہ اشیائے مذکورہ والے کو حق ہے کہ دوسرے شریک سے جس نے کچھ نہ خریدا ہو ان اشیاء کا مطالبہ

Marfat.com

کرے اور اس پر لازم ہے کہ وہ ادا کرے اور سرمایہ مشترکہ سے دی ہوئی جس چیز کا حق دار رہے اس کا مطالبہ اپنے شریک سے کرے۔ لیکن کسی کو اپنے شریک کے اس مال میں شرکت کا حق نہیں ہے جو اسے ورثہ میں یا حکومت سے انعام میں، یا بطور عطیہ یا صدقہ یا تحفہ کے طور پر ملا ہو۔ اگر کوئی شریک معاہدہ شرکت سے پہلے ہی کسی شے کا مالک بن گیا ہو تو دوسرے کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے اونٹ پسندیدگی کی شرط پر خریدا اس کے بعد شرکت مفاوضہ کی اور اونٹ کے واپس کرنے کی میعاد ختم ہوگئی تو وہ اونٹ صرف اس کا ہوگا؛ اس میں کوئی حق اس کے شریک کا نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر شرکاء میں سے کسی نے کچھ مال امانتاً کسی کے پاس رکھا ہو تو وہ دوسرے کے پاس اسی طرح رہے گا۔ اگر شرکاء میں سے کوئی اپنے مال کو مضاربت کے کام میں لگا رہا ہو تو اس کا مخصوص نفع اس کا اور اس کے شریک مفاوضت کا حق ہوگا۔

اگر شرکاء میں سے کسی کے ذمہ کار تجارت وغیرہ کا قرض ہوا تو شریک ثانی اس کا ضامن ہوگا اور وہ مال تجارت غصب شدہ یا ضائع کیا ہوا یا مال امانت محفوظ یا تلف شدہ یا عاریتاً لی ہوئی شے متصور ہوگا کیوں کہ دونوں میں سے کسی ایک نے کچھ غصب کیا تو دوسرا اس کا ذمہ دار ہوگا۔ اور ذمہ دار ہونا گویا اصل شے غصب کردہ کا مالک ہونا ہے اور اس کی حیثیت خرید کردہ مال کا مالک ہونے کے برابر ہے۔ غرض وہ قرض یا دین داری جو غصب کرنے سے لازم ہو وہ ایسا ہی ہے جیسے تجارت کی واجبات۔ لہٰذا معاملہ مفاوضت کے شرکاء اس مال واجب الادا کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور غصب شدہ مال کی مثال امانت کی مانند ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی مال امانت کے طور پر ایک شریک کے پاس رکھا اور وہ مال سے مکر گیا یا اس نے خورد برد کر لیا تو ساتھ ہی اس کا شریک بھی ادائیگی کا اسی طرح ذمہ دار ہوگا جیسے تجارت کی واجبات کا اسی طرح عاریتاً لی ہوئی شے بھی ہے کہ اگر ایک شریک نے لائی ہے تو دوسرا بھی ذمہ دار ہوگا۔ یہی حال ضامن بننے کا ہے کہ اگر شرکاء میں سے کسی نے ایک شخص کی مالی ضمانت اپنے ساتھی کی اجازت سے لی تو اس کا شریک بھی اس کے ساتھ ادائے مال کا ضامن ہوگا۔ لیکن اگر یہ کفالت اس نے اپنی ذمہ داری سے لی گو ساتھی کے حکم سے ہو یا اس کی اجرت کے بغیر لی ہو تو شریک ثانی اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ وہ خرچ جو کسی شریک نے ایسی ضروریات پر کیا جو تجارتی امور سے نسبت نہیں رکھتیں مثلاً رقم مہر یا خلع یا جرمانہ یا خوں بہا یا خانگی اخراجات تو ان میں سے کسی کی ذمہ داری دوسرے شریک پر نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ حنفیہ کے نزدیک فاسد شرائط عائد کرنے سے معاہدہ شرکت باطل نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط خود باطل ہو جاتی ہے، مثلاً شرکاء نے کسی جانور یا مال تجارت کی خرید پر یہ شرط رکھی کہ اس کو ایک ہی شریک فروخت کرے گا دوسرا نہیں کر سکے گا تو اس سے معاہدہ فاسد نہ ہوگا لیکن اس شرط پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ شرط کہ صرف ایک شخص مال دے گا تب بھی یہ شرط فاسد ہوگی اور معاہدہ درست ہوگا۔ یہی حکم ہر فاسد شرط کا ہے کہ اس سے معاہدہ نہیں ٹوٹتا لیکن اس شرط پر عمل نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جن شرائط کا تعلق شرکاء سے ہے ان کی تعداد تین ہے: ایک شرط آزاد ہونا ہے۔ لہٰذا غلام اور آزاد کے درمیان یا دو غلاموں کے مابین شرکت درست نہیں ہے؛ ہاں اگر غلام ماذون ہو جسے تجارت کرنے کی مالک نے اجازت دی ہو تو (اس باب میں) اس کی حیثیت آزاد کی سی ہوگی۔

Marfat.com

ایک شرط سمجھ دار یا سلیقہ مند ہونا ہے، لہٰذا احمق اور سلیقہ مند کے مابین شرکت درست نہیں ہے۔

ایک شرط بالغ ہونا ہے، لہٰذا دو نابالغوں لڑکوں یا بالغ اور نابالغ کے درمیان شرکت درست نہیں ہے۔ پس اگر کوئی نابالغ لڑکا بالغ شخص کے ساتھ شریک کار ہو تو وہ لڑکا ضامن نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اسی طرح بے عقل کی شرکت عاقل کے ساتھ ہو تب بھی بے عقل ذمہ دار نہ ہوگا اور نہ غلام کی شرکت آزاد کے ساتھ درست ہوگی۔ ان شرائط کا تعلق وکیل بننے اور وکیل بنانے سے ہے یعنی کسی شخص کیلئے یہ درست نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو وکیل بنائے یا کسی کا وکیل بنے، سوا اس صورت کے کہ آزاد، بالغ اور عاقل ہو۔

معاملہ طے کرنے کی شرطیں یہ ہیں کہ ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو عام طور پر شرکت کا مفہوم رکھتے ہوں، خواہ وہ منہ سے ادا کیے جائیں یا عمل سے ظاہر ہوتا ہو۔ اول الذکر کی مثال یہ ہے کہ دونوں فریق شرکاء کہیں کہ ہم نے اس بات میں شرکت کی یا یہ کہ ایک شریک کہے اور دوسرا خاموش رہ کر رضامندی کا اظہار کر دے؛ یا ایک شریک کہے کہ تم مجھے اس کام میں شریک کر لو اور دوسرا اس پر راضی ہو جائے۔ ثانی الذکر کی مثال یہ ہے کہ ہر شریک اپنا مال بغیر کچھ کہے سنے اپنے ساتھی کے مال میں شامل کر دے اور دونوں کاروبار میں لگا دیں۔

واضح ہو کہ جب قول یا عمل سے معاملہ طے ہو جائے تو معاملہ شرکت واجب العمل ہو جاتا ہے۔ اگر ایک شریک چاہے کہ سرمایہ شامل کرنے سے پہلے ہی اپنے ساتھی سے الگ ہو جائے اور دوسرا شریک اس کو نہ مانے تو شریک اول کو الگ ہو جانے کا حق نہیں ہے تا آنکہ خرید شدہ مال تجارت فروخت ہو جائے اور سرمایہ کی رقم نکل آئے۔

سرمایہ شرکت کے صحیح ہونے کے لیے تین باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے: اول یہ کہ سرمایہ سونے چاندی کی نقود کی صورت میں ہو۔ اس کی تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ دونوں میں سے ایک شریک جس نوع کا مال شامل کرے اسی نوع کا دوسرا بھی شامل کرے بایں طور کہ اگر ایک طرف سے سونا ہو تو دوسرا بھی اسی طرح کا سونا شامل کرے۔ یا ایک شریک سونا اور چاندی لگائے تو دوسرا بھی اسی طرح کرے۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ ایک صرف سونا لگائے اور دوسرا صرف چاندی۔ اب اگر دونوں نے ایسا ہی کیا تو ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مال کے مالک ہوں گے اور منافع کی رقم ان میں دس فیصدی کے حساب سے تقسیم ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں شرکاء کا سرمایہ نقدی کی قسم وزن اور کھوٹا کھرا ہونے میں یکساں ہو، لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ ایک شریک کی نقدی کی تعداد پچانوے اور دوسرے کی شامل کردہ اشرفیاں نوے ہوں اور وزن میں برابر ہوں کیوں کہ اگر تعداد میں ایک کی زیادتی کو نظر انداز کر دیں تو ایک کا مال ساتھی کے مال سے زیادہ ہوگا اور جو اس نے زیادہ دیا ہے حساب میں نہیں آئے گا؛ یہ فرق شرکت کو فاسد کر دے گا۔ اور اگر اس زیادتی محسوب کرنے پر متفق ہو جائیں تو سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے معاملہ صرافہ کرنے میں جو وزن کا لحاظ ہوتا ہے وہ جاتا رہے گا۔ اسی طرح دونوں کے سرمایہ کا وزن میں مختلف ہونا کہ ایک کی نقدی کھری ہو اور دوسرے کی کھوٹی ہو، درست نہیں ہے، کیوں کہ کھری نقدی کی مالیت قدرتی طور پر کھوٹی نقدی سے زیادہ ہوگی۔ اگر شرکاء اس زیادتی کو نظر انداز کر دینے پر متفق ہو جائیں تب بھی وہ فرق

Marfat.com

جوشرکت کوفاسد کردیتا ہے باقی رہے گا۔اوراگرزیادتی مان لی جائے تو ہم وزنی کالحاظ جاتا رہے گا اورسونے چاندی کی تعدیل میں وزن کونظرانداز کردینادرست نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ شرکت کا سرمایہ شرکاء حاضر نقد ہونا چاہیئے ۔اگر غیر موجودالوقت رقم سے معاہدہ شرکت کیا تو درست نہ ہوگا۔لیکن اگرایک شریک کا مال موجود ہواور دوسرے کا موجود نہ ہواور وہ اتنی دور جگہ پر ہو کہ دودن کی مسافت سے اس کالانا ممکن نہ ہوتو شرکت درست نہ ہوگی۔

اگرکسی کا کچھ مال حاضر ہواور کچھ حاضر نہ ہو،مثلاً ہزار میں سے پانچ سوتو سردست موجود ہوں اور باقی کسی اور مقام پر ہوں اور ہزار میں شرکت کا معاملہ کرلیا ہے تو چاہیئے کہ کاروبار کے شروع کرنے میں اتنی تاخیر کردی جائے کہ وہ رقم قریب آجائے (یعنی دودن کی مسافت سے کم مقام پر ہو)۔

اگراس سے پہلے کاروبار ہواتو جس نے پانچ سو دیے ہیں اس کونفع بھی اسی نسبت سے یعنی ایک تہائی لگایا جائے گا۔

امردوم صحت سرمایہ کے بارے میں یہ ہے کہ ایک شریک کا لگایا ہوا سرمایہ نقد ہواور دوسرے کا مال تجارت، مثلاً ایک شریک سونے چاندی کی نقد نکالے اور دوسرا شریک سامان،لباس،روٹی اور یا گندم دے کر شریک ہو۔

امرسوم یہ ہے کہ فریقین شرکاء میں سے ہرایک کا سرمایہ سامان تجارت کی شکل میں ہو،مثلاً ایک روئی دے اور دوسرا کپڑا، جو یا چاول۔دونوں جانب سے روئی ہوتب بھی وہی بات ہے کیوں کہ جب سرمایہ سامان کی شکل میں ہوتو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ ایک ہی قسم کا ہو یا مختلف اقسام کا البتہ یہ درست نہیں ہے کہ ہرایک کی جانب سے لگا ہوا۔سرمایہ غذائی اشیاء کی شکل میں ہو،لہٰذا دونوں شرکاء کا گندم یا جوشامل کرنا صحیح نہیں ہے۔لیکن کسی نے کسی صورت میں یہ جائز ہے کہ ایک کی طرف سے غذائی جنس اور دوسرے کی جانب سے نقدی یا کوئی اور مال تجارت ہو۔یہ اجازت تغلیباً دی گئی ہے،یعنی اس خیال سے کہ نقدی یا مال تجارت کو غذائی اشیاء کے مقابلہ میں سرمایہ بننے کی زیادہ صلاحیت ہے (لہٰذا اس کے ساتھ غیر صالح اشیاء کی اجازت دے دی گئی)۔

بہرحال تجارتی اشیاء کو سرمایہ قرار دینے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس شے کی مالیت لگائی جائے اور اسی مالیت کے اعتبار سے شرکت (سرمایہ) متصور ہوگی۔اب اگر مال تجارت گنتی، پیمانہ یا وزن والی اشیاء ہیں تو ان کی مالیت وہ مانی جائے گی جوفروخت ہونے اور خریدار کے قبضہ میں آنے کے بعد کی ہے،کیوں کہ خریدار اس کے دام کا ذمہ دار ہی اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس پر قبضہ ہوجائے۔ان کے علاوہ دوسری اشیاء کی مالیت وہ لگائی جائے گی جو معاہدہ مشارکت کے دن تھی۔

معاہدہ شرکت میں نفع اور نقصان کی بابت شرط یہ ہے کہ اس میں حصہ کا تعین لگائے ہوئے مال کی نسبت سے ہوگا، لہٰذا کسی کو حق نہیں ہے کہ اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کی نسبت سے زیادہ لے۔

شرکاء کے کام میں بھی وہی نسبت ملحوظ ہوگی جو نفع میں ہے یعنی ہرایک اپنے سرمایہ کی نسبت سے کام کرے گا۔اگر نفع یا کام میں تفاوت روا رکھنے کی شرط ہوتو شرکت باطل ہوجائے گی۔اگر ہنوز شرکت کا کاروبار شروع نہ ہوا تھا کہ شرکت باطل قرار پاگئی تو معاہدہ فسخ ہوجائے گا،اوراگر مال کام میں لگالیا گیا اور کام ہوجانے کے بعد معلوم ہوا کہ شرکت باطل ہے تو

Marfat.com

اس میں جو نفع ہوا ہے وہ ہر ایک کے لگائے ہوئے سرمایہ کی نسبت سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ لہٰذا اگر ایک کا سرمایہ ایک تہائی اور دوسرے کا دو تہائی تھا اور طے یہ پایا تھا کہ ایک تہائی سرمایہ والا نصف نفع لے گا اور دو تہائی سرمایہ والا بھی نصف لے گا اور اسی طرح نفع تقسیم ہو چکا تو دو تہائی والے کو حق ہے کہ وہ ایک تہائی والے شریک سے مزید چھٹے حصہ کا مطالبہ کرے۔ جو اسے اس کے سرمایہ کی مقدار سے نسبتاً زیادہ ملا ہے۔ اور تہائی حصہ والے کو حق ہے کہ وہ دو تہائی حصہ والے سے اپنے اس کام کی اجرت کا مطالبہ کرے جس کی وجہ سے اسے نفع میں سے چھٹا حصہ مزید ملا۔ یہ اجرت تمام کام کے چھٹے حصہ کے برابر ہوگی۔

یہ عام معاہدہ شرکت کی اہم شرطوں کا خلاصہ ہے۔ باقی ہر قسم کی شرکت کی مخصوص شرائط کی تفصیل فرداً فرداً ان کی تعریف کے ساتھ اوپر بتائی جا چکی ہے۔

شافعیہ کے بارے میں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ان کے نزدیک شرکت کی تمام اقسام میں سے شرکت کا صحیح معاملہ وہ ہے جسے شرکت عنان کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی قسمیں باطل ہیں۔ معاملہ شرکت کی حکمت اوپر بتائی گئی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ شرکت کے ارکان یا اجزائے لازمی چار ہیں: یعنی صیغہ (یعنی بات کا طے کرنا) دونوں فریق شرکاء اور مال۔ ان میں سے ہر ایک رکن کے متعلق شرائط ہیں۔

صیغہ (بات طے کرنے کے لیے) یہ شرط ہے کہ اس طرح معاملہ شراکت طے ہو کہ جسے مالی تصرف یعنی خرید و فروخت کا حق ہے اس کے لیے اجازت کا دیا جانا ظاہر ہو۔ پس اگر فریقین شرکاء میں سے صرف ایک کو اختیار تصرف ہو تو لازم ہے کہ معاملہ ایسے الفاظ میں یا اس طرح طے کیا جائے جس کا مطلب صرف دوسرے کو تصرف کا اختیار دینا نکلتا ہو۔ اگر تصرف کا حق ہر دو فریق شرکاء کو ہو تو لازم ہے کہ معاہدہ ایسے الفاظ میں طے کیا جائے جس کا مطلب یہ ہو کہ ہر ایک شریک کی طرف سے دوسرے کو تصرف کی اجازت ہے اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے کہے کہ ہم نے اس قدر مال میں شرکت کی اور آپ کو تجارتی امور خرید و فروخت میں تصرف کی اجازت ہے۔ اور دوسرا شریک کہے کہ مجھے منظور ہے۔ محض یہ کہہ دینا کہ ''ہم دونوں نے اس میں شرکت کی'' کافی نہیں ہے' بلکہ ضروری ہے کہ بطریق مذکور اجازت تصرف کی بابت صراحت کر دی جائے۔

شرکاء میں سے ہر ایک کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عاقل' بالغ اور آزاد ہو' لہذا کسی فاتر العقل' جنون زدہ' نابالغ اور غلام غیر ماذون (جس کو تجارت کی اجازت نہ ہو) کے ساتھ شرکت درست نہیں ہے۔ اسی طرح کسی کو مجبور کر کے شریک کرنا درست نہیں ہے اور نہ کسی فضولی (نکمے) کے ساتھ شرکت درست ہے۔ ہاں نابینا کے ساتھ شرکت درست ہے' (اس طرح) کہ اس کا کوئی وکیل (نمایندہ) مختار کار بنا لیا جائے جو اس کی بجائے لین دین کا کام کرے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نابینا اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو' یعنی عاقل اور بالغ ہو۔

سرمایہ کے بارے میں بھی چند شرائط ہیں: اول یہ کہ وہ سرمایہ مثلی ہو اور مثلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مقدار پیمانے یا وزن سے مقرر کی جائے اور اس کے ساتھ معاملہ بیع سلم کیا جا سکے' جیسے سونا چاندی کہ ان کی مقدار وزن سے مقرر ہوتی ہے' یا جیسے گندم' جو اور چاول وغیرہ کہ ان کی مقدار کا تعین پیمانوں سے کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور اشیاء تجارت جن

Marfat.com

کی مقدار نہ پیمانے سے معین ہوتی ہے نہ وزن سے ان کو شرکت کا سرمایہ بنانا درست نہیں ہے۔ ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ شرکاء اپنے مال تجارت کا ایک حصہ دوسرے کے مال تجارت کے ایک حصہ سے باہمی رضامندی کے ساتھ فروخت کر دیں۔ اس کے بعد شرکاء میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو تجارتی امور کے دائرے میں تصرف کی اجازت دے دے۔ اس طرح مال تجارت کو سرمایہ شرکت بنالینا درست ہے' خواہ دونوں شرکاء کے سرمائے کی جنس ایک ہو یا مختلف ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ معاہدہ طے ہونے سے پہلے دونوں کے مال اس طرح ملا دیئے جائیں کہ ان میں تمیز نہ ہو سکے۔ اگر معاملہ طے ہونے کے بعد ملا گیا تو (اس صورت میں بھی) کہا جاتا ہے کہ درست ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ منع ہے۔ دونوں صورت میں معاملہ کی تجدید لازمی ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک جو مال شامل کرے وہ باہم یکساں ہوں۔ لہذا یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک شریک سونا شامل کرے اور دوسرا چاندی۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ ایک شریک کی چاندی دس قرش والی ہو اور دوسرے کی پانچ قرش والی (یا یوں کہیے کہ مثلاً ایک کا سونا تھوبی ہو اور دوسرے کا تیزابی) وغیرہ۔ لیکن اگر شرکاء مختلف طریقوں سے مال کے مالک ہوئے ہوں' مثلاً ایک کو مال ہبہ ملا ہو اور دوسرے کا مال ورثہ میں ملا ہو تو اس صورت میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ یکساں طریقہ سے مالک مال ہوئے ہوں اور یہ شرط بہر حال ہوگی کہ ہر شریک اپنے ساتھی کو کاروباری دائرہ میں مال میں تصرف (یا خرچ برچ) کی اجازت دے دے۔ اور بقول معتمد سرمایہ کی مقدار اور محنت میں دونوں کا برابر ہونا شرط نہیں ہے' لہذا یہ درست ہے کہ ایک ساتھی کا سرمایہ ہو اور محنت جو اس نے کی وہ مقابلتاً اس مال سے زیادہ ہو تو یہ رضا کارانہ امر متصور ہوگا' اس پر کسی معاوضہ کا حق نہ ہوگا۔ لیکن یہ شرط ہو سکتی ہے کہ نفع اور نقصان کا حصہ شرکاء کے درمیان ان کے لگائے ہوئے مال کی نسبت سے رکھا جائے۔ خواہ محنت دونوں کی یکساں ہو یا دونوں میں فرق ہو۔ پس اگر کسی نے ایک سو کی رقم لگائی اور دوسرے نے پچاس لگائے تو لازم ہے کہ دوسرا شریک منافع میں ایک تہائی لے گا' اگر اس سے کم یا زیادہ کی شرط ہوئی تو عقد فاسد ہو جائے گا اور ان میں سے ہر شریک ایک دوسرے سے اپنے اس کام کے معاوضہ کا مطالبہ کرے گا جو اس نے اپنے مال میں کیا ہے۔ اگر دونوں کا مال برابر ہو تو اتنا لے گا جتنا کہ دوسرے نے اپنے مال میں کام کیا ہے۔ اور یہ صورت مفاوضہ کی ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شرائط شرکت تین طرح کی ہیں:

اول شرائط صحیحہ جن کے کرنے سے نہ کوئی نقصان ہے اور نہ معاہدۂ شرکت ان پر موقوف ہے۔ مثلاً شرکاء نے یہ شرط کی کہ اتنے دام کے سوا (کسی اور دام میں) نہیں بیچیں گے' یا یہ کہ فلاں مقام کے سوا کہیں اور تجارت نہ کریں گے یا یہ کہ مال کو لے کر سفر میں نہیں جائیں گے وغیرہ۔ یہ تمام شرائط درست ہیں ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوم: شرائط فاسدہ یعنی معاہدۂ شرکت جن کا متقاضی نہ ہو۔ مثلاً یہ شرط کہ سال بھر تک یہ معاہدہ فسخ نہ ہوگا' یا یہ کہ جس قدر سرمایہ ہے اس سے زیادہ مال فروخت نہ کیا جائے گا۔ یا یہ کہ جس سے خریدا گیا ہے اس کے ہاتھ نہ بیچا جائے گا وغیرہ۔ ایسی شرطوں سے معاملہ فاسد نہیں ہوتا لیکن ان پر عمل درآمد نہ ہوگا۔

Marfat.com

مال وغیرہ میں شرکاء کے تصرف کا بیان

واضح ہو کہ شرکاء میں سے ہر ایک کو یہ حق ہے کہ شرکت کے سرمایہ سے خرید وفروخت وغیرہ کر سکے۔ مسالک مختلفہ کی رو سے اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

سوم: وہ شرائط جن پر معاہدۂ شرکت کا صحیح ہونا منحصر ہے۔ وہ یہ ہیں کہ سرمایہ (کی تفصیل) شرکاء کے علم میں ہو۔ اور دونوں جو مال لگانا چاہتے ہیں وہ موجود ہو۔ لہذا غیر حاضر مال یا ایسے مال پر جو کسی کے ذمہ واجب الوصول ہو' جیسے مال مضاربت وغیرہ' شرکت کرنا درست نہیں ہے۔ نیز ہر شریک کے لئے نفع کے ایک متعین اور متفق علیہ حصے کا طے ہو جانا' مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ۔ ان کے علاوہ وہ شرائط جو مضاربت کے بیان میں اوپر بتائی گئیں' ان کو ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اقسام شرکت کے اعتبار سے (مال میں) تصرف کے مسائل بھی جدا جدا ہیں۔ چنانچہ شرکت مفاوضہ میں شرکاء کے مال پر تصرف کرنے کی دو قسمیں ہیں:

اول یہ کہ شرکاء میں سے ہر ایک سرمایہ مشترکہ میں تصرف کرے۔

دوم یہ کہ ہر شریک ان امور میں تصرف کرے جو اس کے شریک اور غیر شخص کے مابین معاملہ کرنے میں پیش آئے ہوں۔

قسم اول کے تصرفات کی چند صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ ہر شریک کو حق ہوگا کہ وہ مال کو گراں نرخ پر فروخت کرے یا کم پر۔ تاہم اگر خرید وفروخت میں اتنی زیادہ بے اعتدالی (یا دھوکا) ہو جو بالعموم اہل معاملہ نہیں کرتے تو اس کی اجازت نہ ہوگی۔ اسی طرح مال کی خریداری بھی درست نہ ہوگی تا آنکہ اس نرخ سے نہ ہو جو عام طور پر لوگ جانتے ہیں (اور اس میں زیادتی نہ کی گئی ہو) اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا کسی شے کو مال تجارت کے عوض فروخت کرنا درست ہے اور کیا یہ ضروری ہے کہ سامان کی مالیت لگا کر اس کے یا نقدی کے عوض فروخت کیا جائے؟

ایک صورت یہ ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک (مال کی) فروخت ایسے شخص کے ہاتھ کرے جس کی گواہی (اس کے حق میں) نہیں مانی جاتی (یا بدگمانی کی گنجائش ہو) جیسے اولاد درآنحالیکہ غبن فاحش (کھلا دھوکا) نہ کیا گیا ہو۔

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شریک شرکت کے سرمایہ کو امانتاً کسی کے پاس رکھ دے۔

ایک صورت یہ ہے کہ نقد دام پر فروخت کرے یا ادھار فروخت کرے یا معاملہ سلم کرے یعنی دام پیشگی ادا کر دیئے جائیں اور ایک مقررہ عرصہ کے بعد مال وصول کرنے کی شرط ہو' یا یہ کہ اسی طرح اپنا مال فروخت کرے (یعنی قیمت سردست وصول کرے اور مال بعد میں ایک مقررہ عرصہ کے بعد حوالے کرے)

تصرف کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شریک کوئی مال ادھار خرید کر اس مال کو قیمت خرید سے کم پر نقد فروخت کر دے تا کہ جو دام وصول ہوں اس دام سے (کام میں لگا کر مزید) فائدہ حاصل کیا جائے۔

تصرف کی ایک صورت یہ ہے کہ مشترکہ مال کو رہن رکھ کر مشترکہ قرضہ حاصل کرے اور یہ کہ شرکت مفاوضہ کا مال

ذاتی قرضہ کے لئے رہن کردے۔لیکن اس میں اس کا شریک صرف اتنے قرضہ کا ضامن ہوگا جتنا کہ مال مرہونہ میں اس کا حق ہے۔اگر مال مرہونہ کی مالیت اس سے زیادہ ہو جتنا کہ اس پر قرض لیا ہے تو شریک اس کا مطلق ضامن نہ ہوگا۔اگر کسی شریک نے اپنا ذاتی مال رہن رکھ کر مشترکہ قرضہ حاصل کیا تو اس کا شریک صرف اپنے حصہ قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا جس کا مطالبہ اس سے کیا جائے گا۔

ایک صورت تصرف کی یہ ہے کہ کوئی شریک کھانے کی چیز' مثلاً گوشت' روٹی اور میوہ کسی کو پیش کرے یا کسی کی ضیافت کردے' بشرطیکہ اس میں عام روش سے تجاوز نہ کیا جائے۔خوردنی اشیاء کے علاوہ کوئی اور شے' مثلاً سونا' چاندی تحفتاً دینا جائز نہیں ہے۔

ایک صورت (حق تصرف کی) یہ ہے کہ بقول صحیح ہر شریک اپنے شریک کی اجازت کے بغیر مال کے ساتھ سفر کرے۔اگر شریک سے اجازت لے کر سفر کیا ہو تو اسے حق ہے کہ سرمایہ کی رقم سے اپنی ذات پر کھانے پینے اور کرایہ میں خرچ کرے درآنحالیکہ نفع حاصل نہ ہوا ہو۔اگر نفع حاصل ہوا ہے تو یہ خرچ منافع کی رقم سے محسوب ہوگا۔

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شریک مال شرکت کو مضاربت میں لگادے مثلاً کسی کو ایک سو کی رقم نفع میں سے ایک حصہ کے وعدے پر دے دے' باقی نفع شرکاء میں تقسیم ہوگا۔اسی طرح وہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ مضاربت کے طور پر کسی سے مال وصول کرے' اس میں جو نفع ہوگا وہ خالص اس کا حق ہوگا۔

ایک صورت یہ ہے کہ ایک شریک کسی کو اپنا وکیل بنائے اور مشترکہ سرمایہ میں سے اپنے وکیل کو دے کر تجارت کے سلسلے میں خرچ کرنے کو کہے۔اگر اس وکیل کو دوسرا شریک ہٹادے تو وہ ہٹ جائے گا درآنحالیکہ وکیل کا تعلق خرید وفروخت اور کرایہ کے معاملات سے ہو۔لیکن اگر کسی شریک نے مشترکہ مال تجارت قرض فروخت کیا ہے اور اس قرض کی وصول یابی کے لئے کسی کو وکیل بنایا تو شریک ثانی کو اس کے ہٹانے کا حق نہیں ہے کیوں کہ ہر ایک کو یہ لازم نہیں ہے کہ ایک شریک نے جو مال فروخت کیا اس کے دام وصول کرے' یا اس بارے میں جھگڑا کرے بلکہ یہ کام اسی کا ہے جس نے یہ سودا بطور خود انجام دیا۔پس جس نے یہ سودا نہیں کیا اسے وکیل کے ہٹانے کا بھی حق نہیں ہے۔

ایک صورت (تصرف مال کی) یہ ہے کہ کسی کو مشترکہ مال میں سے عاریتاً کچھ دیا جائے۔

واضح ہو کہ شرکاء میں سے ایک کو یہ حق ہے کہ تصرف کی ان تمام صورتوں میں جو اوپر بیان کی گئیں اپنے ساتھی کو کسی بات سے منع کرے۔اب اگر ایسی بات سے منع کیا جس کا تعلق اس کے حصے سے ہے اور شریک ثانی نے اس کے خلاف کیا تو اس کی ذمہ داری خلاف کرنے والے پر عائد ہوگی۔چنانچہ اگر کہا کہ میرا مال لے کر سفر میں نہ جانا،(لیکن وہ سفر میں گیا) اور مال ضائع ہوگیا تو اس پر لازم ہوگا کہ روکنے والے کا حصہ پورا کرے۔

شرکاء میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر سرمایہ میں سے کسی کو قرض دے۔اگر ایسا کیا تو اپنے شریک کے حصہ کا وہ ضامن ہوگا،لیکن معاہدۂ شرکت نہیں ٹوٹے گا۔

تصرف مال کی دوسری قسم جس کا تعلق کسی اور کے ساتھ معاملہ کرنے میں پیدا ہونے والے امور سے ہے اس کی

بھی چند صورتیں ہیں۔ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شریک اس فروخت کو منسوخ کردے جو دوسرے شریک نے کی ہو تو یہ تنسیخ تمام شرکاء کی طرف سے نافذ ہوگی۔مثلاً کسی نے کوئی مال ایک سو میں خریدا اور خریدار نے اس کے منسوخ کرنے کی خواہش کی اور دوسرے شریک نے جس نے فروخت نہیں کیا تھا اسے منسوخ کر دیا تو معاملہ فروخت منسوخ ہو جائے گا۔بیع سلم کا بھی یہی حکم ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ ایک شریک نے کوئی مال ادھار فروخت کیا، اس کے بعد وفات پا گیا تو اس کا شریک اپنے حصہ سے زیادہ اور کچھ مطالبہ نہیں کر سکتا۔اگر اس مال میں اس کا نصف تھا اور ادھار لینے والے نے وہ (اس کا ادھار حصہ) ادا کر دیا تو وہ اور اس کے ورثا جو متوفی کے مال متروکہ کے حصہ دار تھے، بری الذمہ ہو جائیں گے۔

ایک صورت یہ ہے کہ شرکاء میں سے کسی نے مال خریدا تو سب شرکاء اس (کے دام) کی ادائیگی اور مال (خرید شدہ) کی وصول یابی کے ذمہ دار ہوں گے اور ہر ایک کو اس مال کے حصول کا حق ہوگا جو کسی ایک شریک نے خریدا ہے۔اگر اس خرید شدہ مال میں کسی نے بھی عیب پایا تو اسے واپس کرنے کا اسی طرح حق ہے جیسے خرید کرنے والے کو۔اگر کوئی مال خریدا گیا اور یہ پتا چلا کہ فروخت کنندہ اس مال کا مالک ہی نہیں ہے تو ہر شریک فروخت کنندہ سے (ادا شدہ) دام کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ شرکاء میں سے اگر کسی نے بھی (واجبات کا) اقرار کیا تو اس اقرار میں وہ اور دوسرے شریک سب شامل متصور ہوں گے بجز اس صورت کے جب کہ وہ شخص جس کے حق میں واجبات کا اقرار کیا ہے ایسا ہو کہ اس (اقرار) کی بابت بدگمانی کی جا سکے، مثلاً وہ شخص جس کی گواہی (اقرار کرنے والے کے حق میں) قبول نہ کی جائے جیسے اس کا بیٹا یا باپ۔

مندرجہ بالا مسائل کا تعلق شرکت مفاوضہ سے ہے۔

شرکت کی دوسری قسم ''شرکت عنان'' ہے۔اس میں بھی (تصرف شرکاء کی) چند صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شریک کسی کو اپنا وکیل بنائے جو اس کی جانب سے خرید و فروخت کرے یا اجرت پر کارکن مہیا کرے۔شریک ثانی کو حق ہے کہ اس وکیل کو ہٹا دے۔لیکن اگر وصولی قرض کا تقاضا کرنے کے لیے وکیل بنایا ہے تو اسے ہٹانے کا حق نہ ہوگا جیسا کہ شرکت مفاوضہ کے باب میں بتایا گیا۔بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ تصرف محض شرکت مفاوضہ کے لیے مخصوص ہے۔اس کے علاوہ جن تصرفات کا حق شرکت مفاوضہ میں ہے وہ شرکت عنان کے شرکاء کو بھی ہے، اور جن کی ممانعت اس میں ہے اس میں بھی ہے۔تاہم چند امور مستثنیٰ ہیں۔ایک یہ کہ شریک عنان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کسی اور کو شریک کار کرے۔چنانچہ اگر دو اشخاص نے باہم شرکت عنان کی ہے اور ان میں سے کسی نے دوسرے کی اجازت کے بغیر تیسرے شخص کو شریک بنا لیا تو اس (کاروبار) سے جو نفع حاصل ہوگا اس میں سے نصف تیسرا شخص لے گا، باقی نصف نفع دونوں شرکاء میں تقسیم ہوگا۔اگر اس شخص نے، جس نے شرکت عنان نہیں کی مال خریدا تو اس کے نفع کا حق دار وہی ہوگا۔

Marfat.com

دوسرے یہ کہ شریک عنان کو جس نے خود معاملہ بیع نہیں کیا، یہ حق نہیں ہے کہ مشترکہ مال میں سے کوئی چیز رہن کر دے، لہٰذا اسے مال رہن رکھ کر شرکت میں قرض لینا جائز نہیں ہے۔ (ایسا کیا تو) مال مرہونہ کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔ اگر کسی شریک نے کوئی چیز گروی رکھ کر کسی کو مشترکہ رقم قرض دے دی تو یہ اس کے شریک کی طرف سے جائز متصور نہ ہوگا، لہٰذا اگر شے مرہونہ گروی رکھنے والے کے پاس تلف ہوگئی اور اس شے کی مالیت رقم قرض کے برابر تھی تو گروی رکھنے والے کا حصہ ضائع ہوگیا اور اس کا شریک مقروض سے اپنے حصے (کی قرض دی ہوئی رقم) کا مطالبہ کرے گا اور مال مرہونہ کا مالک شے مرہونہ کی نصف مالیت کا مطالبہ اس سے کرے گا جس کے پاس اس نے رہن رکھا تھا۔ اس کے شریک کو اپنے مخصوص حصہ کے مطالبہ کا حق ہے۔ لیکن وہ شریک جس نے معاملہ بیع کیا ہے اس کو جائز ہے کہ وہ رہن کرے اور رہن رکھے۔ اگر فریقین شرکاء میں سے کسی نے مال ادھار خرید کیا اور دام کے مقابلہ میں مال مشترکہ میں سے کوئی شے رہن رکھ دی تو یہ وہ کر سکتا ہے اور یہ معاملہ دونوں شرکاء پر عائد ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ شرکت مفاوضہ میں ہر شریک کو مندرجہ ذیل امور میں تصرف کا حق ہے:

اول یہ کہ مال مشترکہ میں سے کوئی شے عطیہ کے طور پر کسی کو دے تاکہ اس شخص کو اس کے کاروبار کی نشر واشاعت میں دلچسپی پیدا ہو۔ اس کی مثال اس خرچ کی سی ہے جو عہد حاضر میں اشتہاروں پر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر شریک، مال مشترکہ میں سے کسی محتاج کی دلجوئی کے لیے معمولی خیر خیرات بھی کر سکتا ہے اور دوسروں کی معمولی کار برآری کے لیے بھی کچھ کر سکتا ہے، مثلاً کوئی آلہ وغیرہ کسی کو عاریتاً دیا جائے۔

دوم یہ کہ وہ کسی کو دوسرے شہر سے مال خرید کر لانے کے لیے سرمایہ مشترکہ سے دے دے (چونکہ اس میں کسی معاوضہ کا وعدہ نہیں ہوتا) اسے ایضاع کہتے ہیں (یعنی خدمت بے اجرت)۔

شرکاء کے یہی حقوق شرکت عنان میں بھی ہیں، تاہم ایضاع (کار بے اجرت کے لیے رقم کا دے دینا) اسی صورت میں درست ہے جب کہ سرمایہ وافر مقدار میں ہو، بصورت دیگر دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہے۔

سوم یہ کہ شرکاء مفاوضت میں سے ہر ایک کو حق ہے کہ وہ مشترکہ مال ایسے شخص کے پاس امانت رکھے جس کو وہ دیانت دار سمجھتا ہو، بشرطیکہ امانت رکھنے کی کوئی وجہ ہو۔ اگر بلاسبب کسی کے پاس امانتاً رکھا تو اس کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔

چہارم یہ کہ شرکاء میں سے کوئی شریک کسی کے ساتھ شرکت مفاوضہ یا شرکت عنان کرے، بایں طور کہ نئے شریک کو اس سودمند کام کے علاوہ جو بتا دیا گیا ہے اور کچھ کام (اس سلسلہ میں) کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

یاد رہے کہ تمام سرمایہ اس طرح پر دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر لگا دینا درست نہیں ہے۔

پنجم یہ کہ سرمایہ میں کچھ بطور مضاربت کسی شخص کے حوالہ کیا جائے بشرطیکہ مال میں اس کی گنجائش ہو۔ اگر نہ ہو تو یہ بھی شریک کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہے۔

ششم یہ کہ وہ مال جس کا سودا اس نے یا شریک نے کیا ہے اسے تسلیم کر لیا جائے بشرطیکہ تجارت کے لحاظ سے سود مند ہو، ایسا نہ ہو تو فروخت کنندہ شریک کے حصہ کا ذمہ دار ہوگا۔

ہفتم یہ کہ اسے حق ہے کہ ایسے مال کو جس میں عیب نکلے اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر قبول کر لے، خواہ اس نے خود خریدا ہو یا اس کے ساتھی نے خریدا ہو۔

واضح ہو کہ شرکاء میں سے ہر ایک کو ان ہفت گانہ تصرفات کا حق ہے اگر چہ شریک ثانی اس سے مانع ہو یا قبول نہ کرے۔

ہشتم یہ ہے کہ ہر ایک مشترکہ قرض کے تسلیم کرنے کا حق ہے جو مشترکہ سرمایہ سے ادا کیا جائے گا اور شرکاء پر لازم ہے کہ اپنے مخصوص حصہ سے ادائیگی کریں، لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ جس کا مطالبہ تسلیم کیا گیا ہے وہ اس کی تصدیق کرے (کہ فی الواقع اس سے اتنا لینا ہے)۔ اگر وہ اس کو غلط بتائے تو شریک پر اس کی ادائیگی لازم نہ ہوگی۔

دوسرے یہ کہ جس کے حق میں اقرار کیا گیا ہے اس کے اور اقرار کرنے والے کے مابین ایسا تعلق نہ ہو جس سے بدگمانی پیدا ہو سکے، مثلاً یہ کہ باپ یا ماں یا بیٹے کے حق میں اقرار کیا۔ اگر ان میں سے کسی کا قرضہ تسلیم کیا گیا تو یہ اقرار دوسرے شریک پر عائد نہ ہوگا۔ اس کی ذمہ داری صرف اس پر ہوگی جس نے (اس قرض کا) اقرار کیا ہے۔

تیسرے یہ کہ شائبہ بدگمانی سے پاک جو اقرار قرض کیا گیا ہے وہ عہد مشارکت کے دوران کیا گیا ہو۔ اگر مشارکت ختم ہو جانے کے بعد اقرار کیا اور مطالبہ کرنے والے نے اس کی تصدیق کر دی تو اقرار کرنے والے شریک پر لازم ہوگا کہ وہ صرف اپنا مخصوص حصہ ادا کرے۔ اس کے بعد اس کے ساتھی کے حصہ کی بابت گواہ طلب کیا جائے گا اور وہ خود اور قرض خواہ، جس کے حق میں اقرار کیا گیا، حلف اٹھائیں تب دوسرے شریک کو بھی لازم ہوگا کہ وہ اپنے حصہ کا قرض ادا کر دے۔

نہم یہ کہ ہر شریک اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر مال کو قرض فروخت کرے لیکن دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر قرض نہ خرید سکے گا۔ اگر ایسا کیا تو شریک ثانی کو اختیار ہوگا کہ اسے قبول کرے یا رد کر دے۔ اگر رد کیا تو دام کی ادائیگی صرف خرید کرنے والے کے ذمہ ہوگی۔ (جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے) اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ مال جو قرض خریدا گیا وہ باہمی طے شدہ متعین مال تھا بایں طور کہ دوسرے شریک نے کہا ہو کہ فلاں شخص کا مال خرید لو یا یہ نہ کہا ہو، بلکہ یوں کہا ہو کہ جو مال تمھیں اچھا لگے وہ خرید لو۔ تاہم اگر ایک شریک نے خاص طور پر بتائے ہوئے مال کو قرض خریدا تو درست ہوگا اگر یہ اجازت دی تھی کہ کوئی سا مال قرض خرید لو تو یہ درست نہیں ہے کیوں کہ یہ معاملہ شرکت ذمم، کی مانند ہے جو مالکیہ کے نزدیک ممنوع ہے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

دہم یہ کہ شرکائے مفاوضت میں سے کوئی شریک اپنے شریک کے علاوہ کسی اور شخص سے کوئی مال مضاربت کی غرض سے حاصل کرے۔ اس سے کاروبار میں جو نفع ہوگا اس میں دوسرے شریک کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس مضاربت کے کام میں مشغول ہونے کے باعث شرکت اول کے کام میں بے توجہی نہ ہو یا پھر یہ کہ شریک نے اس (کار مضاربت) کی اجازت دے دی ہو۔ یہی حکم اس صورت میں ہے کہ کوئی شریک اس مال سے جو اس کی سپردگی میں ہو تجارت کرے۔ اس میں فائدہ یا نقصان اسی کا ہوگا، شریک کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ بات اس کے شریک کے علم میں آ گئی ہو اور اس نے منع نہیں کیا تو اب وہ بھی نفع و نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شرکاء میں ہر ایک کو حق پہنچتا ہے کہ (سرمایہ شرکت) میں ہر طرح کا تصرف کرے جو سود مند ہو۔ لہٰذا ایسا تصرف درست نہ ہوگا جو نتیجتاً شرکاء کو نقصان دہ ہو۔ اگر آغاز معاملہ میں کوئی شریک مال کے دام پر راضی ہو گیا، بعد میں ایسا گاہک مل گیا جو اس سے زیادہ دام دے تو اس شریک پر واجب ہے کہ جس دام پر راضی ہوا ہے شرکاء کی بہتری کے پیش نظر اپنی رضامندی کو توڑ دے۔ اگر کوئی مال شرط خیار (پسندیدگی کے وعدہ پر) فروخت کیا، پھر ایسا گاہک ملا جو اس سے زیادہ دام دینے پر تیار ہوا اور ہنوز مدت خیار (میعاد مہلت پسندیدگی) ختم نہیں ہوئی تو اس معاملہ کو لازم طور پر فسخ کر دینا اور شرکاء کی مصلحت کے پیش نظر زیادہ دام میں فروخت کرنا چاہیئے۔

واضح ہو کہ شرکاء میں سے کسی کو قرض مال فروخت کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور نہ ایسی نقدی کے عوض فروخت کرے جس کا نرخ اس شہر کی (رائج الوقت) نقدی سے کم ہو کیوں کہ اس میں شرکاء کے مفاد کو ضرر ہے۔ اسی طرح اسے یہ حق بھی نہیں ہے کہ بیع میں غبن فاحش (دھوکا دہی سے) کام لے جیسا کہ بالعموم لوگوں میں نہیں ہوتا اور نہ یہ حق ہے کہ بلا ضرورت مال لے کر سفر کرے۔ البتہ اپنے شریک سے اجازت لے کر ایسا کر سکتا ہے۔ اگر شرکاء سے اجازت لے کر سودا کیا ہے تو اس کی ذمہ داری (صرف) اس پر نہ ہوگی، بصورت دیگر وہی ذمہ دار ہوگا۔ اگر بطور خود کسی نے مال قرض فروخت کیا یا رائج الوقت نقدی کے عوض فروخت نہ کیا یا غبن فاحش (یعنی قطعاً نامناسب نرخ سے) فروخت کیا تو وہ بیع دوسرے شریک کے حصہ میں درست نہ ہوگی اور اس کے مال کی ذمہ داری بائع پر ہوگی۔ رہا اس کا اپنا حصہ سو کہا جاتا ہے کہ اس کی فروخت اس قول کی بنا پر صحیح ہوگی کہ سودے میں تجزیہ جائز ہے (یعنی کچھ صحیح ہو اور کچھ صحیح نہ ہو)۔ بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ فروخت شدہ مال کے ایک حصہ کی فروخت صحیح ہو اور دوسرے حصہ کی فاسد ہو۔ اس کو تفریق الصفقہ (یعنی گڈمڈ سودا کرنا) کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے حصہ کا سودا بھی اس کے شریک کے حصہ کی طرح درست نہ ہوگا۔ اس خیال کی بنیاد اس قول پر ہے کہ یہ معاملہ ہی ناجائز ہے۔ پہلی صورت میں، خریدار اصلی شریک کے ساتھ شامل متصور ہوگا کیوں کہ وہ شریک کے اس حصہ کا مالک ہو گیا جو اس کے ہاتھ فروخت ہوا اور دوسری صورت کو مانا جائے تو یہ فروخت سرے سے باطل ہوگی۔

شرکاء میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ مشترکہ سرمایہ میں سے کچھ مال کسی کو بدیں غرض دے دے کہ وہ بغیر کسی معاوضہ کے سودا خرید کر لے آئے۔ اس کو ایضاع (یا خدمت بلا معاوضہ) کہتے ہیں۔ شرکاء کی اجازت سے ایسا کیا جا سکتا ہے۔

واضح ہو کہ شرکاء میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ جب چاہے معاہدہ شرکت کو فسخ کر دے۔ اگر شریکین نے متحدہ طور پر شرکت کے معاہدے کو فسخ کیا تو دونوں کام سے برطرف ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ایک شریک نے اپنے ساتھی کو برطرف کیا تو وہ ہٹ جائے گا اور کام صرف ایک کے ہاتھ میں رہے گا یہاں تک کہ اس کا ساتھی بھی اسے برطرف کر دے۔

یاد رہے کہ معاملہ شرکت ایک شریک کے فوت ہو جانے یا دائمی جنون میں مبتلا ہو جانے سے فسخ ہو جاتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شرکاء میں سے ہر ایک کو وہ تمام امور جائز ہیں جو مضاربت میں جائز ہیں اور جو امور اس میں منع ہیں اس میں بھی منع ہیں۔ تفصیل کے لیے مضاربت کا بیان ملاحظہ ہو۔

کسی شریک کے اس دعوے کا بیان کہ مال تلف ہو گیا

دراصل ہر شریک معاملہ مشترکہ مال کا امانت دار ہوتا ہے۔ لہٰذا چاہیے کہ امین جب کوئی بیان دے تو اس کو سچ مانا جائے۔ ہماری شریعت مطہرہ کی رو سے اس امر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ مشترکہ کاروبار میں شریک پر اعتبار کیا جائے اگر اس بنیادی مسئلہ میں خلل واقع ہو جائے تو معاہدہ شرکت ختم ہو جاتا ہے اور شرکاء کے چھوٹے بڑے تمام معاملات میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"یقول اللہ انا ثالث الشریکین مالم یخن احدھما صاحبہ فاذا خان خرجت من بینھما" (رواہ ابوداؤد والحاکم)

(یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں دو شریکوں کے درمیان تیسرا ہوتا ہوں جب تک کہ ان میں سے کوئی اپنے ساتھی کی خیانت نہ کرے۔ اگر کوئی خیانت کرتا ہے تو میں ان سے الگ ہو جاتا ہوں۔ بروایت ابوداؤد حاکم) راوی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد درست ہیں۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شرکاء جب تک ساتھی کے مال میں دیانت داری سے کام لیں اور تھوڑی یا بہت کچھ بھی خیانت نہ کریں اللہ پاک ان کا حامی رہتا ہے اور جب کسی کا فاسد ارادہ اسے اپنے ساتھی کی خیانت پر آمادہ کرتا ہے تو اللہ اپنی حمایت ہٹا لیتا ہے۔ (ظاہر ہے) کہ اللہ جس کا حامی ہو وہ لازمی طور پر اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا اور بزودی یا بدیر اسے اپنے کام کا اچھا پھل ملتا ہے اور پروردگار جس کا حامی نہ ہو تو وہ بہر حال نقصان اٹھاتا اور دنیا و آخرت میں تباہ حال رہتا ہے۔ غرض دیانت داری شرکاء کی نجات کی بنیاد اور بددیانتی سب کی بربادی اور خسارے کی بنیاد ہے۔ یہ امر ظاہر و باہر ہے اور دلیل کی حاجت نہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات ساجھے کے معاملات مساعدت حالات کے برعکس بہت جلد ملیا میٹ ہو جاتے ہیں اور ایسے مشترکہ معاملات بھی ہیں جو سرمایہ کی کمی اور حالات کی نااستواری کے باوجود چلتے رہتے ہیں اور ترقی پزیر ہوتے ہیں۔ اس کا اور کوئی سبب سوا اس کے نہیں کہ شرکاء شرائط شرکت پر پورا پورا عمل کرتے ہیں اور کسی صورت دیانت داری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور ہر حال میں بددیانتی سے دور رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں شرکاء میں سے کوئی شریک نفع یا نقصان کے بارے میں کچھ بیان کرے

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ شرکاء میں سے کوئی شریک، نفع و نقصان کی بابت یا مال کے ضائع ہو جانے اور اپنے شریک کے حوالہ کر دینے وغیرہ کے بارے میں جو کچھ بھی کہے اسے تسلیم کر لیا جائے یہاں تک کہ اگر وہ اپنے شریک کی وفات کے بعد

Marfat.com

اس کو بموجب تفصیل مسالک مختلفہ صحیح تسلیم کیا جائے۔ (۱)

اجارہ (اجرت یا کرایہ) کا بیان

لفظ اجارہ لغت میں بہر سہ حرکت الف آیا ہے؛ زیادہ مشہور بالکسر ہے۔ یہ فعل اَجَرَ بروزن ضَرَبَ و قَتَلَ کا مصدر سماعی (یعنی خلاف قاعدہ بنا ہوا مصدر) ہے جس کا مضارع یا جر ہے۔ اور لفظ اجر بکسر جیم و بضم جیم کے معنے ہیں جزائے عمل (یعنی اجرت کار)۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ مصدر سماعی نہیں ہے کیوں کہ فعل اَجَرَ بروزن ضَرَبَ کا قیاسی (یعنی قاعدہ کے مطابق) مصدر "الاجر" ہے بروزن "الضرب" اس کے معنے ثواب اور اجر خیر کے ہیں۔ اس فعل کا مصدر اجارہ سنا نہیں گیا، بلکہ یہ لفظ (اجارہ) اسم ہے جس کے معنے دی جانے والی اجرت کے ہیں اور مسائل آئندہ (میں جس طرح یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس) کی رو سے اس پر "ایجار" کی تعریف صادق آتی ہے جو (باب) آجر یوجر کا مصدر ہے اور اس کی

بھی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ اس نے اپنے شریک کا خاص حق اسے ادا کر دیا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی۔ یہ بات تم کو معلوم ہے کہ اگر کسی نے ایک شخص کو اپنا وکیل بنایا کہ فلاں شخص کے پاس جو اس کی امانت ہے وہ وصول کرے پھر مؤکل کی وفات ہوگئی اور وکیل کہے کہ اس نے وہ مال (امانت) اس کی وفات سے پہلے وصول کر لیا تھا لیکن دینے سے پہلے تلف ہو گیا، چونکہ وہ امین ہے اس پر ذمہ داری عائد نہ ہوگی اور اس کی بات مان لی جائے گی، اگرچہ ورثاء اس سے انکار کریں۔ لیکن اگر کسی کو وصولی قرض کے لیے وکیل بنایا اور بعد میں مؤکل (وکیل بنانے والا) وفات پا گیا اور وکیل نے اسی طرح کہہ دیا کہ میں اسے ادا کر چکا ہوں، تو اس کی بات نہ مانی جائے گی اور مقروض بری الذمہ نہ ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قرض کا کام کرنے والا دیندار سے وابستہ ہوتا ہے، اب اگر قرض ادا کر دیا جائے تو محصل کا کام ختم ہو جائے گا اور مقروض کے لیے قرض دینے والے کے ذمہ وہی مطالبہ ثابت ہوگا جو قرض دینے والے کے حق میں اس کے ذمہ ثابت ہے اور ہر دو کے حقوق ایک دوسرے کے مقابل میں ہوں گے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ قرض کی ادائیگی قرض کے مطابق ہوتی ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ اس صورت میں وفات یافتہ کو ضامن بنایا گیا ہے اور ذمہ داری دوسرے پر ڈال دی گئی ہے۔ لہٰذا نہ وکیل کو قرض کا ذمہ دار گردانا جائے گا اور نہ مقروض اس سے کچھ مطالبہ کرے گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وکیل اپنی ذات سے ذمہ داری کی نفی کا دعوی کرے تو وہ قابل تسلیم ہے، لیکن ایسا دعویٰ کہ کسی دوسرے کو اس کا ذمہ دار ٹھہرائے تو وہ تسلیم نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ (شرکت کے معاملہ میں) شریک اپنے ساتھی کی تعدی (بیجا زیادتی) کا ذمہ دار ہوتا ہے (کیونکہ اس کی حیثیت ایک امین کی سی ہوتی ہے اور) امانت دار زیادتی کرے تو شریک ثانی اس کا ذمہ دار ہوگا جیسے وفات پا جانے کی صورت میں ہوتا ہے جبکہ اس کا حصہ بتائے بغیر وفات پا جائے۔ ایسی صورت میں متوفی شریک کے ورثاء اس (زندہ شریک) کے حصہ کی

Marfat.com

ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے اگر چہ وہ مال مدین کے پاس ضائع ہو گیا ہو۔ ہاں اگر متوفی نے وفات سے پہلے شریک کا حصہ بتا دیا ہے تو ذمہ دار نہ ہوگا۔ اگر ایک شریک نے اپنے شریک کو منع کیا کہ قرض کے بدلے مال کو فروخت نہ کرے اور اس نے (نہ مانا اور) فروخت کیا تو وہ فروخت صرف فروخت کنندہ کے حصہ میں نافذ ہوگی اور اس کے شریک کے حصہ کی بیع اس کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ اگر شریک نے اجازت دے دی تو (حاصل شدہ) نفع میں دنوں شریک ہوں گے، اگر اجازت نہ دی تو اس کے حصہ کی بیع باطل ہوگی۔ یہ صورت ایسی ہی ہے جیسے (معاملہ مضاربت) میں سفر کرنے سے منع کیا گیا اور مضارب نہ مانے تو اس کا یہی حکم ہے کہ (اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی)۔ اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ہر شریک مال مشترکہ کا امانت دار ہوتا ہے، لہٰذا شرکاء میں سے کوئی شریک جو کچھ بھی نفع یا نقصان کی بابت بتائے یا یہ کہے کہ اس نے اپنے شریک کو مال واپس کر دیا ہے تو اس کو تسلیم کیا جائے گا۔ اگر مال کے ضائع ہو جانے کا دعویٰ کیا تو اس صورت میں دیکھنا چاہیئے کہ سبب معلوم نہیں یا چوری وغیرہ معمولی سبب تھا تب تو اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی لیکن اگر مال کے تلف ہونے کی کوئی نمایاں صورت بتائی گئی، مثلاً آگ لگ جانا تو اس کی شہادت پیش کرنے اور مال تجارت کے جل جانے کا ثبوت مہیا ہوئے بغیر اس کا دعویٰ تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فی الوقع آگ لگی لیکن یہ علم نہیں کہ مال تجارت بھی جل گیا تو اب قسم کھا کر بتانے ہی پر اس کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا۔

اگر ایک شریک نے یہ دعویٰ کیا کہ فلاں مال مشترکہ طور پر خریدا گیا ہے اور شریک ثانی، یہ دیکھ کر کہ مال کی مالیت زیادہ ہے یہ کہتا ہے کہ اس نے یہ مال اپنے لیے خریدا ہے، یا معاملہ اس کے برعکس ہو (کہ وہ یوں کہے کہ میں نے اپنے لیے خریدا ہے اور شریک کہے کہ یہ مشترکہ مال ہے) تو ان صورتوں میں اس فریق کی بات مانی جائے گی جس کے قبضہ میں وہ مال ہوگا۔ اگر کسی شریک کے پاس مال ہے اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ مال تقسیم ہو چکا ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ خاص اس کے حصہ کا ہے، لیکن دوسرا شریک اس سے انکار کرے تو انکار کرنے والے کی بات مانی جائے گی کیوں کہ (مشترکہ معاملہ میں) بنیادی چیز یہی ہے کہ مال کو تقسیم شدہ نہ مانا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شریک یہ دعویٰ کرے کہ مال مشترکہ کسی ناگہانی آفت سے تلف ہو گیا یا یہ کہ کاروبار میں گھاٹا ہو گیا، لیکن دوسرا شریک اس کو نہ مانے اور یہ کہے کہ اس نے اصل بات، چھپالی ہے، نہ مال تلف ہوا ہے اور نہ گھاٹا ہوا ہے تو اب دو ہی باتیں ہیں یا تو ایسے قرائن موجود ہوں گے جن سے عیاں ہو کہ مال کے ضائع ہونے یا (تجارت میں) گھاٹا ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ مثلاً وہ ایسے لوگوں میں رہتا ہے جن سے مال کو تلف ہونے کی بات چھپی نہ رہ سکے یا انھوں نے اس کی بابت کچھ نہ سنا ہو یا مال ایسا نفع بخش ہو جس میں خسارے کا امکان نہ ہو۔ یا پھر ایسا کوئی قرینہ موجود نہ ہوگا (جس سے دعوے کو غلط سمجھا جا سکے)۔ ایسے قرائن کی موجودگی میں بہر حال انکار کرنے والے کی بات مانی جائے گی۔۔ اور جب دعویٰ کرنے والے کی کذب بیانی پر واقعات کی شہادت موجود ہو تو وہ مال کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر قرائن نہ بتاتے ہوں یعنی کذب دعویٰ پر کوئی شہادت اور دلیل موجود نہ ہو تو اس سے حلف لیا جائے گا کہ فی الواقع گھاٹا ہوا یا مال ضائع ہوا (اور اسی پر فیصلہ کیا جائے گا)۔

اگر ایک شریک یہ کہے کہ اس نے (فلاں) مال اپنی ذات یا اپنے کنبے کے لیے خریدا ہے اور دوسرا شریک اس کو نہ مانے اور کہے کہ یہ مال مشترکہ ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ اگر وہ مال واقعی اس کے اور اس کے متعلقین کے کام کا ہے، مثلاً کھانے یا پہننے کی چیز ہے تو اس کی بات بغیر قسم کھائے تسلیم کر لی جائے گی۔ اگر اس کے کام کی چیز نہیں ہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی اور خریدا ہوا مال مشترکہ قرار دیا جائے گا۔

اگر کسی شریک نے دعویٰ کیا کہ دو تہائی مال اس کا ہے، اور دوسرے نے کہا کہ ہر ایک کا نصف حصہ ہے تو جس نے نصف کا دعویٰ کیا اس کی بات مانی جائے گی اور حلف دلا کر وہ مال دونوں میں نصفا نصف تقسیم کیا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ (اس صورت میں) دو تہائی کے دعویدار کو نصف اور آدھے مال کے دعویدار کو ایک تہائی ملے گا۔ باقی چھٹا حصہ جو متنازعہ فیہ رہ جائے گا وہ نصفا نصف تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس طرح ایک تہائی والے کو ایک تہائی اور چھٹے حصہ کا آدھا حصہ (یعنی ۱/۱۲) ملے گا۔ اسی طرح دو تہائی والے کو آدھا اور نصف چھٹا حصہ (یعنی ۱/۱۲) ملے گا۔ اگر یہ نزاع دو شرکاء سے زیادہ کے درمیان ہو تو مال کی تقسیم فی کس کے حساب سے یکساں ہو جائے گی۔

اگر ایک شریک نے کوئی مال اپنے شریک کے قبضہ میں دیکھ کر کہا کہ یہ مال مشترکہ ہے؛ دوسرے نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ وہ اس کا اپنا خاص مال ہے تو اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک تو یہ کہ ایسی شہادت مل جائے کہ وہ مال شرکت مفاوضہ کے طور پر دونوں کے تصرف میں ہے یا وہ دونوں اس امر کا اقرار کر لیں کہ ان میں باہم شرکت مفاوضہ ہے اور انکار کرنے والے کے حق میں کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انکار کرنے والا ایسی شہادت پیش کر دے کہ یہ مال اس کو ورثہ میں ملا ہے یا کسی کا عطا کردہ ہے وغیرہ تو ایسی حالت میں وہ مال اس کا خاص مال قرار دیا جائے گا جس نے مدعی کے قول سے انکار کیا، قطع نظر اس کے کہ گواہ نے بتایا ہو کہ یہ مال معاہدۂ شرکت سے پہلے اس کے پاس موجود تھا اور اس کو مشترکہ مال میں شامل نہیں کیا گیا۔ یا گواہ کہے کہ اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ شرکت مفاوضہ پہلے ہوئی یا مال پہلے کا ہے۔ اگر یہ بیان کیا جائے کہ شرکت پہلے ہوئی اور اس امر کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ یہ مال شرکت میں شامل نہیں کیا گیا تو اس مال کو مشترکہ قرار دیا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ہر شریک دوسرے شریک کا امانت دار ہوتا ہے، کیوں کہ اس کی حیثیت ایک وکیل کی سی ہوتی ہے، لہٰذا سرمائے کے متعلق اس کے نفع کے بارے میں اور اس بات میں کہ نفع ہوا یا نہیں، نیز مال کے تلف ہو جانے کے باب میں جو کچھ وہ کہے اس کی بات مانی جائے گی بجز اس صورت کے جب کہ شریک ثانی ایسا گواہ پیش کرے جو اس کے قول کے خلاف شہادت دے۔

اگر وہ مال کے تلف ہونے کا کوئی نمایاں سبب بیان کرے تو اس کے متعلق گواہ پیش کرنے کا پابند ہوگا۔ پھر حلف اٹھانا ہوگا کہ اسی سبب سے وہ مال تلف ہوا۔

شریک کار کے اس دعوے کو تسلیم کیا جائے گا کہ فلاں مال اس نے اپنے لیے خریدا ہے یا شرکت کے لیے۔

اصل "اَأجر" بروزن اکرم ہے۔اس کا اسم فاعل مُوجِرٌ بروزن مُکرِمٌ ہے تاہم صحیح بات یہی ہے کہ اجارہ فعل اَجَرَ کا مصدر سماعی ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا پس جس طرح اجارہ فعل اَأْجَرَ بروزن اَکْرَمَ کا مصدر قیاسی ہے اسی طرح اجارہ فعل اَجَرَ بروزن ضرب کا مصدر سماعی ہے۔اسی طرح اجرت کا اسم ہے۔اور اجرت کہتے ہیں مزدور کی مزدوری یا کرایہ کو۔اور لفظ آجر مدالف کے ساتھ فاعل بفتح فاوعین بروزن قَاتَلَ آتا ہے جس کا مصدر فعال اور مفاعلہ ہے، لیکن اس لفظ کو مکان وغیرہ اشیاء کے لیے جس میں باب مفاعلہ کی خاصیت (یعنی اشتراک فریقین) مقصود نہ ہو استعمال کرنا درست نہیں ہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ "آجَرْتُ الدَّارَ مُوَاجَرَةً" بروزن قَاتَلْتُ مُقَاتَلَةً درست نہیں ہے۔اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ اُجْرَتْ بروزن اَفْعَلَ یَا اَکْرَمَ کہا جائے۔ایسی صورت میں یہ فعل متعدی بہ دو مفعول ہوگا۔چنانچہ کہا جائے گا "اَجَرْتُ مُحَمَّداً نِ الدَّارَ"۔یعنی میں نے محمد کو مکان کرایہ پر دیا۔اور آجَرَ بروزن فَاعَلَ فعل لازم ہے، متعدی نہیں ہے اور اسی سے مُوَاجَرَةُ الْاَجْر بنا ہے چنانچہ یوں کہا جائے گا کہ آجَرْتُ الْاَجِیْرَ مُوَاجَرَة (یعنی میں نے مزدور کو مزدوری پر لگایا) تاہم اگر لفظ مواجرۃ (یعنی مزدوری پر) نہ کہا تو یہ صورت درست ہے کہ فَعَلَ کو اَفْعَلَ بروزن اَکْرَمَ خیال کیا جائے۔ایسی صورت میں مصدر اِیْجَارٌ ہی ماننا پڑے گا۔اور یہ درست ہے کہ آجَرَ کو فَاعَلَ کے وزن پر سمجھا جائے اور اس کا مصدر اَلْفِعَالُ اور اَلْمُغَاعَلَةُ ہو۔اس صورت میں کہا جائے گا آجَرَهُ اِیْجَاراً و مُوَاجَرَةً (یعنی اسے مزدوری یا معاملہ اجرت پر لگایا)۔

اس لفظ کے (اصطلاحی) شرعی معنے مختلف مسالک کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ: "اجارہ" ایک عقد (معاہدہ) ہے جس کی رو سے ایک شخص کو اجرت پر لی ہوئی شے کی معلوم متعین اور بامقصد منفعت کا مالک بنا دیا جائے"۔اس تعریف میں لفظ عقد (معاہدہ) سے مراد ایجاب وقبول (قول وقرار) ہے۔اس کا الفاظ میں ہونا ضروری نہیں ہے، چنانچہ اگر مثلاً ایک شخص نے کوئی مکان کسی سے ایک سال کی مدت کیلئے کرایہ پر لیا، کرایہ کی میعاد ختم ہوگئی اور مالک مکان نے مطالبہ کیا کہ مکان خالی کر دے ورنہ آئندہ اس کا کرایہ اتنا ہوگا۔اب اس کرایہ دار نے مکان خالی کرنا شروع کر دیا اور ایک مدت کے بغیر اس کا خالی کرنا ممکن نہ ہوا تو کرایہ دار پر اس مدت کا کرایہ مثلی جو اس جیسے مکان کا عام طور پر ہوتا ہے ادا کرنا لازم ہوگا۔ایسی صورت میں اس مدت کا عہد اجارہ بغیر کسی لفظ کے استعمال کیے نافذ ہو جائے گا۔مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

"منفعت کا مالک بنا دینے کے الفاظ سے معاملہ بیع وہبہ وصدقہ خارج ہوگیا، کیوں کہ ان معاملات میں اصل شے

کا مالک بنایا جاتا ہے، محض اس شے کی منفعت کا مالک نہیں بنایا جاتا۔

واضح ہو کہ عقد نکاح کے بارے میں بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ جہاں تک استمتاع (استفادہ) کا تعلق ہے یہ بھی ایک شے کی تملیک ہے، اس لحاظ سے کہ اس سے عضو مخصوص کی ملکیت حاصل ہوتی ہے کہ اس سے مرد استفادہ کرتا ہے۔ نیز بعض اصحاب کہتے ہیں کہ عضو خاص سے استفادہ کے علاوہ وہ تمام اعضائے بدن سے استفاہ کا مالک ہو جاتا ہے بدیں جہت کہ اس سے استفادہ کا حق خاوند کے سوا کسی اور کو نہیں ہوتا۔ یہ دونوں اقوال تقریباً یکساں ہیں کیوں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ نکاح سے خاوند اصل شے منکوحہ کا مالک ہو جاتا ہے اس کا بھی یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ حقیقی معنوں میں اس کے وجود کا مالک ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص لونڈی مملوکہ کا مالک ہوتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے تمتع کا مالک ہوتا ہے جس کا حق اس کے سوا کسی اور کو نہیں ہوتا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نکاح ایک معاہدہ ہے جس کی رو سے ایک مرد کو تمتع استفادہ مخصوص کا حق مفہوم ہوتا ہے۔ یہاں تک ملک سے مراد خصوصیت حاصل ہونا ہے جس کے ساتھ ساتھ استفادہ مخصوص حلال ہو جاتا ہے۔ بہر حال عقد نکاح عقد اجارہ سے خارج ہے۔ اور پہلی تعبیر کی رو سے یہ تملیک ذات محض ظاہری اعتبار سے ہے۔ عقد اجارہ میں ظاہری اور حقیقی دونوں حیثیت سے منفعت کا مالک بنایا جاتا ہے۔ دوسری تعبیر کی رو سے عقد نکاح عضو مخصوص کی منفعت کا مالک بنانا نہیں بلکہ صرف نفع اندوز ہونے کا اختیار دینا ہے۔ ان دونوں باتوں میں فرق ہے، کیوں کہ جو شخص کسی شے کی منفعت کا مالک ہوتا ہے، وہ اس شے سے حاصل ہونے والے تمام ثمرات کا مالک ہوتا ہے؛ یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ چنانچہ مثلاً اگر شادی شدہ عورت۔ سے بدیں خیال کہ اس کا کوئی خاوند نہیں ہے، کسی نے نکاح کر لیا اور عقد نکاح ہو گیا تو یہ نکاح فاسد ہے لیکن مہر مثل واجب ہے۔ اور وہ شخص جو کسی دوسرے کی منکوحہ عورت سے یہ جانتے ہوئے کہ یہ فعل حرام ہے نکاح کرے تو حد (شرعی سزا) کا مستوجب ہوگا اور ساتھ ہی مہر مثل دینا ہوگا اور اس مہر کا مالک خاوند نہ ہوگا بلکہ وہ عورت اس کی مالک ہوگی اگر خاوند عضو مخصوص کی منفعتوں کا مالک ہوتا تو وہ مہر اس کا حق ہوتا اس کے برخلاف اگر کسی نے دوسرے شخص کی مملوکہ لونڈی سے کسی شبہ کی بنا پر نکاح کر لیا تو جو مہر اس پر واجب ہوگا اس کا مالک اس لونڈی کا آقا ہوگا کیوں کہ وہ شخص (آقا) اس لونڈی کے حصہ مخصوص کا بھی حقیقی مالک ہے جس طرح اس سے حاصل ہونے والے تمام منافع کا مالک ہے۔

(تعریف اجارہ میں) جو لفظ معلوم (متعین) آیا ہے اس سے اجارہ فاسد خارج ہو گیا، کیونکہ اجارۂ فاسد میں ابہام ہوتا ہے جو باعث نزاع بن جاتا ہے۔ مثلاً اجارہ کی مدت یا نفع کی مقدار معلوم نہ ہو جس کا تعین ضروری تھا۔ غرض صحیح اجارہ وہ ہے جس کو شرعی مقصد سے تعلق ہو۔ اور تعریف میں کرایہ پر لی ہوئی شے کی با مقصد غرض کے جو الفاظ ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اجارہ پر لی ہوئی شے کا فائدہ پیش نظر ہونا چاہیئے جو عقل اور شرع کی رو سے پسندیدہ ہو۔ اس سے وہ صورت نکل گئی جس میں کسی شے کو ایسے مقصد کے لیے کرائے پر لیا جائے جو شرعاً اور عقلاً روا نہ ہو۔ مثلاً کوئی گھوڑا برائے چندے یا کرایہ پر لیا جائے تا کہ لوگ جانیں کہ وہ شہسواروں میں سے ہے۔ یا یہ کہ کوئی لباس کرائے پر لیا تا کہ لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا جائے کہ وہ بڑے آدمیوں میں سے ہے کہ ایسا شان دار لباس پہنتا ہے۔ یا کوئی مکان کرائے پر لے لے، رہنے کے لیے نہیں بلکہ اس غرض سے کہ لوگ جانیں کہ بڑا دولت مند ہے جو اس کا کرایہ دے سکتا ہے وغیرہ اس طرح کی اور

Marfat.com

طفلانہ اغراض جن کی کوئی حیثیت مردوں کی نگاہ میں نہیں ہوتی، گوطفلانہ ذہنیت رکھنے والوں کے لیے وہ پسندیدہ ہو۔ پس مقصودہ بامقصد کی قید سے مراد یہ ہے کہ اس منفعت پیش نظر کا شرع اور عقل کی رو سے کوئی قابل قدر مقصد ہو۔ یہاں لفظ مقصد سے محض مقصد مراد نہیں ہے۔

معاملہ اجارہ میں ان باتوں میں سے اگر کوئی بات پائی جائے تو وہ اجارہ فاسد ہو جائے گا اور کرایہ دار کو اس کا کرایہ ادا کرنا لازم نہیں ہے اگر چہ معاہدے پر عمل ہو چکا ہو۔

اب اگر عقد اجارہ بسبب مبہم (غیر واضح) ہونے کے فاسد ہو گیا لیکن کرائے پر لینے کا مقصد صحیح تھا اور اس پر عمل بھی ہوا تو کرایہ دار پر ادائے کرایہ واجب ہوگا۔

معاملہ اجارہ کے رکن ایجاب وقبول کی بابت پہلے بتایا جا چکا ہے کہ رکن (شے) وہ امر ہے جو اس کی ماہیت میں داخل ہو۔ اور عقد کی ماہیت صیغہ (یعنی قول وقرار یا اس کا طریقہ) ہے جس سے معاہدہ معرض وجود میں آتا ہے۔ ان کے علاوہ وہ رکن ہے جس پر معاہدہ موقوف ہے (یعنی اس کے لیے لازم ہے) یعنی عاقد اور معقود علیہ (فریق معاہدہ اور وہ شے جس پر معاہدہ ہوا)۔ یہ امور ماہیت شے کے معرض وجود میں آنے کے شرائط ہیں (جو ماہیت سے خارج لیکن اس کے لیے لازم ہیں) واضح ہو کہ عقد اجارہ الفاظ کے ذریعہ اور بغیر الفاظ کے معاطاۃ (لین دین) سے بھی ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں یہ شرط ہے کہ الفاظ کا استعمال صیغہ ماضی میں ہو مثلاً کوئی (زبان عربی میں) کہے آجرت هذه الدار مد کے ساتھ یا بغیر مد کے اجرت هذه الدار (یعنی میں نے یہ مکان کرایہ پر دیا) کہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا، اور فریق ثانی کہے قبلت یا استاجرت (یعنی میں نے قبول کیا یا لے لیا۔) لیکن اگر ایک ماضی کا صیغہ استعمال کرے اور دوسرا مستقبل کا تو درست نہ ہوگا۔ مثلاً ایک نے کہا کہ یہ مکان مجھے کرائے پر دے دیجئے اور دوسرے نے کہا کہ کرائے پر دے دیا تو درست نہ ہوگا۔ عقد اجارہ جس طرح لفظ اجارہ سے ہو جاتا ہے اسی طرح، ہبہ، سپردگی اور صلح (صلاحیت دینے یا حق دار بنانے) کے الفاظ سے بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک فریق کہے کہ میں نے اس مکان کا فائدہ اتنے کرایہ پر اور اتنے مہینے کے لیے تمہیں بخش دیا اور دوسرے نے کہا میں نے قبول کر لیا۔ اسی طرح یہ کہنا بھی درست ہے کہ میں نے ایک سال کے لیے اتنے کرائے کے عوض اس مکان سے فائدہ اٹھانے کا حق دار بنا دیا۔ اور دوسرے نے کہا میں نے قبول کیا تو یہ بھی عقد اجارہ ہو گیا۔ اسی طرح لفظ اعارہ سے بھی عقدہ اجارہ ہو جاتا ہے، کیونکہ معاوضہ پر کسی کو عاریتاً دینا بھی کرائے پر دینا ہے۔ لہٰذا اگر یوں کہا کہ میں نے دو اشرفیوں کے عوض اس گھر کو ایک ماہ تک استعمال کرنے کے لیے تم کو عاریتاً دیا (اور دوسرے فریق نے اسے قبول کر لیا) تو یہ بھی اجارہ (کرایہ پر دینا) ہے لیکن اگر یوں کہا کہ میں نے ایک ماہ تک اس مکان سے فائدہ اٹھانے کے لیے تم کو دیا اور معاوضہ (یا کرایہ) نہ بتایا تو یہ عاریتاً دینا نہ ہوگا بلکہ اجارۂ فاسد ہوگا۔ اس کے بعد اگر لینے والے نے مکان کو استعمال کیا تو اس کا کرایہ مثلی ادا کرنا لازم ہوگا۔

دوسری صورت (انعقاد اجارہ کی) معاطاۃ (یعنی لین دین) ہے۔ اس سے بھی عقد اجارہ ہو جاتا ہے، درآنحالیکہ یہ تھوڑے عرصہ کے لیے ہو اور معمولی اجرت (کرایہ) پر ہو جو بالعموم بغیر کسی معاہدے کے رائج ہے اور جس کے لیے کچھ

Marfat.com

طے کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مثلاً کشتی کی سواری یا حمام لینا یا بال منڈانا وغیرہ۔ ایسے معاملات بغیر کسی معاہدہ اجارہ کے ہوا کرتے ہیں اور یہ بھی درست ہے۔ لیکن اگر یہ عمل طویل عرصہ تک جاری رہے تو معاطاۃ (بلا معاہدہ لین دین) سے عقد اجارہ نہ ہوگا جب کہ کرایہ داری ایک سال کے بعد دوسرے سال تک جاری رہے۔ کیونکہ اجرت (یا کرایہ) گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور اس میں نزاع پیدا ہوتا ہے۔ کرایہ داری کی ایسی مثالوں کے منجملہ جن میں الفاظ کے بغیر ہی اجارہ ہو جاتا ہے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص ایک مکان میں طے شدہ کرایہ پر مقررہ مدت تک رہے اور میعاد مدت گزر جانے پر بھی اسی مکان میں اقامت رکھے اور مالک مکان خاموش رہے اور کرایہ (حسب معمول) وصول کرے تو بغیر کسی معاہدے کے عقد اجارہ اگلے سال کے لیے ہو جائے گا۔ اس کی ایک مثال تعریف کے سلسلہ میں اوپر آ چکی ہے۔

واضح ہو کہ اجارہ (کرایہ داری) کی دو قسمیں ہیں: ایک کا تعلق کسی شے کے منافع سے ہے، مثلاً اراضی، مکانات، مویشی اور کپڑے وغیرہ اشیا کا کرایہ پر لینا۔ ایسی اشیاء کی بابت جو معاہدہ کیا جائے گا وہ اس شے کی منفعت پر عائد ہوگا۔ چنانچہ زمین کرایہ پر لینے کی غرض اس سے پیداوار حاصل کرنا ہے۔ مکان کرائے پر لینا رہائش کے لیے ہوگا۔ جانور سواری اور بار برداری کے لیے اور لباس وظروف استعمال کے لیے کرایہ پر لیے جاتے ہیں، لہٰذا ان کی بابت جو عقد اجارہ ہوگا اس کا تعلق ان اشیاء کے نفع سے ہے۔

ایک قسم اجارہ کی وہ ہے جس کا تعلق عمل (یا محنت) سے ہے۔ مثلاً پیشہ وروں سے مزدوری پر وہ کام لینا جو ان کا پیشہ ہے۔ مثلاً کاشتکاری یا آہنگری یا رنگریزی وغیرہ۔ اس میں عقد اجارہ ان کے پیشہ ورانہ کام پر عائد ہوگا؛ ان کی محنت کے نتیجہ میں جو فائدہ حاصل ہو وہ اور بات ہے، اس کا عقد اجارہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (یوں تو) اجارہ اور کرایہ دونوں کے معنے ایک ہیں لیکن اصطلاح میں کسی آدمی یا اشیاء منقولہ مثلاً سامان خانہ، کپڑے اور برتن وغیرہ کے استعمال میں لانے کا معاملہ کرنا اجارہ (یعنی اجرت پر لینا ہے۔) ان کے علاوہ بعض دوسری اشیاء مثلاً کشتی اور جانور سے کام لینے کی اجرت کو بھی کرایہ کہا جاتا ہے حالانکہ یہ اشیاء منقولہ میں سے ہیں۔ کشتی اور جانور کی طرح دوسری غیر منقولہ اشیاء جیسے گھر اور اراضی وغیرہ سے حصول منفعت کے لیے معاہدہ کرنا بھی کرایہ پر لینا ہے۔ بعض اوقات فقہا کرایہ اور اجارہ کو ایک دوسرے کی بجائے استعمال کرتے ہیں۔ بہر حال اجارہ کی تعریف یوں بھی کی جاتی ہے کہ اجارہ ایک معاہدہ ہے جس کے بموجب کسی شے سے جائز منفعت (فائدہ) اٹھانے کا اختیار ایک مقررہ مدت کے لیے ایسے معاوضہ پر دیا جائے جو اس شے کے منافع سے حاصل شدہ نہ ہو۔ کسی شے کو کرایہ پر اٹھانے کا بھی یہی مطلب ہے۔ چنانچہ اس کی تعریف اسی طرح کی جاتی ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ غرض اجارہ اور کرایہ کا مفہوم ایک ہی ہے۔

اس تعریف میں اختیار دینے (یا تملیک) کا جو لفظ ہے اس میں تمام معاہدے جن میں دوسرے کو کسی شے پر اختیار دیا جائے شامل ہیں۔ مثلاً کرائے پر چڑھانا، فروخت کرنا، ہبہ، صدقہ، نکاح کرنا اور مزدوری پر لگانا؛ نیز مضاربت (منافع کے ایک حصہ پر رقم دے کر کاروبار کرانا) اور مساقاۃ (یعنی درخت کی پیداوار پر شجر کاری اور اس کی ساخت پرداخت پر کسی کو لگانا)؛ ان تمام صورتوں میں تملیک ہوتی ہے (یعنی اختیار دیا جاتا ہے۔) اس میں محللہ لونڈی کی تملیک بھی شامل ہے۔ اس

Marfat.com

سے مراد وہ لونڈی ہے جو کسی کو اس معاہدے پر عاریتاً دی جائے کہ عاریتاً لینے والا (حلالہ کر کے یا نکاح کے بعد طلاق دے کر) اس سے نکاح کرنے کو حلال کر دے گا۔

تعریف میں ''فائدہ اٹھانے'' کے جو الفاظ ہیں اس سے بیع، ہبہ اور صدقہ کی صورتیں خارج ہو گئیں کیونکہ ان صورتوں میں کسی شے کا مالک بنا دیا ہوتا ہے، اس شے سے محض فائدہ کا اختیار دینا مقصود نہیں ہوتا۔ لفظ ''شے'' سے ہر وہ شے مراد ہے جس کی منفعت اجرت پر لی جائے خواہ وہ آدمی ہو یا جانور یا لباس یا ظروف وغیرہ جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اس سے عقد نکاح بھی نکل گیا جس میں خاص حصہ بدن کا مالک نہیں بنایا جاتا بلکہ اس سے متمتع ہونے کا اختیار دیا جاتا ہے اور فائدہ اٹھانے کا اختیار دینے سے اس کا مالک بنانا لازم نہیں ہو جاتا، چنانچہ اگر منکوحہ عورت سے جس کا خاوند ہو، کسی شبہ میں نکاح کر لیا جائے تو مہر لازم ہوگا، اور وہ مہر عورت لے گی خاوند نہیں لے گا (کیونکہ وہ شخص عضو مخصوص کا مالک نہیں ہو جاتا) جیسا کہ مسلک حنفیہ کے باب میں اوپر بتایا گیا۔

الفاظ جائز فائدہ کی قید سے محللہ لونڈی کی تملیک خارج ہو گئی جس کا ذکر اوپر ہوا۔ اس کے لیے اجارہ جائز نہیں ہے کیوں کہ اس معاہدہ سے جو فائدہ پیش نظر ہے یعنی مباشرت وہ جائز نہیں ہے۔

الفاظ ''مقررہ مدت کے لیے'' کی قید سے جعل (یعنی مزدوری یا انعام) کی صورت خارج ہو گئی۔ پس اگر کسی شخص نے کسی کو ایک رقم دینے کا وعدہ کیا کہ وہ اس کا گم شدہ گھوڑا ڈھونڈ کر لا دے (تو اجارہ نہ ہوگا کیوں کہ) اس کام کے لیے مدت مقررہ نہیں کی گئی۔

یہ جو کہا گیا کہ معاوضہ اس شے کے منافع میں حاصل شدہ مال سے نہ ہو'' اس سے مساقاۃ اور مضاربت وغیرہ کی صورتیں نکل گئیں کیوں کہ (ان صورتوں میں کارکن کا) معاوضہ (کاروبار یا درخت سے) حاصل شدہ نفع کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اور کام کرنے والا جو کرایہ دیتا ہے وہ مالک کی زمین یا پیداوار میں سے ہوتا ہے جیسا کہ سابقا بتایا گیا۔

واضح ہو کہ عقد اجارہ کے ارکان (اجزائے لازمی) تین ہیں:

عاقد (عقد اجارہ والے) اس میں موجر اور مستاجر (کرایہ پر دینے اور کرایہ پر لینے والا) شامل ہیں۔ معقود علیہ (جس پر معاملہ طے ہوا) یعنی اجرت اور منفعت (کی نوعیت) اور صیغہ یعنی وہ الفاظ یا طریق عمل جو معاوضہ لے کر تملیک منفعت (یعنی استفادہ کا اختیار دینے) کا مفہوم رکھتے ہوں۔

اجارہ کی اقسام شرائط اجارہ کے بیان میں آگے آ رہی ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اجارہ (کرایہ داری) ایک معاہدہ ہے جس کی رو سے کسی شخص کو معلوم (متعین) با مقصد اور قابل بدل و اجارہ منفعت حاصل کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اس تعریف میں معاہدہ سے مراد صیغہ ایجاب و قبول ہے (یعنی قول و قرار کے الفاظ یا طریقے) اس کے لیے ضروری ہے کہ معاہدہ (یا قول و قرار) کرنے والے ہوں۔ منفعت سے مراد وہ غرض ہے جس کے لیے معاہدہ کیا گیا، مثلاً گھر کرایہ پر لیا جائے تو اس کی منفعت رہائش کرنا ہے، زمین کرایہ پر لینے کی غرض زراعت کرنا ہے وغیرہ۔ معاوضہ وہ اجرت (یا کرایہ) ہے جو فریق ثانی ادا کرتا ہے۔ اس کی حیثیت وہی ہے جو

معاملہ فروخت میں دام کی ہے۔

یہ تعریف معاملہ اجارہ کے تمام ارکان (اجزا) پر مشتمل ہے۔ یہ ارکان اجمالی طور پر تین اور تفصیلی طور پر چھ ہیں۔ عاقد میں دو فریق آ گئے (کرایہ یا اجرت پر دینے والا اور لینے والا) لینے والے کو کرایہ دار کہا جاتا ہے اور دونوں میں سے ایک کسی شے کا مالک ہوتا ہے اور دوسرا اس سے فائدہ اٹھانے والا (یا بکار لانے والا)۔ جس غرض سے عقد اجارہ کیا جاتا ہے وہ بھی (باعتبار فریقین) دو ہیں: کرایہ اور استفادہ اور صیغہ (الفاظ قول و قرار) بھی دو ہیں: ایجاب و قبول۔ اور تعریف میں جو لفظ معلوم (متعین) آیا ہے اس سے جعالہ (مزدوری پر کام کرانا) نکل گیا کیوں کہ اس طرح جو معاملہ ہوتا ہے وہ معلوم (متعین) نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص نے کسی سے کہا کہ اتنے معاوضہ پر میرا گم شدہ اونٹ تلاش کر کے لا دو۔ اس میں جس کام کے لیے معاہدہ ہے یعنی اونٹ کو تلاش کر لانا وہ متعین نہیں ہے بلکہ نا معلوم ہے (یعنی کتنے عرصہ میں لائے اور کہاں سے لائے) اور با مقصد کا لفظ لانے سے یہ غرض ہے کہ وہ منفعت (اہمیت رکھتی) ہو ایسی معمولی نہ ہو جس کی کوئی قیمت نہیں ہے جیسے سیب کو سونگھنے کے لیے کرایہ پر لینا۔ اور قابل بدل کی قید لگانے سے ایسا معاملہ خارج ہو گیا۔ جس کی منفعت کسی کو عطا نہ کی جا سکے (یا کوئی دوسرا مستفید نہ ہو سکے) جیسے عقد نکاح کہ یہ بھی ایک معاہدہ ہے جو ایک عضو بدن سے تمتع حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے، لیکن یہ منفعت عقد کرنے والے کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں دی جا سکتی۔ مزید براں حقیقت یہ ہے کہ حصول منفعت کے لیے معاہدہ کرنے کے جو الفاظ تعریف میں آئے ہیں اس میں عقد نکاح آتا ہی نہیں ہے کیوں کہ عقد نکاح سے (خاوند) کو عضو مخصوص سے صرف تمتع کا حق حاصل ہوتا ہے، عقد سے اس تمتع کا وہ مالک نہیں ہو جاتا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر ایک منکوحہ عورت سے کوئی شخص کسی شبہ میں مباشرت کر لے تو وہ عورت مہر کی حق دار ہو گی اور اسی کو ملے گا خاوند کو نہیں ملے گا کیوں کہ خاوند منفعت کا مالک نہیں اسے صرف مستفید ہونے کا حق ہے۔

تعریف میں نا قابل اجارہ کی قید لگانے سے مملوکہ لونڈی کو مباشرت کے لیے کرائے پر دینا خارج ہو گیا کیوں کہ کرایہ پر مباشرت کی منفعت حاصل کرنا حلال نہیں ہے۔

معاوضہ پر کے الفاظ سے عاریتاً دینے کی صورت نکل گئی کیوں کہ جو شخص عاریتاً کوئی شے لیتا ہے اس کا معاوضہ نہیں ہوتا۔

لفظ معلوم (یا متعین) کہنے سے معاملہ مساقات تعریف سے خارج ہو گیا۔ اس میں معاوضہ کی مقدار معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ پیداوار کی مقدار کا (پہلے سے) جاننا ممکن نہیں۔ گو نفع میں سے ایک حصہ کا تعین اس میں ضروری ہوتا ہے، مثلاً تہائی وغیرہ۔

اجارہ کی اقسام اجارۂ عین اور اجارۂ ذمہ کی تفصیل شرائط اجارہ کے بیان میں آگے آ رہی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اجارہ ایک معاہدہ ہے جو مسلسل حاصل ہونے والی مباح اور معلوم منفعت کے لئے متعین معاوضہ اور مقررہ عرصہ کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس میں معقود علیہ (یعنی جس بات کا معاہدہ ہوتا ہے وہ کسی شے کی منفعت ہوتی ہے اصل شے نہیں ہوتی۔ غرض معقود علیہ کسی شے کے استعمال کا حق ہوتا ہے اس شے کی ملکیت نہیں ہوتا۔ لہذا وہ ایک ضمنی امر ہے، اصل شے نہیں ہے، اصل شے کی طرف معاہدے کی نسبت اس سے حاصل ہونے والی منفعت کے پیش نظر

ہوتی ہے۔

اجارہ کی وہ تعریف جو دوسرے مسالک کی رو سے اوپر بتائی گئی ہے اس سے عیاں ہے کہ معاملات بیع' ہبہ' صدقہ وغیرہ' جن میں کسی شے کی بابت نہ کہ اس کی منفعت کی بابت معاہدہ کیا جاتا ہے اس تعریف سے خارج ہیں۔ اسی طرح وہ معاملات بھی اس میں نہیں آتے جن میں ناجائز منفت پر معاہدہ کیا جائے۔ اس کے ارکان وہی ہیں جو بیع کے ہیں۔ یعنی عاقد (معاہدہ کرنے والا)' معقود علیہ (جس بات کا معاہدہ کیا جائے) اور صیغہ (قول وقرار یا طریق معاہدہ)۔ عاقد میں کرایہ پر دینے اور لینے والے شامل ہیں۔ معقود علیہ میں اجرت (یا کرایہ) اور منفعت (جس بات کے لئے معاہدہ کیا گیا) داخل ہیں اور صیغہ میں ایجاب وقبول (یا قول وقرار) آ گئے جیسا کہ ارکان کے بارے میں شافعیہ اور مالکیہ کی رائے (اوپر) بتائی گئی۔

سابقاً بیع کے بیان میں بتایا گیا ہے کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس میں رکن صرف صیغہ (قول وقرار) ہے۔ صیغہ کا لفظ اصطلاحی ہے۔ صیغہ (یا قول وقرار) ہر ایسے لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے جس سے فریقین کا یہ مقصد (یعنی اجارہ) معلوم ہو جائے۔ صیغہ میں یہ امر ملحوظ ہوتا ہے کہ فریقین اس کے لئے جو الفاظ استعمال کرتے ہیں ان سے ان کا مدعا واضح ہو جائے اور شبہ یا نزاع کی گنجائش نہ ہو۔ شارع علیہ السلام نے معاہدہ کے لئے خاص الفاظ متعین نہیں فرمائے اور نہ ان کی 'تعریف' بتائی ہے بلکہ اس کے لئے کوئی بھی قید نہیں رکھی۔ لوگ اس مقصد کو ادا کرنے کے لئے جو عبارت چاہیں استعمال کریں تا کہ ان کا مقصد متعین ہو جائے چنانچہ اس مدعا کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ اجارہ (کرایہ) استعمال کیا جا سکتا ہے' خواہ اس کو اصل شے کی طرف نسبت کیا جائے جیسے یوں کہنا کہ میں نے یہ مکان آپ کو اتنی اجرت پر دیا' یا اصل شے کی بجائے اسے منفعت کی طرف منسوب کیا جائے مثلاً یہ کہنا کہ میں نے اس مکان کی منفعت کو اتنی اجرت پر آپ کے حوالے کیا۔ یہ معاہدہ (لفظ اجرت کی بجائے) کرائے کا لفظ استعمال کر کے بھی ہو سکتا ہے، مثلاً یہ کہنا کہ میں نے یہ مکان آپ کو کرائے پر دیا یا اس کی منفعت کرائے پر دی۔ اسی طرح لفظ تملیک یا بیع کو منفعت سے نسبت کر کے بھی یہ معاہدہ ہو سکتا ہے' مثلاً یوں کہنا کہ میں نے اس مکان کی منفعت کی ملکیت آپ کو دی (یا اس کی منفعت کا مالک بنا دیا) یا اس مکان میں رہائش کا حق آپ کے ہاتھ (اتنے میں) فروخت کر دیا۔

عقد کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ عقد کسی شے معلومہ کی منفعت پر عائد ہو' مثلاً ایک شخص دوسرے سے یوں کہے کہ میں نے یہ اونٹ یا یہ مکان آپ کو کرایہ پر دیا یا پھر وہ عقد اس شے کی صفت خاص پر عائد ہوتا ہے مثلاً یوں کہنا کہ میں نے آپ کو ان صفات کا اونٹ کرایہ پر دیا (یعنی وہ بار برداری یا سبک رفتاری والا ہے)۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ معاہدہ کسی معلوم کام پر عائد ہو جیسے ایک شخص کسی سے کہے کہ میں نے تم کو اتنی اجرت پر لگایا ہے کہ مجھے یہ دیوار بنا دو یا میرے لئے ایک صندوق تیار کر دو وغیرہ ایسے تمام معاہدات جو پیشہ وروں کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ ان صورتوں میں معاہدہ پیشہ ور کے کام پر عائد ہوتا ہے اگرچہ مقصد اس کام سے حاصل ہونے والی منفعت ہے لیکن معاہدہ جس بابت پر کیا جاتا ہے' وہ کام ہے جس کا فائدہ اس کام کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کی مثال عہد مساقاۃ کی

Marfat.com

عقد اجارہ کی شرطیں

عقد اجارہ کی شرائط بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

سی ہے کہ معاہدہ باغ کی بابت کیا جاتا ہے جس کی منفعت 'پھل' ہے جو اس کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے جس کی تفصیل بتائی جا چکی ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ معاملہ بیع کی طرح شرائط اجارہ کی چار قسمیں ہیں:

اول شرائط انعقاد کہ جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں عقد اجارہ معرض وجود میں نہیں آسکتا۔

دوم شرائط صحت کہ ان کے بغیر بھی عقد اجارہ ہو جاتا ہے' لیکن صحیح نہیں ہوتا۔

سوم شرائط لزوم کہ ان کے بغیر اجارہ لازم نہیں ہوتا (اگر یہ شرائط پوری ہو جائیں تو پھر اس معاہدے سے ہٹا نہیں جا سکتا)

چہارم شرائط نفاذ کہ ان کے بغیر عقد اجارہ پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا۔

شرائط انعقاد میں چند امور شامل ہیں: مثلاً ذی عقل ہونا یعنی جنون زدہ یا بے شعور نابالغ بچے کا کیا ہوا معاہدہ منعقد نہیں ہوگا' لیکن اگر ذی شعور لڑکا خود مزدوری پر لگ جائے یا اپنی مملوکہ شے کرایہ پر دے دے تو اس کا کیا ہوا معاہدہ بلا حصول اجازت منعقد ہو جائے گا درآنحالیکہ ولی نے اسے اجازت دے رکھی ہو۔ اگر وہ اجازت یافتہ نہ ہو تب بھی معاہدہ ہو جائے گا لیکن اس پر عملدرآمد نہ ہوگا حتیٰ کہ ولی اجازت دے دے۔ پس اگر کوئی ذی شعور لڑکا جو معاملہ کا اہل نہ قرار دیا گیا ہو (معاہدے کے تحت) اجرت پر کوئی کام لے لے اور کام پورا کر کے دے دے تو وہ معاوضہ کا حق دار ہوگا۔

واضح ہو کہ ایسے معاملات میں غلام (مملوک) بھی ذی شعور لڑکے کی مانند ہوتا ہے' لیکن غلام کو جو' اجرت ملے گی وہ اس کے آقا کا حق ہے۔ اگر ایسے نابالغ کو بدوران کارکردگی کچھ نقصان پہنچایا ہلاک ہو گیا تو جس نے اسے کام پر لگایا وہ اس کا ذمہ دار ہوگا اور اس پر تاوان عائد ہوگا اور اگر نادانستگی میں وہ ہلاک ہو گیا' مثلاً کسی دیوار پر کام کر رہا تھا اور وہ گر گئی تو اس کا خون بہا (یا جرمانہ) کام پر لگانے والے پر ہوگا اور متوفی کی جو مزدوری ہوگی اسے ادا کرنا ضروری ہوگا اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا ہے تو اس کی تلافی کام لینے والے پر لازم ہوگی۔

اجارہ کی شرائط صحت میں ایک بات فریقین معاہدہ کی رضامندی ہے' لہذا وہ معاہدہ جو جبراً کرایا جائے یا غلطی سے یا بھولے سے کیا جائے اگرچہ وہ منعقد ہو جاتا ہے اور واجب العمل ہوتا ہے لیکن وہ اجارہ فاسد ہوگا۔ ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ (معاہدہ کے مطابق) کام لینے کے بعد اس کام کی اجرت مثل ادا کر دی جائے گی (یعنی وہ اجرت نہیں جو طے ہوئی ہے)

ایک اور شرط یہ ہے کہ جس بات کا معاہدہ کیا گیا ہے اس پر عمل درآمد کی قدرت حاصل ہو' لہذا گم شدہ جانور کے بارے میں جس کو ڈھونڈ کر لانا بس کی بات نہیں ہے معاہدۂ اجارہ کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح کسی شخص سے اجرت پر گناہ کا کام لینا درست نہیں ہے' کیوں کہ گو وہ کام مقدور میں ہو لیکن شرعاً اس کو مقدور سے باہر مانا جاتا ہے۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ جس بات کے لئے معاہدہ ہوا وہ اجارہ سے پہلے ہی اجیر پر فرض یا واجب نہ رہی ہو، لہذا حج

کے لئے معاہدۂ اجرت طے کرنا درست نہیں ہے۔ رہی وہ اجرت جو دوسری عبادتوں مثلاً امامت اور اذان کے لئے مقرر کی جائے اس کی تفصیل اس باب میں آئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کس کام کے لئے اجارہ جائز ہے اور کس کے لئے جائز نہیں ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ اجرت پر جو کام لینا ہے اس کی کوئی مقصدی حیثیت ہو' جیسا کہ سابقاً بتایا گیا' اور یہ کہ اجرت معلوم (یعنی مقرر یا متعین) ہو۔

اجرت (میں جو چیز دی جاسکتی ہے اس) کی چند قسمیں ہیں:

اول یہ کہ وہ نقدی مثلاً اشرفی یا قرش وغیرہ ہو اور اس کی تعداد ظاہر کر دی گئی ہو' مثلاً دس اشرفی' نیز اس کی خصوصیت بتا دی گئی ہو جیسے کھری یا کھوٹ والی۔ اگر کسی مقام پر صرف ایک ہی نقدی رائج ہو اور اس کے سوا کوئی اور نقدی رائج نہ ہو تو اجارہ کے معاہدہ میں وہی نقدی مراد ہوگی۔ اگر اس کی صراحت نہیں کی گئی اور اس کی مقدار اور خصوصیت نہیں بتائی گئی اور وہاں پر مختلف قسم کے نقود رائج ہوں تو عقد فاسد ہو جائے گا۔

ادائیگی نقدی کے لئے وقت کا تعین شرط (لازم) نہیں ہے۔ فوری طور پر بھی ادا کی جاسکتی ہے اور تاخیر سے بھی۔ جس ادائیگی میں تاخیر ہو اس کی رقم واجب الادا کی وہی حیثیت ہے جو (قرض خرید شدہ مال کے) دام کی۔

دوسری قسم اجرت کی مکیلات اور موزونات ہیں (یعنی وہ اشیاء جن کی مقدار کا اندازہ پیمانے سے یا تول کر کیا جاتا ہے) یا اشیائے معدودات (جن کو گنا جاتا ہے) اور ان کی مقدار یکساں ہوتی ہے۔ یہ تمام اشیاء معاملہ بیع میں بھی دام بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اور ہر ایسی شے جو دام بن سکتی ہے وہ اجرت بننے کے قابل ہے۔ ایسی اشیاء میں بھی مقدار' خصوصیت اور مدت ادائیگی کا بیان کیا جانا شرط ہے' لہٰذا معاملہ طے کرتے وقت اس کی وضاحت ہو جانی چاہئے۔ مثلاً دس بوری عمدہ قسم کی گندم یا (اس قدر) دیسی گھی پر' جس کی ادائیگی فوراً یا اتنے عرصہ میں کی جائے گی اجارہ کیا جائے۔ پھر اگر اجرت میں ایسی شے دی جائے جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ہے تو اس کی باربرداری کا طے ہو جانا بھی لازم ہے۔ مثلاً کوئی زرعی زمین کچھ عرصہ کے لئے لی گئی جس کا کرایہ بیس بوری لوبیا رکھا گیا تو یہ بتانا ہوگا کہ فلاں مقام پر کرایہ دار اسے حوالہ کرے گا۔ یہ نہ بتایا گیا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ اگر باربرداری پر کچھ خرچ نہ آتا ہو تو اس شرط کی ضرورت نہیں ہے اور اجارہ دار جس طرح چاہے ادائیگی کرے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر ادائیگی کی جگہ طے نہ کی گئی تب بھی معاملہ فاسد نہ ہوگا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اجرت میں جانور دیا جائے۔ پس اگر ایک شخص نے کسی کو ایک اونٹ یا گائے کے معاوضہ میں سال بھر کے لئے خدمت گاری کے لئے رکھا تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس جانور کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا جائے مثلاً کہہ دیا جائے کہ "یہ اونٹ" یا "یہ گائے" اگر ایسا نہ کیا تو معاہدہ فاسد ہوگا۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ اجرت سامان مثلاً کپڑے یا برتن وغیرہ کی شکل میں ہو۔ اس میں بھی ضروری ہے کہ مقدار' خصوصیات اور مدت (ادائیگی) کا تعین کر دیا جائے جیسے یہ کہ اعلیٰ قسم کے کتان کے پانچ تھان فوری طور پر یا اتنے عرصہ میں

Marfat.com

دیے جائیں گے۔ اگر اس طرح نہ بتایا گیا تو عقد اجارہ فاسد ہو جائے گا' کیوں کہ مال تجارت کی حیثیت قرض (دام) واجب الادا کی سی نہیں ہوتی بلکہ (مال) سلم (فراہمی مال وعدہ) کی سی ہوتی ہے' لہٰذا اس میں بیع سلم کی شرائط کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

سامان تجارت اور (مپانے سے) بننے والی اشیاء وغیرہ کی طرف اگر اشارہ کر کے ان کی تعیین کر دی جائے تو پھر کسی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

حنفیہ کے نزدیک یہ شرط لازم نہیں ہے کہ اجرت بہر حال (کام کے) بعد ہی ادا کی جائے' خواہ اجرت کی شے متعین اور موجود ہو' قرض نہ ہو' جیسے (یوں کہنا کہ) کہ تمہاری اجرت یہ جانور جو یہاں پر موجود ہے ہوگی۔ یا وہ ایسا قرض ہو گی جو بعد میں ادا کیا جائے گا۔ ایسا حکم اس لیے ہے کہ کوئی شخص اجرت (میں دی ہوئی شے) کا مالک محض عقد اجارہ سے نہیں ہو جاتا اور بقول صحیح اس کی ادائیگی (عقد کے ساتھ ہی) واجب نہیں ہو جاتی کیوں کہ جس بابت پر معاہدہ ہوا ہے وہ منفعت ہے جو رفتہ رفتہ حاصل ہوتی ہے۔ اجرت اس منفعت کا معاوضہ ہوتی ہے۔ چونکہ پوری منفعت سر دست حاصل نہیں ہوتی' لہٰذا اس کا معاوضہ بھی فوراً ادا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس وقت لازم ہوتا ہے جب اجرت پر کام کرنے والا اس کام کو پورا کرے۔ ہاں اگر اجرت فوری طور پر (پیشگی) ادا کر دی جائے تو لینے والا عملاً اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ پس اگر کام لینے والا پیشگی اجرت دے دے تو لینے والا اس کا مالک ہو جاتا ہے اور دینے والے کو اسے واپس لینے کا حق نہیں رہتا۔

اسی طرح اگر عقد اجارہ میں اجرت کی پیشگی (یا فوری) ادائیگی کی شرط ہے تب بھی لینے والا مالک ہو جاتا ہے چنانچہ اگر ایک شخص نے رہائشی مکان کسی کو اس روز سے جس روز معاملہ طے ہوا کرایہ پر دے دیا اور یہ شرط ہوئی کہ کرایہ دار فوری طور پر پیشگی کرایہ ادا کر دے گا جیسا کہ آج کل کرایہ داری کے معاہدات میں ہو رہا ہے تو یہ عمل درست ہے اور کرایہ پر دینے والے کو حق ہے کہ اگر کرایہ (حسب شرط پیشگی) ادا نہ کیا جائے تو اس مکان میں رہائش کے لیے قبضہ دینے سے باز رہے۔ اور اسی طرح یہ بھی حق ہے کہ عقد اجارہ منسوخ کر دے۔ کہا جا سکتا ہے کہ عقد اجارہ میں ایسی شرط کی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں ایک فریق کو فائدہ ہے، دوسرے فریق کو نہیں ہے تو یہ شرط درست کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ 'کرایہ' (مال کے) دام کی مانند ہوتا ہے۔ اس میں بنیادی بات تو یہ ہے کہ فوری طور پر ادا کر دیا جائے اب اگر فروخت کنندہ خود ہی فوری طور پر وصول یابی کا حق نظر انداز کر دے اور تاخیر سے ادائیگی کو مان لے تو اسی پر عمل لازم ہوگا۔ اسی طرح خیار عیب کا حق خریدار کو ہوتا ہے (کہ سودے میں عیب نکلے تو واپس کر دے) لیکن اگر وہ اس حق سے دست بردار ہو جائے تو وہ بیع واجب النفاذ ہو جائے گی۔ وہی بات اس صورت میں بھی ہے کہ کرایہ دار کو حق ہے کہ وہ استفادہ سے پہلے کرایہ نہ دے۔ اگر یہ حق اس نے چھوڑ دیا تو کرایہ کا اسی وقت ادا کرنا لازم ہوگا۔

اگر عقد اجارہ غیر منجزہ ہو (یعنی فوری نافذ العمل نہ ہو)، مثلاً کوئی شخص زرعی زمین یا رہائشی مکان تاریخ عقد سے ایک دن یا زیادہ دنوں کے بعد کرایہ پر رہنے کا معاہدہ کرے اور شرط یہ ہو کہ کرایہ اسی وقت دے دیا جائے تو مکان والا اس کرایہ کا مالک نہ ہو جائے گا بلکہ کرایہ دار کو حق ہوگا کہ کرایہ نہ دے لیکن مکان دار کو یہ حق نہیں ہے کہ کرایہ پر دیئے ہوئے مکان کا قبضہ نہ دے، یا عمل درآمد کا وقت آنے سے پہلے عقد کو باطل یا اسے منسوخ کر دے۔ عمل درآمد مستقبل سے ہونا

Marfat.com

ہے، بقول مفتیٰ بہ، لازم العمل نہیں ہوتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ (کرائے یا اجرت پر) دینے والا اجرت کا مالک چار باتوں سے ہوسکتا ہے:

ایک یہ کہ کرایہ یا اجرت پر لینے یا دینے کا مقصد حاصل ہو جائے۔ دوسری بات یہ کہ اجرت ادا کر دی گئی ہو۔ تیسری بات یہ کہ معاہدہ اجرت کی پیشگی ادائیگی پر ہوا ہو اور معاہدہ منجزہ ہو (یعنی عمل درآمد کو آئندہ پر اٹھا رکھا گیا ہو) اور عقد سے پیوستہ نہ ہو۔ چوتھی بات یہ کہ اجارہ کی جو غرض ہے اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، گو سردست کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو چنانچہ اگر کسی شخص نے ایک گھر مقررہ عرصہ کے لیے (کرایہ پر) لیا لیکن اس دوران اسے استعمال نہیں کیا اگرچہ استعمال سے کوئی امر مانع نہ تھا جو اسے (جبراً) استعمال سے باز رکھے۔ مثلاً کوئی اور شخص کرایہ دار کے راستہ سے حائل ہو جائے اور اس مکان پر ناجائز قبضہ جما لیا تو ایسی صورت میں کرایہ دار پر کرائے کی ادائیگی لازم نہ ہوگی۔

اسی طرح کی یہ صورت ہے کہ کوئی زمین زراعت کے لیے کرایہ پر لی، پھر وہ دریا برد ہوگئی یا آب رسانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا جس سے وہ زمین سیراب ہوتی تھی تو اس کا کرایہ لازم نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں معاہدہ اجارہ کے فسخ ہو جانے یا فسخ نہ ہونے کے متعلق دونوں طرح کے خیالات ظاہر کیے گئے ہیں۔ اگر کوئی کاریگر یا مالک مکان کام کی تکمیل یا حصول منفعت سے پہلے اجرت یا کرایہ کا مطالبہ کرے تو مطالبہ قبول کیا جائے گا اور کام کے مطابق اس کا معاوضہ یا اتنے دن کا کرایہ جتنے دن اس میں رہا ہو ادا کر دیا جائے گا بشرطیکہ مالک کو وہ کام کر کے دے دیا جائے، پس اگر سلائی ہو تو اسی نسبت سے جتنی سلائی کی گئی ہے اجرت دے دی جائے گی۔ اسی طرح مکان میں فرش لگانے والوں نے جس قدر کام کر لیا ہو اسی نسبت سے معاوضہ لے سکیں گے، کیوں کہ جہاں پر انھوں نے کام کیا ہے وہ مالک کے قبضہ میں ہے لہٰذا وہ سپرد شدہ متصور ہوگا۔ لیکن اگر وہ چیز جس پر کام کیا گیا وہ کاریگر کے پاس ہو اور اس کے مالک کو لوٹائی نہیں گئی تو کاریگر کسی اجرت کے مستحق نہ ہوں گے جب تک کہ وہ کام مکمل نہ کر لیں۔ اور بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ جب تک کام پورا نہ ہو جائے کارکن کسی بھی اجرت کا حق دار نہیں ہے۔

صحت اجارہ کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ اجرت یا کرایہ ایسی چیز نہ ہو جس کے لیے عہد اجارہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ کسی مکان میں رہنے کا کرایہ دوسرے مکان میں رہنے کی شکل میں ادا کیا جائے اور نہ ایک شخص کی خدمت کی اجرت میں کسی دوسرے شخص کی خدمت دی جا سکے گی۔ لیکن اگر منفعت مختلف النوع ہو تو صحیح ہوگا؛ مثلاً کوئی باڑہ (یا مویشی خانہ) لیا اور اس کے معاوضہ یا کرایہ میں اپنے جانور کی سواری دی یا مکان لیا اور اس کا معاوضہ (یا کرایہ) مالک مکان کے اونٹوں کی خدمت قرار پائی وغیرہ یہ سب صورتیں درست ہیں۔ مندرجہ بالا حکم اس لیے ہے کہ ہم جنس اشیاء کے لین دین کے معاملات میں (کسی جانب سے) قبضہ میں تاخیر کا ہونا درست نہیں ہے۔ اور یہ بات بتائی گئی ہے کہ منفعت نو پیدا شے کا نام ہے، لہٰذا اس میں قدرتی طور پر تاخیر ہوتی ہے۔ ہاں اگر اجناس (معاوضہ) مختلف ہوں تو اس میں تاخیر سے وصول یابی درست ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے پڑوسی کو اپنا بیل دیا کہ اس سے جوتنے کا کام لے اور اس کے عوض اس کا گدھا یا گھوڑا لیا کہ اس پر سواری کرے تو درست ہے۔ لیکن اپنا بیل دے کر اس کا کوئی اور بیل لیا تو یہ درست نہیں ہے کیوں کہ

Marfat.com

دونوں کی منفعت یکساں ہے۔تاہم اگر ایسا کوئی معاملہ کرلیا تو کام میں لانے کے بعد ہر ایک کو اجرت مثل (یعنی وہ اجرت جو اس جیسے کام کی بالعموم ہوا کرتی ہے) وصول کرنے کا حق ہے۔۔

صحت اجارہ کی ایک اور شرط یہ ہے کہ معاملہ اجارہ میں کوئی ایسی شرط نہ رکھی جائے جو تقاضائے معاملہ کے خلاف اور نامناسب ہو۔یہ شرط جملہ معاملات میں نافذ ہے۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ اجارہ کی جو غرض ہے اس کو فریقین اچھی طرح جانتے ہوں تاکہ لڑائی جھگڑے کا اندیشہ نہ رہے اور اس کا اچھی طرح سے جاننا چند باتوں پر موقوف ہے:

ایک بات تو یہ ہے کہ مدت (معاہدہ) طے شدہ ہو، کیوں کہ اگر فریقین میں یہ امر طے ہو چکا ہو تو منفعت کی حد متعین ہو جائے گی، چنانچہ اگر کوئی شخص ایک مکان، مثلاً ایک سال کی مدت کے لیے لیتا ہے تو ایک سال کی مدت طے کر لینے سے مکان سے فائدہ اٹھانے کی حد متعین ہوگئی۔اسی طرح اگر ایک شخص کوئی زرعی زمین ایک مقررہ عرصہ کے لیے کرایہ پر لیتا ہے تو اس مدت کے متعین ہو جانے سے اس کی منفعت کا تعین ہو گیا۔

واضح ہو کہ مملوکہ اشیاء کے لیے مدت اجارہ کی کوئی حد نہیں ہے۔مالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنی زمین کو کتنے ہی لمبے عرصہ کے لیے کرایہ پر دے دے، خواہ، بقول معتمد، اتنی طویل مدت کے لیے ہو جس میں فریقین کی زندگی بالعموم متوقع نہ ہوتی ہو۔لیکن وقف شدہ املاک میں سے اراضی کو تین سال سے زیادہ عرصہ کے لیے اور مکان یا دکان وغیرہ کو ایک سال سے زیادہ عرصہ کے لیے کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا۔ہاں اگر مصلحت کا تقاضا ہو کہ اس سے زیادہ عرصہ کے لیے کرایہ پر دی جائے تو ایسی حالت میں قاضی حاکم شرع کو اختیار ہے کہ اس سے زیادہ عرصہ کے لیے دے دے۔لیکن ناظر (یا مہتمم) وقف کو حاکم شرع کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔ہاں اگر وقف کرنے والے نے یہ وضاحت کر دی تھی کہ اس عرصہ سے زیادہ کے لیے کرائے پر دینا مفید ہو تو دیا جا سکتا ہے تو اس کے بموجب عمل ہوگا۔اب اگر وقف کرنے والے نے یہ کہہ دیا ہے کہ اس مکان کو ایک سال سے زائد عرصہ کے لیے کرائے پر دینا جائز نہ ہوگا سوا اس صورت کے جب کہ زیادہ عرصہ کے لیے کرائے پر دینے میں ان محتاجوں کے لیے بہتری ہو جن کے لیے وہ املاک وقف کی گئیں ہیں تو مہتمم وقف کو بھی یہ اختیار ہے کہ اس شرط کی موجودگی میں ایک سال سے زیادہ عرصہ کے لیے کرائے پر دے دیں۔

واضح ہو کہ مدت مقررہ سے زیادہ عرصہ کے لیے وقف املاک کو کرائے پر دینے کی ممانعت وقف کرنے والے کے علاوہ دوسرے اشخاص پر عائد ہوتی ہے، وقف کرنے والا اگر چاہے تو اس مدت سے زائد عرصہ کے لیے بھی کرائے پر دے سکتا ہے۔

واضح ہو کہ مدت مقررہ سے زیادہ عرصہ کے لیے وقف املاک کو کرائے پر دینا ہو تو اس کے لیے یہ حیلہ (یا بہانہ) اختیار کیا جا سکتا ہے کہ کرائے پر دینے کے کئی ایک معاہدے یکے بعد دیگرے (مقررہ میعاد مدت کے لیے) کر لیے جائیں۔ ہر معاہدے کی میعاد اراضی کے لیے تین سال اور دوسری املاک کے لیے ایک سال ہو۔پھر یہ وضاحت کر دی جائے کہ فلاں مکان مثلاً دس سال کے لیے کرائے پر لیا گیا ہے اور ہر سال کے لیے ایک الگ معاہدہ ہے یا فلاں زمین نو سال کے لیے (اسی طرح کے معاہدہ پر) لی گئی ہے۔لیکن ایک معاہدے کو دوسرے معاہدے کے لیے مشروط نہ کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

اس طرح کے معاہدے میں یہ ہوگا کہ پہلا معاہدہ تو لازم ہو جائے گا کیوں کہ وہ منجزہ (فوری طور پر نافذ العمل) ہے رہا دوسرا اور اس کے بعد کے معاہدات سو وہ مستقبل سے منسوب ہیں (یعنی غیر منجزہ) ہیں کیوں کہ نافذ العمل ہونے کے وقت سے ایک سال یا تین سال پہلے واقع ہوں گے اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ایسے معاہدات جن کا نفاذ مستقبل سے ہونا ہے وہ لاگو نہیں ہو جاتے لہٰذا مہتمم (وقف) انھیں فسخ کر سکتا ہے درآنحالیکہ اس کے خیال میں وہ (زائد المیعاد) معاہدہ وقف کو نقصان دہ ہو۔

دراصل وقف املاک کو طویل عرصہ کے لیے کرائے پر دینے کی ممانعت اس اندیشہ کے پیش نظر کی گئی ہے کہ اس پر (زیادہ عرصہ تک قابض رہنے کے بعد) کوئی شخص مالک ہونے کا دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ پس اگر متعدد معاہدے ہوں گے اور ہر معاہدہ خاص میعاد کے لیے ہوگا تو ان میں سے صرف پہلا معاہدہ لاگو ہوگا باقی سر دست لاگو نہ ہوں گے، لہٰذا وقف کے بارے میں کوئی اندیشہ نہ رہے گا (اس طرح کے معاہدوں میں) کبھی یہ بات اور کی جاتی ہے کہ پہلی مدت کا کرایہ بہت زیادہ بڑھا کر لگایا جائے اور رباقی مدت کا کرایہ کم ہوتا کہ اگر کرایہ دار معاہدہ کو فسخ بھی کر دے تو وقف کو نقصان نہ ہو۔ تاہم صحیح بات یہی ہے کہ مہتمم وقف کو مدت مقررہ سے زیادہ عرصہ کے لیے کرائے پر دینا درست نہیں ہے، خواہ ایک ہی معاہدے کے ذریعہ ہو یا متعدد معاہدوں کے ذریعہ۔ اگر مہتمم نے ایسا کیا تو معاہدہ فاسد ہوگا اور پوری مدت کا اجارہ منسوخ ہو جائے گا، کیوں کہ معاہدہ کا کوئی حصہ بھی منسوخ ہو تو تمام معاہدہ منسوخ شدہ متصور ہوگا۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ وقف املاک کے لیے لمبی مدت کا معاہدہ کیا جائے تو قاضی کو چاہیئے کہ مصلحت کے مطابق مدت مقررہ میں توسیع کر دے۔

دودھ پلانے والی (دائی) کی اجرت کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ مدت رضاعت جس کو ظئر (یعنی دائی گیری) کہتے ہیں، مقرر کر دی جائے۔ تاہم اجارہ مکانات کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ یہ بتایا جائے کہ اس مکان کو کس طرح استعمال کیا جائے گا۔ ہاں کرایہ پر دی ہوئی زمین کے بارے میں ضروری ہے کہ جو کچھ کرنا ہے اسے بیان کر دیا جائے۔

دوسری بات جس سے منفعت کی توضیح ہو جاتی ہے اس کام کو بیان کر دینا ہے جس کا کرانا مطلوب ہے، مثلاً ڈھلائی، رنگائی، یا سلائی وغیرہ۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کپڑا جسے رنگوانا ہے اس کی تعیین کر دی جائے اور اس کا رنگ جس طرح کا مطلوب ہے بتا دیا جائے یعنی تیز، ہلکا، کچا یا پکا وغیرہ۔ ڈھلائی کے باب میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ کنگن یا انگوٹھی اور اس پر جو کام کرانا ہے اس کی تفصیل۔

حاصل کلام یہ ہے کہ معاملات میں تمام باتوں کو بیان کر دینا ضروری ہے تا کہ کوئی ابہام نہ رہے اور فریقین معاہدہ میں کسی قسم کا نزاع نہ پیدا ہو۔ ان ہی امور میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی جانور کرایہ پر لیا جائے تو واجب ہے کہ جس مقصد کے لیے لیا ہے اس کو بتا دیا جائے۔ مثلاً مال لادنے یا سواری کے لیے اور کتنے عرصہ اور کس جگہ کے لیے اگر یہ بیان نہ کیا گیا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا اور جس قدر فی الواقع فائدہ اٹھایا ہے اس کی اجرت مثل واجب الادا ہوگی۔

تیسری بات (تعین منفعت کے لیے) اشارہ ہے، مثلاً یوں کہنا کہ مجھے اس گندم کو فلاں مقام سے فلاں جگہ

Marfat.com

پہنچانا ہے۔اس طرح جب بار برداری کی چیز معلوم ہوگی اور جہاں منتقل کرنا ہے وہ جگہ متعین ہوگی تو منفعت کی حد معلوم ہو جائے گی۔

صحت اجارہ کی ایک شرط یہ ہے کہ (اجارہ میں) جس جگہ سے استفادہ پیش نظر ہے اس کو بیان کر دیا جائے۔پس اگر کسی شخص کے پاس دو مکان ہیں اور اس نے کسی سے کہا کہ میں نے ان میں سے ایک مکان تم کو کرائے پر دیا اور یہ تعیین نہ کی کہ کون سا مکان دیا ہے تو اجارہ درست نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ عقد اجارہ میں اگر چہ پیش نظر منفعت ہوتی ہے، لیکن بقول راجح یہ چاہیئے کہ عقد کو اس منفعت کرائے پر دی اور اس میں اس مکان کی منفعت ہی پیش نظر ہے کیونکہ مکان کے کرائے پر لینے کا مقصد اس مکان سے فائدہ کی طرف نسبت نہ دی جائے۔لہٰذا یہ نہ کہا جائے کہ میں نے اس مکان کی منفعت اٹھانے کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں لیکن اس فائدے کا وجود سر دست نہیں ہے پس اس کے معرض وجود میں آنے سے پہلے اس کا معاملہ کرنا گویا شے معدوم کا معاملہ کرنا ہے (جو درست نہیں ہے) ہر چند کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقد اجارہ کو گھر کی طرف نسبت کرنے کی غرض بھی یہی ہے تاہم معاملات میں قابل ترجیح بات یہ ہے کہ معاملہ کے (سمجھنے میں) تاویل (یا ہیر پھیر) کی ضرورت نہ پڑے۔

پھر (یہ بھی یاد رہے کہ) جس فائدہ کی غرض سے اجارہ درست ہے اس سے مراد (کسی شے کا) وہ فائدہ ہے جو اصل شے کو یا اس شے کی پیداوار کو ختم نہ کر دے، لہٰذا نقدی کا کرایہ پر لینا درست نہیں ہے کیونکہ اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے یا گائے کو دودھ کی خاطر کرائے پر لینا ہے، کیونکہ دودھ اور پھل ایسی اشیاء ہیں کہ ان سے فائدہ جبھی ہو سکتا ہے کہ انھیں (استعمال میں لا کر) ختم کر دیا جائے۔

اجارہ کے لازم ہونے کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ معاہدہ صحیح ہو۔اگر اجارہ فاسد ہے تو وہ لازم العمل نہ ہوگا ۔اور یہ بھی چاہیئے کہ کرایہ پر لی کوئی شے میں کوئی عیب نہ ہو اور کرائے کی چیز کو لینے والے نے دیکھ لیا ہو۔اور یہ کہ اس میں ایسی خرابی کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو جس سے (متوقع) منفعت حاصل نہ کی جا سکے۔چنانچہ اگر کوئی اونٹ کرائے پر ایک عرصہ تک بار برداری کا کام لینے کی غرض سے لیا اور اسے کوئی مرض لاحق ہو گیا کہ بار برداری میں کمی آ گئی تو وہ معاہدہ قائم نہ رہے گا اور کرایہ دار کو حق ہوگا کہ اسے منسوخ کر دے۔

لزوم اجارہ کی ایک شرط یہ ہے کہ فریقین معاہدہ کو (اس کے عمل درآمد کے بارے میں) کوئی معذوری نہ لاحق ہو۔ اگر کوئی شرعی عذر لاحق ہو گیا تو معاہدہ لاگو نہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ کرایہ دار لڑکا (نابالغ) ہو اور اس کے باپ نے یا باپ کے وصی (گماشتہ) نے یا اس کے دادا یا دادا کے وصی (گماشتہ) نے یا قاضی نے یا قاضی کے امین (معتمد) نے وہ عقد اجارہ کیا ہو اب اگر وہ لڑکا بالغ ہو جائے تو اب عقد لاگو نہ رہے گا۔

ایک شرط یہ ہے کہ اجرت پر رکھنے والے نے وہ شے جس کے لیے اجرت پر کسی کو رکھا تھا، اجرت دے دی گئی ہو؛ اگر وہ مہیا نہ کی گئی تو اجرت لازم نہ ہوگی۔اس شرط کا تعلق عقد اجارہ کے لاگو ہونے سے ہے، اور وہ امور جو آجر پر لازم ہیں

Marfat.com

ابھی بیان کیے گئے ہیں۔

عقد اجارہ کے نافذ ہونے والی شرائط کے منجملہ مالک ہونا اور ولی ہونا ہے۔ لہٰذا فضولی (بے تعلق شخص) کے اجارہ کرنے سے وہ لاگو نہ ہوگا، کیونکہ نہ وہ مالک ہے اور نہ وہ ولی ہے، ہاں اس کا کیا ہوا معاہدہ مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا؛ اس نے اجازت دے دی تو لاگو ہوگا۔ لیکن (اس جارہ کے لاگو ہونے) کی شرط یہ ہے کہ منفعت قائم اور جاری رہے۔ لہٰذا اگر کسی فضولی نے ایک اور شخص کے مکان کو ایک عرصہ کے لیے کرایہ پر دے دیا اور کرایہ دار نے میعاد کرایہ پوری کر لی اور اس کے بعد وہاں سے چلا گیا اور تب مالک مکان کو اس کا علم ہوا اور اس نے اجارہ کی اجازت دے دی تو اب یہ لاگو نہ ہوگا، کیونکہ اس مکان سے استفادہ ختم ہو گیا۔ یہ اجازت اس حال میں موثر ہوتی ہے جب کہ منفعت قائم اور جاری رہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فریقین (اجارہ) کی بھی وہی شرطیں ہیں جو بیع کے لیے پہلے بتائی گئیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: شرط انعقاد (منعقد ہونے کی) شرطیں اور شرط صحت (صحیح ہونے کی شرطیں)۔ منعقد ہونے کی شرط تمیز (صاحب شعور) ہونا ہے، لہٰذا غیر ممیّز (بے شعور) نابالغ بچے کا عہد اجارہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔ غیر ممیّز وہ ہوتا ہے جو اہل عقل کی بات نہ سمجھ سکے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اور (اجارہ کے) لاگو ہونے کی شرط یہ ہے کہ عاقد مکلّف (یعنی احکام شرعیہ کی بجا آوری کا ذمہ دار) ہو۔ پس ذی شعور نابالغ لڑکے کا کیا ہوا معاملہ منعقد تو ہو جاتا ہے لیکن ولی کی اجازت کے بغیر لاگو متصور نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر وہ خود اپنے تئیں مزدوری پر لگائے یا اپنی مملوکہ کسی چیز کو اجرت پر دے دے تو اس اجارہ کا منعقد ہونا ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ یہی صورت غلام کی ہے۔ اور بعض صورتوں میں رشید (صاحب صلاحیت) ہونا عقد کے لازم ہونے کی شرط ہے۔ پس اگر اجرت پر دینے والا احمق ہو اور رشید (صلاحیت رکھنے والا) نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی: یا تو اس نے خود کو اجرت پر لگایا ہوگا یا اپنے مال کو کرایہ پر دیا ہوگا۔ اگر اپنی ذات کو اجرت پر لگایا تو یہ اجارہ منعقد ہو جائے گا اور ولی کی اجازت کے بغیر لاگو ہو جائے گا درآنحالیکہ (اس کی نادانی کے باعث) دھوکا نہ کیا گیا ہو۔ اگر دھوکے سے یہ ہوا ہے تو وہ اجارہ ولی کی اجازت کے بغیر لاگو نہ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی احمق شخص اپنے مال کو کرایہ پر دے تو ولی کی اجازت کے بغیر مطلق نافذ العمل نہ ہوگا۔ اجرت (یا کرایہ) کی بابت یہ شرط ہے کہ وہ غیر مبہم ہو اور کارآمد شے ہو اور (دینے والے) کو اس کے دینے کا اختیار ہو اور (اس کی مقدار) متعین ہو۔ ان امور کی تفصیل وضاحت کے ساتھ بیع کے باب میں بتائی جا چکی ہے۔ وہاں پر ملاحظہ ہو۔

واضح ہو کہ حسب ذیل مسائل میں اجرت کی فوری ادائیگی شرط ہے۔ اگر ادائیگی میں تاخیر ہوئی تو معاہدہ درست نہ ہوگا۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اجرت ایک مقررہ شے ہو۔ مثلاً کسی نے ایک شخص کو سال بھر کے لیے اپنی خدمت گاری پر رکھا، اس کے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا، ایسی صورت میں لازم ہوگا کہ وہ اونٹ فوری طور پر اسے دے دیا جائے اور اسے تین دن سے زیادہ عرصہ تک روک رکھنا جائز نہیں ہے۔ اگر اس سے زیادہ تاخیر کی تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اس معاملہ میں تاخیر بدمعاملگی ہے، کیونکہ اونٹ کی کیفیت میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس کی موجودہ قیمت دس (۱۰) ہے۔ اس کے مقابلہ میں

Marfat.com

جواجرت (خدمت گاری) ہے وہ صحیح ہے اگر وہ اجرت مل گئی تو خادم نے پورا معاوضہ وصول کرلیا۔لیکن اگر تاخیر کی گئی تو ہو سکتا ہے کہ اس اونٹ کو ضعف یا کوئی مرض لاحق ہو جائے جس سے اس کی قیمت کم ہو جائے تو خدمت گزار کو نقصان ہوگا۔یا ممکن ہے کہ (اس دوران) اس میں کوئی فوقیت آجائے تو اس صورت میں اونٹ کے مالک کو نقصان ہوگا۔اس خرابی کو دور کرنے کے لیے واجب ہے کہ اجرت پیشگی ادا کردی جائے۔یہی کیفیت ہر معینہ شے کی ہے جو اجرت میں دی جائے؛ مثلاً کہا کہ یہ کپڑا اجرت (اجرت ہوگی) اس میں بھی کمی بیشی کا امکان ہے اور بدمعاملگی کا احتمال ہے جس سے جھگڑا پیدا ہوسکتا ہے غرض جبکہ متعین شے کو اجرت میں دینا ہو تو واجب ہے کہ اسے فوری طور پر ادا کر دیا جائے۔یہاں تک کہ اس جیسے معاملات میں تاخیر سے ادائیگی اجرت کا عام دستور ہو تب بھی یہی حکم ہے۔اگر عام طور پر تاخیر سے ادائیگی ہی کا رواج ہو تو جلد ادائیگی کی شرط لگا دینا واجب ہوگا ورنہ معاملہ فاسد ہو جائے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اجرت غیر معین ہو۔مثلاً کسی کو کام پر لگایا اور معاوضہ یہ ٹھہرا کہ وہ اسے کوئی اونٹ یا کوئی کپڑا دے گا۔لیکن کسی خاص اونٹ یا خاص کپڑے کی تعیین نہ کی۔اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے کہے کہ میں تم کو سال بھر کے لیے اپنی خدمت گاری پر رکھتا ہوں اس کے معاوضہ میں تمہیں ایک اونٹ دے رہا ہوں۔اس معاملے کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ فریقین یہ شرط کرلیں کہ اجرت پہلے ادا کی جائے گی ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ بموجب شرط فوراً وہ اجرت ادا کردی جائے بصورت دیگر وہ معاہدہ فاسد ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پیشگی ادائیگی کی کوئی شرط نہ ہو لیکن عام دستور یہی ہے کہ ایسے معاملات میں فوراً اجرت ادا کردی جاتی ہے، تو اس دستور کے مطابق اجرت بلا تاخیر ادا کردی جائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ پیشگی ادائے اجرت کی نہ تو شرط ہو اور نہ ایسا کوئی دستور ہی ہو تو اس کی دو شکلیں ہوں گی:

پہلی شکل یہ ہے کہ معاملہ اجارہ اس منفعت پر کیا گیا ہو جس کی ذمہ داری فریق ثانی پر ہو، کسی خاص شے سے استفادہ مقصود نہ ہو۔مثلاً یوں کہا جائے کہ میں اس کپڑے کی سلائی پر تمہیں رکھتا ہوں۔خود سی کر دو یا سلا کر دو۔اس شکل میں ایک شخص کو ایسی منفعت پر رکھا گیا ہے جس کے پورا کرنے کا وہ ضامن ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ کسی خاص چیز سے استفادہ کی شرط پر اجارہ کیا جائے مثلاً کسی کو خدمت گاری کے لیے اجرت پر رکھا یا کوئی مکان کرایہ پر لیا

پہلی شکل میں اجرت کا فوری طور پر ادا کرنا لازم ہے ورنہ فریقین ایک دوسرے کے قرض دار متصور ہوں گے۔کام کرنے والے پر اس کام کی تکمیل بطور قرض واجب ہے اور آجر پر اس کی اجرت قرض ہے۔اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ہاں اگر کاریگر نے کام شروع کر دیا تو اب اجرت کی فوری ادائیگی لازم نہیں ہے، کیوں کہ کاریگر نے جو کام کرلیا وہ گویا آجر نے وصول کرلیا (اور قرض کے بدلے قرض کا معاملہ نہ رہا۔) اس میں یہ واجب ہے کہ کام بلا تاخیر شروع کر دیا جائے۔مثلاً ایک رات دن کے اندر ورنہ یہ معاہدہ درست نہ رہے گا۔پس اگر اجرت خاص معین شے نہ ہو اور اجرت کی جلد ادائیگی کی شرط نہ ہو اور پیشگی ادائیگی کا عام دستور بھی نہ ہو اور جس منفعت پر اجارہ ہوا ہے اس کی ذمہ داری بھی کسی پر نہ ہو تو اجرت کی پیشگی

Marfat.com

ادائیگی ضروری نہ ہوگی۔ ایسی صورت میں عقد اجارہ کی مختلف حالتوں کے مطابق حکم مختلف ہوگا اس کی تفصیل یہ ہے کہ عقد اجارہ جیسا کہ معلوم ہے یا تو کسی آدمی کی ذات سے استفادہ پر ہوگا یا کسی چیز سے حاصل شدہ منفعت پر۔ اول الذکر صورت میں تین قسم کے اشخاص ہوں گے: 'اجیر' (اجرت پر کام کرنے والا یا مزدور) صانع (صنعت کار یا پیشہ ور) اور خادم (خدمت گار)۔ اجیر اور صانع میں یہ فرق ہے کہ اجیر تو جس چیز پر کام کرتا ہے اور وہ اس کے دائرہ قبضہ میں نہیں ہوتی، مثلاً تعمیر کا کام کہ جو کچھ وہ تعمیر کرتا (یا بناتا ہے) وہ آجر کے قبضہ میں رہتا ہے اور کام بنا کر چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ایسا کاریگر جو ایسی شے پر کام کرے جو اس کے قبضہ میں نہ ہو جیسے ترکھان جس کو دروازوں یا جالیوں پر کام کرنے کے لیے لگایا جائے۔ صانع (صنعت کار) وہ ہوتا ہے جو کوئی چیز اپنے قبضہ میں رکھ کر کام کرتا ہے جیسے درزی، لوہار، رنگ ریز۔ پھر صانع کی بھی دو قسمیں ہیں: صانع محض اور صانع بائع صانع محض وہ ہے جو کسی شے پر محنت کے سوا اور کچھ اس میں اضافہ نہیں کرتا اور صانع بائع وہ جو محنت کے سوا اس شے میں کچھ اضافہ کر دیتا ہے جیسے رنگنے والا کہ وہ رنگ کا اضافہ کر دیتا ہے۔ اور خادم وہ ہوتا ہے جسے خدمت گاری پر رکھا جائے۔

ثانی الذکر صورت میں عقد اجارہ کسی مکان، سامان، جانور یا برتن سے استفادہ پر ہوگا۔ اگر کسی آدمی مثلاً کاریگر یا مزدور کو کسی منفعت (یا کام) کے لیے اجرت پر رکھا گیا تو اسے یہ حق نہ ہوگا کہ جب تک وہ کام کر کے سبکدوش نہ ہو جائے اجرت کا مطالبہ کرے۔ ایسے حالات میں پیشگی ادائے اجرت کا کوئی دستور نہیں ہے، لہٰذا فریقین اسی پر عمل کریں گے۔ اگر کسی ترکھان نے مثلاً کام کا کچھ حصہ کر لیا اور اس کی اجرت کا مطالبہ کیا لیکن آجر نے ادائیگی سے انکار کیا تو اسے ادائیگی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر پیشگی ادائے اجرت کا دستور ہو تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اور اگر کام مکمل ہونے سے پہلے ہی چھوڑ دینے کا ارادہ کیا تو جس قدر کام ہوا ہے اس کا حساب کر لیا جائے گا۔

اگر کسی گھر، سامان، سواری، خادم، یا ظروف (فراش) کو کرایہ پر لیا تو اس کا کرایہ پیشگی یا بتاخیر ادائیگی کی بابت باہمی طور پر طے کر لینا درست ہے بشرطیکہ عمل درآمد میں دس روز سے زیادہ کی تاخیر نہ ہو ورنہ پیشگی ادائے کرایہ صحیح نہ ہوگا۔ اگر اس بارے میں فریقین متفق نہ ہوں تو روزانہ کرایہ ادا کیا جائے۔

یہاں تک اجارہ کی اقسام بتائی گئیں ہیں۔

عقد اجارہ کا چوتھا رکن منفعت (یا فائدہ ہے جس کے لیے اجارہ کیا جاتا ہے)۔

منفعت کسی شے کا وصف ہوتا ہے۔ اجارہ میں اس کی جانب اشارۂ حسی نہیں کیا جا سکتا البتہ اصل شے جس سے اس صفت کا تعلق ہے اشارہ سے بتایا جا سکتا ہے بایں طور کہ اصل شے کے جزو سے اس کا تعلق نہ ہو اور اس کا حصول ممکن ہو۔ مثلاً کسی گھر میں رہائش رکھنا ایک منفعت ہے کہ خاص اس منفعت (رہائش) کی جانب اشارہ نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کو گھر سے نہ منسوب کیا جائے اور اس منفعت (رہائش) کا تعلق پورے گھر سے ہوگا۔ اگر نا قابل تقسیم شے، مثلاً جانور کے ایک جزو سے حاصل ہونے والی منفعت کا معاملہ ہو تو وہ شرعاً قابل اعتبار نہ ہوگی۔ لہٰذا اس ایک جزو کے لیے معاہدہ اجارہ درست نہیں ہے۔ اور تعریف مذکور میں یہ جو کہا گیا کہ اس کا حصول ممکن ہو، اس سے وہ منفعتیں نکل گئیں جن کا حصول ممکن نہیں ہے، مثلاً وہ باطنی صفات جو ایک حیوان یا انسان کے ساتھ وابستہ ہوں مثلاً زندگی اور قدرت۔ ان کے لیے عقد اجارہ

درست نہ ہوگا کیوں کہ یہ ایسی منفعتیں ہیں جو ان کی خصوصیات میں سے ہیں؛ ان کو حاصل کرنا ممکن نہیں ہے (یعنی زندگی یا قدرت کسی سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔)

رہا صیغہ (قول وقرار) اس کی شرائط وہی ہیں جو بیع کے بیان میں بتائی جا چکی ہیں اور بوضاحت بتا دیا گیا ہے۔ وہاں پر ملاحظہ فرمایا جائے۔

واضح ہو کہ منفعت (یعنی غرض اجارہ کے درست ہونے کی) چند شرائط ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ اس کی کوئی قیمت ہو، لہٰذا ایسی شے کا کرایہ پر لینا جس کی منفعت بے حقیقت ہو اور جس کی کوئی قیمت نہیں ہے درست نہ ہوگا۔ مثلاً آگ سے تاپنا وغیرہ۔ ایسی باتوں کی تفصیل کہ کس بات کے لیے اجارہ جائز ہے اور کس کے لیے ناجائز ہے، آئندہ آرہی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ منفعت ایسی ہو جس کا حصول مادی یا شرعی طریقہ سے ممکن ہو۔ پہلی صورت کی مثال کسی ایسی زمین کو زراعت کے لیے کرایہ پر لینا ہے جہاں آب پاشی نہ کی جاسکے یا ناقابل زراعت ہو۔ ایسی زمین سے فائدہ اٹھانا مقدور سے باہر ہے۔ ہاں ایسی زمین کا اجارہ جو پانی سے ڈھکی ہوئی ہو لیکن ممکن ہو کہ وہ برآمد ہو جائے، اگرچہ ایسا شاذ ونادر ہوتا ہے، ادائے نقدی کے بغیر درست ہے۔ اگر زمین نکل آئی تو فبہا بصورت دیگر وہ اجارہ درست نہیں ہے۔ ایسی زمین جس کا پانی خشک ہونے اور اس کے برآمد ہونے کی کوئی امید نہیں ہے اس کا اجارہ بہر حال درست نہیں ہے۔ دوسری صورت کی مثال حائضہ عورت کو مسجد کی جھاڑو بہارو کی خدمت کے لیے اجرت پر لگانا یا کسی شخص کو ناحق مار پیٹ کے لیے یا شراب کشید کرنے کے لیے اجرت پر رکھنا ہے، یہ تمام امور شرعاً جائز نہیں ہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ کرایہ پر لی ہوئی چیز یا اس چیز سے پیدا ہونے والی شے (یا پیداوار) کو بالارادہ ضائع کیے بغیر اس سے منفعت حاصل کی جاسکے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی گائے دودھ پینے کے لیے کرایہ پر لی جائے۔ پس اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں نے تمہاری گائے دو اشرفی پر موسم سرما کے لیے کرایہ پر لے لی تا کہ اس سے دودھ حاصل کروں اور اس کو اس نے قبول کر لیا تو یہ عقد فاسد ہوگا۔ اسی طرح یوں کہنا کہ میں نے موسم سرما کے لیے گائے کا دودھ اس کی ذمہ داریوں کے عوض خرید لیا تو یہ درست نہ ہوگا۔ اجرت تو اس لیے درست نہ ہوگی کہ اس اجارہ میں کرایہ پر لی ہوئی شے سے پیدا ہونے والی چیز یعنی دودھ کو فنا کرنا ہوتا ہے کیوں کہ جب تک دودھ کو فنا نہ کیا جائے منفعت حاصل نہ ہوگی۔ اور خریداری اس لیے درست نہ ہوگی کہ دودھ جس کا سودا ہوا ہے وہ تھن میں ہے اور ایسا سودا ممنوع ہے۔

واضح ہو کہ تھن کے اندر دودھ کا سودا کرنا یا کسی جانور کو اس لیے کرایہ پر لینا کہ اس کا دودھ کام میں لا کر فنا کیا جائے ہر حالت میں منع نہیں ہے وہ صرف اس حالت میں منع ہے جب کہ اس کے جائز ہونے کی شرائط (مذکورہ آئندہ) موجود نہ ہوں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تھن کے اندر دودھ کی فروخت یا تو اکواں بغیر ناپے ہوگی یا ناپ تول سے ہوگی۔ پہلی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص بکریوں والے گوالے سے کہے کہ میں نے تمہاری دس یا پانچ بکریوں کا دودھ ہر روز کا ایک مہینے کے لیے اتنے میں خریدا۔ دوسری صورت یوں کہنا ہے کہ میں نے تم سے پچاس سیر دودھ روزانہ ڈھائی سیر کے حساب سے خریدا۔

پہلی صورت کے صحیح ہونے کی نو شرطیں ہیں:

جن بکریوں کا دودھ لیا گیا ان کی تعداد معلوم ہو۔

Marfat.com

وہ بکریاں (دودھ) بیچنے والے کی مملوکہ ہوں۔

سب بکریوں کا دودھ مقدار میں یکساں ہو۔

یہ معاملہ ان ایام میں ہو جب بکریاں دودھ دیتی ہیں، مثلاً برسیم (چارہ) پیدا ہونے والے دنوں میں، کیوں کہ ان ایام کے علاوہ اور دنوں میں دودھ کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

خریدار کو دودھ کی وہ مقدار معلوم ہو جو بکریاں دیتی ہیں۔

دودھ لینے کی جو مدت مقرر کی گئی ہو وہ اتنی ہو کہ میعاد ختم ہونے سے پہلے ان کا دودھ نہ گھٹے۔

دودھ لینا فوراً شروع کر دیا جائے اور قیمت فوری طور پر پیشگی ادا کر دی جائے۔

اگر یہ تمام شرائط موجود ہوں تو دودھ کی فروخت اٹکل سے بھی جائز ہے۔

دودھ کا معاملہ ناپ تول سے ہوا ہو تو اس کی پانچ شرطیں ہیں: اول یہ کہ خریداری دودھ کے ایام میں ہو۔

دوسرے یہ کہ اتنے عرصہ کے لیے ہو کہ مدت ختم ہونے سے پہلے دودھ گھٹ نہ جاتا ہو۔ پس اگر دودھ دینے کا زمانہ چار ماہ تک ہے تو پانچ ماہ کے لیے خریدنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ پانچویں ماہ میں دودھ گھٹ جاتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ خریدار اسی روز سے یا تھوڑے ہی دنوں کے اندر دودھ لینا شروع کر دے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ دام بکری والے ہی کو دیے جائیں، کسی اور کو نہیں۔ یعنی یہ عقد سلم کی طرح کا معاملہ ہوگا جو مالک کے سوا کسی اور سے کرنا درست نہیں ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ دودھ کے دام پیشگی ادا کر دیے جائیں، کیوں کہ یہ بھی عقد سلم کا سا معاملہ ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اس میں خریدا ہوا مال تاخیر سے لیا جاتا ہے، لہٰذا ادائے قیمت میں تاخیر نہ ہونا چاہیے، ورنہ یہ معاملہ قرض دام کے عوض قرض مال ہو جائے گا (جو ناجائز ہے)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ارکان اجارہ میں سے ہر رکن کی شرائط ہیں۔ اجارہ کا پہلا رکن صیغہ (ایجاب وقبول) ہے: اس کی شرائط وہی ہیں جو بیع کی شرائط مذکورہ سابقہ ہیں، مثلاً (صیغہ اجارہ) الفاظ ایجاب وقبول پر مشتمل ہو اور (ایجاب اور قبول) دونوں میں اتنا وقفہ نہ ہو جسے طویل تصور کیا جائے وغیرہ تمام شرطیں جو بیع کے بیان میں بتائی گیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ بیع میں یہ شرط ہے کہ وہ مقررہ عرصہ کے لیے نہ ہو، اس کے برعکس اجارہ (یا کرایہ) میں یہ شرط ہے کہ اس کے لیے مقررہ میعاد طے کر لی جائے۔

ایجاب وقبول کی دو قسمیں ہیں: صراحتاً اور کنایتاً (یعنی کھلے لفظوں میں یا مفہوم کے اعتبار سے)۔ صراحتاً وہ ہے جس کا مطلب اجارہ (یا کرایہ داری) کے سوا اور کچھ نہ ہو، اور کنایتاً وہ ہے جس کا مطلب اجارہ کے سوا اور کچھ بھی ہو سکتا ہو۔

اول الذکر کی مثال یہ ہے کہ مالک مکان یوں کہے کہ میں نے یہ مکان آپ کو ایک سال کے لیے اتنے کرایہ پر دیا، اور کرایہ دار اسی وقت کہے کہ میں نے مان لیا۔ اسی طرح یوں کہنا کہ میں نے کرایہ پر یہ مکان یا اس کی منفعت ایک ماہ کے لیے آپ کے حوالے کی یا اتنے (کرایہ) پر مہینہ بھر کے لیے آپ کو مالک بنا دیا تو یہ سب الفاظ صراحت ہی کے زمرہ میں ہیں۔ اس طرح کہنے سے معاہدہ اجارہ منعقد ہو جاتا ہے، خواہ اسے اصلی شے کی طرف منسوب کیا ہو یا اس کی منفعت کی

طرف۔بعض اصحاب کہتے ہیں کہ لفظ اجارہ وضع (بناوٹ) کے لحاظ سے ایسا ہے کہ اس کو اصل شے کی طرف ہی منسوب کیا جاسکتا ہے (اس شے کی) منفعت کی طرف منسوب کرنا درست نہیں ہے۔لہٰذا اگر یہ کہا کہ میں اس گھر کی منفعت کرایہ پر دیتا ہوں تو یہ عقد باطل ہو جائے گا۔لیکن یہ خیال درست نہیں ہے، کیوں کہ لفظ اجارہ یا (کرایہ پر دینا) منفعت ہی کا مالک بنانے کو تقاضا کرتا ہے۔پس اگر اسے منفعت کی طرف منسوب کیا جائے تو اس سے وہی مفہوم نکلتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

ثانی الذکر کی مثال یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں نے ایک سال کے لیے اس مکان کی منفعت کو اتنے میں آپ کے لیے مقرر کر دی یا اتنے (کرایہ) میں تم ایک ماہ کے لیے میرے مکان میں ٹھہر جاؤ۔یہ کنایہ ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ منفعت کرایہ داری کے طور پر ہو یا کسی اور طرح پر۔

اگر فریقین اجارہ کسی تحریری معاہدہ پر متفق ہو جائیں تو وہ تحریر لفظی ایجاب وقبول کے قائم مقام متصور ہوگی، تاہم اسے (صراحت نہیں بلکہ کنایہ شمار کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ لفظ فروخت کا استعمال اجارہ یا (کرایہ) کے لیے نہیں ہوسکتا، لہٰذا اگر یوں کہا کہ میں اپنا مکان اتنے میں اور اتنے عرصہ کے لیے آپ کو فروخت کرتا ہوں تو یہ نہ تو فروخت کرنا متصور ہوگا اور نہ اجارہ (کرایہ پر دینا) کیوں کہ اس معاہدہ میں لفظ فروخت میں تابید (ہمیشہ کے لیے) کا مفہوم ہے۔اور ''ایک سال کے لیے'' جو کہا گیا اس سے وقت کی قید ہوگئی۔لہٰذا پہلے لفظ کا مفہوم دوسرے کے برعکس ہے۔پس نہ تو یہ صراحت ہوئی اور نہ کنایہ ہوا۔اسی طرح اجارہ (یا کرایہ) کا لفظ استعمال کرنے سے معاملہ فروخت بھی نہیں ہوسکتا۔

جاننا چاہے کہ اجارہ کی دو قسمیں ہیں: اجارہ عین اور اجارہ ذمہ۔اجارہ عین سے مراد وہ عقد اجارہ ہے جس کا تعلق ایک متعین شے کی منفعت سے ہو اور وہ کرایہ پر لینے والے کو معلوم ہو جیسا کہ معاملہ بیع میں حاضر مال کے سودے میں ہوتا ہے اور جو خریدار کو معلوم ہوتا ہے۔مثلاً کوئی شخص ایک خاص چیز جیسے مخصوص زرعی زمین مقررہ کرایہ پر لے تاکہ طے شدہ عرصہ کے لیے اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھائے، یا کوئی مکان اسی طرح کرایہ پر لے تاکہ اس میں رہائش کی منفعت حاصل کرے یا اسی طرح کسی شخص کو سال بھر تک خدمت گاری کے لیے رکھے۔اجارہ ذمہ سے مراد وہ عقد اجارہ ہے جس کا تعلق کسی غیر معین شے کی محض منفعت سے ہے جو اس شے کی صفت ہوتی ہے اور اس کی ذمہ داری اوٹ لی جاتی ہے۔دوسرے لفظوں میں اس اجارہ میں مدنظر منفعت کی حیثیت ایک قرض کی سی ہو جاتی ہے جیسا کہ بیع سلم میں ہوتا ہے۔اس کی تفصیل یوں ہے کہ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں آپ کو اس طرح کا ایک اونٹ کرایہ پر دیتا ہوں جو آپ کو فلاں مقام پر لے جائے۔ اس صورت میں جس منفعت پر اجارہ ہوا ہے اس کا تعلق کسی متعین اونٹ سے نہیں ہے، بلکہ اس صفت سے ہے جو اس میں پائی جاتی ہے اور اس کی ذمہ داری اوٹ لی گئی ہے۔اس تعریف میں ''شے'' سے مراد ہر ایسی شے ہے جس کی ذمہ داری اوٹ لی جائے نہ یہ کہ وہ شے جو قابل منفعت ہو، کیوں کہ کرایہ پر لینے کا مقصد محض وہ منفعت ہے خواہ کسی طرح حاصل ہو۔ اس منفعت کا تعلق کبھی تو معین شے سے ہوتا ہے جیسے کسی خاص اراضی زرعی کی منفعت اور کبھی اس منفعت کا تعلق متعین شے سے نہیں ہوتا جیسے کسی بھی بلا تعین اونٹ کی منفعت جو اس کی صفت ہے۔جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

Marfat.com

اب جاننا چاہیئے کہ اجارۂ ذمہ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مخصوص الفاظ ایجاب وقبول میں ہو؛ اس کے بغیر وہ منعقد نہ ہوگا۔ یہ الفاظ (عربی میں) ''الزمت ذمتک'' اور ''اسلمت الیک کذا'' ہیں (اردو میں یوں کہیں گے کہ میں نے اس قدر آپ کی طرف واجب کر دیا یا اتنا آپ کو دیا) پس اگر ایک شخص کوئی اونٹ کسی سے کرایہ پر لینا چاہے تو لازم ہے کہ اس سے کہے کہ میں نے آپ پر ایسے ایسے اونٹ کا اتنے قرش کرایہ لازم کر دیا تا کہ میرا سامان فلاں مقام پر لے جائے۔ یا یوں کہے کہ میں نے اتنے قرش اس مقصد کے لیے آپ کو دیے ہیں۔ یہی مثال ہر ایسے عقد اجارہ کی ہے جو کسی غیر مقررہ شے کی منفعت کے لیے کیا جائے، مثلاً یوں کہنا کہ میں نے آپ کے ذمہ اتنے قرش اس کپڑے کی سلائی یا اس دیوار کی تعمیر کے لیے لازم کیے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس شے سے استفادہ یا (حصول منفعت) پیش نظر ہے وہ شے متعین نہیں ہے، خواہ اس میں وہ شخص مخاطب ہو یا کوئی اور شخص۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر معین شخص سے اجارہ کیا جائے تو اس میں اجیر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کام کو کسی اور کے سپرد کر دے۔ چنانچہ اگر یوں کہا کہ میں نے اس دیوار کی تعمیر کے لیے آپ کو مزدوری پر لگایا ہے اور اس شخص نے وہ کام خود نہ کیا، بلکہ کسی اور کو اسے بنانے کے لیے کہا تو درست نہ ہو گا۔ پھر اگر دوسرے کارکن کو یہ معلوم ہو کہ یہ معاملہ طے ہوا تھا کہ پہلا شخص ہی وہ کام انجام دے گا تو اس کو اس کام کی اجرت کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ اور اگر اسے یہ حقیقت حال معلوم نہ تھی تو اس کام کی اجرت مثل اس شخص پر واجب الادا ہوگی جس نے اس سے کام کروایا۔

اجارۂ ذمہ میں یہ شرط ہے کہ اجرت اسی جگہ ادا کر دی جائے جس طرح کہ معاہدۂ سلم میں راس المال پیشگی ادا کیا جاتا ہے۔ اس میں تاخیر جائز نہیں ہے ورنہ یہ قرض کے عوض قرض کا معاملہ متصور ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں منفعت اور اجرت دونوں ایک دوسرے پر قرض واجب الادا ہو جائیں گی اور یہ جائز نہیں ہے۔ اور جس طرح اس میں تاخیر جائز نہیں ہے اسی طرح اس کا دوسرے کو منتقل کرنا اور اس کا اوٹنا اور اس کا کسی اور سے مبادلہ کرنا اور اس کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہونا بھی جائز نہیں ہے۔ اس میں سے کوئی بات بھی ہوئی تو اجارہ باطل ہو جائے گا درآنحالیکہ بتاخیر ادائیگی کی شرط ہو۔ اگر فریقین نے بتاخیر ادائیگی کی شرط کی اور وصول کرنے سے پہلے دونوں اپنی جگہ سے ہٹ گئے تو معاہدہ باطل ہو جائے گا۔ ہاں اگر وصول کرنے سے پہلے اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تو معاہدہ درست رہے گا۔

اجارۂ عین (یعنی کسی خاص شے کو کرایہ پر لینے) کی صورت میں اگر اجرت کوئی متعین شے ہو، مثلاً یوں کہا کہ میں تم کو سال بھر کے لیے اپنی خدمت گاری پر اس اونٹ کے معاوضہ میں اجرت پر رکھ رہا ہوں تو اس صورت میں بھی تاخیر سے ادائیگی اجرت صحیح نہیں ہے۔ لیکن اگر اجرت قرض کی ذمہ داری کی صورت میں ہو مثلاً یہ کہا کہ میں تم کو اپنی خدمت گاری کے لیے ایسے ایسے اونٹ کے عوض اجرت پر رکھتا ہوں تو اس صورت میں تاخیر سے ادائیگی یا فوری ادائیگی دونوں صورتیں جائز ہیں۔

اگر ایک شخص نے کسی سے متعین شے کی اجرت پر معاملہ کیا اور فوری یا بتاخیر ادائیگی کی کوئی شرط نہیں رکھی، مثلاً یوں کہا کہ میں نے آپ سے یہ اونٹ اتنے میں کرایہ پر لینا قبول کیا اور (ادائیگی کی بابت) کوئی شرط نہ رکھی تو ایسی صورت میں کرایہ کی فوری ادائیگی لازم ہوگی۔

دوسرا رکن عاقد (معاہدہ کرنے والا) ہے۔ اس میں خواہ اجیر ہو یا آجر اس کے لیے وہی شرائط ہیں جو بیع کے بیان

Marfat.com

میں سابقاً بتائی گئیں۔ مثلاً یہ کہ عاقد کو تصرف کے بارے میں اختیار حاصل ہو۔ لہٰذا کسی نابالغ (بچے) یا جنون زدہ یا ایسا شخص جس کو اس کی حماقت کے باعث معاملہ کا نااہل قرار دیا گیا ہو اس کا عقد اجارہ کرنا مطلق جائز نہیں ہے۔ اسی طرح کسی سے جبراً معاہدہ کرانا بھی درست نہیں ہے اسی طرح کی اور دوسری شرائط ہیں جن کا ذکر بیع کے بیان میں اوپر کیا گیا۔ البتہ خرید و فروخت کے معاملات میں بعض صورتوں میں مسلمان ہونے کی شرط ہے۔ مثلاً کسی کافر کا قرآن شریف یا مسلمان غلام کو خریدنا درست نہیں ہے، البتہ ایک کافر کسی مسلمان کو خدمت گاری پر رکھ سکتا ہے، اگرچہ یہ بھی مکروہ ہے۔ اسی طرح عقد اجارہ میں بھی ہر صورت میں تصرف کی عام اجازت کی شرط نہیں رکھی جاسکتی۔ تاہم احمق شخص کے لیے یہ درست ہوگا کہ وہ ایسے امور میں جو بالعموم ذریعہ کسب نہیں ہیں خود کو اجرت پر لگا دے۔ مثلاً حج کے لیے اسے اجرت پر رکھا جائے۔ لیکن پیشہ ورانہ امور میں جو کمائی کا ذریعہ ہیں، مثلاً لوہاری، ترکھانی کا کام اس کے لیے وہ اجرت پر نہیں لگ سکتا۔

تیسرا رکن (اجارہ) وہ شے ہے جس پر عقد اجارہ کیا جائے۔ اس میں دو امور شامل ہیں: ایک اجرت اور دوسرا منفعت، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ اب جاننا چاہیئے کہ اجرت کبھی تو قرض واجب الادا ہوتی ہے، کوئی معین شے نہیں ہوتی اور کبھی اجرت میں کوئی خاص معین شے رکھی جاتی ہے۔ قرض کی صورت میں وہی شرائط ہیں جو بیع کے بیان میں سابقاً بتائی گئیں، یعنی ضروری ہے کہ اس اجرت کی مقدار، جنس، قسم اور خصوصیت بتا دی جائے۔ مثلاً آجر (کرایہ پر دینے والا) کہے کہ میں نے یہ مکان آپ کو پوری دس مصری اشرفیوں کے کرایہ پر دیا۔ اس میں دس (اجرت کی) مقدار ہے، اشرفی جنس ہے کیونکہ دس کی تعداد قرش ریال اور اشرفی ہر ایک کی ہو سکتی ہے، اشرفی کا لفظ کہنے سے ایک جنس متعین ہوگئی، اور مصری کا لفظ قسم ظاہر کرنے کے لیے ہے کیونکہ اشرفی کی متعدد اقسام ہیں انگریزی، مصری وغیرہ۔ پورا کا لفظ نقدی کی صفت ہے کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ آدھی آدھی اشرفیاں ادا کی جائیں، حالانکہ یہ بعض اوقات ثابت اشرفیوں کی طرح رائج نہیں ہوتیں۔

اسی طرح اگر کوئی جانور کرائے پر لیا، اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کی جنس بتائی جائے کہ گھوڑا یا اونٹ اور پھر اس کی قسم کہ وہ بختی اونٹ ہو یا رومی یا دوغلا وغیرہ اور نر ہو یا مادہ اور اس کی رفتار کی کیفیت یعنی تیز رفتار یا کشادہ قدم یا سست رفتار۔ لیکن اگر اجرت کی چیز کوئی معین شے ہو تو اس کا دکھا دینا شرط ہے، چنانچہ اگر کہا کہ میں یہ مکان اس اونٹ کے عوض کرایہ پر دیتا ہوں تو اس اونٹ کا مشاہدہ کرانا شرط اجارہ ہے۔

ان شرائط کی غرض یہ ہے کہ غلط فہمی اور ابہام (غیر واضح بات) نہ رہے تاکہ فریقین میں نزاع نہ پیدا ہو۔ اسی لیے فقہا نے یہ شرط لگا دی ہے کہ اگر کسی جانور یا سواری کو سوار ہونے کے لیے کرایہ پر لیا جائے تو اس کے سفر کی مسافت جو دن یا رات میں طے کرنا ہو بتا دی جائے۔ البتہ اگر ایسے معاملات میں کوئی عام دستور موجود ہو جس کی پیروی کی جاتی ہے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا ماسوائے اس صورت کے جب کہ کوئی فریق عام دستور کے مخالف کوئی شرط عائد کر دے۔ ایسی صورت میں جو بھی شرط لگائی گئی اس پر عمل درآمد ہوگا۔ اس سے کوئی فرق اس بارے میں نہیں پڑتا کہ کسی معین شے کی شکل میں ہو یا مکیل شے کی شکل میں (جس کا معاملہ پیمانوں میں کیا جاتا ہے)۔

اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ اس شے کو بتا دیا جائے جو (کرایہ کے) جانور پر لادنا ہے درآنحالیکہ وہ شے موجود نہ ہو، اگر موجود ہو تو اس کو دیکھ لینا اور ہاتھ سے محسوس کرنا بھی شرط ہے۔ اگر وہ شے پیمانے سے ناپنے والی ہے تو اس کی جنس بتا دینا

Marfat.com

شرط ہے۔اسی لیے فقہاء کہتے ہیں کہ کسی جانور کو اس کے چارہ کے معاوضہ پر لینا درست نہیں ہے۔ نیز کسی مکان کو مقررہ مدت کے لیے اس کی تعمیر کے معاوضہ پر لینا بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ اس میں معاوضہ (کی مقدار) معلوم نہیں ہے۔ایسی صورتوں میں چاہیئے کہ تعمیر کی مالیت یا جانور پر جو خرچ متوقع ہے اس کی مقدار تشخیص کر لی جائے اور اس کی جو رقم بنتی ہے اس کو کرایہ قرار دیا جائے اور مالک کرایہ دار کو جانور کے چارہ پر خرچ ہونے والی رقم کے مصارف کی اجازت دے دے۔لیکن شرط یہ ہے کہ اس اجازت کو عقد اجارہ سے علیحدہ رکھا جائے۔اس ترکیب سے ایسا کرنا درست ہو جائے گا۔

فقہاء یہ بھی کہتے ہیں کہ (کرایہ کی شے پر) کام کرنے والے کو اس کی محنت کے عوض جو کچھ ملے گا اس سے (کرایہ کی) ادائیگی کی شرط صحیح نہیں ہے، لہٰذا قصاب کو وہ بکری کی کھال جو اس نے اتاری ہے اجرت میں دینا درست نہیں ہے کیونکہ اتاری جانے سے پہلے اس کھال کی کیفیت غیر معلوم ہے؛ ممکن ہے کہ وہ کھال پتلی ہو یا موٹی ہو یا اس میں کوئی ایسا نقص آ گیا ہو جو اس کی مالیت کو کم کر دے۔اسی طرح پیسنے والے کو پسے ہوئے اناج میں سے ایک چوتھائی یا ایک پیالہ اس کا پیسا ہوا آٹا پسائی میں دینا درست نہیں ہے کیونکہ یہ نہیں معلوم کہ اس میں چھانس (یا بھوسی) کس نسبت سے ہے۔ممکن ہے اس میں بھوسی کی مقدار زیادہ ہو یا کم ہو۔یہ بھی نہیں معلوم کہ اسے نکالنے کے بعد آٹے کی مقدار کتنی رہ جائے گی۔اس میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس کی اجرت میں جو آٹا قرار پایا ہے اس کی ادائیگی پر قادر ہونا بوقت معاہدہ شرط (اجارہ) ہے، لیکن ابھی گندم پسی ہی نہیں، پیسنے سے پہلے اس (اجرت کے آٹے کو ادا کرنے کی قدرت ہی نہیں ہوتی) اور بوقت معاہدہ اجرت کی ادائیگی پر قادر ہونا شرط اجارہ کے منافی ہے۔یہی حال بکری کی کھال کا ہے (کہ اتاری جانے سے پہلے) اسے (قصاب کو) نہیں دیا جا سکتا۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فقہا نے حج بدل کے لیے اخراجات دینے کو روا رکھا ہے حالانکہ اس خرچ کی مقدار معلوم نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ حج کا معاملہ اجارہ (اجرت پر رکھنے کا) نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ جعالہ (تقرر) کا ہے یعنی مصارف کار ادا کر کے وہ کام کرانا ہے۔اس میں ایک شخص اپنے حج کے اخراجات ادا کرتا ہے اس کو (اجرت نہیں دیتا۔)

منفعت (یعنی جس غرض کے لیے اجارہ کیا جاتا ہے) اس کی بھی چند شرائط ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ اس کام کی کوئی قدر و قیمت (حیثیت) ہو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔کسی ایسے مفاد کے لیے کرایہ پر لینا جس کی کوئی قیمت نہیں ہے درست نہ ہوگا۔مثلاً کوئی درخت اس لیے کرایہ پر لیا جائے کہ اس پر کپڑا ڈال کر سکھایا جائے یا کوئی برتن دکان سجانے کے لیے کرایہ پر لیا جائے۔اسی میں یہ بھی ہے کہ کسی کو مال کی فروخت کے لیے صدا لگانے پر اجرت دے کر رکھا جائے جیسے دلال ہوتے ہیں۔لیکن اگر اس کام میں زیادہ بات چیت یا دوڑ دھوپ کرنی پڑے یا جگہ جگہ پھرنا پڑے اور مال کھول کھول کر دکھانا ہو یا اس کی فروخت کے لیے بار بار ہانک لگائی جائے وغیرہ تو اس کی اجرت ہوگی، ہاں ایک آدھ بار صدا لگانے کی اجرت نہیں ہے۔تاہم اگر وہ آواز مال کی بکری کا سبب ہو تو اس پر اجرت لینے کا حق ہے۔غرض جو زحمت اس میں اٹھائی جائے اور جتنی زیادہ دوڑ دھوپ اور بات چیت کرنی پڑے اسی کے مطابق اجرت لینا حلال ہے۔تاہم اس کی اجرت اتنی ہی ہوگی جو بالعموم لوگوں میں رائج ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ عقد اجارہ میں اصل شے پیش نظر نہ ہو بلکہ اس سے حاصل ہونے والی منفعت پیش نظر ہو۔مثلاً کوئی گائے دودھ کے لیے کرایہ پر لی تو اس میں (گائے پر اجارہ ہوا ہے مگر) گائے کے ضمن میں حاصل ہونے والی شے

Marfat.com

(دودھ) پیش نظر ہے، اور دودھ ایسی شے ہے کہ گائے کے کرایہ پر لینے سے اسکا قبضہ قصداً براہ راست حاصل نہیں ہوگا بلکہ گائے کے ذریعہ سے حاصل ہوگا، کیونکہ اصل شے اجارہ پر قبضہ براہ راست حاصل نہیں ہوتا تبعاً حاصل ہوتا ہے۔ یہی کیفیت اس صورت میں ہے جب کہ کوئی باغ پھل کے لیے کرایہ پر لیا جائے یا پانی کا تالاب مچھلیوں کے لیے کرایہ پر لیا جائے (کیونکہ اجارہ دراصل باغ یا تالاب پر ہوا ہے، پھل یا مچھلی اس کے ضمن میں حاصل ہوتی ہے یہی صورت ہر اس معاہدے کی ہے) جس میں عقد اجارہ سے کسی شے کی منفعت پیش نظر ہو۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ (پیش نظر) منفعت کسی (فرد خاص) کے تابع ہو، مثلاً ایک شخص نے اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے لیے کسی عورت کو تنخواہ پر رکھا، اس اجارہ کا مقصد بچے کی پرورش ہے جس میں تبعاً دودھ بھی شامل ہے جس طرح کاتب کی سیاہی اور درزی کا دھاگہ کہ معاہدے میں ان سے کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ منفعت کا متعلقہ کام ایسا ہو جس کو حسی یا شرعی حیثیت سے ادا کرنا اجیر کے بس میں ہو، لہٰذا حائضہ عورت کو مسجد کی جھاڑو بہارو کے لیے یا کسی کی بیوی کو اس کی اجازت کے بغیر اجرت پر رکھنا۔

ایک شرط یہ ہے کہ وہ منفعت جو اجارہ سے متعلق ہے وہ کام اجیر پر (پہلے سے) کوئی امر واجب نہ ہو، لہٰذا نماز وغیرہ عبادات کے لیے جس میں کوئی شخص دوسرے کا نائب نہیں بن سکتا، اجرت پر رکھنا درست نہیں ہے۔ رہا وہ جو وقف کرنے والے اماموں موذنوں وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں وہ بہ طور اجرت کے نہیں ہوتا بلکہ وظیفہ ہوتا ہے یا یہ کہ امام کے ایک خاص مقام پر پہنچنے اور اول وقت میں نماز کی ادائیگی کا (اہتمام کرنے) کی اجرت ہوتی ہے، خود نماز کے ادا کرنے کی اجرت نہیں ہوتی وہ تو بہر حال بغیر اجرت کے بھی اسے ادا کرنا واجب ہے۔ البتہ حج بدل کرنے، مردے کو نہلانے، قبر کھودنے میت کو دفن کرنے اور اٹھانے کی اجرت ہو سکتی ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ کام اور منفعت دونوں کی بابت (اہل معاہدہ) کو علم ہو۔ چنانچہ درزی کو کپڑے پر جو کام کرنا ہے اس سے واقف ہونا چاہیئے اور معلم جانتا ہو کہ کتنی دیر تعلیم دینا ہے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ اور جانوروں کی بابت یہ علم ہونا ہے کہ وہ کس قدر بار اٹھا سکتا ہے۔

جن اشیاء کا اجرت پر لینا جائز ہے ان کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس بیان سے اجارے کے دونوں قسمیں یعنی اجارہ عین اور اجارہ ذمہ کی تفصیل معلوم ہوئی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ صحت اجارہ کی تین شرطیں ہیں: اول یہ کہ اجرت معلوم ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”من استاجر اجیرا فلیعلمه اجره“ (یعنی جب کسی کو اجرت پر رکھا جائے تو لازم ہے کہ اس کی اجرت اسے بتادی جائے) اگر اجرت نہ بتائی گئی تو معاملہ اجارہ درست نہ ہوگا۔ اجرت کا پیشگی دے دینا یا بطور قرض اپنے اوپر اوٹ لینا دونوں صورتیں درست ہیں۔ اگر اجرت قرض واجب ہو تو وہ قرض دام کی مانند ہے، لہٰذا جو شے کسی کے ذمہ قرض بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ شے اسی طرح اجرت بھی قرار پا سکتی ہے۔ چنانچہ زرعی زمین کا کرایہ دو بوری غلہ ہو سکتا ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کو ایک قطعہ اراضی دو بوری گندم کرایہ پر زراعت کے لیے دی گئی تو درست ہے لیکن یہ شرط نہ ہو کہ یہ دو بوری گندم اس زمین کی پیداوار میں سے دی جائے گی۔ اگر یہ کہا تو معاملہ درست نہ ہوگا۔ کسی شخص یا دائی کو روٹی کپڑے کے بارے میں تنازع ہو تو عورت کو یہ حق ہوگا کہ وہ بیوی کی طرح کا کھانا کپڑا طلب کرے۔ اس کی پوری تفصیل وہاں پر آرہی ہے جہاں بتایا گیا

Marfat.com

ہے کہ کس چیز کو کرایہ پر لینا جائز ہے۔

اگر کسی نے کوئی کپڑا درزی کو سینے کے لیے یا رنگ ریز کو رنگنے کے لیے دیا یا ایسا ہی کوئی اور کام ہوا لیکن کوئی بات باہم طے نہیں ہوئی تو یہ درست ہوگا اور فریقین کو اجرت مثل تسلیم کرنا ہوگی (یعنی وہ اجرت جو اس کام کے لیے بالعموم ہوتی ہے)، بشرطیکہ اس کاریگر کا پیشہ ہی وہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ اجرت مثل کا مستحق نہیں ہے، تا آنکہ اس کی شرط ہوئی ہو یا صراحتاً یا کنایتاً کچھ طے ہوا ہو۔ ایسی ہی مثال اس صورت کی ہے جب کہ کوئی شخص کسی کا سامان اٹھا کر دوسری جگہ لے جائے اور اس کی بابت کچھ طے نہ ہوا ہو تو بوجھ اٹھانے والے (قلی) کو اجرت مثل کا حق ہوگا۔ اسی طرح وہ صورتیں ہیں جن میں کسی شے کے استعمال کی اجرت بغیر چکائے ہی سب کو معلوم ہوتی ہے، مثلاً حمام، پار اترنے کی کشتی، سر منڈانا، کپڑے کی دھلائی، پانی اور چائے وغیرہ جائز اشیاء کی اجرتیں ہیں کہ ان تمام صورتوں میں اجرت مثل ہوگی (جو عام طور پر مقرر ہوتی ہے)۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے اجارہ کیا گیا ہے اس کا علم ہو، یہ امر بیع کی مانند ہے کہ جس طرح مال فروخت خریدار کو معلوم ہوتا ہے اسی طرح منفعت بھی کرایہ دار کو معلوم ہو۔ اس کا علم دو طرح سے ہوتا ہے:

پہلا طریقہ عرف ہے یعنی عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو کہ اس شے کے کرایہ پر لینے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا تو اب اس کے متعین کرنے کے لیے کافی ہے، مثلاً کسی گھر میں رہائش کرنا ہے کہ لوگ گھر کے اس فائدے سے آگاہ ہیں۔ اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ رہائش کرنے والے کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ گھر میں کوئی ایسا کام کرے جو مکان کو نقصان پہنچائے۔ مثلاً ایک مکان رہائش کے لیے کرایہ پر لیا تو اس کو لوہاری یا ترکھانی کا کارخانہ یا اناج کا گودام وغیرہ بنانا درست نہیں ہے جس سے گھر کو نقصان پہنچے۔ عام طور پر بھی اسے رہائش نہیں کہا جاتا۔

دوسرا طریقہ منفعت کے معلوم کرنے کا یہ ہے کہ اس منفعت کی کیفیت بتا دی جائے۔ مثلاً کوئی اونٹ لوہا لادنے کے لیے کرایہ پر لیا گیا ہے تو چاہیئے کہ اس کا وزن اور جہاں پر لے جانا ہے اس کا فاصلہ بتا دیا جائے، کیونکہ منفعت کی پہچان اس وضاحت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر ایک شخص نے کسی کو سامان اٹھا کر کسی کے پاس پہنچانے کے لیے اجرت پر رکھا اور وہ (سامان لے کر) گیا لیکن جس کے پاس پہنچانا تھا وہ شخص موجود نہ تھا اور وہ سامان لے کر واپس آ گیا تو اسے لے جانے اور واپس لانے کی اجرت کا حق ہے۔ لیکن اگر (مرسل الیہ) وفات پا گیا ہے تو وہ صرف لے جانے کی اجرت کا حق دار ہوگا، کیوں کہ موت امر مجبوری ہے؟ اس میں پیش بندی ممکن ہی نہ تھی بخلاف دوسری صورتوں کے کہ ان میں پیش بندی ممکن ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں بار برداری کے ساتھ جانے سے پہلے وقت، مکان اور زمانہ تمام امور کا پہلے سے طے ہو جانا لازم ہے۔

کسی غیر عورت کو خواہ وہ آزاد ہو یا باندی کسی خدمت کے لیے اجرت (یا تنخواہ) پر رکھنا جائز ہے لیکن لازم ہے کہ آزاد عورت روبرو نہ ہو اور اس پر نظر بالکل نہ ڈالی جائے۔ ہاں اگر کوئی باندی ہے تو اس حصہ بدن کے سوا جس کا ڈھکنا باندی پر نماز میں لازم ہے، اور جس کی تفصیل پہلے بتائی جا چکی ہے، اس کو دیکھنا روا ہے۔ تاہم یہ لازم ہے کہ گھر کے اندر اس باندی یا عورت کے ساتھ تخلیہ میں نہ رہے، کیونکہ ان کا تنہائی میں رہنا برائی کا سبب ہو سکتا ہے۔

ایک منفعت کے عوض دوسری منفعت کا اجارہ درست ہے، خواہ دونوں منفعتیں ایک ہی قسم کی چیزیں ہوں مثلاً ایک شخص کے مکان میں رہنے کا کرایہ دوسرے شخص کے مکان میں رہنا، یا دونوں منفعتیں مختلف اقسام کی ہوں جیسے صنعت کاری یا شادی کرنے کے عوض مکان میں رہنے کا معاملہ کرنا، کیوں کہ ہر وہ شے جو معاملہ بیع میں دام بننے کی صلاحیت رکھتی

Marfat.com

ایسی اشیاء کا بیان جن کا کرایہ پر لینا جائز ہے اور جن کا جائز نہیں ہے

ایسی اشیاء تفصیل طلب ہیں جن کا کرایہ پر لینا جائز ہے اور جن کا لینا جائز نہیں ہے۔ (۱)

ہے جائز ہے کہ اسے اجرت قرار دیا جائے۔

صحت اجارہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ پیش نظر منفعت مباح ہو، درآنحالیکہ وہ ناگزیر نہ ہو۔ اور یہ کہ وہ منفعت امر پسندیدہ (یا مفید) ہو لہٰذا کسی شخص کو مار پیٹ کرنے یا فعل حرام، مثلاً ماتم کرنے کے لیے کسی کو اجرت پر رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح کسی مکان کو قحبہ گری، شراب فروشی یا قمار بازی وغیرہ امور حرام کے لیے کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔

سونے چاندی کے برتن یا کتے کو کرایہ پر لینا حلال نہیں ہے، کیونکہ بلاضرورت اس کا رکھنا جائز نہیں ہے۔ نیز ایسی اشیاء کا کرایہ پر لینا حلال نہیں ہے جن کی منفعت غیر ضروری ہو، مثلاً ایسی اشیاء جن سے دکان یا دسترخوان کی سجاوٹ کی جائے۔

عقد اجارہ کے ارکان (اجزائے لازمی) کی تعداد پانچ ہے: فریقین معاہدہ اجرت و منفعت اور صیغہ (قول و قرار)۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں کرائے پر چڑھ سکتی ہیں ان میں:

(الف) ایسی چیزیں ہیں جن کا کرایہ لینا بالاتفاق درست ہے۔

(ب) ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا کرایہ پر چڑھانا بالاتفاق درست نہیں ہے اور

(ج) ایسی چیزیں جن کے بارے میں اختلاف ہے۔

جن اشیاء کا اجارہ درست ہونے میں اتفاق ہے وہ پانچ ہیں:

(اول) مکانات اور دکانیں۔

(دوم) اراضی زرعی کھیتی باڑی کے لیے سفید زمین تعمیر مکان یا شجر کاری کے لیے۔

(سوم) حیوانات اونٹ، گھوڑے، خچر گدھے اور گائے سواری، باربرداری یا کاشت وغیرہ کے لیے۔

(چہارم) آدمی، خدمت گاری، سامان اٹھانے یا صنعت کاری کے لیے، جیسے درزی، رنگریز اور لوہار وغیرہ۔ اس میں دودھ پلانے والی عورت بھی ہے جسے دودھ پلانے کے لیے اجرت دے کر رکھا جائے۔ اس کو عربی میں ظئر (یعنی دایہ گری یا پلائی) کہتے ہیں۔

(پنجم) کپڑے، خیمہ اور زیور وغیرہ۔

ان تمام اقسام میں سے ہر ایک کے متعلقہ احکامات کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

پہلی قسم یعنی اجارہ دکان و مکان کے متعلقہ امور حسب ذیل ہیں:

ایک یہ کہ ان کا کرایہ پر دینا بغیر اس تفصیل کے کہ اس میں کس طرح ... جائے درست ہے کیونکہ یہ عام

Marfat.com

بات ہے کہ مکان رہائش کے لیے کرایہ پر لیا جاتا ہے اور اس میں رہائش کے مختلف طریقے نہیں ہوتے، لہٰذا اس کی تفصیل ضروری نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ کرایہ دار اس میں خود رہے یا کسی اور کو کرایہ پر یا بلا کرایہ دے دے اسے اختیار ہے، یہاں تک کہ اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ اس میں صرف وہی رہے گا تو اس شرط پر عمل درآمد نہ ہوگا۔ یہی حکم دکان اور مکان کے علاوہ ہر ایسی شے کے اجارہ کا ہے کہ اسے خواہ کوئی بھی استعمال کرے استعمال کی نوعیت مختلف نہ ہوگی۔ مثلاً کوئی زمین زراعت کے لیے یا کوئی خادم خدمت گاری کے لیے ہے تو اس سے کام لینے کی ایک ہی صورت ہوگی (یعنی زراعت یا خدمت گاری)۔ البتہ ایسی اشیاء جن کو مختلف اشخاص مختلف طریقہ سے استعمال کرتے ہیں، جیسے جانور، کپڑا، خیمہ، ان کو (اجارہ دار کے سوا) کسی اور کے استعمال میں دینا درست نہیں ہے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ کوئی ہلکا پھلکا آدمی کوئی جانور سواری کے لیے کرایہ پر لے جسے وہ جانور اٹھا سکتا ہو اور وہ احیاناً اسے کسی بھاری بھرکم انسان کو کرایہ پر دے دے جسے وہ جانور نہ اٹھا سکے تو یہ بیجا سختی ہوگی۔ اسی طرح ایک شخص کوئی خیمہ کرایہ پر لیتا ہے جسے وہ دھوپ اور بارش سے بچا کر رکھتا ہے جس سے وہ خیمہ خراب نہیں ہوتا؛ اگر وہ ایسے شخص کو کرایہ پر دے دیا جائے جو اسے دھوپ اور بارش میں استعمال کرے جس سے وہ خراب ہو جائے۔

تیسرے یہ کہ کرایہ دار کو یہ حق نہیں ہے کہ کرایہ پر لی ہوئی شے اس کے مالک کو کرایہ پر دے دے۔ چنانچہ اگر محمد نے کوئی مکان خالد سے ایک سال کے لیے کرایہ پر لیا تو اب یہ درست نہیں ہے کہ محمد وہی مکان خالد کو کرایہ پر دے دے، خواہ وہ مکان خالد کی اپنی ملکیت ہو یا خالد نے کسی سے کرایہ پر لے رکھا ہو۔ یہاں تک کہ اگر فریقین معاہدہ کے درمیان کوئی تیسرا شخص بیچ میں پڑ کر لے لے، مثلاً محمد نے وہ مکان بکر کو کرایہ پر دیا اور بکر نے شروع ہی سے وہ مکان خالد کو کرایہ پر دے دیا تو یہ درست نہ ہوگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر ایسا واقعہ پیش آ جائے اور وہ مکان خالد کو دوسری بار کرایہ پر دے دیا جائے تو آیا پہلا معاملہ باطل (یا فسخ) ہو جائے گا یا نہ ہوگا؟ صحیح یہ ہے کہ باطل نہ ہوگا کیوں کہ دوسرا عقد اجارہ جو فاسد ہے وہ صحیح عقد کو باطل نہیں کر سکتا۔ اور یہ سوال بھی ہے کہ آیا کرایہ دار یعنی محمد پر یہ لازم العمل رہے گا یا نہ رہے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ اس کے عمل دخل میں آ چکا ہے تو ادائیگی کرایہ لازم ہے لیکن اگر وہ چیز خالد ہی کے قبضہ میں ہو اور اسے محمد نے حاصل نہیں کیا تو وہ اجرت کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

چوتھے یہ کہ اگر ایک شخص مکان یا دکان کو ایک مقررہ رقم، مثلاً ایک اشرفی ماہوار کرایہ پر لیتا ہے تو اسے کسی اور کو زیادہ کرایہ پر دینا حلال نہیں ہے۔ مکانوں اور دکانوں کی طرح ہر ایسی شے کا یہی حکم ہے جو کرایہ پر لی جائے، جیسے زرعی اراضی کہ اس صورت میں بھی کرایہ دار کے لیے صحیح نہیں ہے کہ جس کرایہ پر لیا ہے اس سے بڑھا کر در پردہ کسی اور شخص کو دے دے۔ ہاں اسی کرایہ پر بغیر کسی زیادتی کے دوسرے کو دے سکتا ہے اگر زیادہ کرایہ لیا ہو تو چاہیئے کہ زائد وصول شدہ رقم صدقہ کر دے۔ اس میں تین صورتیں مستثنیٰ ہیں:

اول یہ کہ کرایہ کے مکان میں اپنی طرف سے کوئی چیز شامل کی گئی ہو جس سے کرایہ میں اضافہ ہو سکے۔ ایسا کیا ہو تو زیادہ کرایہ پر دے سکتا ہے۔

دوسری یہ کہ اس میں کوئی اصلاح کی گئی ہو، مثلاً دیواروں پر سفیدی کرائی ہو اور گھر کی دیواروں میں مرمت کرائی

Marfat.com

ہو یا کرایہ کی زمین پر نالی نکالی ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ (جواز اضافہ کرایہ کے لیے) محض نالی بنانا کافی نہیں ہے، بلکہ یہ ضروری ہے کہ موجودہ حالت پر کچھ تعمیری اضافہ کیا جائے۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ نالی نکالنا بھی اصلاح میں داخل ہے لہٰذا ان اصحاب کا خیال صحیح نہیں ہے

تیسری یہ کہ جو چیز کرایہ میں قرار پائی ہے اس کے علاوہ کوئی اور جنس کرایہ میں ادا کی جائے۔ چنانچہ اگر نقدی کرایہ پر کوئی چیز لی گئی لیکن اس کی ادائیگی مال تجارت کی صورت میں جس کی مالیت اس نقدی سے زیادہ ہے کی گئی تو جو زیادہ دام اس سے حاصل ہوئے وہ حلال ہیں۔

اگر ایک ہی معاہدے کے تحت دو گھروں کو کرایہ پر لیا گیا اور دونوں میں سے ایک کے کرایہ میں اضافہ کیا گیا تو (کرایہ دار کو چاہیئے) کہ دونوں کا کرایہ مجموعی طور پر اسی قدر زیادہ ادا کرے۔ ہاں اگر دونوں مکانوں کے کرائے الگ الگ طے ہوئے تو اس صورت میں زیادہ کرایہ لینا حلال نہیں ہے۔

پانچویں یہ کہ مکان یا دکان کرایہ پر لینے والے کو چاہیئے کہ اس میں وہ کام کرے جس سے اس کی تعمیر یا چھت کو نقصان نہ پہنچے۔ کرایہ دار کو تنور یا چولہا بنانے کا حق ہے۔ اگر اس سے کسی شے میں آگ لگ جائے تو کرایہ دار پر اس کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ ہاں اگر اس کے بنانے میں احتیاط کو ملحوظ نہ رکھا ہو۔ مثلاً یہ کہ لکڑی کی چھت تھی اور (تنور ایسا بنایا کہ آگ کے شعلہ سے وہ چھت جل جائے تو یہ قصور کرایہ دار کا ہے اور آگ سے جو نقصان ہوا ہے اس کا تاوان دینا ہوگا۔ کرایہ دار کو یہ بھی حق ہے کہ لکڑی پھاڑے یا ہاون دستہ یا (کونڈی یا) سل میں نمک وغیرہ کوٹے یا اناج پیسنے کے لیے چکی چلائے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ عمارت کو نقصان نہ پہنچے۔ یہ امور مالک کی رضامندی یا معاملہ کے وقت شرط طے کیے بغیر درست نہیں ہیں۔ اس لیے یہ درست نہیں ہے کہ لوہار یا ترکھان وغیرہ ایسے اہل حرفہ جنہیں زور کے دھماکوں سے کام لینا پڑتا ہے اور عمارت کے لیے نقصان دہ ہے کرایہ پر نہ لے۔ ہاں اگر مالک اس پر راضی ہو یا کرایہ دار عقد اجارہ میں اس کی بابت طے کر لے (تو درست ہے)۔ اگر کوئی کرایہ دار کہے کہ میں نے یہ شرط پہلے سے کر لی تھی کہ میں یہ کام جو مکان کو نقصان دہ ہے کروں گا، اور مالک کہے کہ یہ شرط نہیں ٹھہری تھی تو مالک مکان کی بات مانی جائے گی۔ لیکن اگر دونوں (اپنے اپنے دعووں کے) گواہ پیش کریں تو کرایہ دار کی گواہی مانی جائے گی کیونکہ اس کی گواہی کا مقصد ہی یہ تھا کہ اصل عقد اجارہ پر کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔

اگر کسی نے ایک مکان کاروبار تجارت کے لیے لیا اور اسے لوہاری کے کام میں استعمال کیا تو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اس سے (عمارت کو) بس اتنا ہی نقصان ہو جتنا تجارت سے ہوتا۔ لیکن اگر وہ مکان رہائش کے لیے لیا اور اس میں لوہاری کا کام کیا جس سے عمارت کو نقصان پہنچا تو اس نقصان کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا اور کرایہ ساقط ہو جائے گا۔ کرایہ اور تاوان دونوں کو اصولاً اکٹھا نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ بنیادی طور پر کرایہ دار مکان کے خراب ہونے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ اگر مکان سالم ہے اور اس کو استعمال کرنے سے اس میں کوئی خرابی نہیں ہوئی تو کرایہ کی ادائیگی واجب ہے (یعنی ضروری نہیں کہ مکان خراب کیا جائے تب ہی کرایہ واجب ہو) کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکان استعمال تو کیا گیا لیکن اس طرح کہ وہ خراب نہیں ہوا۔ یہ حکم جانور، خیمہ اور کپڑے وغیرہ کے استعمال پر عائد نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر اپنی سواری کے لیے کوئی جانور کرایہ پر لیا اور اسے کسی اور کی سواری کے لیے کرایہ پر دے دیا تو اس صورت میں وہ غاصب (ناروا تصرف کرنے والا) متصور ہوگا۔ ایسی

Marfat.com

صورت میں اگر جانور کو تکان (یا از کار رفتگی) لاحق ہوگئی تو اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا اور کرایہ اس کے ذمہ سے بالکل ساقط ہو جائے گا، خواہ وہ جانور کام سے رہ گیا ہو یا درست رہا ہو، کیونکہ غصب کردہ اشیاء سے جو فائدہ اٹھایا جائے اس کی ذمہ داری (غاصب پر) عائد نہیں ہوتی بجز چند صورتوں کے جن کی تفصیل اس کے بیان میں آئے گی۔ غصب شدہ شے کی صورت میں صرف غصب شدہ شے کی ذمہ داری (غاصب پر ہوتی ہے۔)

اسی طرح اگر ایک شخص نے کوئی خیمہ کرایہ پر لیا اور اسے کسی اور کو کرایہ پر دے دیا کپڑا وغیرہ ایسی چیزیں جن کو مختلف اشخاص مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہیں (اپنے لیے کرایہ پر لے کر) دوسرے کو استعمال کے لیے دینا صحیح نہیں ہے۔ ایسا کرنا غصب (ناروا تصرف) ہے اور اس پر تاوان واجب ہے کیوں کہ ان اشیاء کے استعمال میں ہر شخص کی حالت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے (مثلاً کوئی اوڑھنے کے لیے استعمال کرے کوئی بچھانے کے لیے وغیرہ)۔

ساتویں یہ کہ ایک شخص نے کوئی مکان وقف غبن فحش (بے انصافی) سے کرایہ پر لیا، یا اس پر قبضہ کر لیا تو عقد اجارہ باطل ہو جائے گا۔ اس حکم میں مکان کے علاوہ دکان اور اراضی زرعی وغیرہ ہر ایسی شے جس کا اجارہ جائز ہے سب کی ایک مثال ہے کرایہ دار کی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ شخص غاصب (ناجائز متصرف) ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ غاصب نہیں ہے، اس پر اتنے عرصے کا کرایہ مثل واجب ہوگا جتنے عرصہ وہ اس میں رہا (یا زیر استعمال رکھا۔) غبن فاحش سے مراد وہ (معاوضہ یا اجرت) ہے جو مالیت لگانے والوں کے اندازے کے مطابق نہ ہو۔ اگر کسی (واقف کار) نے مثلاً دس تشخیص کی اور کسی نے نو اور کسی نے آٹھ لیکن لینے والے نے صرف سات پر لیا تو اسے غبن فاحش کہیں گے، کیوں کہ کرایہ کی مقدار سات تو کسی نے بھی تجویز نہیں کی۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ کرایہ میں غبن فاحش ہوا ہے تو مہتمم وقف اسے کرایہ مثل (مناسب کرایہ پر) خواہش مند کو دے دے گا۔ خواہ پہلا ہی کرایہ والا اسے لے یا کوئی اور۔ یاد رہے کہ محض مہتمم وقف یا کسی ناواقف شخص کے کہنے سے اسے، غبن فاحش تصور نہ کیا جائے گا کیوں کہ ایسی صورت میں مہتمم پر یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ وہ کرایہ دار سے واپس لینا چاہتا ہے۔ اور ناواقف پر یہ الزام لگ سکتا ہے کہ وہ خود اسے لینا چاہتا ہے۔ پس اس کے لیے ضروری ہے کہ قاضی (حاکم شرع) کو کوئی واقف کار (یا ماہر) شخص یہ اطلاع دے کر عقد اجارہ کے وقت جو کرایہ لگایا گیا۔ اس میں غبن فاحش (ناواجب کمی) ہے۔

اب ایک اور مسئلہ رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ مہتمم وقف نے کوئی مکان وقف مناسب کرایہ پر دے دیا، پھر دوسرے اشخاص اس کے خواہش مند ہوں اور اس کرایہ مثلی سے زیادہ کرایہ دینے پر تیار ہوں تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

ایک صورت یہ ہے کہ کرایہ والی شے کرایہ دار کے کام میں آ رہی ہے اور اس مکان یا دکان یا زرعی زمین کو کرایہ دار کی منقولہ اشیاء سے خالی کرانا ممکن ہے تو اس کرایہ دار سے دریافت کیا جائے گا، اگر وہ اتنا کرایہ جو فی الواقع دوسرے دینے کو تیار ہیں وہ بھی دینے کو آمادہ ہے تو اسی کے پاس رہنے دیا جائے گا۔ اگر وہ (سابقاً طے شدہ کرایہ سے) زیادہ دینے کو تیار نہ ہو تو مہتمم وقف اس کا معاملہ فسخ کر دے گا اور اس کا حکم حاکم شرع سے حاصل کر کے زیادہ کرایہ والے کو دے دیا جائے گا۔ سابقہ کرایہ دار کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ سابقہ کرایہ مثلی پر مصر رہے جس پر اس نے لیا تھا۔ لیکن بقول صحیح و مفتیٰ بہ مہتمم کو اس دوران

کا کرایہ زیادہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

اس بارے میں بعض اصحاب کا کہنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں یہ دیکھنا چاہیے کہ عقد اجارہ کے وقت اس کا کرایہ مناسب کتنا تھا۔ بعد میں اگر خواہش مند اشخاص زیادہ کرایہ پیش کریں تو اس کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ دراصل یہی بات معقول ہے کیوں کہ اسی میں معاہدے کا احترام برقرار رہتا ہے اور لوگ وقف املاک کو کرایہ پر لینے سے نہیں گھبرائیں گے کیوں کہ اگر انھوں نے دیکھا کہ کسی نہ کسی وجہ سے یہ معاملہ معرض فسخ میں ہے تو کرایہ پر لینے کا ارادہ کم ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر وہ کرایہ عقد اجارہ کے وقت مناسب تھا تو اب اسے فسخ کرنا خلاف مصلحت ہے۔ بعض اصحاب یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں معاملہ کو فسخ نہ کیا جائے گا جب تک کہ اس کا کرایہ اس سے دگنا نہ مل رہا ہو جتنے پر پہلی بار دیا گیا تھا۔ پس اگر مثلاً کرایہ پانچ مقررہ ہوا تھا تو بجز اس صورت کے جب کہ اس کا کرایہ دس مل رہا ہو وہ معاملہ فسخ نہ کرنا چاہیئے۔ اس قول میں ایک حد تک فسخ اجارہ کے لیے وجہ جواز ہے، کیوں کہ اس میں وقف املاک کی بہتری ہے جو ظاہر ہے۔ فقہاء کے نزدیک اس باب میں قابل اعتماد بات یہی ہے کہ زیادہ کرایہ ملنے کی صورت میں فسخ اجارہ صرف اسی صورت میں ہونا چاہیئے جب کہ اس سے کسی پر زیادتی نہ ہو، خواہ کرایہ میں آدھے کا فرق ہو یا چوتھائی کا۔ اگر کوئی شخص کرایہ میں معمولی سا اضافہ مثلاً دسواں حصہ پیش کرے تو بالاتفاق معاملہ اجارہ فسخ نہ کیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کرایہ والی شے کرایہ دار کے قبضے میں ہو اور اس کے کام میں آ رہی ہو کہ اسے خالی کرانا کرایہ دار کو نقصان پہنچائے بغیر ممکن نہ ہو۔ اس کی بھی دو شکلیں ہیں:

پہلی شکل یہ ہے کہ کرایہ کی زمین میں کھیتی گندم، مکی وغیرہ کھڑی ہو اور فصل کاٹنے کا وقت آ گیا ہو ایسی صورت میں کرایہ دار کو کرایہ بڑھانے کی بابت کہا جائے گا۔ اگر وہ قبول کر لے تو اس کا حساب اس وقت سے فصل کٹنے کے وقت تک کا لگایا جائے گا، خواہ اس وقت تک عقد کی میعاد گزر جائے۔ اگر وہ کرایہ بڑھانا منظور نہ کرے تو کھیتی اکھاڑ لینے کا حکم دیا جائے گا، لیکن اس طرح کہ زمین کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر زمین کو نقصان ہو تو مہتمم اوقاف وہ کھیت اسے دے کر اس کی مالیت وصول کر لے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس زمین میں مکان بنا لیا جائے یا درخت لگا لیے جائیں جنہیں ہٹانے کی کوئی مدت نہیں ہوتی، مثلاً کھجور یا انار وغیرہ کا درخت؛ ایسی صورت میں کرایہ دار سے اس کا کرایہ بڑھانے کے لیے کہا جائے۔ اگر وہ قبول کر لے تو اس وقت سے میعاد معاہدہ کے ختم ہونے تک کا حساب (اضافہ شدہ کرایہ کے بموجب) لگایا جائے گا، کیوں کہ درخت یا مکان کے ہٹانے کا کوئی مقررہ وقت نہیں ہوتا۔ اگر وہ زمین ماہواری کرایہ پر ہے تو عقد اجارہ فسخ کر کے وہ زمین دوسرے کرایہ دار کو دے دی جائے۔ رہا وہ مکان یا درخت سو اگر اس کے ہٹانے میں وقف کی املاک کو اس سے نقصان پہنچے تو مہتمم وقف کو اختیار ہے کہ اس کو بھی اس کی مالیت لگا کر فروخت کر کے وقف میں شامل کر لے یا اسی طرح پڑا رہنے دے کہ وہ خود گر پڑے یا درخت لگانے یا تعمیر کرنے والا اسے ہٹا لے۔ اگر اس کے ہٹانے میں وقف املاک کو نقصان نہ ہو تو کرایہ دار اسے اٹھا لے جانے کا ذمہ دار ہوگا۔ لیکن یہ تمام احکامات اس صورت میں ہیں جب کہ اس زمین پر تعمیر یا شجر کاری مہتمم وقف کی اجازت کے بغیر کی گئی ہو۔ اگر اجازت سے کی گئی ہو تو اسے وقف کی املاک میں شامل کر لیا جائے گا۔ اور درخت لگانے یا مکان تعمیر کرنے والا اپنے اخراجات کا جو اس نے کیا ہے مہتمم وقف سے مطالبہ کرے گا۔

Marfat.com

اگر کرایہ میں زیادتی اس تعمیر یا درخت کاری کی وجہ سے ہوئی ہے جو مہتمم وقف نے کی ہے تو کرایہ دار سے کرایہ بڑھانے کا مطالبہ بالاتفاق نہیں کیا جائے گا کیوں کہ املاک میں جو اصلاح کرایہ میں اضافہ کا سبب ہے کرایہ دار کے لیے ہوئی ہے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کرایہ دار نے زمین وقف پر درخت لگایا یا مکان بنایا اور میعاد اجارہ ختم ہوگئی تو اسے حق ہے کہ وہ اسے وہاں پر قائم رہنے دے؛ نہ درخت کو کاٹے اور نہ تعمیر کو ہٹائے، لیکن اس زمین کا کرایہ جو ایسی صورتوں میں بالعموم ہوتا ہے ادا کرتا رہے۔ مہتمم وقف یا مستحقین کو یہ اختیار نہیں ہے کہ درخت کاٹنے یا عمارت کو ہٹانے کے لیے کرایہ دار کو مجبور کریں اور یا اسے وقف میں شامل کرلیں بجز اس صورت کے جب کہ اس کے بنانے کا حکم مہتمم نے وقف میں شامل کرنے ہی کے لیے دیا ہو۔ لیکن اگر مہتمم نے خود کرایہ دار کو اسی کے لیے بنانے کی اجازت دی ہے اور اس کی شہادت موجود ہے تو اس کو جبراً نہ وقف میں شامل کیا جائے گا اور نہ ہٹایا جائے گا۔ بعض اصحاب نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ لیکن صحیح امر اس کے برخلاف ہے۔ بعض اصحاب نے اس کی پرزور تردید کی ہے، کیوں کہ یہ مصلحت وقف کے منافی ہے اور عمل نیک کا ضائع کرنا ہے، کیوں کہ اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ شرع کا حکم ایسی صورتوں میں وہ ہے جس سے وقف کو مفاد پہنچے۔ عمل نیک کا انحصار اسی پر ہے، لہٰذا وہی کام ہونا چاہیئے جس میں بہتری ہو۔ پس اگر اس تعمیر یا درخت کا زمین وقف پر باقی رکھنا املاک وقف کے مفاد میں ہے تو اسے باقی رکھا جائے گا ورنہ نہیں۔

دوسری قسم ایسی اشیاء کی جنہیں کرایہ پر دیا جاسکتا ہے زرعی زمین ہے۔ اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اول یہ کہ اراضی زرعی کو کرایہ پر دینے کے وقت ضروری ہے کہ اس میں جو کچھ بویا جاتا ہے وہ جنس بتادی جائے مثلاً، گندم، مکی، چاول یا کپاس وغیرہ تاکہ اس کا علم نہ ہونے کے باعث نزاع نہ پیدا ہو؛ بخلاف اجارۂ مکان یا دکان کے کیوں کہ اول الذکر کو کرایہ پر رہائش کے لیے لیا جاتا ہے اور ثانی الذکر کے لینے کی غرض تجارت (یا کاروبار) ہے۔ اس قسم کے استعمال کی مختلف قسمیں نہیں ہیں۔ اس میں زیادہ سے زیادہ مالک جو چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ کرایہ دار کوئی ایسا کام نہ کرے جو عمارت کی بنیاد یا چھت کو نقصان دہ ہو۔ اور یہ تو بتایا ہی جاچکا ہے کہ کرایہ دار کو ہر ایسے کام کی ممانعت ہے جس سے (عمارت کو) نقصان پہنچے۔ پس یہ عقد اجارہ مزید تفصیل کے بغیر درست ہے۔ البتہ اراضی زرعی میں بعض اشیاء کی زراعت زمین کو نقصان دہ ہوتی ہے اور بعض اشیاء کی نہیں ہوتی اس لیے یہ طے ہو جانا ضروری ہے کہ اس زمین میں کس شے کی زراعت ہوگی یا پھر یہ طے ہو جائے کہ اس میں جو کچھ بھی جی چاہے بویا جائے گا اور مالک اس بات پر راضی ہو تب بھی وہ اجارہ درست ہوگا اور جو کرایہ طے ہوا ہے وہ ادا کرنا ہوگا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اگر کوئی زمین اتنے عرصہ کے لیے کرایہ پر لی گئی ہے جس میں دوبار زراعت کی جاسکتی ہے تو اس میں دوبارہ زراعت کا حق اسے حاصل ہوگا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ (اراضی کے) کرایہ دار کو ان تمام ذرائع آب پاشی سے استفادہ کا حق ہو جو وہاں پانی دینے کے موجود ہیں۔ اور وہاں تک آنے جانے کے راستوں کو استعمال کرنے کا بھی حق ہوگا جو آجر کے قبضہ میں ہیں، اگرچہ عقد اجارہ میں اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

Marfat.com

چوتھی قسم یہ ہے کہ ایسی زمین کا اجارہ درست نہیں ہے جو نا قابل زراعت ہو، جیسے زمین شور یا وہ زمین جہاں پانی نہ پہنچ سکتا ہو۔ اسی طرح اتنے عرصہ کے لیے اجارہ درست نہیں ہے جس میں زراعت نہ کی جا سکے۔

پانچویں یہ کہ ایسی زمین جس پر کھیتی کھڑی ہو اس کا عقد اجارہ نہیں کیا جا سکتا بجز اس صورت کے جب کہ اس مزروعہ کا کوئی حق دار نہ ہو، یعنی اس کو اکھاڑنا اور کرایہ دار کے حوالے کرنا درست ہو۔ لیکن اگر اس زمین پر کسی کا حق ہو، مثلاً کسی نے کرایہ پر لے رکھا ہے اور اس میں زراعت کر رکھی ہے لیکن اسے کاٹا نہیں گیا تو اسے کسی اور کو کرایہ پر دینا درست نہیں ہے؛ یہاں تک کہ اگر وہ زمین کسی کے پاس اجارۂ فاسد کے طور پر ہو تب بھی (دوسرے کو کرایے پر نہیں دی جا سکتی) کیوں کہ اجارۂ فاسد (ناقص) کے ذریعہ قبضہ کرنے والا غاصب نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے اجر مثل (مناسب معاوضہ) دینا ہوتا ہے، لہٰذا اس کھیت کو اجاڑنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ پس اگر کسی شخص نے کوئی مزروعہ زمین کرایہ پر لے لی اور کاشت کار نے اپنا کھیت کاٹ کر کرایہ دار کے حوالے کر دیا تو وہ اجارہ درست ہو جائے گا کیوں کہ مزروعہ زمین کو سر دست لیکن (اس وقت سے) کرایہ پر دینا جائز ہے جب کہ کھیتی کاٹ لی جائے۔ اور جب کھیت کٹنے کا وقت آ جائے تو کاشت کار کو کہا جائے گا کہ وہ اپنی کھیتی کاٹ لے اور زمین سپرد کر دے۔

اسی طرح ہر ایسی زمین کو جو زیر کاشت ہے عقد اجارۂ موجل پر لیا جا سکتا ہے یعنی عقد پر عمل درآمد اس وقت سے ہو گا جب وہ کھیت کاٹ لیا جائے۔

چھٹی قسم یہ ہے کہ زمین کو تعمیر مکان یا درخت لگانے کے لیے کرایہ پر لینا درست ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے خالی زمین کو مقررہ عرصہ کے لیے تعمیر مکان کی غرض سے کرایہ پر لیا تو درست ہے۔ جب وہ میعاد پوری ہو جائے تو تعمیر شدہ مکان کو گرا کر اسے نئے کرایہ دار کے حوالہ کیا جائے گا۔ اگر کسی نے درخت لگانے کے لیے کوئی زمین کرایہ پر لی اور وہاں درخت لگایا، پھر اس میں پھل آ گئے اور ہنوز پھل اتارے نہ تھے کہ میعاد ختم ہو گئی تو اس درخت کو وہاں قائم رہنے دیا جائے گا اور زمین کا کرایہ مثل (یعنی وہ کرایہ جو بالعموم اس زمین کا اتنے عرصہ کے لیے ہوا کرتا ہے) ادا کرنا ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس زمین کا مالک درخت یا مکان کو اس کی قیمت کے عوض لے لے، بایں طور کہ زمین کی وہ قیمت لگائی جائے جو بغیر درخت اور یا مکان کے ہوتی ہے، اور پھر اس کی قیمت درخت یا مکان کے ساتھ لگائی جائے تو قیمت میں جو زیادتی اس مزروعہ شے یا مکان کی وجہ سے ہوئی وہ ادا کر دے۔ اگر مکان کے گرانے یا درخت کے اکھاڑے جانے سے اس زمین کی مالیت کم ہو جانے کا ڈر ہو تو مالک مکان کرایہ دار کو اس کی قیمت ادا کر کے جبراً اس کا مالک بن سکتا ہے، بصورت دیگر کرایہ دار کو اختیار ہو گا کہ وہ اپنی لگائی ہوئی شے اکھاڑ لے یا قیمت مذکورہ پر مالک کو دے دے۔ اس بارے میں فریقین کو یہ بھی حق ہے کہ اس مکان یا درخت کو بلا معاوضہ (یا بلا کرایہ) بلکہ عارضی طور پر کرایہ دار کے قبضہ میں رہنے دیا جائے اور زمین مالک کی ملکیت میں رہے اور اس درخت یا مکان سے جو آمدنی ہو اس میں دونوں شریک رہیں۔ پھر اگر وہ زمین کسی تیسرے شخص کو کرایہ پر دی جائے تو خالی زمین کا بغیر مکان (یا درخت) کے جو کرایہ ہے وہ اور مکان (یا درخت) کا بغیر زمین کے جو کرایہ ہے وہ دونوں کا موازنہ کر کے اسی نسبت سے اس کا نفع تقسیم کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر خالی زمین کا کرایہ دس ہو اور اس میں جو مکان ہے اس کا کرایہ پانچ ہو تو ان میں سے ہر ایک اسی کے مطابق اپنا اپنا حصہ لے گا۔ اور وقف زمین میں مکان بنانے یا اس

میں درخت لگانے کے مسائل سابقاً بتائے جا چکے ہیں۔

تیسری چیز جس کو کرایہ پر لینا درست ہے وہ جانور ہے، لہٰذا کسی جانور کو سواری کے لیے یا سامان وغیرہ لادنے یا کسی اور معقول مقصد کے لیے مثلاً چکی چلانے یا زمین جوتنے کے لیے کرایہ پر لینا درست ہے۔ لیکن محض سجاوٹ کے لیے یا لوگوں کو دکھانے کے لیے کہ اس کے پاس گھوڑا ہے وغیرہ کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔ جانور کو کرایہ پر لینے کے متعلق بھی چند باتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ یہ بیان کر دینا کہ کون اس پر سوار ہوگا لازم ہے۔ اگر یہ نہ بتایا گیا تو عقد اجارہ فاسد ہوگا۔ لیکن جب کہ فی الواقع اس پر سوار ہو جائے تو وہ عقد اجارہ درست ہو جائے گا، خواہ کرایہ پر لینے والا خود سوار ہو یا کسی اور کو سوار کرائے کیوں کہ (اس طرح) عقد اجارہ کے بعد بھی سوار کا تعین ہو جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی تعیین پہلے سے کی جائے۔ اگر کرایہ دار نے یہ قید لگا دی کہ اسے میں اپنی سواری کے لیے یا فلاں شخص کی سواری کے لیے لے رہا ہوں اور اس پر کسی اور ہی شخص کو سوار کرایا تو یہ غصب (ناجائز تصرف) قرار دیا جائے گا۔ اور اگر اس سے جانور کام سے رہ جائے تو اس کا تاوان دینا ہوگا، اور کرایہ نہ دینا ہوگا، خواہ جانور صحیح سالم رہے یا از کار رفتہ ہو جائے، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ مال مغصوبہ سے حاصل شدہ منافع کا ذمہ دار غاصب نہیں ہوتا (لہٰذا اب وہ تاوان دار ہوگا کرایہ دار نہیں)۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر اس جانور پر پیچھے کسی اور کو بٹھا لیا اور جانور بالعموم دو کو اٹھانے کی سکت رکھتا ہو اور سوار ہونے والا پورا آدمی ہے جو دوسرے کے سہارے کے بغیر جانور کو سنبھال سکتا ہے، اور اس کے سوار ہونے سے جانور کی حالت خستہ ہو جائے تو وہ نصف کرایہ مزید ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا، خواہ اس کے ساتھ بیٹھنے والا بھاری آدمی ہو یا ہلکا ہو۔ اس بارے میں وزن کو نہیں (بلکہ تعداد کو) دیکھا جائے گا۔ لیکن اگر جانور دو آدمیوں کا بوجھ نہیں سہار سکتا تو اس کا بھی پورا کرایہ دینا ہوگا۔ اگر کوئی کمسن لڑکا بٹھایا جو خود اس جانور کو نہیں سنبھال سکتا تو اس کے وزن کے مطابق کرایہ ادا کرنے کی ذمہ داری ہوگی۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر کوئی جانور ایک مقررہ مقدار بار اٹھانے کے لیے کرایہ پر لیا گیا اور اس سے زیادہ بوجھ لاد کر اسے تھکا دیا تو زیادہ بوجھ جو اس پر لادا ہے اس کا تاوان کرایہ دار کے ذمہ ہوگا۔ چنانچہ اگر آپس میں یہ طے ہوا تھا کہ مثلاً بوجھ کا وزن دس ہوگا اور پندرہ کا وزن لاد دیا جس کے باعث جانور خستہ حال ہو گیا تو جس قدر مال زیادہ لادا ہے اس کا تاوان اور مزید ایک تہائی اجرت ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ تاوان تو (وعدہ کے خلاف) زیادہ مال لادنے کا ہوگا جس کے باعث جانور کا حال خستہ ہو گیا اور اجرت اس کے بوجھ کی مقدار کا معاوضہ ہوگا۔ اب اگر بالعموم اس قدر بار اٹھانے کی طاقت جانور میں ہو تو اس صورت میں تاوان اور اجرت دونوں کو جمع نہ کیا جائے گا ورنہ طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے کا پورا تاوان دینا ہو گا۔

پانچویں یہ کہ اگر کوئی خاص شے لادنے کے لیے کرایہ پر جانور کا لینا طے ہوا، پھر جانور کے مالک نے خود اپنے ہاتھ سے اس پر مزید بوجھ لاد دیا اور جانور کام سے رہ گیا تو اس کی ذمہ داری کرایہ دار پر نہ ہوگی، تنہا مالک اس فعل کا ذمہ دار ہوگا جس کے باعث جانور کام سے رہ گیا لیکن اگر اس زیادہ بوجھ کے لادنے میں کرایہ دار بھی شریک تھا تو کرایہ دار بھی جانور کے ایک چوتھائی نقصان کا تاوان دار ہوگا کیوں کہ اس پورے بوجھ کے نصف کی اجازت تو اسے حاصل تھی ہی باقی

نصف کی ذمہ داری میں اس جانور کا مالک بھی شریک تھا، لہٰذا ایک چوتھائی کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔ پس اگر فریقین نے یہ طے کیا کہ آٹھ کے لیے (کم وبیش تیس سیر) سامان لادا جائے گا اور اس پر سولہ کے لیے یعنی کوئی ڈیڑھ من سامان لادا گیا اور یہ مزید سامان مالک نے خود لادا تو کرایہ دار پر کچھ عائد نہ ہوگا۔ اگر کرایہ دار بھی اس (لادنے میں) شریک تھا تو اس پر ایک چوتھائی مزید اجرت عائد ہوگی جو چار کے لیے (کوئی پندرہ سیر) وزن کی اجرت ہے، ساتھ ہی جانور کے مالک کو اسی قدر اجرت (ایک چوتھائی) سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

اگر سامان مثلاً گندم کی دو بوریاں ہوں اور کرایہ دار نے ایک بوری تو خود لادی اور دوسری بوری مالک نے لادی اور اس سے جانور خستہ ہو گیا تو کرایہ دار اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، خواہ یہ دوسری بوری اس نے خود رکھی ہو یا مالک نے رکھی ہو، کیوں کہ جس قدر بوجھ لادا گیا از روئے عقد اجارہ کرایہ دار کو اس کا حق تھا بعض کہتے ہیں کہ اگر کرایہ دار نے دوسرا بوجھ خود رکھا ہے تو پورے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ اگر جانور پر طے شدہ بار سے زیادہ لادا گیا اور جانور ٹھیک ٹھاک رہا تو کرایہ دار پر طے شدہ اجرت سے زیادہ اور کچھ ادا کرنا لازم نہیں ہے، اگر چہ طے شدہ وزن سے زیادہ لادنا حلال نہیں ہے۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ اس صورت میں کرایہ دار کو غاصب قرار دیا جائے گا اور غصب شدہ شے سے جو فائدہ حاصل کیا جائے اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

ساتویں یہ کہ اگر کرایہ دار نے جانور کو مارا اور چوٹ سے جانور کو نقصان پہنچا تو اس کا تاوان اس پر واجب ہوگا۔ البتہ اگر اس نے مالک سے مارنے کی اجازت لے لی تھی اور اسے اسی جگہ چوٹ لگائی جہاں پر بالعموم جانور کو ضرب لگائی جاتی ہے تو اس پر کوئی الزام نہیں ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جانور کو چلانے کے وقت مارنے پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا، کیوں کہ یہ امر عقد اجارہ میں شامل ہے۔ لیکن کسی بچے کا ولی (یا سرپرست) اور باپ بچے کو مار پیٹ کرے تو اس بارے میں اختلاف ہے بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ معمولی مار پیٹ سے کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ مار پیٹ سے اگر بچہ کمزور ہو جائے تو قطعی طور پر وہ ذمہ دار ہوگا، کیوں کہ بچے کی تربیت مار پیٹ پر منحصر نہیں ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ اور گوشمالی وغیرہ سے بھی کام بن سکتا ہے۔ اور تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تنخواہ دار خدمت گار کو مارنا پیٹنا جائز نہیں ہے۔ اگر مار پیٹ سے اسے نقصان پہنچا تو اس کا تاوان دینا ہوگا کیوں کہ جب انسان بڑا ہو جائے تو اسے حکم دیا جا سکتا ہے، منع کیا جا سکتا ہے اور سمجھایا جا سکتا ہے؛ اسے مارنے پیٹنے کے کچھ معنے نہیں، بخلاف جانور اور بچے کے۔ (اس بارے میں) صحیح بات یہ ہے کہ معمولی مار جس سے جانور کو نقصان نہ پہنچے اور اس کو چلانے کے لیے مارا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اس کی سلامتی کا خیال رہے۔ اگر مارنے سے وہ ہلاک یا ناکارہ ہو جائے تو اس کا تاوان دینا ہوگا۔

اس حکم میں دوسرے کا جانور بھی اپنے مملوکہ جانور کی مانند ہے، یعنی اپنے جانور کو بھی اس قدر نہیں مارنا چاہیئے کہ وہ ناکارہ ہو کر رہ جائے۔ اگر ایسا کیا تو اس کے خلاف دعویٰ دائر کیا جا سکتا ہے اور اس کو تنبیہ کی جائے گی اور ہر شخص کو اس کے خلاف نالش کا اختیار ہے۔ البتہ ادب سکھانے اور تنبیہ کے لیے جو ضروری ہو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اور کسی جان دار کے منہ پر ضرب لگانا بہر حال منع ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو اس کے خلاف نالش کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

آٹھویں یہ کہ اگر کسی جانور کو کرایہ پر لیا اور اس کے اوپر کاٹھی تھی جس کے اتارنے میں اسے چوٹ لگ گئی تو اس کا تاوان واجب ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ جانور بغیر کاٹھی تھا اور پھر اس پر کاٹھی رکھی جس سے اسے اذیت پہنچی۔ اگر کوئی گدھا کرایہ پر لیا جو بالعموم اس قسم کی کاٹھی نہیں جھیل سکتا تھا جو اس پر رکھی گئی تو اس کا تاوان دینا ہوگا ورنہ نہیں۔

نویں یہ کہ اگر مالک نے (کرایہ کے جانور کو) لے جانے کے لیے کوئی راستہ مقرر کر دیا اور کرایہ دار نے کوئی اور راستہ اختیار کیا اور ان دونوں راستوں میں فاصلہ اور دشوار گزاری کے لحاظ سے فرق تھا تو (خرابی کی صورت میں) کرایہ دار ذمہ دار ہوگا۔ لیکن اگر (بار برداری کا) گدھا ٹھیک ٹھاک رہا ہو تو مالک طے شدہ کرایہ ہی کا حق دار ہوگا؛ راستے کے مختلف ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور مالک کو یہ اعتراض کرنے کا حق نہیں کہ دشوار گزار اور دور کا راستہ کیوں اختیار کیا گیا، کیوں کہ جس مقصد کے لیے جانور کرایہ پر لیا گیا تھا وہ اس خاص جگہ پر پہنچنا تھا در آنحالیکہ جانور صحیح سلامت ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ اگر وہ جانور ہلاک ہو جائے تو اور بات ہے۔

چوتھی قسم کی شے جو اجرت پر لی جا سکتی ہے وہ آدمی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ کسی کاریگر (یا صنعت کار) کو اجرت پر لگایا جائے۔ اس کی بابت شرائط اجارہ کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ جو کام اس سے لینا ہے اس کی نوعیت کا بیان کر دینا ضروری ہے۔ مثلاً گھڑنا یا رنگنا یا سینا۔ پھر جس کپڑے کو رنگنا ہے اس کی نوعیت اور رنگ کی کیفیت بتا دینا وغیرہ۔ اگر کسی کاریگر کو گھر پر کام کرنے کے لیے لگایا جیسے مکان کی سجاوٹ کا کام، یا ترکھان یا درزی کو گھر پر بلا کر ان سے حسب منشاء کام لیا جائے اور انھوں نے کام تیار کر کے مالک کے سپرد کر دیا اور اس کے بعد وہ کام خراب یا ضائع ہو گیا تو وہ کاریگر اجرت کے حق دار ہوں گے۔

اگر کسی درزی کو اپنے گھر پر سینے کے لیے لگایا اور اس نے کپڑا کاٹا اور کتر بیونت کے بعد سینے کے لیے رکھا، پھر اس کو مالک کے گھر چھوڑ کر (کسی وجہ سے) اپنے گھر آ گیا؛ اس کے بعد کوئی چور اس کپڑے کو چرا لے گیا تو (عقد اجارہ کے) فیصلہ کی رو سے وہ کپڑے کے کاٹنے کی اجرت کا حق دار نہ ہوگا، کیوں کہ اسے کپڑا سینے کے لیے رکھا گیا تھا اور وہ کپڑا ہی چوری ہو گیا تو اجرت بھی کچھ نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی نان بائی کو روٹی پکانے کے لیے اجرت پر رکھا اور روٹی تنور سے نکالنے سے پہلے ہی جل گئی تو اسے کوئی اجرت نہیں ملے گی؛ اور اگر اس کے پاس سے چوری ہو گئی تب بھی وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا، اور اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا جرمانہ دینا ہوگا۔

اگر مزدوروں کو لگایا گیا کہ کنواں کھود کر پختہ اینٹ سے اسے تیار کریں اور انھوں نے تیار کر دیا اور پانی نکل آیا تو وہ اجرت کے حق دار ہوں گے۔ لیکن اگر اینٹوں کے لگانے سے پہلے ہی پانی نکل آیا تو جس قدر کام انھوں نے کیا اس کی اجرت کے حق دار ہوں گے۔

دوسری صورت کسی شخص کو خدمت گاری کے لیے اجرت پر رکھنا ہے، اور انسانوں کا باہم ایک دوسرے کی خدمت کے لیے اجرت پر رکھنا بلا کراہت کے جائز ہے۔ کسی شخص کو جائز نہیں ہے کہ اپنے ماں باپ کو نوکر کے طور پر رکھے اگرچہ وہ کافر ہوں۔ تاہم اگر باپ نے کام کیا تو وہ اجرت کا حق دار ہے۔ اس بارے میں دادا دادی کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر باپ یا ماں نے اپنے بیٹے کو خدمت پر لگایا تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ ان کے علاوہ کسی کو بھی اجرت (یا تنخواہ) پر رکھنا

جائز ہے۔یعنی بھائی اور دوسرے رشتہ داروں کونوکری پر رکھنا درست ہے۔بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اپنے چچا اور بڑے بھائی کوخدمت گاری کے لیے اجرت پر رکھنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں ان کی تذلیل ہے جو مناسب نہیں ہے۔اسی بنا پر وہ اصحاب کہتے ہیں کہ کسی مسلمان کا کافر کی خدمت گاری اختیار کرنا مکروہ ہے، اگر چہ جائز ہے۔تاہم آب پاشی کھیتی باڑی کا کام اگر کوئی مسلمان کسی کافر کا اجرت پر انجام دے تو یہ مکروہ بھی نہیں ہے کیوں کہ یہ کام توہین آمیز نہیں ہیں۔

عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی (غیر) مرد کی خدمت انجام دینا قبول کرے تا کہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالے۔اس میں شرط یہ ہے کہ اس مرد کے ساتھ تخلیہ میں نہ رہے کیوں کہ غیر عورت کے لیے مرد کے ساتھ تخلیہ میں رہنا حرام ہے اور مرد کا عورت کے ساتھ تخلیہ میں رہنا مکروہ ہے۔

بیوی کے لیے اپنے خاوند کی گھریلو ملازمت جائز نہیں ہے۔کیوں کہ یہ اس کا حق ہے۔ہاں گھر کے کام کاج کے علاوہ کسی اور قسم کے کام پر اسے اجرت پر لگایا جائے، مثلاً باغ کی دیکھ بھال یا مویشی کا چرانا تو یہ جائز ہے۔اور عورت کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے خاوند کو ذاتی خدمت یا ریوڑ چرانے کی خدمت پر نوکر رکھے۔لیکن خاوند کو حق ہے کہ اس نوکری سے انکار کر دے اور اس کی خدمت نہ کرے۔

تیسری قسم انسان سے خدمت لینے کی دودھ پلانے والی کا اجرت پر رکھنا ہے۔قاعدہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ امر جائز نہ ہو لیکن استحساناً (یعنی بہتری کے خیال سے) جائز رکھا گیا۔اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ اجرت پر لینے کی غرض کسی شے سے نفع حاصل کرنا ہوتا ہے، منفعت کی شے کو ختم کرنا نہیں ہے اور اس صورت اجارہ میں دودھ کو ختم کیا جاتا ہے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی گائے کو دودھ پینے کے لیے کرایہ پر لیا جائے (جو نا جائز ہے)۔لیکن دودھ پلانے والی کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، کیوں کہ انسان کو اس کی ضرورت ہوتی ہے (اور دودھ پینے والے) بچے کی اس میں بہتری ہے۔ایسی عورت کو کھانے اور کپڑے پر رکھنا بھی درست ہے۔اگر اس باب میں نزاع پیدا ہو تو عورت اوسط درجہ کے کھانے اور اوسط درجہ کے کپڑے کی مستحق ہوگی۔اور اس کے خاوند کو حق ہوگا کہ اپنی بیوی کے ساتھ جو (کسی اور کے بچے کو) دودھ پلاتی ہو، مباشرت کرے درآنحالیکہ وہ اس بچے کو اپنے گھر میں دودھ پلاتی ہو، لیکن اس گھر میں جہاں وہ دودھ پلانے پر رکھی گئی ہے یہ جائز نہیں ہے۔ہاں اجرت پر رکھنے والے کی اجازت ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ تخلیہ بھی کر سکتا ہے۔

خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ (بیوی کی) اس خدمت کو فسخ کر دے، خواہ اسے عار آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

دودھ پلانے والی کو اجرت پر رکھنے والے کو یہ حق ہے کہ اگر دودھ پلانے والی حاملہ ہو جائے یا بیمار پڑ جائے یا علانیہ بدکاری میں پڑ جائے تو عقد اجارہ توڑ دے۔لیکن کافر ہو جانے پر نہیں ہے کیوں کہ اس سے بچے کو نقصان نہیں پہنچتا۔

دودھ پلانے والی پر لازم ہے کہ عام دستور کے مطابق بچے کی اور خدمات بھی انجام دے، مثلاً اسے نہلانا، تیل لگانا اور اس کے کپڑوں کو دھونا وغیرہ۔ان امور کے خرچ برچ اور اس کی اجرت کا بار بچے کے باپ کے ذمہ نہ ہوگا در آنحالیکہ وہ مال دار نہ ہو اگر مال دار ہو تو اس کے مال میں سے یہ خرچ دیا جائے گا۔

پانچویں قسم ایسی اشیاء کی جو کرایہ پر لی جا سکتی ہیں کپڑا، زیور سامان خانہ اور خیمہ وغیرہ ہیں۔چنانچہ ایک شخص مقررہ ایام میں پہننے کے لیے کوئی کپڑا کرایہ پر لے سکتا ہے۔اس صورت میں اسے حق ہوگا کہ اس کپڑے کو عام دستور کے مطابق

Marfat.com

اور کپڑے کی حالت کے پیش نظر اسے استعمال کرے۔ پس اگر کوئی شخص حالت سفر میں نہیں ہے تو اس کپڑے کو رات کے وقت پہننا یا اسے پہن کر سونا درست نہیں ہے بلکہ جس طرح بالعموم اس کو استعمال کرنے کا رواج ہے اسی طرح سے اسے استعمال کرے۔ اگر اسے پہن کر سونے سے وہ پھٹ گیا تو اس کا تاوان دینا ہوگا۔ اسی طرح دوسرے کو پہنانے سے وہ ضائع ہو جائے یا پھٹ جائے تو اس کے تاوان کا وہ ذمہ دار ہوگا۔ لیکن اگر اس نے کپڑے کو تقاضائے معاہدہ کے مطابق استعمال کیا اور احتیاط کے باوجود وہ ضائع ہو گیا تو وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ یہی حکم شامیانہ کو عام دستور کے مطابق استعمال میں لانے کا ہے، مثلاً رنگ برنگے شامیانے کو جس طرح استعمال میں لایا جاتا ہے لگانا (درست ہے) اور اس طرح لگا کر ایک مقررہ عرصہ کے لیے کسی کو بغرض استعمال دے دینا بھی درست ہے۔

اگر یہ طے ہوا تھا کہ وہ اس خیمہ کو اپنے گھر میں لگائے گا، لیکن بطور خود اس نے اس شہر میں کسی اور جگہ نصب کیا اور وہ جگہ بھی اس کے گھر ہی کی مانند تھی تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ لیکن اگر اسے کھلی جگہ پر لگایا جہاں دھوپ یا بارش سے بچاؤ نہ ہو اور اس سے خیمہ کا کپڑا خراب ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔

اگر کسی عورت نے کوئی خاص زیور رات بھر کے لیے کرایہ پر لیا اور اسے ایک دن اور ایک رات تک پاس رکھا تو وہ مغاصب قرار دی جائے گی اور اس کا تاوان دینا ہوگا۔ یہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ وہ زیور واپس مانگا گیا ہو اور اس نے مالک کو واپس نہ کیا ہو۔ لیکن اگر اسے اتار کر حفاظت کے لیے ایسی جگہ رکھ لیا جو پہننے کے لیے نہیں ہوتی تو اس پر تاوان نہ ہو گا۔ اب جاننا چاہیئے کہ یہاں اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ہر وہ شے جو کرایہ پر لی جائے، خواہ وہ جانور ہو یا سامان یا مکان اگر اس طرح خراب ہو جائے کہ اسے استعمال نہ کیا جا سکے تو ناکارہ ہو جانے کے بعد سے اس کا کرایہ ساقط ہو جائے گا، اور خراب ہونے سے پہلے جتنے روز استعمال میں رہا ہے اس کا کرایہ ادا کرنا ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی (کرایہ کے) مکان میں رہائش کی اور وسط ماہ میں وہ نا قابل رہائش ہو گیا اور وہاں سے نکلنا پڑا تو اسے مہینے میں سے صرف اتنے دن کا کرایہ دینا ہوگا جتنے دن وہ اس میں رہا۔ اب اگر (ایام رہائش) کے بارے اختلاف ہو، رہنے والا کہے کہ میں دس دن رہا اور مالک بیس دن کہے تو اس مکان کی حالت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور ایسے شخص کی شہادت پر فیصلہ ہوگا جو اس مکان کی خرابی کو دیکھ کر بتا سکے (کہ یہ کتنے دن سے خراب ہے)

اب رہے وہ امور جن کا کرایہ بالاتفاق صحیح نہیں ہے، ان میں نر حیوان کی مادہ کے ساتھ جفتی کی اجرت ہے۔ پس یہ جائز نہیں ہے کہ بیل کا مالک کسی شخص کی گائے کو یا گدھے کا مالک کسی کی گدھی کو گیا بھن کرانے کی اجرت وصول کرے وغیرہ، کیوں کہ کسی جانور کو گیا بھن کرانا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا، لہٰذا اس کی اجرت بھی درست نہیں ہے۔

گناہ کے کام کرانے کی اجرت لینا بھی جائز نہیں ہے، مثلاً گانے ماتم کرنے اور کھیل تماشے کے کاموں کی اجرت لینا، جیسا کہ بعض وارستہ مزاج لونڈوں کو اجرت پر لیتے ہیں تاکہ وہ گھٹیا قسم کے گانے مجمع میں گائیں اور شراب نوشی اور دوسرے حرام کاموں کے مرتکب ہوں۔ ایسے گناہ کبیرہ کے لیے جو کسی مسلمان پر حلال نہیں ہے اجرت پر رکھا جائے جسے کشکش (یارندی) کہتے ہیں تو حلال نہیں ہے۔ اسی طرح غنڈوں کو کسی شخص کے ساتھ مار پیٹ کرنے یا گالی گلوچ کے لیے جس سے ایذا دہی مقصود ہو، کرایہ پر رکھنا یہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور کسی مسلمان کے لیے یہ فعل حلال نہیں ہے اور یہ تمام

Marfat.com

اجارے باطل ہیں اوران کاموں پر معاوضہ لینے کا حق نہیں ہے۔رہا گانے والوں کو اجرت پر بلانا سو اگر وہ گانا جائز قسم کا ہو تو ایسا کرنا درست ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔اس کی تفصیل ولیمہ (دعوت شادی) کے بیان میں اس کتاب کے حصہ دوم میں بیان کی جا چکی ہے۔

طاعات (الٰہی) یا عبادتوں کے لیے بھی اجرت کا معاملہ مسلک حنفیہ کے اصول کے مطابق درست نہیں ہے کیوں کہ وہ تمام عبادتیں جو مسلمانوں کے لیے مخصوص ہیں ان کو اجرت دے کر بجالانا درست نہیں ہے کیوں کہ تقرب الٰہی کا ہر وہ عمل جو کوئی شخص انجام دیتا ہے وہ اسی کی جانب سے ادا ہوتا ہے۔کسی اور کی جانب سے ادا نہیں کیا جا سکتا۔پس اگر کوئی شخص اس کی ادائیگی کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس طرح کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔لہٰذا اس (بے فائدہ کام کے لیے کسی سے اجرت لینا بھی درست نہیں ہے۔وہ اصحاب اس مسئلہ کے لیے دلیل میں وہ روایت پیش کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ" اقرئوا القرآن و لاتا کلوابه "(یعنی قرآن پڑھو لیکن اسے ذریعہ معاش نہ بناؤ)۔اور حضرت عمر نے حضرت عمرو بن العاص کو یہ فرمان بھیجا تھا کہ جس شخص کو اذان دینے کی خدمت پر مامور کرو وہ اذان کی اجرت نہ لے۔حنفی اصحاب کے مسلک کی بنیاد یہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک عام حکم ہے جو ہر قسم کی عبادات پر مشتمل ہے۔اس حقیقت کے پیش نظر اس بارے میں اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔لیکن متاخرین حنفیہ نے جب یہ دیکھا کہ یہ امر ناگزیر ہے تو ضرورتاً طاعات الٰہی کی بعض صورتوں میں جواز اجرت کا فتویٰ دیا ہے اور قرآن کی تعلیم دینے پر اجرت لینے کو انھوں نے جائز قرار دیا ہے کہ مبادا (علم قرآن) ناپید ہو جائے۔یہی صورت علوم دینی، اذان، امامت اور وعظ کی بھی ہے کہ (اس پر اجرت کو ممنوع قرار دینے میں) یہ اندیشہ تھا کہ مبادا یہ سلسلہ بند ہو جائے۔تاہم اجرت دے کر قرآن حکیم کی تلاوت کرانا، بالخصوص قبروں پر اور تقاریب شادی وغمی میں، درست نہیں ہے، کیوں کہ اس کے لیے کوئی ضرورت متقاضی نہیں ہے۔پس اگر کسی شخص نے قرآن خواں کو یہ وصیت کی کہ وہ اتنی اجرت پر اس کے مزار پر اتنی بار قرآن شریف پڑھے یا یہ کہ اجرت میں اسے کوئی مکان وقف کر دیا یا اس کام کے لیے کسی غلام کو آزاد کرنے کی وصیت کر گیا وغیرہ تو یہ تمام وصیتیں فضول ہوں گی، ان کی کوئی قدر نہیں۔ہاں اس قسم کی وصیتیں اور وقف اسی صورت میں مفید ہیں جب کہ بطور صدقہ کیے جائیں اور طریقہ محمد یہ کہ (پیروؤں رضی اللہ عنھم) نے یہ بتایا ہے کہ اس باب میں صراحت موجود ہے۔

تیسری فصل ان امور کے بیان میں جو بدعت اور باطل ہیں اور لوگ اس غلط خیال میں پڑے ہوئے ہیں کہ یہ قرب الٰہی کا ذریعہ اور دینی مقاصد میں سے ہیں اور ان کی جانب جھکے ہوئے ہیں، منجملہ ایسے امور کے کسی کا یہ وصیت کرنا ہے کہ اس کی وفات پر یا اس کے بعد کھانے کی ضیافت کی جائے اور تلاوت قرآن کرنے والوں کو رقمیں دے کر ان سے قرآن پڑھوایا جائے تاکہ اس کی روح کو ثواب پہنچے یا اس کے لیے کلمہ و درود شریف کا ورد کرایا جائے۔یہ تمام امور بدعت اور ناپسندیدہ ہیں اور ان کے معاوضہ میں جو اجرت لی جائے وہ حرام ہے بلکہ دنیا کے لیے تلاوت قرآن اور ذکر اذکار گناہ ہے۔

حاصل کلام اندریں باب یہ ہے کہ طاعت حق کے لیے اجرت لینا ممنوع ہے۔چنانچہ تمام اصحاب فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ یہ جو دوسرے شخص کی طرف سے حج کیا جاتا ہے اس کا خرچ اجرت حج کے طور پر دینا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ وہ حج

Marfat.com

اس شخص کے نائب کے طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس شخص کی طرف سے کوئی حج کرتا ہے وہ شخص خود اس فریضہ کی ادائیگی سے غائب رہتا ہے اور جو کچھ وہ حج کے لیے دیتا ہے وہ گویا اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے۔ لہٰذا (حج بدل کرنے والے پر) لازم ہے کہ اگر اس نے کچھ رقم (مصارف حج) سے زائد دے دی ہے تو زائد رقم واپس کر دے اگر یہ اجرت حج ہوتی تو اسے واپس کرنا ضروری نہ ہوتا۔

بہر حال متاخرین نے بعض امور طاعت پر جو اجرت لینے کی اجازت دی ہے وہ ضرورتاً اس اندیشہ سے ہے کہ مبادا یہ سلسلہ بند ہو جائے۔ انھوں نے قرآن کی تعلیم وغیرہ پر اجرت لینے کی اجازت دی ہے لیکن تلاوت قرآن پر اجرت لینے کو جائز نہیں بتایا، کیوں کہ یہ غیر ضروری ہے۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جھاڑ پھونک پر اجرت لینا عہد نبوی ﷺ میں کیوں جائز تھا؟ اور حضور کا ارشاد ہے "**ان احل ما اخذتم علیه اجراً کتاب الله**" (یعنی حلال ترین اجرت وہ ہے جو تم قرآن پر لیتے ہو) اس کا جواب یہ ہے کہ جھاڑ پھونک سے محض تلاوت قرآن مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے طبی غرض وابستہ ہے اور علاج معالجہ پر معاوضہ لینا جائز ہے۔

ہمارے زمانے میں بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ لوگ قرآن کی تعلیم حاصل کرنے سے جو ہٹتے جا رہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ انھیں روزی کا کوئی سہارا نہیں ملتا اور جس سبب سے انھوں نے تعلیم (قرآن) پر اجرت لینا مباح قرار دیا ہے وہ حفاظ کے کم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ چوں کہ یہی سبب بعینہ ان حافظین قرآن کے باب میں موجود ہے جو قرآن کی تلاوت سے استفادہ کرتے ہیں، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات قرآن پڑھنے کی اجرت جو جائز قرار دی گئی ہے اس کی بھی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ لیکن جس طریق کار کا جاری رکھنا کسی حال میں ممکن نہیں ہے وہ یہ ہے کہ بعض قاریوں نے آداب کتاب اللہ کو نظر انداز کر کے اختیار کر رکھا ہے۔ مثلاً بعض قاریوں کا سر راہ گزر بیٹھ کر سوال کرنے کی غرض سے قرآن پڑھنے بیٹھ جانا، یا ایسے مقام پر تلاوت کرنے لگنا جہاں بیٹھ کر قرآن پڑھنا شرعاً ممنوع ہے، یا ایسے حال میں تلاوت کرنا جو خشیت الٰہی یا آیات کلام الٰہی سے نصیحت پکڑنے کے منافی ہے۔ مثلاً بعض قاری تقاریب شادی وغم میں ترنم کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں جس سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے کیوں کہ ان مجالس میں بعض باتیں ناپسندیدہ ہوتی ہیں اور لوگ وہاں پر ایسی واہیات باتوں میں اس طرح مصروف رہتے ہیں جیسے گانے بجانے کی محفلوں میں ہوتا ہے۔ اس ناپسندیدہ طریقہ میں لوگ یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ بعض قرآن خواں اپنی خواہش نفس اور پسند خاطر کے مطابق الفاظ قرآنی کو اس جگہ سے الٹ پلٹ دیتے ہیں۔ یہ تمام امور حرام ہیں اور کسی حال میں انھیں جاری نہیں رکھا جا سکتا۔

ایسی اشیاء کے منجملہ جن کا عقد اجارہ درست نہیں ہے وہ اشیاء ہیں جن کا عقد اجارہ مذکورہ بالا شرائط معاملہ کے خلاف کیا جائے۔

مثلاً کسی شخص کو اس کے کام کی اجرت اسی کام سے ادا کی جائے جو اس نے انجام دیا۔ جیسے یہ کہ کوئی اونٹ (خرمن کی) ڈھیری وغیرہ لاد کر لے جانے کے لیے اجرت پر لیا جائے اور اسی میں سے کچھ حصہ لے جانے کی اجرت مقرر کی جائے۔ یا یہ کہ کسی جولاہے کو کتا ہوا اون دے کر کہا جائے کہ اس سے ایک جبہ (کا کپڑا) تیار کر دو باقی جو بچے وہ تمہاری اجرت ہوگی۔ اور یا کسی چکی والے کو ایک بوری گندم دی جائے کہ اس کو پیسے اور اس میں سے ایک کیلہ (یا سیر بھر آٹا) اپنی

Marfat.com

اجرت لے لے، یہ امر ممنوع ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیوں کہ عقد اجارہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جو اجرت مقرر کی گئی ہے اجیر اس کی ادائیگی پر اسی وقت قادر ہو لیکن بصورت موجودہ مقررہ اجرت کی ادائیگی ممکن ہی نہیں کیوں کہ اس اجرت کا تعلق ایسی شے سے ہے جو اس کام کے نتیجہ میں سے ہے (جس کے لیے اجارہ ہوا) یعنی آٹا جو گندم پیسنے کے بعد حاصل ہوگا اور وہ بوقت اجارہ موجود نہیں ہے۔ اس قسم کا معاملہ اگر کر ہی لیا جائے تو اس میں (اجرت مثل) واجب ہوگی بشرطیکہ اس اجرت مثل کی مقدار طے شدہ اجرت سے زیادہ نہ ہو۔

ایسی صورتوں میں اس مسئلہ کے جائز ہونے کا یہ حیلہ (یا ترکیب) ہے کہ اجرت مقررہ کو اس میں سے پہلے ہی الگ کر کے اجیر کے حوالہ کر دیا جائے۔ مثلاً اون یا گندم میں سے جو مقدار اجرت کے طور پر مقرر کی گئی ہے نکال کر مستاجر کو دے دی جائے تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔

ایسی اشیاء جن کا اجارہ ممنوع ہے وہ پانی ہے جو پینے کے کام آتا ہے کیوں کہ اجارہ (کرایہ) کی غرض کسی شے کی منفعت سے ہوتی ہے درآنحالیکہ وہ اصل شے برقرار رہتی ہے، لیکن پانی استعمال میں آ کر ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کو کرایہ پر نہیں لیا جا سکتا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اسی طرح مچھلی پکڑنے کے لیے تالاب کو کرایہ پر لینا ہے کہ اس میں (تالاب کی منفعت) مچھلی کو ہلاک کیا جاتا ہے، یا چراگاہ کو کرایہ پر لینا تاکہ مویشیوں کو اس کی گھاس چرائی جائے۔ ان صورتوں میں منفعت کی اصل شے کو ختم کر دیا جاتا ہے لہٰذا ان کا اجارہ درست نہیں ہے۔ یہ معاملہ کسی اور کام کے ضمن میں ہو تو درست ہو گا۔ چنانچہ بہتی ہوئی نہر کو کرایہ پر لیا تو اس کرائے میں نہر کے ساتھ پانی بھی ضمناً آ جائے گا۔ اسی طرح یہ درست ہے کہ چراگاہ کا کوئی قطعہ اراضی کرایہ پر لیا جائے تاکہ مویشیوں کے لیے اسے ٹھکانا بنایا جائے جسے باڑہ کہتے ہیں، اور مالک اراضی اس قطعہ اراضی کی گھاس چرانے کی اجازت دے دے۔

اب رہیں ایسی اشیاء جن کا اجارہ جائز ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ان کے منجملہ حمام (یا غسل خانہ) کا اجارہ (یا کرایہ پر استعمال) کرنا ہے۔ اس کی بابت بعض اصحاب کہتے ہیں کہ حمامی (غسل خانہ چلانے والے) کو اجرت لینا مکروہ ہے، خواہ وہ مرد سے لے یا عورت سے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ عورت سے کرایہ لینا مکروہ ہے؛ مرد سے مکروہ نہیں ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ امر بلا کراہت جائز ہے، کیوں کہ یہ انسان کی ضروریات میں سے ہے۔ اور عورتوں کو ان کی زچگی کے حالات اور صنف ضعیف ہونے کے باعث اور بھی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ اس میں جو بات قابل ممانعت ہے وہ ستر کا حمام میں کھولنا ہے، خواہ اس میں مرد ہو یا عورت، کیوں کہ عورتوں کو بھی یہ حلال نہیں ہے کہ وہ دوسری عورت کے ستر کو دیکھیں، اسی طرح مردوں کو بھی حلال نہیں ہے۔ اس کی تفصیل ستر کھولنے کے بیان میں سابقاً بتائی جا چکی ہے۔ پس لازم ہے کہ جو شخص حمام میں جائے وہ ستر ڈھانپنے کے بارے میں محتاط رہے اور دوسروں کے ستر پر بھی نظر نہ ڈالے ورنہ ایسے فعل کا مرتکب ہوگا جو حلال نہیں ہے۔ اور یہ تو حمام میں ہو یا دوسری جگہ سب کا ایک ہی حکم ہے۔

پچھنے لگانے کی اجرت کا بھی یہی حال ہے کہ بعض اس کو مکروہ کہتے ہیں کیوں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

"کسب الحجام خبیث و ثمن الکلب خبیث و مهر البغی خبیث"

Marfat.com

(یعنی پچھنے والے کی کمائی گندی ہے اور کتے کی قیمت گندی ہے اور بدکار عورت کا مہر گندا ہے)۔لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے کیوں کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود پچھنے لگوائے اور اس کی اجرت دی۔اگر اجرت مکروہ ہوتی تو آپ اسے نہ دیتے۔اور پہلی حدیث اس روایت سے منسوخ ہوگئی ہے جو یوں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ:

"ان لی عیالاً و غلاماً حجاماً افاطعم عیالی من کسبه؟ قال نعم"

(یعنی میری ایک بیوی ہے اور غلام ہے جو پچھنے لگاتا ہے تو کیا میں اس کی کمائی اپنی بیوی کو کھلا سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ ہاں)۔نیز واضح ہو کہ بخاری کی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ممانعت کی روایت سنن ابورافع میں ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما علم، حافظہ اور تفقہ میں بہت بڑھ کر ہیں لہٰذا ان کی روایت پر عمل ہوگا۔البتہ اگر پچھنے لگانے والا مقررہ اجرت کی کوئی شرط عائد کرے۔تو یہ مکروہ ہے۔پس اس صورت میں پچھنے کے لیے اجرت کا لینا مکروہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

انھیں (اختلافی امور) میں بچو لیے یا دلال کی اجرت بھی داخل ہے کہ بنیادی طور پر تو یہ کام ناجائز ہے لیکن فقہاء نے حمام کی طرح اس کی اجازت عوام کی ضرورت کے پیش نظر دی ہے۔البتہ اجرت مثل اس میں جائز ہے (اجرت کا تعین ممنوع ہے۔) لہٰذا اگر کسی شخص نے بچو لیے یا دلال کے ساتھ یہ طے کیا کہ وہ اس کی زمین سو اشرفی میں فروخت کرادے تو فی اشرفی دو قرش اس کا معاوضہ دیا جائے گا تو یہ شرط نافذ العمل نہ ہوگی۔جو کچھ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ دلال کو اجرت مثل دی جائے۔

واضح ہو کہ مشاطہ کے لیے دلہن کے بناؤ سنگھار کی اجرت درست ہے بشرطیکہ جو کام جتنی دیر تک اسے کرنا ہے وہ طے ہو جائے۔

اگر کسی شخص نے کسی کاریگر کو کام پر لگایا اور اس کام کا تعین (حد بندی) ممکن نہ ہے، مثلاً کوئی درزی ہے جسے یہ کہا جائے کہ میرا یہ کپڑا اتنے میں سی دو یا نان بائی کو کہیں کہ اس آٹے یا ایک بوری آٹے کی روٹی پکادو، اب اس کے ساتھ وقت کی قید لگانا درست نہیں ہے۔مثلاً یہ کہا کہ اس کپڑے کو آج یا کل تک سی دینا یا یہ روٹی آج یا دو گھڑی بعد پکا دینا، اگر اس عرصہ میں یہ کام نہ ہوا تو اجرت کم ہو جائے گی۔ایسا کرنے کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ اس میں نوبت نزاع تک پہنچ سکتی ہے۔بایں طور کہ کاریگر کہے گا کہ یہ اجرت کام کی طے ہوئی ہے اور وقت کا ذکر جلدی کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے تھا، اب درآنحالیکہ وہ کام آج یا بعد میں سی کر تیار ہو گیا تو میں پوری اجرت کا حق دار ہوں۔لیکن گاہک کہتا ہے کہ ہرگز نہیں، ہمیں تو اس کام کا فائدہ اسی صورت میں تھا جب کہ اس وقت کے اندر کام تیار کر دیا جاتا پس جب کہ اس کا پورا فائدہ حاصل نہ ہوا تو تم پوری اجرت کے حق دار نہیں ہو۔اسی لیے اس طرح کے عقد کو فاسد کہا گیا ہے۔ہاں اگر یوں کہا تھا کہ (یہ کام کرو۔شرط یہ ہے کہ) آج ہی اس کام سے فارغ ہو جاؤ یا اسے آج ہی سی کر دے دو تو عقد فاسد نہ ہوگا؛ لیکن عقد اجارہ (دراصل) اس کام (یعنی سلائی) کے لیے مانا جائے گا اور (وقت کے متعلقہ) الفاظ سے غرض جلد کام کرنے پر آمادہ کرنا ہے۔اور فرق (دونوں میں) یہ ہے کہ یہ جو کہا گیا کہ "آج ہی" اس کا مطلب یہ ہے کہ سلائی آج ہی کرو؛ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام

کام اسی دن پورا ہو جائے۔ اور اس طرح کہنے سے کہ آج ہی اس کام سے فارغ ہو جاؤ کام کی طرح دن کی تعیین پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ اصل غرض اس عقد اجارہ سے وہی کام ہے۔ اسی روز فارغ ہو جانے کے لیے جو کہا گیا وہ دوسرے درجہ پر ہے اور اس کے معنے کام میں عجلت پر آمادہ کرنے کے ہیں (لہٰذا یہ عقد فاسد نہ ہوگا)۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ عقد اجارہ (دونوں صورتوں میں) مطلق فاسد نہ ہوگا۔ اور اگر یوں کہا کہ اسے آج سی دو اور یہ (نہیں کہا کہ ''اس دن کے اندر اندر'' یا یہ کہ ''اس طرح کرو کہ آج ہی کام سے فارغ ہو جاؤ'' تو یہ عقد اجارہ دراصل اس کام ہی کے لیے ہوگا اور وقت کا ذکر جو کیا گیا وہ صرف جلدی کرنے کی غرض سے تھا۔

اگر کوئی شخص (مثلاً) درزی سے یوں کہے کہ ''اگر تم نے میرا کپڑا آج سی دیا تو اس کی اجرت ایک درم ہوگی اور اگر کل سی کر دیا تو نصف درم ہوگی'' تو جائز ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی جائز ہے کہ اس مکان میں اگر لوہار بسے تو کرایہ دس ہوگا اور اگر عطار رہے تو پانچ ہوگا۔ اسی طرح ہر ایسا معاملہ جائز ہے جس میں وقت، جگہ، یا مسافت کے اعتبار سے اجرت میں ردو بدل ہوتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اشیاء کرایہ کی تین قسمیں ہیں:

ایک قسم ممنوع ہے یعنی وہ شے جس کا کرایہ پر دینا صحیح نہیں ہے۔ دوسری قسم میں جائز اور تیسری قسم میں مکروہ اشیاء ہیں۔

پہلی قسم یعنی جس کا اجارہ ممنوع ہے وہ ہے جس میں شرائط اجارہ میں سے کسی شرط کی مخالفت ہوتی ہو۔ اس قسم کی بیشتر اشیاء کا بیان پہلے ہو چکا ہے بعض صورتیں ایسی ہیں جن کی تفصیل بیان سے رہ گئی ہے۔ ان میں سے ایک کسی درخت کو کرایہ پر لینا ہے تاکہ اس کا پھل حاصل کیا جائے، اس میں اصل شے (منفعت) یعنی پھل کو قصداً (یعنی کام میں لا کر) ختم کرنا ہوتا ہے تبعاً وہ ختم نہیں ہوتی لہٰذا اس میں کسی شے کا معاملہ اس شیئ کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کیا جاتا ہے اور یہ امر باطل ہے۔ رہا بکری کو دودھ کے لیے کرایہ پر لینا سو اس کی تفصیل منفعت کے بیان میں پہلے ہو چکی ہے وہاں پر ملاحظہ ہو۔

اگر کوئی مکان کرایہ پر لیا جس میں کھجور کا درخت یا انگور کی بیل ہے اور اس کے پھل مقدار میں تھوڑے ہوں اور کرایہ دار نے یہ شرط رکھ دی ہو کہ یہ (پھل) بھی کرایہ کے تابع ہوں گے تو اس کو کرایہ میں شامل کر لینا اور اس کے پھلوں کا لے لینا قابل نظر انداز ہے، بشرطیکہ اس پھل کی قیمت کرایہ کی ایک تہائی رقم سے زیادہ نہ ہو، اس طرح پر کہ مثلاً اس مکان کے کرایہ کی رقم پھلوں کے بغیر دس ہو اور پھل کی مالیت اس کے اخراجات آب پاشی وغیرہ کو نکال کر پانچ ہو تو اس حالت میں کرایہ دار کو وہ پھل لے لینا درست ہوگا کیوں کہ اس پانچ کو اس کے کرایہ کے ساتھ ملایا جائے تو مجموعی رقم پندرہ ہوگی اور پانچ اس کا ایک تہائی حصہ ہے، لہٰذا کرایہ دار کو اس کا لے لینا درست ہوگا۔ لیکن اگر پھل پانچ سے زیادہ مالیت کے ہوں تو اسے لینا درست نہیں ہے، اس لیے کہ مسلک مالکیہ میں یہ قاعدہ ہے کہ کسی شے کی بابت تھوڑا یا بہت قرار دیئے جانے کا یہ طریقہ ہے کہ کم مقدار کو بڑی مقدار کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے، اگر وہ کم مقدار مجموعہ کا ایک تہائی حصہ ہے تو اسے تھوڑا کہیں گے۔ اس قاعدے سے تین چیزیں مستثنیٰ ہیں:

(۱) وہ افتاد جو فروخت شدہ پھل پر آ پڑے۔ اس پھل کا تہائی حصہ تھوڑا (قابل درگزر) قرار نہیں دیا جائے گا۔

Marfat.com

(۲) زخم پہنچانے کے تاوان (یا جرمانہ) کے بارے میں مرد اور عورت دونوں برابر متصور ہوں گے۔

(۳) تاوان دار (رشتہ دار) پر جو تاوان عائد ہو (اس میں بھی ایک تہائی مقدار کو تھوڑا، قابل درگزر قرار نہیں دیا جائے گا)۔

دوسرے وہ اجارہ ناجائز ہے جو غنا (گانے یا راگ راگنی) کی تعلیم پر لیا جائے کیوں کہ یہ امر بجائے خود درست نہیں ہے۔ لفظ ''غنا'' الف کے مد کے ساتھ، اس کے معنی وہ گانا ہے جو فن موسیقی کے مطابق تال سر کے ساتھ ہو۔ اس کا ذکر ولیمہ دعوت شادی کے ضمن میں آچکا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک کسی بھی قسم کا گانا ہو حلال نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ اس شعر کے وزن پر ہو:

اتینا کم اتینا کم　　فحیونا نحییکم

(یعنی ہم تمہارے ہاں آئے۔ ہم تمہارے ہاں آئے۔ اب تم ہمیں خوش آمدید کہو ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں یا تم ہمیں سلام کرو ہم تمہیں سلام کرتے ہیں)۔

غرض مالکیہ کے نزدیک ہر وہ کام جو جائز نہیں ہے اس کی اجرت بھی درست نہیں ہے۔ اس بارے میں دوسرے فقہاء کے مسالک تفصیل طلب ہیں۔ پس ان کے نزدیک جو امور مباح ہیں ان کی تعلیم پر اجرت لینا درست ہے۔ اور وہ جو امور ممنوع ہیں وہ آلات مزامیر ہیں، مثلاً سارنگی اور بنسری کہ ان کا استعمال کرنا اور ان کا سننا حرام ہے، لہٰذا ان کے دام لینا یا کرایہ پر چڑھانا بھی حرام ہے۔

تیسرے ماتمیوں اور بیان کر کے رونے والوں (نوحہ گروں) کا اجرت پر رکھنا ہے کہ اس کے حرام ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

چوتھے ان فریبیوں کی اجرت ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ چور کا پتا بتا سکتے ہیں اور ضائع شدہ شے کو پھر مہیا کر سکتے ہیں۔ ان کی اجرت حلال نہیں ہے۔ اسی طرح استقرار حمل کی بندش کو دور کرنے کے لیے جب کہ کسی کی بیوی کو استقرار حمل نہ ہوتا ہو اجرت لینا بھی حلال نہیں ہے۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ اگر کسی عمل سے بار بار فائدہ تجربہ میں آیا ہو تو جائز ہے۔

پانچویں حالت ایام ماہواری میں کسی عورت کو مسجد کی جھاڑو بہارو کے لیے اجرت پر لگانا حلال نہیں ہے۔

چھٹے کسی مکان کو شراب یا بھنگ وغیرہ جو فتور عقل کا باعث یا مضر صحت اشیاء ہیں، ان کی فروخت کے لیے کرایہ پر دینا درست نہیں ہے۔ اور جس طرح کسی جگہ کو گناہ کا اڈا یا بدکاری کا ٹھکانا بنانے کے لیے کرایہ پر دینا درست نہیں ہے اسی طرح اس جگہ کا فروخت کرنا بھی درست نہیں ہے۔ اگر احیاناً ایسا ہو جائے تو مالک زمین کو چاہیئے کہ اس کا جو کرایہ وصول کیا ہے وہ تمام خیرات کر دے اور اگر اس زمین کو عام قیمت سے زیادہ پر فروخت کیا ہے تو جو کچھ زیادہ وصول کیا ہے وہ بھی صدقہ کر دے۔

ساتویں ایسی عبادت کی اجرت (ممنوع ہے) جو اجیر پر پہلے ہی واجب العمل ہے، یعنی فرض کفایہ نہیں بلکہ اس پر فرض عین ہے۔ اور وہ عمل ایسا ہے جس کے لیے کسی کو نائب نہیں بنایا جا سکتا ہے جیسے نماز، روزہ، وغیرہ، خواہ واجب ہو یا نفل

Marfat.com

ہو، لہٰذا فجر کے وقت کی دو رکعتوں (جن سے مراد سنتیں نہیں بلکہ نوافل ہیں جو نماز فجر سے پہلے پڑھے جاتے ہیں) اور وتر کے پڑھنے کی اجرت لینا درست نہیں۔ لیکن ایسے اعمال جن کی نیابت ہو سکتی ہے جیسے (میت کی طرف سے) حج اور قرآن کا پڑھنا اور کلمہ و وظائف وغیرہ، سو اس بارے میں اختلاف ہے اور (اختلاف کی) بنیاد اس امر پر ہے کہ آیا اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے؟ بعض اصحاب مالکیہ کہتے ہیں کہ میت کو ایصال ثواب ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کا اجارہ درست ہے اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایصال ثواب نہیں ہوتا لہٰذا اس کی اجرت صحیح نہیں ہے۔ اور خود امام مالک سے یہ منقول ہے کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا اور اس کی اجرت کا معاملہ درست نہیں ہے۔ لیکن ان کے رفقاء کے اقوال سے بظاہر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ بموجب اس حدیث کے جو نسائی سے مروی ہے میت کو ثواب پہنچتا ہے

"من دخل مقبرة و قراء قل هو الله احد احدى عشرة مرة واهدى ثوابها لهم كتب الله له من الحسنات بعدد من دفن فيها"

(یعنی اگر کوئی شخص قبرستان میں آئے اور گیارہ بار (سورۂ) **قل هو الله احد** پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دے تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ اتنی نیکیاں لکھ دیتا ہے جتنی تعداد میں وہاں پر مردے دفن ہیں) اگر قرآن کے پڑھنے کا ثواب میت کے حق میں مفید نہ ہوتا اور انھیں نہ پہنچتا تو نبی ﷺ مردوں کے لیے قل ھو اللہ احد پڑھنے کی ترغیب نہ دیتے۔

اب رہے وہ اعمال جو مکلّف انسان پر بطور کفایہ عائد ہیں (یعنی ایسے اعمال جو تمام مسلمانوں پر بطریق یکجائی فرض ہیں لیکن چند کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتے ہیں)، مثلاً میت کو کفن دینا، اس کو نہلانا اور دفن کرنا، ان پر اجرت کا معاملہ کرنے میں کوئی ڈر نہیں ہے۔ چنانچہ غسال کے مردے کو غسل دینے اور میت (کے جنازے) کو اٹھانے اور دفن کرنے کی جو اجرت ہوتی ہے وہ سب جائز ہے۔

آٹھویں کسی شخص کو بیری یا زیتون وغیرہ کے جھاڑنے یا اس کا تیل نکالنے کی اجرت اسی میں سے دینے کا معاملہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ مثلاً کسی سے کہا کہ اس بیری کو جھاڑو جو پھل اس سے ہاتھ آئے گا اس کا چھٹا حصہ یا اس کی قیمت تمہاری اجرت ہوگی وغیرہ، کیوں کہ درخت مختلف اقسام کے ہوتے ہیں، کسی کے جھاڑنے سے بہت اور کسی سے تھوڑا پھل ہاتھ آتا ہے، سردست اس کی مقدار معلوم نہیں ہوتی (اس لیے یہ معاملہ درست نہ ہوگا) اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ اس زیتون یا دانہ عصفر سے تیل نکالو، جو کچھ برآمد ہوگا اس کا ایک حصہ تمہارا ہوگا، کیوں کہ جو تیل اس سے نکلے گا اس کی مقدار معلوم نہیں ہے اور اس تیل کی کیفیت بھی نامعلوم ہے ممکن ہے کہ وہ عمدہ ہو یا ردی ہو، گدلا ہو یا کسی چیز کی ملاوٹ سے وہ ناقص ہو جائے۔

اس بارے میں بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر یوں کہا جائے کہ اس درخت کے تمام پھل جھاڑ لو اس میں سے مثلاً چھٹا حصہ تمہارا ہوگا تو جائز ہے۔ لیکن اس طرح پر معاملہ کیا جائے تو کام کرنے والے کو اجرت مثل (جو اس جیسے کام کے لیے مناسب سمجھی جاتی ہے) دی جائے گی اور پھل یا تیل جو کچھ بھی اس سے حاصل ہوگا وہ تمام مالک کا حق ہوگا۔ اگر (عقد کے مطابق) اسے تقسیم کیا گیا تو کام کرنے والا جو کچھ لے گا وہ حرام ہے اور مالک جو کچھ لے گا وہ حلال ہے کیوں کہ وہ سب ہی اس کا ہے۔

☆ یہ وزن 'بحر ہزج' کا ہے جو آٹھ بار 'مفاعیلن' کی تکرار سے بنتا ہے۔

Marfat.com

اسی طرح اگر کہا کہ کھلیان کی اس ڈھیری کو گا ہو، جس قدر دانے نکلیں گے اس کا آٹھواں حصہ تمہارا ہوگا تو یہ اجارہ فاسد ہوگا۔ کیوں کہ جو دانہ اس میں سے نکلے گا اس کی مقدار معلوم نہیں ہے۔ لیکن اگر یوں کہا کہ اس قطعہ اراضی کا کھیت کاٹو، اس میں سے ساتواں حصہ یا اس کی قیمت تم کو ملے گی تو یہ درست ہوگا کیوں کہ جو کچھ اس میں بویا ہوا لگا ہوا ہے وہ ظاہر ہے اور نظر آرہا ہے جسے دیکھ کر ہی اس سے حاصل ہونے والی شے کی مقدار معلوم ہو سکتی ہے۔

نویں یہ کہ کسی زرعی زمین کو زراعت کے لیے اجناس خوردنی کے عوض کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ایک قطعہ اراضی کو پانچ بوری گندم مکی یا جو وغیرہ زمین سے پیدا ہونے والی اشیاء مثلاً مسور، لوبیا یا کوئی اور جنس خوردنی کرایہ کے طور پر طے کر کے لی تو یہ صحیح نہ ہوگا کیوں کہ ممکن ہے کہ ان اجناس میں سے وہی جنس اس میں بوئی جائے جو کرایہ کی ہے، تو گویا یہ معاملہ ایک جنس طعام کو ہم جنس کے عوض فروخت کرنا ہوگا اور یہ ممنوع ہے کیوں کہ یہ تفاضل (ہم جنس اشیاء کا سودا کمی بیشی کے ساتھ کرنا ہے) جو منع ہے اور اس میں غرر (یعنی دھوکا) بھی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کھیت میں اس مقدار سے زیادہ یا کم پیداوار ہو جو کرایہ کے طور پر طے ہوئی ہے۔

اسی طرح ہر ایسی اشیاء خوردنی کو گو وہ زمینی پیداوار نہ ہو کہ کرایہ زمین بنانا جائز نہیں ہے جیسے شہد، پنیر یا دودھ اور ذبح کی ہوئی یا دودھ دینے والی بکری۔ البتہ یہ جائز ہے کہ کرایہ کے طور پر ایسی بکری دی جائے جو دودھ نہ دیتی ہو کیوں کہ ایسی حالت میں اس کا شمار خوردنی اشیاء میں نہ ہوگا اور نہ اس سے پیدا ہونے والی چیز ہی اشیاء خوردنی میں ہے۔ یہی حکم مچھلی اور دریائی پرندوں کا بھی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بسا اوقات اس کا سودا اجناس خوردنی، گندم یا مکی وغیرہ کی طرح کیا جاتا ہے گویا اس صورت میں بھی مختلف اجناس خوردنی کی تجارت ہوئی جو ممنوع ہے۔ اسی طرح اشیائے خوردنی کے علاوہ کوئی بھی شے جو زمین سے پیدا ہوتی ہے جیسے کپاس، السی، گل خیری یا زعفران وغیرہ کو بھی زمین کا کرایہ قرار دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ بعض اوقات اس زمین میں اسی چیز کی زراعت ہو سکتی ہے جس کو اجرت میں دیا گیا۔ ایسی صورت میں زرعی اجناس کی ہم جنس شے سے ادھار سودا ہوا (جو ناجائز ہے)۔ اگر کوئی معاملہ اس طرح کیا جائے تو وہ فاسد متصور ہوگا اور زمین کا کرایہ نقدی کی شکل میں ادا کیا جائے گا۔

ایسی زمین کو کرایہ پر چڑھانا درست ہے جس میں لمبے عرصہ تک قائم رہنے والا درخت ہو۔ ایسی زمین کے کرائے کے بارے میں اختلاف ہے جس میں خودرو سبزی ہو، لگائی ہوئی نہ ہو، جیسے چارہ یا گھاس والی زمین۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ جائز ہے۔

کسی زمین کو اشیائے خوردنی کی شکل میں کرایہ دے کر لینا تاکہ وہاں دکان بنائی جائے یا غلہ کا ذخیرہ کرنے (یا کھلیان بنانے) کے لیے لی گئی ہو جائز ہے اور اس کا کرایہ اشیاء خوردنی کی صورت میں ادا کرنا بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے کیوں کہ اس میں ایسی کوئی (ممنوع) بات نہیں ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔

کسی کاریگر کو اس طرح اجرت پر لگانا کہ اگر وہ کار مفوضہ ایک دن کے اندر کر دے تو دس ملیں گے، اگر دو دن میں کرے تو آٹھ کا حق دار ہوگا، ممنوع ہے، کیوں کہ اس صورت میں کاریگر کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ اسے کیا اجرت ملنی ہے اور اس کے بغیر ہی کام سنبھال لیا۔ اگر اس طرح پر کسی درزی کو لگایا اور اس نے کپڑا سی کر دے دیا تو وہ اجرت مثل (مناسب اجرت) کا حق دار ہوگا، خواہ اس نے ایک دن میں سیا ہو یا دو دن میں۔ اگر فریقین ایک اجرت مقرر کر لیں اور اس کے بعد

درزی سے کہا جائے کہ ذرا یہ کام جلدی ہی کر دینا میں تم کو اس قدر اور دوں گا اور اس امر کا یقین ہے کہ جو عرصہ مقرر کیا ہے اتنے عرصہ میں درزی کام تیار کر سکے گا تب تو یہ جائز ہے، لیکن اگر اس کا یقین نہ ہو تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔

دسویں یہ کہ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ یہ جانور ہے اس پر کام کرو، مثلاً لکڑی لاد کر لاؤ، یا سواری یا غلہ لادو، اور یہ نہیں بتایا کہ اس پر کیا چیز لادی جائے گی لیکن یہ بتا دیا کہ لکڑی کے جو دام ہوں گے یا جتنے میں اسے فروخت کرو گے اس کا نصف میں لوں گا یا یہ کہ جتنے کرایہ پر اسے دو گے اس کا آدھا مجھے دینا تو اس معاملہ کی چار صورتیں ہوں گی:

اول یہ کہ اس نے کہا کہ میرے اس جانور پر کام کرو، اور اس نے خود اس پر کام کیا۔

دوم یہ کہ اس نے کہا کہ اس جانور پر کام کرو اور اس نے وہ جانور کسی اور کو کرایہ پر دے دیا کہ وہ اس پر کام کرے۔

سوم یہ کہ اس نے کہا کہ میرا یہ جانور لے کر اس پر کام کرو، اس نے کرایہ دے کر وہ جانور لے لیا اور اس پر خود کام کیا۔

چہارم یہ کہ اس نے کہا کہ اس جانور پر کام کرو، اس نے کرایہ دے کر جانور لیا اور کسی اور کو کرایہ پر دے دیا۔

یہ تمام صورتیں اجارہ فاسد کی ہیں۔ اگر ایسا معاملہ کیا گیا تو ابتدائی تین صورتوں میں (اس جانور پر) کاروبار کرنے سے جو کچھ حاصل ہوگا وہ تمام کا تمام کارکن کا حق ہوگا اور مالک کو اجرت مثل ادا کرے گا کیوں کہ یہ تمام صورتیں اجارہ فاسد کی ہیں اور اجارۂ فاسد میں اجرت مثل لازم ہوتی ہے)۔

اگر کارکن (کرایہ دار) کو جانور پر کام کرنے کا موقع نہ ملا تو اس صورت میں بعض اصحاب کہتے ہیں کہ کرایہ کی ادائیگی بلاشرط لازم ہوگی اور بعض اصحاب کا کہنا ہے اگر کام میں رکاوٹ کا کوئی معقول سبب ہو تو کرایہ واجب نہ ہوگا۔

چوتھی صورت یعنی جس میں یہ کہا گیا کہ یہ جانور لے لو اور کرایہ دے کر لے لیا گیا اور پھر لینے والے نے کسی اور کو کرایہ پر دے دیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ دوسرے شخص سے جو کرایہ وصول ہوگا وہ سب مالک کا حق ہوگا اور کارکن کو اس کی محنت کی اجرت مثل دی جائے گی۔ چنانچہ اگر اس شخص نے کسی کے ساتھ یہ طے کیا تھا کہ وہ اسے ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جائے گا اور وہ خود بھی اس کے پیچھے (ہنکاتا) گیا تو اسے اس عقد اجارہ کرنے اور اس جانور کے پیچھے سے چلانے کی جو اجرت مثل ہوگی وہ اسے ملے گی اور اس جانور کا کرایہ جو ملے گا وہ مالک کا ہوگا کیوں کہ اس صورت میں گویا کرایہ دار نے (خود کو) اس کام کے لیے کرایہ پر دیا ہے۔

واضح ہو کہ یہ تمام احکام اس حالت میں ہیں جب کہ (ابتدائی) اجارہ پر عمل درآمد ہوا ہو۔ عمل درآمد سے پہلے اس کی بابت یہی حکم ہے کہ اسے فسخ کر دیا جائے۔ ان تمام صورتوں میں اجارہ کے فاسد ہونے کا سبب یہ ہے کہ اجرت کی مقدار نامعلوم ہے۔

اگر (جانور کے) مالک نے یہ کہا کہ میرا یہ جانور لے لو اور اس پر لاد کر لکڑی لے آؤ، جتنی لکڑی لاؤ گے اس میں سے آدھی تمہاری ہوگی تو یہ معاملہ صحیح ہوگا، لیکن اس کی دو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ جس قدر لکڑی لادی جائے اس کی مقدار معلوم ہو کہ مثلاً عام طور پر وہ جانور دن بھر میں دو گٹھے لکڑیوں کے لاتا ہو، یا پھر فریقین نے یہ طے کر لیا ہو کہ جتنے گٹھے بھی لکڑیوں کے لائے جائیں گے ہر ایک کو نصفا نصف تقسیم کر لیا جائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ (اجرت کا معاملہ) مالک نے کارکن پر نہ چھوڑ دیا ہو، یعنی یہ طے ہو گیا ہو کہ کرایہ دار اپنا حصہ

Marfat.com

اس وقت تک نہ لے گا جب تک وہ لکڑی فلاں جگہ پر اکٹھی نہ ہو جائے۔ ان دونوں شرائط کو ملحوظ رکھا جائے تو وہ اجارہ درست ہوگا۔ کیوں کہ اس میں اجرت سے لاعلمی نہ رہے گی، بخلاف اس صورت کے جب کہ یوں کہا ہو کہ اس پر لکڑی لاد کر لاؤ، جتنی قیمت کی لکڑی ہوگی اس کی آدھی قیمت تم کو دی جائے گی۔ اس میں تو یقینی طور پر اجرت کی مقدار معلوم نہ ہوگی کیوں کہ یہی نہیں معلوم کہ لائی ہوئی لکڑی کتنے میں بکے گی۔ اس کی قیمت سے بالکل لاعلمی ہوگی (تو اجرت کا تعین کیسے ہو سکتا ہے)۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا حمام اور فرودگاہ (ہوٹل یا سرائے) وغیرہ غیر منقولہ اشیاء کا حکم بھی (باربرداری) کے جانور کی مانند ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اصحاب تو یہی کہتے ہیں کہ اس حکم بھی یہی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کہا کہ میری کشتی یا غسل خانہ یا اقامت گاہ پر کام کرو، اس کی آمدنی میں سے نصف تمھارا ہوگا یا یہ کہا کہ نصف ہمارا ہوگا، تو جو آمدنی ہوگی وہ سب کارکن کی ہوگی اور مالک اس کا کرایہ مثل لے گا، خواہ کارکن نے اس میں خود کام کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اگر مالک نے یوں کہا کہ اسے لے کر کرائے پر چڑھاؤ تو اس صورت میں تمام آمدنی مالک کی ہوگی اور کارکن اجرت مثل کا حق دار ہوگا۔ بعض اصحاب کا کہنا یہ ہے کہ کشتی یا گھر یا حمام وغیرہ ایسی املاک غیر منقولہ ہیں جن کے اخراجات اور نگرانی کا کام مالک کرتا ہے لہٰذا کارکن صرف اجرت مثل کا حقدار ہے، خواہ یہ کہا ہو کہ اس پر کام کرو یا یہ کہا ہو کہ اسے کرایہ پر چڑھاؤ، اور قطع نظر اس کے کہ اس پر کارکن نے خود کام کیا ہو یا کسی اور کو کرایہ پر دے دیا ہو۔ اور یہی دوسرا قول اس مسئلہ میں زیادہ درست ہے۔

گیارہویں یہ بھی ممنوع ہے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ ایک شے کا نصف حصہ طے شدہ قیمت پر فروخت کر دے اور شرط یہ ہو کہ خریدار وہ دوسرا حصہ فروخت کرا دے گا۔ لہٰذا یہ درست نہ ہوگا کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں اپنا آدھا گھر ایک سو میں تمھارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ نصف ثانی کے فروخت کرنے کا کام تم میری طرف سے کر دو۔ یہ صورت ممنوع ہے درآنحالیکہ فروخت کی جگہ کا تعین نہ کیا ہو، یا کیا ہو لیکن وہ جگہ عقد اجارہ کے مقام سے تین یوم سے زیادہ مسافت پر واقع بستی ہو۔ ہاں اگر یہ طے ہوا کہ نصف مکان اسی شہر میں، جہاں معاملہ طے ہوا ہے یا کسی قریب کے شہر میں فروخت کیا جائے گا تو درست ہوگا کیوں کہ پہلی صورت میں خریدار نے ایک متعین شے یعنی نصف مکان خرید لیا لیکن اس کا قبضہ نہیں لے سکتا، تاوقتیکہ اس مکان کا سودا کسی اور شہر میں جو تین دن سے زیادہ کی مسافت پر ہو جا کر نہ کرے۔ یہ صورت حال ممنوع ہے۔ لیکن دوسری صورت میں یعنی جب کہ اسی شہر میں (دوسرا حصہ) فروخت کرنے کی شرط ہو، یا ایسی (قریب کی) جگہ پر فروخت ہو کہ اس کے قبضہ میں تاخیر متصور نہ ہو، بایں طور کہ وہ جگہ (مقام عقد اجارہ سے) تین دن یا اس سے کم مسافت پر واقع ہو۔ لیکن ایسی صورت میں یہ شرط ہے کہ فریقین (نصف ثانی) کی فروخت کے لیے کوئی خاص مدت مقرر کر دیں یعنی مالک یہ کہہ دے کہ تم نصف ثانی کو مثلاً ایک ماہ بعد فروخت کرنا، تاکہ اس طرح (بیک وقت) فروخت اور اجارہ دونوں معاملے اکٹھے ہو جائیں۔ فروخت اس طرح ہوئی کہ خریدار نے نصف مکان طے شدہ قیمت میں خریدا اور اجارہ یوں ہوا کہ مالک نے اس کے ساتھ یہ ٹھیکہ (عقد اجارہ) بھی کیا کہ باقی نصف مکان اس کی طرف سے فلاں وقت فروخت کر دے۔ ایسا کرنا جائز ہے، کیوں کہ فروخت اور اجارہ دونوں معاملے ایک ہی وقت میں ایک ساتھ کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر بیع کے لیے وقت مقرر نہ کیا تو اس میں (بیع و اجارہ نہیں بلکہ) بیع جعالہ (یعنی مزدوری پر کام کے معاملہ) کو جمع کیا گیا ہے،

Marfat.com

کیوں کہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ میں آدھا مکان ایک سو میں (مثلاً) اس لیے دے رہا ہوں کہ اس سودے کو دوسرے حصہ کے فروخت کرنے کی مزدوری سمجھو، لیکن ایسا اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس میں معاملہ کے عمل درآمد میں تاخیر ہے اور جعالہ (مزدوری پر کام لینے) میں تاخیر (ادائیگی) سے معاملہ فاسد ہوجاتا ہے۔

اگر کوئی مکیل، موزون یا معدود مثلی شے (یعنی ایسی شے جس کا سودا پیمانوں سے یا وزن کر کے اور یا گنتی سے ہوتا ہے) فروخت کی، مثلاً بیس بوری گندم کسی کو حوالہ کر کے کہا کہ اس میں سے صرف دو بوری گندم بیچتا ہوں جس کی قیمت ایک اشرفی نقد اور باقی چھ بوریوں کی دس دن میں فروخت کرنے کی دلالی ہوگی، تو یہ جائز نہیں ہے اگر چہ اوپر کی تمام شرط پوری کی گئیں ہوں۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ شخص اس گندم کو پانچ ہی روز میں فروخت کر دے تو دلالی کی نصف اجرت کا حق دار ہوگا یعنی آدھی بوری گندم کا (کیوں کہ دس دن میں بیچتا تب ہی بوری کا حق دار ہوتا۔) اندریں صورت خریدار کو اس (خریدی ہوئی) بوری میں سے آدھی گندم واپس کرنا ہوگی جو دلالی کی اجرت تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ گندم کو پورے دس دن میں یا اس سے زیادہ عرصہ میں فروخت کرے تو اسے زیادہ اجرت نہ دی جائے گی۔ پس صورت حال یہ ہوئی کہ دلال کی اجرت جو ایک بوری گندم ہے اس میں سے کچھ تو اجرت ادا شدہ کچھ پیشگی (وصول شدہ اجرت) قابل واپسی ہوگی اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر (دو بوری کے) خریدار نے یہ شرط لگا دی تھی کہ باقی ماندہ گندم کو میعاد مقررہ کے اندر ہی فروخت کر دیا تو طے شدہ اجرت میں سے کچھ واپس نہ کیا جائے گا تب یہ معاملہ درست ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایک شخص اپنا آدھا مال فروخت کرے اور اس کے دام کچھ تو طے شدہ رقم کی شکل میں ہوں اور کچھ باقی ماندہ نصف مال کی دلالی کی شکل میں تو درست ہے، لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ فروخت کی جگہ طے پا جائے تو مقام عقد سے تین یوم کی مسافت سے زیادہ فاصلہ پر واقع نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بقیہ نصف مال کی فروخت کے لیے میعاد مقرر کر دی جائے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ شے مثلی نہ ہو (یعنی ایسی چیز نہ ہو جس کی ہم جنس اشیاء دستیاب ہوتی ہوں) اور اس مخصوص مال کو الگ پہچانا نہ جا سکے۔

یہ تینوں شرائط موجود ہوں تو یہ معاملہ درست ہوگا، کیوں کہ اس میں معاملہ بیع و اجارہ کو جمع کیا گیا ہے اور یہ جائز ہے۔ ایسا نہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

دوسری قسم ایسے اجاروں کی ہے جو جائز ہیں۔ ان میں امامت اور اذان کی اجرت ہے؛ یہ جائز ہے۔ لیکن محض نماز کے لیے اجرت مقرر کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

ان کے منجملہ قرات سکھانے یا تعلیم دینے یا ہنر وغیرہ بتانے کی اجرت ہے بشرطیکہ تعلیم دینے والے کو علم ہو کہ وہ کیسے تعلیم دے گا۔

ان کے منجملہ دودھ پلانے کی اجرت ہے۔ چنانچہ جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی عورت کو اجرت پر رکھے۔ اس کو دایہ گری کہتے ہیں۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ جس بچے کو دودھ پلانا ہے اس کی تعیین کر دی جائے۔ اگر بچہ موجود نہ ہو تو اس کی عمر بتا دی جائے، موجود ہو تو چاہیئے کہ اسے دیکھ لے۔ اگر دودھ پلانے والی یہ تسلی کر لے

کہ اس میں دودھ پلانے کی قوت ہے تو اچھی بات ہے۔

اگر دودھ پلانے والی کو اس کے خاوند کی اجازت سے رکھا گیا ہے تو اب اسے خاوند سے ہم بستری منع ہے خواہ بچے کو نقصان دہ ہو یا نہ ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر بچے کو نقصان دہ نہ ہو تو منع نہیں ہے۔ پہلے قول کی صورت میں بچے کے باپ کو حق ہے کہ وہ ایسی صورت میں اجارہ کو فسخ کر دے۔ اسی طرح دائی کے خاوند کو منع کیا جائے گا کہ وہ دودھ پینے والے بچے کے شہر سے باہر اپنی بیوی کو سفر میں نہ لے جائے۔ اور اگر بچے کے والدین وہاں سے جانا چاہیں تو ان پر واجب ہے کہ اس کا پورا خرچ ادا کریں ورنہ بچے کو چھوڑ جائیں کہ دائی وہیں پر اس کو دودھ پلاتی رہے۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر دودھ پلانے پر لگ گئی ہے تو خاوند کو یہ سب کچھ کرنے کا حق ہوگا اور وہ اس اجارہ کو فسخ بھی کر سکتا ہے۔ اور جب دودھ پلانے والی کسی خاص بچے کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر رکھ لی جائے تو اسے یہ حق نہیں رہتا کہ کسی دوسرے شخص کے بچے کو دودھ پلائے، خواہ پہلے بچے کو نقصان دہ نہ ہو۔ اگر اس نے ایسا کیا تو عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

دودھ پلانے والی پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ بچے کی پرورش بھی کرے۔ دودھ پلانے کی ذمہ داری میں بچے کی پرورش (یا تربیت) لازم نہیں ہے اور نہ پرورش (یا دیکھ بھال) کی ذمہ داری کے ساتھ دودھ پلانا لازم ہے۔

اگر کوئی عورت دو بچوں کو دودھ پلانے کے لیے رکھی گئی اور ان میں سے ایک بچہ فوت ہو گیا تو عقد اجارہ ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر پتا چلا کہ دودھ پلانے والی کو حمل ہے تب بھی عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ مثلاً وہ عقد اجارہ کے وقت ہی حاملہ ہو لیکن اس کا پتا نہ چلا ہو اور بعد میں دودھ پلانے کے دوران معلوم ہوا ہو (تو عقد اجارہ ٹوٹ جائے گا) اس۔ امر میں اختلاف ہے کہ آیا یہ معاملہ صرف اس صورت میں فسخ ہو گا جب کہ دودھ پینے والے بچے کو نقصان دہ ہو یا بہر حال وہ معاملہ فسخ ہو جائے گا؟ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ محض حمل کا پتا چلنا فسخ اجارہ کے لیے کافی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ اس حالت میں فسخ ہو گا جب کہ بچے کے لیے نقصان دہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا بچے والے پر واجب ہے کہ حمل سے ضرر کا اندیشہ ہو تو اس معاہدہ کو فسخ کر دے یا واجب نہیں ہے؟

(بات یہ ہے کہ) اگر اس سے بچے کی موت کا اندیشہ ہے تب تو یہ اجارہ فسخ کر دینا واجب ہے ورنہ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر دودھ پلانے والی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جس کے باعث وہ بچے کو دودھ پلانے کے قابل نہ رہے تو عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا اور دودھ پلانے والی نے جتنے دن تک دودھ پلایا ہے اتنے دن کی اجرت کی حق دار ہو گی۔ اگر بچے کے باپ نے اجرت پیشگی دے دی تھی اور دودھ پلانے والی نے وہ صرف کر لیا ہے تو اسے واپسی کا مطالبہ نہ کرنا اچھی بات ہے۔

اگر کسی دودھ پلانے والی کا معاہدہ اجارہ فسخ کیا جائے تو اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کے لیے اپنی بجائے کسی اور عورت کو لا کر دے۔

ان کے منجملہ یہ ہے کہ مالک کے لیے جائز ہے کہ کرایہ پر دی ہوئی اپنی چیز کو کرایہ دار سے خود کرایہ پر لے لے۔ چنانچہ اگر مثلاً محمد نے ایک گھر خالد سے کرایہ پر لیا اور خالد نے اسی گھر کو محمد سے اتنے ہی کرایہ پر جتنے پر دیا تھا لے لیا تو درست ہے۔ اس سے کم یا زیادہ کرایہ پر بھی لے سکتا ہے، خواہ وہی جنس کرایہ میں دے یا کوئی اور شے۔ پس اگر (وہ مکان)

ایک طلائی اشرفی کرایہ پر دیا تھا تو کرایہ دار کو حق ہے کہ وہ اسے ایک اشرفی کرایہ پر دے یا ڈیڑھ اشرفی پر۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ کرایہ میں گندم کی ایک بوری یا کپڑا وغیرہ وصول کرے۔ اس سلسلہ میں جو امر ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو موجب تہمت یا الزام ہو۔ مثلاً یہ کہ ایک شخص نے اپنا مکان کسی کو دو اشرفی ماہوار کرایہ پر دیا اور کرایہ کی وصولی کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی کہ ایک سال بعد کرایہ وصول کروں گا۔ پھر اسی مکان کو اس نے ایک اشرفی ماہوار کرایہ پر بایں شرط لیا کہ یہ کرایہ فوراً ادا کر دیا جائے گا تو اس طرح کرنے میں اس شبہہ کی گنجائش ہے کہ اس نے یہ کام اس لیے کیا ہے کہ قرض دے کر منفعت حاصل کرے (کیوں کہ بارہ دے کر چوبیس وصول کیے) اور یہ ناجائز ہے۔

اسی طرح کی ایک صورت یہ ہے کہ وقف کا مہتمم وقف کی املاک کسی کو کرایہ پر دے کر پھر اس سے کرایہ پر لے لے تو جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس طرح کرنے سے یہ الزام لگنے کی گنجائش ہے کہ اس نے وقف املاک پر اپنا تسلط جمائے رکھنے کے لیے معمولی کرایہ پر کسی کو دے کر اسی کرایہ پر اس سے لے لیا ہے۔

یہ صورت جائز ہے کہ کوئی شخص اپنا جانور یا مکان کسی کو ایک مقررہ مدت اور طے شدہ کرایہ پر دے اور شرط یہ ٹھہرے کہ اگر اس عرصہ میں اس کو ضرورت نہ رہے تو وہ پھر مالک مکان کو واپس کر دے گا اور جتنے عرصہ تک وہ مکان اس کے زیر استعمال رہا ہے اتنے عرصہ کا کرایہ ادا کر دے، یا جانور کی صورت میں اس کا کرایہ اس مسافت کا جو اس نے اس وقت تک طے کیا ہے، ادا کر دے۔

یاد رہے کہ اگر (یہ صورت ہو کہ) کسی شے کا فائدہ اس کے مالک نے فروخت کیا لیکن میعاد کرایہ داری بیان نہ کرنے کے باعث اس منفعت کی مقدار معلوم نہ ہو سکی لیکن یہ لاعلمی معمولی سی ہے، اندریں باب عام طریقہ تو یہی ہے کہ جو شخص کوئی چیز کرایہ پر لیتا ہے اس کے حساب سے کام کرتا ہے اور بیشتر صورتوں میں اس سے کم وقت میں کام ختم نہیں ہوتا، اگر ہو بھی تو اس میعاد کے آخری حصہ میں ہوتا ہے۔ اس لیے باہمی معاملات کی سہولت کے پیش نظر اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس صورت میں شرط یہ ہے کہ کرایہ دار نے مالک کو کرایہ پیشگی نہ ادا کر دیا ہو کیوں کہ اگر کرایہ ادا ہو چکا ہے تو اس کا احتمال ہے کہ اگر مدت پوری نہیں ہوئی تو کرایہ واپس کیا جائے اور یہ بھی امکان ہے کہ اگر کرایہ کی میعاد پوری ہو گئی ہے تو کچھ واپس نہ کرنا پڑے۔ ایسی صورت میں اس رقم (ادا شدہ) کی حیثیت کبھی تو کرایہ کی ہوگی اور کبھی قرض کی اور یہ ممنوع ہے۔

یہ صورت بھی جائز ہے کہ مالک اپنی کرایہ پر چڑھائی ہوئی شے کو میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی اگلی مدت کے لیے کرایہ پر چڑھا دے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنا مکان ایک سال کے لیے کرایہ پر دیا اور یہ میعاد ہنوز ختم نہ ہوئی تھی کہ اگلی مدت کے لیے (جس کی ابتداء میعاد سال گزرنے کے بعد ہوگی) عقد اجارہ کر لیا، خواہ سابقہ کرایہ دار سے کیا ہو یا کسی اور سے تو جائز ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ مالک اپنی زمین اس شرط پر فروخت کرے کہ سال بھر تک یا اس سے کم و بیش وہ اس زمین سے فائدہ اٹھاتا رہے گا اور اس کے بعد خریدار کو اس کا قبضہ لینے سے پہلے کسی اور کو بایں شرط کرایہ پر دے دے کہ وہ فروخت کنندہ کی مقرر کی ہوئی میعاد گزرنے کے بعد اس کا قبضہ دے گا، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ زمین اس وقت تک اسی حالت میں رہے اور اس دوران اس کے استعمال سے اس میں کوئی تغیر نہ ہوا ہو۔ اگر ایسے تغیر کا گمان غالب ہو تو اسے کرایہ

Marfat.com

پر دینا درست نہیں ہے۔ اور جس چیز کو کرائے پر دینا ہی درست نہیں ہے اس کا کرایہ پیشگی وصول کرنا اپنے آپ ہی درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر گمان غالب یہ ہو کہ وہ زمین اسی حالت میں رہے گی تو اسے کرایہ پر چڑھانا اور اس کا کرایہ پیشگی وصول کرنا بھی درست ہے۔ اگر دونوں باتیں یکساں متوقع ہوں تو اس صورت میں کہا جاتا ہے کہ عقد اجارہ تو جائز ہے لیکن پیشگی کرایہ جائز نہیں ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عقد اجارہ ہی جائز نہیں ہے۔

واضح ہو کہ مالک کو حق ہے کہ اگر اس نے کوئی مکان وغیرہ کرایہ پر دیا ہے تو ایک سال یا اس سے کم مدت کے لیے اس سے خود فائدہ اٹھانے کی شرط رکھ دے اور اگر زمین کرایہ پر دی ہے تو لمبے عرصہ یعنی کئی سال تک اس سے فائدہ اٹھانے کی شرط رکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر جانور کرایہ پر دیا ہے تو تین دن سے زیادہ عرصہ تک اس سے خود فائدہ اٹھانے کی شرط درست نہیں ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ اگر ایک شخص اپنی زمین کئی سال کے لیے کسی کو کرایہ پر دے دے کہ وہ وہاں پر مسجد بنالے اور جب وہ میعاد ختم ہو جائے تو وہاں سے ملبہ ہٹا کر خالی زمین مالک کے حوالے کر دے تو جائز ہے۔ زمین پر مالک کی ملکیت قائم رہے گی اور فریقین میں سے کسی کو اس تعمیر کو باقی رکھنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

ایک صورت یہ ہے کہ اگر مردار جانوروں اور دوسری نجاسات غلیظہ کو پھینکنے کے لیے عقد اجارہ کیا جائے تو جائز ہے اگرچہ یہ نجاست کا کاروبار ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ نئے مکان کو یا ایسی زمین کو جو سیرابی کے لحاظ سے محفوظ ہو، لمبے عرصہ تک کے لیے، جس کی میعاد تیس سال تک ہو سکتی ہے، کرایہ پر چڑھا دیا جائے۔ لیکن پرانے مکان کو صرف اس عرصہ تک کے لیے کرایہ پر دینا درست ہے جب تک کہ اس کے صحیح سالم رہنے کا گمان غالب ہے۔ البتہ جس زمین کی بابت آب رسانی کی طرف سے اطمینان نہ ہو اس کا عقد اجارہ تو درست ہے لیکن کرایہ کی پیشگی وصولیابی صحیح نہیں ہے جیسا کہ مملوکہ املاک کے بارے میں پہلے بتایا گیا۔ لیکن وقف املاک میں سے مکان وغیرہ کو ایک سال سے زیادہ عرصہ کے لیے کرایہ پر چڑھانا جائز نہیں ہے، خواہ وہ املاک وقف خصوصی ہو، یعنی کسی خاص شخص یا اولاد کے لیے وقف ہو یا غیر خصوصی مثلاً فقراء کے لیے ہو۔ البتہ وقف معین کی اراضی کو تین سال سے زیادہ عرصہ کے لیے کرایہ پر چڑھانا درست نہیں ہے، خواہ کرایہ پر دینے والا مہتمم کوئی غیر شخص ہو یا حق دار ہو۔ اگر وقف غیر معین مثلاً فقراء کے لیے ہو تو اس املاک کو چار سال تک کے لیے کرایہ پر دیا جا سکتا ہے، اس سے زیادہ (عرصہ) کے لیے نہیں۔ ہاں اگر کرایہ پر لینے والا وہ شخص ہو جس کے لیے وہ وقف ہے تو صحیح یہ ہے کہ اسے لمبے عرصہ مثلاً دس سال یا ایسی ہی طویل مدت کے لیے کرایہ پر دیا جا سکتا ہے، کیونکہ وقف اسی کے لیے ہے۔ اگر ایسی صورت حال پیش آجائے جو میعاد کرایہ داری میں مدت مقررہ مذکورہ سے آگے توسیع کی متقاضی ہو، مثلاً وہ املاک منہدم ہو جائے اور اس کی دوبارہ تعمیر کے لیے ذریعہ آمدنی نہ ہو تو مہتمم وقف اسے طویل مدت مثلاً چالیس سال تک کے لیے بھی کرایہ پر دے سکتا ہے تاکہ اس کو دوبارہ بنایا جا سکے۔ ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنا ڈیڑھ سو کی مالیت کا مال کسی کے ہاتھ صرف ایک سو میں فروخت کر دے اور شرط یہ ہو کہ لینے والا اس کے دام (یعنی سو کی رقم) سے فروخت کنندہ کے لیے کاروبار کرے، گویا اس مال کی قیمت دو باتوں کا مجموعہ ہوگی: ایک سو نقد اور (سو کا) کاروبار۔ اس طرح ایک معاملہ میں

اجارہ (اجرت پر لگانا) بھی ہے اور بیع بھی۔ ایسا کرنا تو درست ہے لیکن اس کے لیے چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ اس مال کے دام معلوم ہوں (کہ فی الواقع وہ ڈیڑھ سو کا مال ہے۔)

دوسری شرط یہ ہے کہ خریدار اس کے دام (سو کی رقم) پیش کر کے اس امر کے گواہ بنا لے کہ یہ رقم جو (قیمت مال ہونے کی حیثیت سے) قرض واجب الادا تھی وہ اب (بیچنے والے) کی امانت میں منتقل ہو گئی (جو تجارت کے لیے دی گئی ہے)۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ (اگر اسے قرض قرار دیا جائے تو) یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ یہ رقم (مالک مال نے) قرض کے طور پر اس لیے (خریدار کے پاس) چھوڑی ہے کہ اپنے مال تجارت سے مزید فائدہ حاصل کرے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جتنے عرصہ کے لیے تجارت کرنے کو کہا گیا ہے وہ مدت طے شدہ ہو مثلاً ایک سال۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ طے ہو جائے کہ کس قسم کی تجارت ہو گی۔ کیونکہ مختلف اقسام مال کی تجارت دشواری یا سہولت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ جنس تجارت کی وہ قسم معیاد طے شدہ کے اندر دستیاب ہوتی ہو۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ کارکن (تجارت کرنے والا) مال کو چالو رکھے، یعنی خرید و فروخت جاری رکھے اور ذخیرہ اندوزی (یا احتکار) نہ کرے کہ مال کو روک رکھے کہ جب اس کا نرخ چڑھ جائے گا تب فروخت کرے گا، کیونکہ اس طرح کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ وہ مال کتنے عرصہ میں فروخت ہو گا اور مالک کے مال کی جو قیمت مقرر ہوئی تھی وہ نامعلوم (یا غیر متعین) ہو کر رہ جائے گی، کیوں کہ قیمت ایک سو نقد اور کاروبار تجارت جو ٹھہری تھی اس کا تعین نہ کیا جا سکے گا۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ خریدار جو مال کے دام سے تجارت کرے گا اسے لازم ہے کہ وہ اس رقم کا ضامن فروخت کنندہ کو قرار دے یعنی اگر اس رقم (یک صد) میں سے کچھ تلف ہو جائے تو فروخت کنندہ اسے پورا کر دے تا کہ ایسا کہنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہے کہ خریدار نے پوری رقم میں تجارت نہیں کی، بلکہ اس میں سے کچھ ہی رقم تجارت میں لگائی ہے تو گویا مال کی قیمت پوری ادا نہ ہوئی۔ (کیونکہ مال کی قیمت یک صد نقد اور یک صد میں کاروبار کرنا قرار پائی تھی۔ چونکہ یک صد سے کم میں کاروبار کیا لہٰذا مال کی قیمت پوری ادا نہ ہوئی) اگر اس شرط کے باوجود یکصد میں سے کچھ تلف ہو گیا اور فروخت کنندہ نے (جو ضامن تھا) اس رقم کو پورا نہ کیا بلکہ اسی پر راضی رہا کہ خریدار باقی ماندہ رقم ہی میں تجارت کرے تو درست ہے اور اب اس رقم کا پورا کرنا لازم نہ ہو گا، کیونکہ شرائط کے طے کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ فروخت کنندہ کے ساتھ کوئی نزاع باقی نہ رہے اور جب وہ اسی پر راضی ہو گیا تو بات ختم ہو گئی۔

ایک صورت یہ ہے کہ کسی مکان وغیرہ میں آنے جانے کے راستے یا اس کے درمیان سے گزرنے کا کرایہ لیا جائے (تو جائز ہے۔) اسی طرح اس نالی کا کرایہ بھی جائز ہے جس سے بیت الخلا کا پانی گزرتا ہو نیز اس نالے کا کرایہ بھی درست ہے جس میں سے کھیت کو پانی پہنچ جائے لیکن بقول معتمد پانی کی فروخت ناجائز ہے، خواہ تھوڑے عرصہ کے لیے ہو یا زیادہ عرصہ کے لیے۔ ایک صورت یہ ہے کہ منقولہ اشیاء جیسے ظروف، ڈول اور دکان کا کرایہ لیا جائے، یہ درست ہے۔

تیسری قسم ان اجاروں کی ہے جو مکروہ ہیں۔ ان میں سے ایک زیور ہے کہ اس کا کرایہ لینا مکروہ ہے خواہ وہ سونے کا زیور ہو یا چاندی کا۔ مکروہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر زکواۃ عائد نہیں کی اور اس کی زکواۃ یہی ہے کہ اسے

اس صورت میں جب کہ جگہ (یا محل وقوع کار) سے مقدار کار کا اندازہ نہ لگایا جا سکتا ہو تو اس کا اندازہ صرف وقت سے لگایا جائے گا، جیسے قرآن کی تعلیم ہے کہ اس میں معلم کی مقدار کار کا اندازہ کام کے محل وقوع یا مسافت سے نہیں لگایا جاتا جہاں وہ کام (تعلیم) ہوا۔ اب صرف وقت کے اعتبار سے (مقدار کار) کا تعین کیا جائے گا مثلاً کسی کو یہ کہہ کر اجرت پر رکھا جائے کہ آپ اتنی اجرت پر اتنے مہینے یا فلاں سورۃ کی تعلیم دیں۔

منفعت کی مقدار کا تعین کام کی جگہ اور وقت دونوں سے کرنا، مثلاً کسی درزی سے یوں کہا کہ ''آج دوپہر تک میرا یہ کپڑا سی کر دے دو'' درست نہیں ہے کیوں کہ درزی کا کام سوئی کا چلانا ہے اور اس کا محل وقوع اس کی سلائی ہے اور یہی چیز ہے جس پر اجرت مقرر کی جاتی ہے، ایسی صورت میں اس کی مقدار کا تعین وقت کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔ کیوں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وقت اس کام کی تکمیل کے لیے کافی نہیں ہوتا اور نزاع پیدا ہو جاتا ہے ہاں اگر وقت کا ذکر اس لیے کیا جائے کہ کام جلد انجام پائے تو (وقت کا ذکر) درست ہے۔ جاننا چاہیئے کہ (درزی سے) محض سلائی کے لیے اجرت پر معاملہ کرنا غلط ہے کیوں کہ سلائی کا کام کپڑا قطع کرنے کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا اگر کپڑے کو کاٹ کر سینے کی اجرت کہا جائے تو درست ہے۔

بچے کو دودھ پلانے کی اجرت اور اس کے لیے وقت مقرر کرنا درست ہے، مثلاً کسی عورت کو اس لیے رکھا جائے کہ اتنی تنخواہ نقدی وغیرہ پر اتنے عرصہ تک اس کے بچے کو دودھ پلائے۔ اس باب میں قول معتمد یہ ہے کہ جس بچے کو دودھ پلانا ہے اس کو دکھا کر یا اس کی کیفیت (عمر وغیرہ) بتا کر اس کی تعیین کر دی جائے۔ اسی طرح یہ بھی طے ہو جانا چاہیئے کہ وہ اپنے گھر پر رکھ کر دودھ پلائے گی یا بچے کے گھر پر جہاں مستاجر رہتا ہے۔ اس کے لیے مسلمان عورت ہو یا کافر ہو، آزاد ہو یا لونڈی ہو سب درست ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ اس عورت نے یہ معاملہ خود ہی طے کیا ہو یا اس کے خاوند نے۔ دودھ پلانے والی کو لازم ہے کہ وہ ایسی تدابیر اختیار کرے جس سے دودھ زیادہ ہو اور ہر ایسی بات سے پرہیز کرے جو بچے کو نقصان دہ ہو، چنانچہ اگر اس کے ساتھ ہم بستر ہونا بچے کے لیے نقصان دہ ہو تو اس کے خاوند کو اس سے باز رکھا جائے گا ورنہ نہیں۔ اگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور دودھ میں فرق آ گیا یا کم ہو گیا تو مستاجر کو یہ اختیار ہو گا کہ چاہے تو معاملہ ختم کر دے اور چاہے قائم رکھے۔

جائز اجارہ کے باب میں ایک بات یہ ہے کہ کسی شے کو اتنے عرصہ کے لیے کرایہ پر لیا جا سکتا ہے جتنے عرصہ تک (اس کی منفعت) بالعموم باقی رہ سکتی ہے، لہٰذا مکان کو تیس سال تک کے لیے، جانور کو دس سال تک کے لیے اور کپڑے کو اس کی حالت کے مطابق سال دو سال کے لیے کرایہ پر دیا جا سکتا ہے۔ کرایہ دار کو یہ حق ہے کہ وہ اس سے خود فائدہ اٹھائے یا کسی اور کے حوالے کر دے۔

کرایہ دار کو جائز ہے کہ وہ کرایہ پر کسی اور کے حوالے کر دے۔ بشرطیکہ اس گھر کو اس طرح استعمال کیا جائے جس طرح وہ خود کرتا، لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنے بجائے اس میں کسی لوہار یا ترکھان کو آباد کرے درآنحالیکہ خود اس نے اس کام کے لیے نہ لیا ہو کیوں کہ ان کو رکھنے سے مکان خراب ہوتا ہے۔ البتہ اگر یہ شرط طے ہو گئی تھی کہ کرایہ دار اس گھر میں کسی اور کو آباد نہ کرے گا (تو ایسا کرنے سے) عقد فاسد ہو جائے گا۔

Marfat.com

اگر کرایہ والی شے کی جگہ متعین ہو چکی ہو تو اس کی بجائے اسے کوئی اور جگہ کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی نے مثلاً خاص مکان کو اپنے رہنے کے لیے لیا ہے تو مالک مکان کو جائز نہیں ہے کہ اسے رہائش کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور جگہ دے دے۔ پس اگر عقد اجارہ میں یہ شرط بھی رکھی جائے کہ اس کے علاوہ کوئی اور جگہ تبدیل نہ کی جائے گی تو یہ شرط درست ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ہر ایسی شے کا عقد اجارہ جائز ہے جس سے استفادہ شرعاً روا ہو اور (پیش نظر) منفعت بدوران مدت اجارہ باقی رہے۔ لہٰذا لہو ولعب کے آلات مثلاً بنسری اور دربکہ (ایک عربی باجہ) کا کرایہ درست نہیں ہے، لیکن ڈھول کا کرایہ درست ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسی اشیاء کی تین قسمیں ہیں جن کا اجارہ ہو سکتا ہے:

ایسی اشیاء جن کا کرایہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ درست ہے۔

وہ اشیاء جن کا اجارہ بلا کراہت درست ہے۔

وہ اشیاء جن کا اجارہ درست مگر مکروہ ہے۔

پہلی قسم جس کا کرایہ بلا کراہت درست ہے، اس میں چند باتیں ہیں: ایک یہ کہ دودھ پلانے والی کو اس کے خاوند کی اجازت سے پلائی کے طور پر رکھا جائے۔ اس کے خاوند کو فارغ اوقات میں فرائض زوجیت بجالانے کا حق ہے۔ والدہ کو اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت کا حق ہے، خواہ وہ اجرت صرف روٹی کپڑے کی ہو۔ اس کے لیے روٹی کپڑے کی مقدار کا تعین ضروری نہیں ہے۔ اور جب کسی عورت کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر رکھا جائے تو اس کے ساتھ بچے کی پرورش (یا تربیت) لازم نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی صراحت عقد اجارہ میں نہ کر دی جائے۔

دودھ پلانے کی اجرت کے لیے چند شرطیں ہیں:

شرط اول: دودھ پینے والے بچہ کو آنکھ سے دیکھ لینا۔ محض بچے کی صفات کا بیان کر دینا کافی نہیں ہے، کیوں کہ بچے کے بڑے یا چھوٹے ہونے اور اس کی خوراک کم یا زیادہ ہونے کے اعتبار سے دودھ پلانے کے کام میں فرق ہوتا ہے۔

شرط دوم: دودھ پلانے کی مدت کا تعین، کیوں کہ دودھ کی مقدار کا تعین وقت کے تقرر پر موقوف ہے۔

شرط سوم: دودھ پلانے کی جگہ کا تعین، یعنی وہ کہاں (رہ کر) دودھ پلائے گی: اپنے گھر یا مستاجر کے ہاں، کیوں کہ اس میں آسانی اور دشواری کے اعتبار سے کام میں فرق ہوتا ہے۔

دودھ پلانے والی پر واجب ہے کہ وہ ایسی اشیاء کھائے پیئے جس سے دودھ زیادہ اور عمدہ پیدا ہو۔ مستاجر دودھ پلانے والی سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اسے خود بھی ایسی باتوں سے پرہیز کرنا واجب ہے جو بچے کے لیے نقصان دہ ہوں۔

مسلمان عورت کا اہل کتاب کے بچے کو اجرت پر دودھ پلانا جائز ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ مجوسی (دو خدا ماننے والوں) کو بھی دودھ پلا سکتی ہے؟

Marfat.com

جائز اجاروں میں سے ایک یہ ہے کہ جانور کا کرایہ اس کا چارہ ہو یا چارہ کے ساتھ کچھ اور اجرت بھی ہو جس کی شرط مالک جانور کی طرف سے عائد کر دی گئی ہو۔ ساتھ ہی چارہ کی نوعیت بھی بتا دی جائے، مثلاً جو یا لوبیا یا کوئی اور شے۔ نیز اس کی مقدار بھی کہ روزانہ ایک پیالہ یا دو پیالے وغیرہ۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ شرط نہ رکھی جائے تب بھی اجارہ درست ہو گا۔

یہ بھی جائز ہے کہ کھیتی کاٹنے کی اجرت پیداوار میں سے ایک جزو، مثلاً چوتھائی یا پانچواں حصہ رکھا جائے۔ اسی طرح جائز ہے کہ پھل توڑنے کی اجرت میں حاصل شدہ پھلوں میں سے ایک مقررہ حصہ لیا جائے لیکن درخت زیتون کو جھاڑنے کی اجرت جھاڑنے سے گرے ہوئے پھلوں کا کوئی جزو مقرر کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ جو پھل جھاڑنے سے نہ گریں گے ان کی مقدار معلوم نہیں ہے ایسی صورت میں کام کرنے والے (یعنی جھاڑنے والے) کو اجرت مثل (یعنی ایسے کاموں کی جو ہوا کرتی ہے) دی جائے گی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ درخت زیتون میں لگے ہوئے تمام پھلوں کے توڑنے کی اجرت ان پھلوں کا ایک جزو، مثلاً چھٹا حصہ مقرر کیا جائے۔

وقف املاک کو کرایہ پر دینا بھی درست ہے۔ اور وقف املاک سے جو کچھ بھی حاصل ہو گا اس کا مالک وہ ہو گا جس کے لیے وہ شے وقف ہے۔ اب اگر اجرت پر دینے والا بر بنائے استحقاق خود ہی اس (املاک وقف) کا نگران بھی ہو، یعنی وقف کرنے والے نے اس کا کوئی نگران مقرر نہیں کیا، بلکہ اس کو کسی ایک شخص کے نام وقف کیا ہے اور اس لحاظ سے وہ شخص، جس کے نام وقف ہے اس وقف کا نگران بھی ہے کیوں کہ کوئی دوسرا اس کا نگران واقف کا مقرر کردہ نہیں ہے اور حق دار ہی اس کا نگران ہے (اور اس نے وقف شدہ املاک کو کرائے پر دیا) تو اس کا کیا ہوا عقد اجارہ اس وقت باطل ہو گا جب اس کی وفات ہو جائے اور اگر کرایہ دار نے پیشگی کرایہ ادا کر دیا ہو تو وہ اپنی رقم کرایہ پر دینے والے کے ترکہ سے وصول کر لے گا۔ ہاں اگر وقف کرنے والے نے کرایہ پر دینے والے کو نگران وقف مقرر کر دیا تھا تو اس کی وفات پر اجارہ فسخ نہ ہو گا۔

واضح ہو کہ عقد اجارہ مال مملوکہ کا ہو یا مال وقف کا، اس کے لیے شرط یہ ہے کہ میعاد کرایہ داری طے شدہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے۔ کہ بدوران کرایہ داری پیش نظر منفعت کے جاری رہنے کا گمان غالب ہو، خواہ میعاد کتنی ہی طویل ہو، یہاں تک کہ اگر دونوں فریق یا ان میں سے ایک عمر رسیدہ ہو اور میعاد کرایہ داری کے ختم ہونے سے پہلے ہی وفات پا جانے کا گمان غالب ہو تب بھی یہی حکم ہے اور اس میں مملوکہ اور وقف املاک کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

ایسا عقد اجارہ بھی جائز ہے جس میں اجارہ پر عمل درآمد کے لیے مستقبل کا کوئی وقت مقرر کیا گیا ہو۔ مثلاً کسی اراضی کی بابت سن ایک میں عقد اجارہ کیا گیا لیکن عمل درآمد کا آغاز سن پانچ سے طے پایا تو درست ہے۔ خواہ عقد اجارہ کے وقت وہ شے رہن رہی ہو یا کرایہ پر چڑھی ہوئی ہو یا خالی ہو لیکن جس وقت سے عمل درآمد ہونا ہے اس وقت اس کی سپردگی ممکن ہو۔ اگر اس زمین پر کوئی تعمیر واقع ہو یا کسی اور شخص کا درخت لگا ہوا ہو یا ایسی ہی کوئی اور بات ہو کہ زمین خالی نہ کرائی جا سکے تو ایسی زمین کو کرایہ پر چڑھانا اس مکان یا درخت کے مالک کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہے۔ ہاں اگر اس پر پائدار روئیدگی نہ ہو یا وہاں پر ایسی اشیائے منقولہ ہوں جن کا ہٹا لینا ممکن ہے، مثلاً سامان یا سامان خانہ تو بے جھجک اس کو کرایہ پر چڑھانا درست ہے۔ کرایہ پر لی ہوئی شے سے حاصل شدہ منفعت کا مالک کرایہ دار ہوتا ہے۔ معاملہ اجارہ میں یہ جائز ہے

کہ کرایہ دار، کرایہ پر لی ہوئی شے کسی اور کو دے دے، کیوں کہ وہ اس کے نفع کا مالک ہے تو اب روا ہے کہ اس سے خود فائدہ اٹھائے یا اپنی بجائے کسی اور کو کام میں لانے دے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس شے کا استعمال اسی طرح کیا جائے جس طرح وہ خود کرتا یا اس سے ہلکا استعمال ہو۔ مثلاً اگر کوئی مکان اپنی رہائش کے لیے کرایہ پر لیا تو اب اسے کسی لوہار یا صباغ (یا چمڑا رنگنے والے) وغیرہ کو دینا درست نہیں ہے۔ ہاں کرایہ دار کو یہ حق ہے کہ اسی کرایہ پر یا کم وبیش پر کسی اور کو دے دے۔ پس اگر زید نے عمرو سے کوئی مکان لیا جس کا کرایہ دس ہے تو وہ دس پر یا اس سے زیادہ یا کم پر دوسرے کو دے سکتا ہے بشرطیکہ اس شے کو ربا یا سود کے لیے حیلہ نہ بنایا جائے۔ چنانچہ مثلاً اگر دس کرایہ کے وعدہ پر مکان لے کر کسی کو پانچ نقد کرایہ پر دے دیا تو یہ صورت بیع العینہ ہوئی (یعنی کسی چیز کو زیادہ قیمت پر فروخت کر کے کم پر خریدنا) جس کا ذکر بیع کے بیان میں ہو چکا ہے، ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

جائز اجاروں میں حمام کی اجرت کا معاملہ ہے جس کا ذکر شروط اجارہ کے بیان میں آ چکا ہے۔ اس میں حمامی (گرمابہ چلانے والا) جو کچھ لیتا ہے وہ طشت اور تہبند اور جگہ کا کرایہ ہے؛ پانی اس کے ساتھ شامل ہے، اس کا جداگانہ کرایہ جائز نہیں ہے۔ جو شخص حمام میں داخل ہوا سے عام مقدار سے زیادہ پانی استعمال کرنا حرام ہے۔ اس میں دوسری عام مباح چیزوں کی طرح اجرت کا معاملہ طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسے کشتی پر سوار ہونے، بال کٹوانے، قہوہ وغیرہ کے لیے اجرت کا طے کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

صحیح اجاروں میں زیور کا کرایہ بھی ہے کہ اس کا کرایہ درست ہے خواہ زیور کی ہم جنس شے میں یا کسی اور جنس میں ادا کیا جائے۔

دوسری قسم میں وہ اجارے ہیں جو درست نہیں ہیں۔ ان میں وہ تمام صورتیں آ جاتی ہیں جو (اجارہ کی) شرائط مذکورہ بالا کے خلاف ہوں۔ ان کی باقی ماندہ صورتوں کے منجملہ ایک یہ ہے کہ درزی سے کہا جائے کہ اگر تم نے آج سی دیا تو ایک درہم اور کل سیا تو نصف درہم اجرت ہوگی۔ چوں کہ اس میں تیقن نہیں ہوا اس لیے یہ امر نزاعی ہو گیا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ کوئی موٹر گاڑی یا جانور اس شرط پر لیا گیا کہ اگر آج واپس کیا تو کرایہ پانچ اور کل واپس کیا تو دس ہوگا، یہ صورت جائز ہے کیوں کہ اس میں ہر زمانہ کے لیے ایک معاوضہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی ابہام نہیں، لہٰذا نزاع بھی نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ کسی شے کی کرایہ داری جائز نہیں ہے جب تک کہ یہ پانچ شرطیں نہ پائی جائیں:

ایک شرط یہ ہے کہ عقد اجارہ (یا کرایہ) کسی شے کی منفعت پر ہوتا ہے جس کا حاصل کرنا ممکن ہو۔ یہ اس شے کے اجزا (کے حاصل کرنے) کا کرایہ نہیں ہوتا، اس لیے اشیائے خوردنی کو کھانے کے لیے کرایہ پر لینا درست نہیں ہے، چوں کہ اس کی منفعت اس کے سوا نہیں کہ اس کے اجزاء کو کھا کر ختم کیا جائے۔ اسی طرح موم بتی کو جلانے کے لیے کرایہ پر لینا درست نہیں کیوں کہ اس میں بھی کرایہ پر لی ہوئی شے کو ختم کیا جاتا ہے۔ نیز کسی جانور کو اس لیے کرایہ پر لینا درست نہیں ہے کہ اس سے دودھ یا اون یا رواں حاصل کیا جائے کیوں کہ اس میں پیش نظر منفعت جانور سے پیدا ہونے والی شے ہے جس کو (کھایا پی کر) ختم کیا جاتا ہے۔ تاہم (دودھ پلانے کے لیے) دائی کو اجرت پر لینا درست ہے، کیوں کہ یہ اس کام کی

Marfat.com

اجرت ہے جو (دودھ پلانے کے سلسلے) میں اسے انجام دینا ہے۔ مثلاً چھاتی کو بچے کے منہ میں دینا، اسے اپنے ہاتھ سے سنبھالنا اور اس تکلیف کا برداشت کرنا بھی ہے جو بعض اوقات دودھ پلانے میں ہوتی ہے وغیرہ۔ غرض دودھ پلانے والی کو اس محنت کے لیے اجرت پر رکھا جاتا ہے دودھ بذات خود ایسی شے نہیں ہے جس کے لیے عقد اجارہ کیا گیا ہو، لہٰذا اس کی اجازت انسانی احتیاج کے پیش نظر بھی ہے کہ ایسا کرنا ناگزیر تھا۔ شرط بالا کے پیش نظر کسی درخت وغیرہ کو اس کا پھل کھانے کے لیے کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کرایہ والی چیز کا تعین آنکھ سے دیکھ کر کر لیا جائے، بشرطیکہ اس کی صفات کے بیان کر دینے سے اس کا تعین ممکن نہ ہو، جیسے مکان یا حمام۔ پس اگر ایک شخص کوئی مکان کرایہ پر لینا چاہتا ہے تو اس کو بغیر دیکھے کرایہ پر لینا درست نہ ہوگا۔ یہی حکم حمام کا ہے۔ اگر کرایہ پر لی جانے والی چیز ایسی ہے جس کی خصوصیات معلوم کر کے اس کا تعین کیا جا سکے تو اس کا عقد اجارہ بغیر دیکھے بھی درست ہے جیسے اراضی زرعی کہ اس کی خصوصیت کا بیان کر دینا اور حدود وغیرہ کا بتا دینا کافی ہے۔

حمام کی بابت یہ سوال ہے کہ آیا اس کا کرایہ مطلقاً صحیح ہے یا کراہت کے ساتھ صحیح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کراہت تنزیہی ہے (یعنی اس کا نہ کرنا بہتر ہے اگرچہ کرنا گناہ نہیں ہے)۔

تیسری شرط یہ ہے کہ (کرایہ پر لی ہوئی منفعت کی) سپردگی بس ہو۔ لہٰذا بھاگے ہوئے اونٹ کا عقد اجارہ درست نہیں ہے اور نہ اس کی فروخت صحیح ہے۔ اسی طرح مشترکہ ملکیت کی چیز کو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جو اس کی ملکیت میں شریک نہیں ہے درست نہ ہوگا، کیوں کہ اس کو کرایہ دار کے سپرد کرنے کا اختیار نہیں ہے تاوقتیکہ تمام شرکاء متفق ہو کر کرایہ پر نہ دیں۔ یا پھر ایک شریک دوسرے شریک کی اجازت سے دے سکتا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ (کرایہ کی چیز) میں وہ نفع موجود ہو جس کے لیے کوئی شے کرایہ پر لی گئی، لہٰذا کسی شے کا اس غرض کے لیے کرایہ پر لینا درست نہیں ہے جو اس شے سے حاصل نہیں کی جا سکتی، مثلاً گونگے کو تعلیم دینے کے لیے اجرت پر رکھنا۔ یہ مسئلہ بدیہی ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ (کسی شے کو) اجرت پر دینے والا اس منفعت کا، جس کے لیے کرایہ لیا ہے، مالک ہو یا مالک کی اجازت اسے حاصل ہو۔ جیسا کہ بیع کے معاملہ میں ہوتا ہے۔

وہ اشیاء جن کا کرایہ درست نہیں ہے: کسی نر جانور کو مادہ کے گیابھن کرنے کے لیے کرایہ پر لینا وغیرہ، کیوں کہ اس میں کرایہ کی چیز مادۂ تولید ہے جو حرام ہے اور اس کی کوئی مالیت نہیں ہے، پس اس کا کرایہ درست نہیں ہے، تاہم اگر ایسی کوئی ضرورت پڑ ہی جائے اور ایسا شخص دستیاب نہ ہو جو اس کی اجازت دے تب اجرت دینا صحیح ہوگا لیکن لینے والا گنہگار ہوگا۔ اس میں مضائقہ نہیں کہ بغیر کسی سابقہ معاہدہ کے اس کام کے بعد بطور ہدیہ کے کچھ دے دیا جائے۔

ایسے ہی امور میں ان کاموں کی اجرت ہے جو بغرض ثواب انجام دیے جائیں مثلاً حج، نماز، اذان، امامت اور تعلیم قرآن وفقہ، حدیث وغیرہ۔ ہاں (اس میں جو محنت کرنا پڑتی ہے) اس پر بطور مزدکارنہ بطور کرایہ (منفعت) کچھ لینا

بیان اس امر کا کہ اجرت پر کام کرنے والا
کس نقصان کا ذمہ دار ہے اور کس کا نہیں ہے

اگر ایک شخص نے کسی کاریگر کو اجرت پر لگایا کہ وہ اسے کپڑا سی کر دے یا اسے رنگ کر دے یا مکان تعمیر کرے یا روٹی پکائے وغیرہ اور کاریگر نے کپڑا خراب کر دیا یا روٹی جلا دی یا تعمیر میں خرابی کر دی تو اس پر تاوان اور نقصان کا معاوضہ دے گا یا نہیں؟ اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

درست ہے۔ اسی طرح بغیر کسی شرط کہ (ہدیۃً) کچھ مل جائے تو اس کا لینا جائز ہے۔ اور ایسی عبادتوں کے لیے جس کا نفع دوسروں کو پہنچتا ہو (کوئی شے) وقف کرنا درست ہے۔ جیسے اذان، قرآن، وغیرہ کی تعلیم، امامت اور فتاویٰ کے لیے وقف کرنا۔ پس جو اصحاب ان کار ہائے خیر کو انجام دیں ان کے لیے جائز ہے کہ اس وقف میں سے لیں جو اس مقصد کے لیے کیا گیا ہے۔ اسی طرح بطور وظیفہ بسر اوقات کے لینا جائز ہے نہ کہ بہ طور اجرت کے۔ اور اس طرح لیا جائے تو وہ نیک کام ثواب سے خالی نہ ہوگا۔

کسی شخص کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی جانب سے نماز ادا کرے، نہ فرض نہ نفل نہ حین حیات میں نہ وفات کے بعد۔ تعلیم تحریر و حساب اور مباح شاعری کے لیے اجرت لینا درست ہے۔ مساجد کی خدمت کے لیے بھی اجرت لینا درست ہے۔

تیسری قسم مکروہ اجاروں کی ہے جس میں پچھنے لگوانے کی اجرت شامل ہے کہ اگرچہ اس کی اجرت درست ہے لیکن اس کام کی کمائی کھانا مکروہ ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اجیر (اجرت پر کام کرنے والے کی) دو قسمیں ہیں: اجیر مشترک اور اجیر مخصوص۔ مشترک اجیر وہ ہے جو ایک ہی شخص کے کام کا پابند نہ ہو، خواہ وہ دوسروں کا کام (سر دست) کرے یا نہ کرے۔ پہلی صورت کی مثال ایک درزی کی ہے جو متعدد مختلف اشخاص کے کپڑے سینے کے لیے لیتا ہے یا ترکھان اور لوہار ہیں جو اپنی اپنی دکانوں پر کام کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کاریگر کسی کے گھر پر جا کر بغیر پابندی وقت کے کام کرے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی ترکھان کو اجرت پر رکھا کہ وہ اس کے گھر میں جعفری (یا کھڑکی) لگا دے۔ لیکن اس کے لیے یومیہ اجرت مقرر نہیں کی۔ ایسی صورت میں اس شخص پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ صرف یہی کام کرے بلکہ اسے حق ہے کہ وہ چاہے تو دوسروں کا کام بھی کرے گو سر دست اور کا کام نہ کرتا ہو۔ اس قسم کے اجارہ کو مقاولہ کہتے ہیں کہ (یعنی ٹھیکہ پر کام کرنا۔)

اجیر مخصوص جیسے "اجیر وحد" کہتے ہیں کہ لفظ وحد بسکون و بفتح حا (دونوں طرح بولا جاتا ہے) لفظ الوحد سے نکلا ہے جس کے معنے وحید (تنہا) کے ہیں۔ اس سے مراد وہ اجیر ہے جو مستاجر کے سوا کسی اور کا کام نہ کرے۔ اس کی مثال روزانہ اجرت (دھاڑی) پر کام کرنے والے کی ہے جو یومیہ مزدوری لیتا ہے اس کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ مستاجر کے علاوہ کسی اور کے کام میں وقت صرف کرے۔ پس اگر اس طرح پر کسی ترکھان کو ایک ماہ کے لیے کام پر لگایا

کہ وہ اس کے لیے جعفریاں (یا کھڑکیاں) اور دروازے تیار کرے تو اب اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس مہینے میں اس کام کے علاوہ کسی اور کا کام لے، خواہ یہ شرط لگائی ہو کہ وہ اوروں کا کام نہیں کرے گا یا ایسی شرط نہ لگائی ہو۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ کام پر لگاتے وقت اس کی وضاحت کر دی جائے کہ تمہیں اس دوران صرف میرا کام کرنا ہوگا، کسی اور کا کام نہ کرنا۔

اجیر مشترک اگر (بدوران کار) نقصان کر دے تو اس کا حکم تفصیل چاہتا ہے کیوں کہ وہ نقصان جو اس سے ہوا یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ اس کے ہاتھوں ہوا یا کسی اور کے ہاتھوں۔ اگر یہ نقصان اسی سے ہوا تو وہ اس کا تاوان دار ہوگا، خواہ اس کی بے اعتدالی کے باعث ہوا ہو یا بے اعتدالی سے نہ ہوا ہو۔ چنانچہ اگر اس شخص نے اپنا کپڑا کسی درزی کو سینے کے لیے دیا اور اس نے خود اسے استعمال کیا تو گویا اس نے دانستہ اسے خراب کیا۔ یا ایسا ہوا کہ غلط کاٹا او: کپڑا بے کار ہو گیا تو بالاتفاق وہ اس کا تاوان دار ہوگا۔ اسی طرح اگر رنگائی کے وقت اس کپڑے کو اس طرح کوٹا کہ وہ ضائع ہو گیا تو ایسی صورت میں کاریگر ہی اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور اس کا تاوان دینا ہوگا کیوں کہ اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیشہ کو خوش اسلوبی سے انجام دے۔ پس اس میں کوتاہی قابل معافی عذر نہیں ہے۔

اگر نقصان کسی اور کے ہاتھوں سے ہوا تو دیکھنا چاہیئے کہ آیا کاریگر کے لیے ممکن تھا کہ وہ اس نقصان سے اس کو محفوظ رکھتا، لیکن اس کی نگہداشت میں کوتاہی کی تب بھی وہ ہی نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ مثلاً ممکن تھا کہ کپڑے کو صندوق میں رکھتا لیکن اس نے غیر محفوظ جگہ پر اسے پڑا رہنے دیا اور اس پر تیل گر پڑا جس سے وہ خراب ہو گیا یا بچوں کے ہاتھ پڑ کر ستیاناس ہو گیا یا چوری ہو گیا (ان تمام صورتوں میں کاریگر ذمہ دار ہے) ہاں اگر اس کا تحفظ ممکن نہ تھا، مثلاً اسے ایک محفوظ جگہ پر رکھا اور بقضائے الٰہی آگ لگ گئی یا چور لے گئے ایسی صورت میں مختلف رائیں ہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی کاریگر ہی ذمہ دار ہے، خواہ خوش معاملہ مشہور ہو یا نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس پر بالکل تاوان عائد نہ ہوگا۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اگر وہ کاریگر خوش معاملہ مشہور ہے تو اس پر تاوان نہ ہوگا، اگر اس کے برعکس ہے تو تاوان دار ہوگا۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ آدمی کیسا ہے تو اسے آدھا نقصان باہمی رضامندی سے ادا کرنا ہوگا۔ بعض اصحاب کا فتویٰ یہ ہے کہ اسے نقصان کی آدھی مالیت ادا کرنا ہے خواہ وہ خوش معاملہ مشہور ہو یا نہ ہو۔

یاد رہے کہ اس بارے میں کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کوئی جانور کرایہ پر لیا اور اس پر سوار ہو گیا اور جانور کے مالک نے اسے ہنکانے کی اجازت دے دی اور بدوران رفتار جو اس پر سوار تھا گر گیا اور اسے چوٹ آ گئی یا کچلا گیا یا کوئی اور بات ایسی ہی ہو گئی تو مالک جانور پر کوئی تاوان نہیں ہے، کیوں کہ انسان اس جرم کا ذمہ دار ہوتا ہے جو اس سے سرزد ہوا ہو اور یہاں اس کی کوئی خطا نہیں، کیوں کہ جانور کے مالک نے اسے سوار ہونے کی اجازت دی تھی (یہ جرم نہیں ہے)۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کشتی پر سوار ہو اور کشتی ڈوب جائے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص کسی طبیب کے علاج سے مر جائے درآنحالیکہ طبیب نے (علاج معالجہ میں) حد مقرر سے تجاوز نہ کیا ہو اور اپنے کام میں پوری پوری احتیاط جو بالعموم ہوا کرتی ہے، برتی ہو۔ لیکن اگر ان امور کا لحاظ اس نے نہیں کیا اور مریض کا کوئی عضو بے کار ہو گیا یا اس سے مر گیا تو معالج قصوروار ہے اور تاوان دینا ہوگا۔ اسے لازم ہے کہ اس عضو کی پوری دیت دے (جبر نقصان کرے) درآنحالیکہ وہ عضو بے کار ہو گیا ہو لیکن مریض اچھا ہو گیا۔ اگر مریض مر گیا تو تاوان یا (خون بہا) نصف ہو

Marfat.com

گا۔اس حکم کا سبب یہ ہے کہ پہلی صورت میں اس نے ایک پورے عضو کو ناکارہ بنایا جس کا تجزیہ نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اس کی پوری دیت دینی ہوگی۔ دوسری صورت میں جان کے تلف ہونے کے دو سبب ہیں: ایک سبب یہ ہے کہ اسے مریض پر عمل (طب) کی اجازت دی گئی تھی۔ دوسرا سبب وہ ہے جس کی اسے اجازت نہیں تھی یعنی حد علاج سے تجاوز کرنا (یا بے اعتدالی کرنا) اور احتیاط سے کام نہ لینا۔ لہٰذا اس پر نصف تاوان ہوگا۔

اب رہا اجیر خاص کا معاملہ یعنی وہ کاریگر جسے ایک شخص نے اجرت پر لگایا کہ وہ صرف اسی کا کام کرے گا اور دوسرے کا نہ کرے گا۔ ایسے کاریگر کے ہاتھ سے اگر نقصان نہیں ہوا تو وہ بری الذمہ ہوگا؛ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں اگر اس نے قصداً نقصان پہنچایا ہو تو ذمہ دار ہوگا۔ لیکن اگر اس کے ہاتھوں نقصان ہوا اور اس کے کرنے کے لیے اسے کہا گیا تھا تو وہ اس کا ذمہ دار نہیں گردانا جائے گا۔ اگر اسے نہیں کہا گیا تو ذمہ دار ہوگا۔ چنانچہ اگر ترکھان کو کہا گیا کہ یہ کھڑکی تیار کرے اور وہ اسے چھوڑ کر دروازہ بنانے لگ گیا اور اسے خراب کر دیا تو نقصان کی ذمہ داری کاریگر پر ہوگی، کیوں کہ دروازہ بنانے کے لیے اسے نہیں کہا گیا تھا۔

واضح ہو کہ بعض اوقات اجیر خاص کو دو یا زیادہ اشخاص بھی اجرت پر رکھ سکتے ہیں جیسے چند اشخاص اپنی بھیڑوں کو چرانے کے لیے کسی ایک چرواہے کو مہینہ بھر کے لیے اجرت پر رکھ لیں کہ ان کے سوا اور کسی کے لیے یہ کام نہیں کرے گا تو اسے اجیر خاص کہیں گے ''اجیر وحد'' نہیں۔ ایسی صورت میں وہ ان نقصانات کا ذمہ دار ہوگا جو اس کے ہاتھوں ہوں۔ چنانچہ اگر اس نے ریوڑ کو ہنکایا اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو سینگ مارا یا کسی بڑے جانور نے چھوٹے جانور کو کچل دیا یا زخمی کر دیا یا مار ڈالا تو چرواہا اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

یہاں پر یہ جاننا چاہیئے کہ اگر دودھ پلانے والی کے گھر میں اس کے ہاتھ سے بچہ گر جائے یا دودھ پلانے کے ایام میں بچے کے اوپر جو زیور ہے وہ چوری ہو جائے تو وہ اس کے نقصان کی ذمہ دار نہ ہوگی، کیوں کہ ایسی حالت میں اجیر وحد (یعنی فرد واحد کی پابند ہے)۔ لیکن اگر وہ بچے کو اپنے گھر لے آئی ہے تو وہ اس نقصان کی ضامن اور تاوان دار ہوگی۔ یہی حکم بازار یا گھر کے چوکیدار (یا نگہبان) کا ہے کہ اگر وہاں سے کوئی شے ضائع ہو جائے (یا جاتی رہے) تو وہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، کیوں کہ وہ اجیر خاص (یا مخصوص ملازم) ہے۔ لیکن اگر ایک سے زیادہ اشخاص نے اسے اجرت پر لگا رکھا ہے تب وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا، اور نقصان سے بری الذمہ وہ اسی صورت میں ہوگا جب کہ اس نے کوتاہی نہ کی ہو۔ چنانچہ اگر وہ پڑا سوتا رہا اور قفل شکنی کی گئی یا گھر کا دروازہ کھلا چھوڑ کر دور جا کے سو گیا تو یہ اس کا قصور متصور ہوگا اور جو نقصان ہوا اس کا تاوان دینا ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ اگر چور دیوار پھاند کر یا نقب لگا کر یا کسی اور طریقہ سے اندر داخل ہوا تو چوکیدار ذمہ دار نہ ہوگا۔ اگر کرایہ دار نے کرایہ کے گھر میں انگیٹھی یا بھٹی بنائی جس سے پڑوسی کے گھر میں یا اسی مکان میں آگ لگ گئی تو اس کی ذمہ داری اس پر نہ ہوگی، بجز اس صورت کے جب کہ اس نے آگ کے شعلے حد سے زیادہ بلند کیے یا اس قدر آگ بھڑکائی ہو جتنی عام طور پر نہیں بھڑکائی جاتی (تو ذمہ دار ہوگا)۔

اگر کوئی بکری ریوڑ سے بھاگ گئی اور چرواہے کو یہ ڈر ہوا کہ اگر وہ اس کے پیچھے گیا تو باقی جانور بھی ضائع ہو جائیں گے تو اسے بکری کے پیچھے نہ جانا چاہیئے اور بکری کے نقصان کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

Marfat.com

اس سلسلے میں چند باتیں قابل ذکر ہیں:

ایک بات یہ ہے کہ جب کارکن اور مستاجر کے درمیان اختلاف ہوتو اس کی بات مانی جائے گی جس پر حالت موجودہ شاہد ہو۔ مثلاً اگر کوئی پھل دار درخت فروخت کیا گیا اور پھلوں کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہوا تو اس کی بات مانی جائے گی جس کے پاس اس وقت پھل ہوں۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو ایک مہینے کے لیے اجرت پر رکھا اور بعد میں اس نے کہا کہ اس دوران وہ اتنے عرصہ تک بیمار رہا اور کار مفوضہ انجام نہیں دیا تو دیکھا جائے گا اگر ایسی علامت موجود ہے جس سے اس کی سچائی ظاہر ہوتی ہو تو اس بات کو مان لیا جائے گا ورنہ نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی زمین کرایہ پر لی اور بوئے جانے سے پہلے وہ پانی میں ڈوب گئی (یا دریا برد ہوگئی) یا پانی وہاں تک نہ پہنچ سکا (اور زمین خشک ہو کر رہ گئی) تو کرایہ دار ادائیگی کرایہ کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ لیکن اگر (زمین میں) زراعت کرنے کے بعد کوئی آفت نازل ہوئی اور کھیتی برباد ہوگئی تو کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں کرایہ واجب الادا ہوگا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نہ ہوگا۔ اور قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اگر مدت اجارہ کے دوران اس میں دوبارہ کھیتی ممکن نہ ہو خواہ وہ کم تر قسم ہی کی کھیتی ہو (تب تو یہی حکم ہے) ورنہ ادائیگی کرایہ واجب ہے۔ بصورت دیگر اس وقت سے کرایہ نہ لیا جائے گا جب کھیتی برباد ہوئی؛ اس سے پہلے کی مدت کا کرایہ واجب ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ مزدور کا تمام کام استاد کاریگر کا سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اگر ترکھان کے لڑکے نے کوئی نقصان کر دیا تو اس کا ذمہ دار ترکھان ہی کو قرار دیا جائے گا۔ اور اگر مزدور نے قصداً کام بگاڑا تو اس سے باز پرس کی جائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی شے کسی کے قبضہ میں ٹھیکہ یا کرایہ پر ہو تو وہ شخص اس شے کا امانت دار ہوتا ہے اور امانت دار کے پاس اگر کوئی شے تلف یا ضائع ہو جائے تو امانت دار سے تاوان نہیں لیا جاتا لیکن شرط یہ ہے کہ اس (امانت) کا بیجا استعمال یا اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ ہوئی ہو، نیز اس کے ناکارہ یا ضائع ہونے کی تصدیق کی گئی ہو، خواہ وہ (مال امانت) ایسا ہو جسے آسانی سے چھپا لینا ممکن نہ ہو جیسے اونٹ یا گائے وغیرہ، ان کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ ناقابل اخفا ہیں، یا وہ ایسا ہو جسے چھپا لیا جا سکتا ہے جیسے نقدی، کپڑے وغیرہ، ان کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ قابل اخفا ہیں۔

واضح ہو کہ (امانت کی بابت) یہ قاعدہ دو امور میں لاگو نہ ہوگا؛ ایک بار بردار یا مخصوص اشیائے خورد و نوش کے حمل و نقل کے کام والے اور دوسرے صنعت کار۔

بار بردار (اجرت پر سامان اٹھا کر لے جانے والے) جیسے بوجھیے قلی یا ریڑھی والے وغیرہ اس نقصان یا اتلاف کے ذمہ دار ہوں گے جو ان کی تحویل میں ہو خاص کر اشیاء خوردنی کی صورت میں مثلاً گندم، چاول، شہد، گھی اور خشک میوے یا تازہ پھل وغیرہ ایسی تمام اشیاء جو کھائی یا پی جاتی ہیں، مثلاً مشروبات کی بوتلیں وغیرہ کیوں کہ اکثر اشخاص کو ان اشیاء کا لالچ ہوتا ہے اور آسانی کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے، لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ بار برداروں کو مال کی حفاظت کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ اس ذمہ داری کی دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ نقصان یا اتلاف کا موجب وہ خود ہوں، مثلاً اس کی حفاظت میں کوتاہی کی بایں طور کہ کمزور رسی

سے باندھا، رسی کٹ گئی اور سامان بکھر کر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ یا بری طرح پھینکا کہ گر کر سامان شکستہ ہو گیا وغیرہ۔ لیکن اگر نقصان بے بسی کی وجہ سے ہوا مثلاً پلے دار کا یا اس کے جانور کا پاؤں پھسل گیا اور برتن ٹوٹ گیا اور گھی، شہد وغیرہ جو کچھ اس میں تھا ضائع ہو گیا، تو وہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ سوا اس صورت کے جب کہ اس نے جانور کو غیر معمولی شدت سے ہانکا یا تیز دوڑایا ہو۔ یہ بھی نقصان کا سبب ہو سکتا ہے، لہٰذا وہ اس کا ذمہ دار ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اشیائے خوردنی (بار شدہ) کا مالک ساتھ ساتھ نہ رہا ہو۔ لہٰذا اگر ایک شخص نے کسی مزدور کو میوہ اٹھا کر لے چلنے کو کہا اور خود بھی اس کے ساتھ منزل مقصود تک گیا اور وہ میوہ جو مزدور کے پاس تھا، اسے نقصان پہنچا تو اب اسے نقصان کا ذمہ دار نہ گردانا جائے گا، کیوں کہ وہ مال مزدور کے حوالے نہیں کیا گیا اور نہ وہ مالک اس کے پاس سے ہٹا نہ جدا ہوا، بلکہ وہ اس کے ساتھ ساتھ رہا اور اس کی حفاظت کرتا رہا تو اس صورت میں وہ مزدور (نقصان کا) ذمہ دار نہ ہو گا، خواہ وہ سامان کشتی پر لادا گیا ہو یا کسی جانور یا گڈے پر رکھا گیا ہو اور یا مزدور نے خود اٹھا رکھا ہو۔

اب رہا صنعت کار، سو وہ ایسے نقصانات کا ذمہ دار ہوگا جن کا تعلق اس کے کام سے ہے۔ مثلاً درزی اس کپڑے کا ذمہ دار ہے جو اسے سینے کے لیے دیا گیا۔ لیکن اس شے کا ذمہ دار نہیں ہے جس میں وہ چیز رکھی گئی، مثلاً بیگ (یا گٹھری)۔ پس اگر وہ تھیلی جسے بخشہ (یعنی بقچی) کہتے ہیں (جس میں کپڑا تھا) تلف ہو جائے تو درزی اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اسی طرح لوہار اس خنجر کا جو اسے بنانے کے لیے دیا گیا ذمہ دار ہے، لیکن اس کی میان کا جس میں وہ رکھا گیا ہو، ذمہ دار نہیں ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ ان اشیاء کا بھی ذمہ دار ہوگا درآنحالیکہ بنی ہوئی چیز کے لیے اس کا ہونا لازم ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو ایک کتاب نقل کرنے کے لیے اجرت پر رکھا تو وہ اس نسخہ کا ذمہ دار ہوگا جس کو نقل کرنے کے لیے اسے لگایا گیا ہے، لہٰذا تلوار کی میان اگر اس شے مصنوع کے لیے لازمی ہے تو کاریگر اس کا بھی ذمہ دار ہوگا۔ تاہم یہ فیصلہ پہلے سے ہو جائے تو بہتر ہے۔ اسی طرح کپڑا بننے والا (جولاہا) اس سوت کا ذمہ دار ہے جو بننے کے لیے دیا گیا، اور ٹھٹھیرا اس تابنے کا ذمہ دار ہے جو برتن بنانے کے لیے اس کو دیا گیا ہے۔ پیسنے والا اس اناج کا ذمہ دار ہے جو پیسنے کے لیے دیا جائے، اور تیلی اس تل یا خس یا زیتون کے بیج کا ذمہ دار ہے جو تیل نکالنے کے لیے دیا گیا وغیرہ۔

یہ بات بتائی گئی ہے کہ صنعت کار بھی اجراء (یعنی مزدور) ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے مزدوروں کو (نقصان سے) بری الذمہ فرمایا ہے۔ لیکن علماء نے صنعت کاروں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اجتہاد کی رو سے انھیں ذمہ دار قرار دیا ہے، کیوں کہ انسان کو ان کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور کاریگروں کے ناپید ہو جانے کا ڈر ہے، کیوں کہ اگر صنعت کاروں کو (نقصان) کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے تو وہ بڑی آسانی سے اس چیز پر قبضہ کر کے کہہ دیں گے کہ وہ تلف ہو گئی اور یہ صورت حال کاریگر اور عوام دونوں کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ اس طرح لوگوں کی چیزوں کو خورد برد کرنے سے ان کا اعتبار جاتا رہے گا اور لوگ ان سے کنارہ کش ہو جائیں گے، اس طرح مفاد عامہ ختم ہو جائے گا اور بکثرت کاریگر بیکاری کا شکار ہو کر رہ جائیں گے اور قوم کو نقصان پہنچے گا۔ پس عوام کا مفاد اور مال کی حفاظت اس امر کی متقاضی ہے کہ کاریگر کو نقصان کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے اکثر مسائل میں اپنے مسلک کی بنیاد مصلحت عامہ پر رکھی ہے جو ایسے حالات میں ناگزیر ہے۔ اور یہ جو بعض اصحاب نے امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی بابت بتایا ہے کہ وہ جس مسئلہ میں بھی کوئی

دشواری لاحق ہوتی تھی ہمیشہ مصلحت کو پیش نظر رکھتے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے دو تہائی کی بہتری کے لیے ایک تہائی کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے یہ امام مالک رضی اللہ عنہ پر جھوٹا الزام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے لوگوں کے لیے ایک حد (دائرہ عمل) رکھ دیا ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے۔ اور جرائم کی خاص سزائیں ہیں جس پر وہ جرم ثابت ہو جائے اسے وہ سزا دی جائے گی۔ اسی میں لوگوں کی بہتری اور سلامت احوال ہے۔ رہا وہ مضحکہ خیز قول سو اس سے تو شر انگیزی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور نیک لوگوں پر ظلم کرنے کے راستے نکل آتے ہیں۔ اس طرح تو لوگ اصلاح کا بہانہ پکڑ کر خونریزیاں کرنے لگیں گے۔ بھلا کون ایسا مجتہد ہو سکتا ہے جو ایسے واہیات اصول مقرر کرے۔ اسی لیے بعض ائمہ مالکیہ نے کہا ہے کہ اس خیال کو کتابوں میں درج کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ شریعت کے کسی بھی قاعدہ کے مطابق نہیں ہے۔ ایسی ہی باتوں میں یہ بھی ہے کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ جب لوگ کشتی پر سوار ہوں اور اس کا بوجھ زیادہ ہو جائے تو چاہیئے کہ قرعہ اندازی کی جائے، جس کا نام نکلے اسے دریا میں ڈال دیا جائے تا کہ باقی اشخاص بچ رہیں۔ یہ قول بھی درست نہیں ہے کیوں کہ دوسرے انسان کی جان بچانے کے لیے کسی آدمی کو سمندر میں پھینک دینا، خواہ وہ کوئی ذمی (اسلامی مملکت کا غیر مسلم فرد) ہی کیوں نہ ہو، درست نہیں ہے۔ کسی صنعت کار کا ان اشیاء کے نقصان کا ذمہ دار ہونا جو اس کے پاس ہیں تین شرطوں پر موقوف ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا پیشہ (یا کام) سب لوگوں کے لیے ہو بایں طور کہ اس نے ایک خاص جگہ بنا رکھی ہو جہاں وہ عوام الناس کے لیے اپنی مصنوعات تیار کرتا ہے، خواہ اس کے لیے اس نے بازار میں کوئی دکان کھول رکھی ہو یا اپنے گھر پر کام کرتا ہو۔ اگر اس صنعت کار نے اپنے آپ کو اس کام میں نہیں لگا رکھا اور اسے اپنا ذریعہ معاش نہیں بنا رکھا، مثلاً کوئی ترکھان اپنا پیشہ (ترکھانی) چھوڑ کر کھیتی باڑی میں لگ گیا اور پھر کسی خاص شخص کا یا ایک جماعت کا خاص طور پر وہ کام کرے اور اس کے کام سے کچھ نقصان ہو جائے یا تلف ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہ ہوگی، خواہ اس نے سامان لا کر اپنے مکان پر کام کیا یا مالک کے گھر پر کیا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کسی چیز کی تیاری کا سامان اس کی دکان پر دیا گیا ہو اور یہاں پر اس میں نقصان ہوا یا تلف ہو گیا تو صنعت کار اس کا ذمہ دار ہوگا، اگر چہ مالک اس کے پاس موجود ہو۔ لیکن اگر وہ سامان اس کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ مالک کے مکان ہی پر اس نے کام کیا تو (نقصان کا) ذمہ دار نہ ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ایسی شہادت مہیا نہ ہو کہ صنعت کار نے اپنی کوتاہی سے یا قصداً نقصان نہیں پہنچایا بلکہ مجبوری کے تحت سامان ضائع ہوا۔ اگر ایسی شہادت موجود ہو تو صنعت کار بری الذمہ قرار دیا جائے گا۔ (اس بارے میں) یہ بھی کہتے ہیں کہ کاریگر بہر حال ذمہ دار ہوگا اگر چہ اس امر کی شہادت موجود ہو کہ کاریگر نے خود نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ بے بسی میں ضائع ہوا۔ (اندریں باب) پہلا خیال ہی درست ہے۔ یہی مثال ان کاموں کی ہے جن پر کام کرنے میں قدرتی طور پر (نقصان) کے خطرے ہیں، مثلاً موتی بیندھنا (یا سوراخ کرنا)، نگینہ پر کندہ کاری کرنا اور تلوار کو سیدھا کرنا ہے۔ اگر اس میں نقصان ہو جائے یا تنور میں روٹی اور یا رنگساز کے مٹھ میں کپڑا جل جائے وغیرہ تو کاریگر کو اس کا ذمہ دار نہ گردانا جائے گا، سوا اس صورت کے جب کہ اس نے کام میں بے اعتدالی کی ہو یا کوئی ایسا کام کیا ہو جو بالعموم اس پیشہ میں نہیں کیا جاتا۔ ایسی صورت میں کاریگر نقصان کا تاوان دار ہوگا۔ اسی طرح سلوتری جو جانوروں اور گھوڑوں کو داغتے ہیں یا ختنہ کرنے والے جو

بچوں کے ختنہ کرتے ہیں اگر اس کام میں (جانور یا بچہ) مر جائے تو یہ اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے بجز اس صورت کے جب کے ان سے کوتاہی سرزد ہوئی ہو یا اس کام کے کرنے کا جو طریقہ ہے اس سے انحراف کیا ہو۔ نیز وہ طبیب جو عمل جراحی کرتا ہے (یا سرجن جو آپریشن کرتا ہے) یا حکیم ایسی دوا دے جو مریض کے مزاج کے مطابق نہ ہو، یہ لوگ اس وقت تک (نقصان کے) ذمہ دار قرار نہ دیے جائیں گے جب تک کہ وہ ضروری امور پر عمل پیرا رہیں اور معالجہ میں غلطی نہ کریں۔ لیکن اگر علاج غلط کیا اور مریض کے لیے ایسی دوا دی جو اسے نہ دینی چاہیئے اور اس طرح اس کی جان جاتی رہی؛ اب اگر معالج علم طب سے آگاہ ہے تو مقتول کا خوں بہا اس معالج کے حمایتیوں پر واجب الادا ہے۔ اگر معالج علم طب سے بے بہرہ تھا تو وہ مستوجب سزا ہوگا۔

اگر کوئی کاریگر (نقصان کی) ذمہ داری لینے سے انکار کرے اور مالک سے کہہ دے کہ اگر کام میں کوئی شے تلف یا ضائع ہو جائے تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا تو اس سے کچھ فائدہ نہیں (وہ بہر حال نقصان کا ذمہ دار ہوگا) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ شرط موثر ہوگی اور اس پر عمل کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جو شخص عقد اجارہ کے ذریعہ کوئی شے حاصل کرے گا اس کی دو صورتیں ہوں گی: یا تو اس نے کرایہ پر لیا ہوگا (یعنی کرایہ دار ہوگا) یا اجرت پر کام کرنے والا یعنی صنعت کار ہوگا۔ کرایہ دار کی حیثیت بقول صحیح اس شے کے امانت دار کی سی ہے، لہٰذا جو شے اس کے پاس کرایہ پر ہے اگر وہ شے تلف یا ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی نے ایک جانور کرایہ پر لیا اور وہ مر گیا یا کپڑا (لیا اور) ضائع ہو گیا تو اس سے معاوضہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا، سوا اس صورت کے جب کہ اس نے کرایہ کی شے کا بیجا استعمال کیا ہو، یعنی جو طریقہ اس کے استعمال کا عام طور پر ہے اس کے خلاف کیا ہو۔ مثلاً کرایہ کے جانور کو غیر معمولی یا بری طرح مارا یا اس کی باگ کو بری طرح جھٹکا دیا جس کے باعث وہ جانور ہلاک ہو گیا تو اس کی ذمہ داری (بالاتفاق) اس پر عائد ہوگی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس پر اپنے وجود سے زیادہ بھاری شخص کو سوار کیا یا بہت زیادہ بوجھ لاد دیا۔ اگر جانور کا مالک اس کے ساتھ ہو تو جس قدر زیادہ بوجھ لادا گیا اس کی اجرت ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ اب کرایہ دار ذمہ دار ہوگا یا نہیں اب سوال یہ ہے آیا (کرایہ والی شے کی) منفعت جو ضائع ہوئی اس کا بھی کرایہ دار ذمہ دار ہوگا یا نہیں صحیح یہ ہے کہ وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے مثلاً کوئی دکان ایک ماہ کے لیے کرایہ پر لی اور جب مہینہ ختم ہو گیا تو اسے کھلی چھوڑ کر چلا گیا یہاں تک کہ ایک اور مہینہ گزر گیا اور جس میں مالک نے کوئی فائدہ (اس دکان سے) نہیں اٹھایا تو کرایہ دار سے اس ماہ کا کرایہ طلب نہیں کیا جائے گا، سوا اس صورت کے جب کہ اسے بند کر کے چلا گیا اور مالک دکان کو اطلاع نہ دی۔

رہا اجرت پر کام کرنے والے صنعت کار کا معاملہ سو وہ بھی اس نقصان یا اتلاف کا ذمہ دار نہ ہوگا جو اس کے ہاتھوں بغیر کسی بے اعتدالی کے ہوا اور بدوران کار مالک بھی اس کاریگر کے پاس رہا؛ اس کے اکیلے کے پاس سامان نہیں رہا۔ یا پھر مالک نے اس کاریگر کو اپنے گھر پر بلا کر کام کروایا ہو۔ یہ حکم (یعنی کاریگر کے بری الذمہ قرار دیے جانے کا) اس لیے ہے کہ دراصل وہ مال کاریگر کی سپردگی میں، دیا ہی نہیں گیا اور مالک نے گویا اپنے کام میں کاریگر سے مدد لی جیسے وکیل سے مدد لی جاتی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اس صورت میں جب کہ اجیر اپنے کام میں منفرد تھا (یعنی مالک کے سامنے

نہیں کیا) اس کے بارے میں تین رائیں ہیں اور سب میں غالب رائے یہی ہے کہ کاریگر (نقصان کا) ذمہ دار نہ ہوگا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بہر کیف وہی ذمہ دار ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اگر وہ اجیر مشترک ہے، یعنی اس کام کے پورا کرنے کی ذمہ داری لی ہے تو (نقصان کا) ذمہ دار ہوگا۔ اور اجیر خاص جس نے خود کو ایک معینہ عرصہ کے لیے اجرت پر کام کرنے کے لیے لگایا ہو وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

اگر کوئی شے کاریگر کی بے اعتدالی سے تلف یا ضائع ہوئی ہو تو وہ قطعی طور پر بغیر کسی اختلاف کے (نقصان کا) ذمہ دار ہوگا۔ اور بے اعتدالی کی یہ باتیں ہیں۔ کہ مثلاً نانبائی تنور میں اتنی تیز آگ کردے کہ روٹی جل جائے تو یہ بے اعتدالی (قابل مواخذہ) ہوگی۔ لیکن اگر آگ مناسب طور سے جلائی گئی اور روٹی آٹے کی خرابی کے باعث جل گئی تو وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی بے اعتدالی ہے کہ معلم اپنے شاگرد کو اس قدر (یا اس بری طرح) مارے کہ وہ مر جائے تو وہ تاوان دار ہوگا۔ ایک بے اعتدالی یہ ہے کہ کاریگر کو کسی کام کے کرنے کے لیے اجرت دی گئی اور کارکن نے وہ کام کسی اور کے سپرد کر دیا اور اس کے ہاتھوں نقصان ہو گیا تو اس کو بے اعتدالی کا قصوروار ٹھہرایا جائے گا اور تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ تاہم اگر وہ قسم کھالے کہ اس نے بے اعتدالی نہیں کی تو اس کی بات مان لی جائے گی لیکن اگر دو واقف کاروں نے اس کے خلاف بے اعتدالی کی گواہی دی (تو اس کی قسم کا اعتبار نہ کیا جائے گا)۔

مندرجہ بالا امور سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص کو دکان کی حفاظت کے لیے اجرت پر رکھا جائے اور دکان میں چوری ہو جائے تو وہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، یہی حکم پہرہ دار اور نگہبان کا بھی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اجیر کی دو قسمیں ہیں: اجیر خاص اور اجیر مشترک اجیر خاص وہ ہے جس کی منفعت (یا کارکردگی) کا اندازہ وقت سے لگایا جائے مثلاً کسی کو دیوار بنانے کے لیے رکھا جائے کہ وہ اتنے یومیہ (مزدوری) پر کام کرے گا یا کسی کو کپڑوں کے سینے پر لگایا جائے کہ اتنی اجرت ماہانہ پر سلائی کرے گا اس کو فی زمانہ روزانہ مزدوری (یا روزینہ) اور تنخواہ، مشاہرہ (یا ماہانہ) کہتے ہیں۔

اجیر مشترک وہ ہے جس کی منفعت (یا کارکردگی) کا اندازہ کام سے لگایا جائے، مثلاً اسے کوئی مکان بنانے کے لیے کہا جائے کہ اتنے میں اس کو بنا دو

یا یہ کہا جائے کہ اتنے میں اس گھر کے دروازے اور کھڑکیاں تیار کر دو۔ یہ عام طریقہ ہے اور اس کو فی زمانہ اجیر باحقاولہ (یا ٹھیکے کا کام کرنے والا۔ ٹھیکے دار) کہتے ہیں۔ یہ معاملہ کسی ایک شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا بلکہ ٹھیکے دار متعدد اشخاص سے کام ٹھیکہ پر لے سکتا ہے۔

اجیر خاص کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر وہ جن اشیاء پر کام کرتا ہے ان میں سے کسی چیز کا نقصان کر دے تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہ ہوگی؛ ہاں اگر قصداً خراب کیا یا بے اعتدالی سے کام لیا تو نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اور ایسے کام کرنے والوں پر لازم ہوگا کہ جتنی دیر کے لیے لگایا گیا ہے وہ پورا وقت اس کام میں لگا دے۔ نماز پنج گانہ کے اوقات میں نماز ادا کرنا اور جمعہ وعیدین کے اوقات عقد اجارہ میں داخل نہیں ہیں، عقد اجارہ میں ایسی شرط نہ رکھی گئی ہو۔ ہاں مستاجر نماز جمعہ سے منع کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ طے نہ ہوا ہو کہ اسے نماز جمعہ سے منع نہیں کیا جائے گا۔ اور اجرت پر کام کرنے والے کو یہ

حق نہیں ہے کہ وہ کسی اور کو اپنی جگہ کام پر لگا دے کیوں کہ عقد اجارہ کا تعلق اس کی ذات سے ہے۔

اجیر خاص اجرت پانے کا مستحق اسی وقت سے ہو جاتا ہے جب وہ اپنے آپ کو کام کے لیے سپرد کر دے۔ خواہ وہ مستاجر کے گھر پر کام کرے یا اپنے گھر پر۔ اگر اجیر خاص مستاجر کے علاوہ کسی اور کا کام کرنے لگے جس سے اس کے کام کو نقصان پہنچے اور مستاجر کا وقت جو (دوسروں کے کام میں) ضائع ہوا اجیر اس کا ذمہ دار ہوگا۔

اجیر مشترک کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کے ہاتھوں جو نقصان ہوا ہے، خواہ وہ غلطی سے ہوا ہو، اس کا ذمہ دار ہوگا۔ پس اگر رنگ ریز نے کپڑے کو پھاڑا، خواہ وہ کوٹنے سے پھٹا یا کھینچنے اور یا نچوڑنے سے تو اس کا معاوضہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ اسی طرح درزی اگر زید کے کپڑے کو عمرو کی پیمائش پر کاٹ ڈالے تو وہ اس غلطی کا ذمہ دار ہوگا۔ اسی طرح اگر کارکن کا گدھا پھسل گیا اور اس پر لدا ہوا سامان ٹوٹ پھوٹ گیا تو کارکن ذمہ دار ہوگا نیز کوئی پلے دار اپنے سر پر سامان اٹھا کر لے جانے کے لیے اجرت پر لیا گیا اور اس کا پاؤں پھسل گیا اور سامان ضائع ہو گیا تو پلے دار ذمہ دار ہوگا اور جانور کے تیز دوڑانے یا اس رسی کے ٹوٹ جانے سے جس کے ساتھ سامان بندھا ہوا تھا، نقصان ہوا تو بار بردار ہی ذمہ دار ہوگا۔ اور اجیر مشترک ایسی شے کے نقصان کا ذمہ دار نہ ہوگا جو اس کے ہاتھوں ضائع نہ ہوئی ہو۔ بشرطیکہ اس نے اس چیز کو اسی طرح باقاعدہ حفاظت سے محفوظ جگہ پر رکھا ہو جس طرح ایسی اشیاء کو رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر مثلاً درزی نے کپڑوں کو تھیلے یا صندوق میں بند کر کے رکھا، لیکن وہ چوری ہو گیا یا جل گیا تو وہ (نقصان سے) بری الذمہ ہوگا۔ لیکن جو کام اس نے کر لیا ہے اور مالک کے سپرد کرنے سے پہلے ہی وہ تلف ہو گیا تو اس کام کی اجرت اسے نہیں ملے گی، خواہ وہ کام اپنے گھر پر کیا ہو یا مستاجر کے گھر پر۔ اسی طرح ایسا طبیب جو تجربہ کار مشہور ہے اور اس نے عام طریق علاج کا اتباع کرتے ہوئے غلطی نہیں کی نقصان کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ پس اگر طبیب (یا ڈاکٹر) نے کوئی عمل جراحی یا آپریشن کیا اور اس میں جو احتیاط لازم تھی وہ سب ملحوظ رکھی، تاہم توقع کے خلاف کوئی ایسی بات پیش آئی جس سے مریض کی زندگی ختم ہو گئی تو طبیب پر کوئی الزام نہیں ہے۔ یہی حکم ختنہ کرنے والے کا ہے جو لڑکوں کو ختنہ کرتا اور انھیں پاک بناتا ہے، یا پچھنے والا یا کوئی بیطار ہے جو جانوروں کا علاج کرتا اور ٹیکے یا داغ وغیرہ لگاتا ہے، ان میں سے کسی پر بھی (نقصان کی) ذمہ داری نہیں ہے، بشرطیکہ ان کاموں میں جو لازمی احتیاط ہے وہ ملحوظ رکھی گئی ہو۔ لیکن اگر طبیب وغیرہ جنہیں اس میں کوئی دسترس نہیں جیسے بواسیر کے مسے کاٹنے اور فصد کھولنے یا آنکھ کی جھلی وغیرہ دور کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ اصول طب سے قطعاً نابلد ہیں، ان کے عمل سے جو نقصان بھی ہوگا اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ اگر تجربہ کار حکیم بھی کسی بچے کا علاج اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کرے اور اسے نقصان پہنچ جائے تو اسے تاوان دینا ہوگا اگرچہ اس نے غلطی نہ کی ہو۔ لیکن ولی کی اجازت کی صورت میں غلطی کی تو ذمہ دار ہوگا ورنہ نہیں۔

اسی طرح چرواہا کسی جانور کے ہلاک ہونے کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ ہاں بے اعتدالی کی یا حفاظت میں کوتاہی کی تو ذمہ دار ہوگا۔ اگر بلاوجہ جانور کو مارا یا کسی خطرناک جگہ پر لے گیا جہاں لے جانا ٹھیک نہیں تھا تو (نقصان کا) ذمہ دار ہوگا۔

اجرت پر کام کرنے والا (کاریگر) صرف اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا جو اس کے پاس (یعنی اس کی تحویل میں) ہوا، بشرطیکہ اس نے (کام میں) بے اعتدالی یا (حفاظت میں) کوتاہی نہ کی ہو چنانچہ اگر کسی نے گدھی کرائے پر لی اور وہ

Marfat.com

اس کے پاس مرگئی، حالانکہ نہ اس نے اسے بری طرح سے مارا اور نہ اس کے تحفظ میں کوتاہی کی تو اس پر ذمہ داری عائد نہ ہو گی۔ اگر اس نے قسم کھا کر کہا کہ اس سے کوئی زیادتی سرزد نہیں ہوئی تو اس کی قسم کو تسلیم کیا جائے گا۔

اگر (کسی مکان کے) کرایہ دار نے لکڑی وغیرہ جلائی اور ہوا کے جھونکے سے وہ آگ کسی دوسرے شخص کی زمین تک پہنچ گئی اور کوئی چیز جلادی تو اس نقصان کا نہ کرایہ دار ذمہ دار ہوگا اور نہ مالک مکان۔ اس کے برعکس اگر اس جگہ کرایہ دار نے بہت زیادہ پانی بہایا جس سے دوسرے شخص کی زمین متاثر ہوئی تو وہ اس کا تاوان دار ہوگا کیوں کہ ایسی صورت میں وہ خود نقصان پہنچانے والا متصور ہوگا، محض وسیلہ بننے والا نہ ہوگا، لہٰذا تاوان لازم ہے۔

اگر ایک شخص نے کسی کے مکان پر ناجائز قبضہ کرلیا اور مالک نے کہا میرا گھر خالی کرو ورنہ بیس اشرفی یا کم وبیش ماہانہ کے حساب سے ادا کرو۔ اب اگر اس نے مکان خالی نہ کیا تو اس کے ذمہ کرایہ واجب الادا ہو گیا۔ لیکن اگر غاصب نے اس کے قبضہ ہی سے انکار کیا تو وہ کرایہ دینے پر راضی نہ ہوگا۔ اور اب اگر غاصب کے علاوہ اس پر کسی اور کا قبضہ ثابت ہوا تو اسے کرایہ مثل ادا کرنا ہوگا۔

Marfat.com

ان صورتوں کا بیان جن سے عقد اجارہ
منسوخ ہو جاتا ہے اور جن سے نہیں ہوتا

عقد اجارہ (یعنی اجرت یا کرایہ کا معاملہ) لازم العمل معاملات میں سے ہے لیکن بموجب تفصیل مسالک مختلفہ چند صورتیں ایسی ہیں جن میں یہ اجارہ فسخ ہو جاتا ہے۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ فسخ اجارہ کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ فریقین معاملہ یا ایک فریق کی جانب سے شرط خیار رکھی گئی ہو (یعنی معیاد مقررہ کے اندر فسخ معاملہ کا اختیار ہو)، جیسا کہ بیع کے بیان میں بتایا گیا ہے، کیوں کہ عقد اجارہ بھی کسی شے کی منفعت کا سودا ہوتا ہے، گو اس شے کا سودا نہ ہو۔ لہٰذا یہ بھی ایک قسم کا معاملہ خرید و فروخت ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایک مکان بدیں شرط کرایہ پر لیتا ہے کہ تین دن تک اسے اس معاملہ کو ختم کر دینے یا قائم رکھنے کا اختیار ہوگا، جیسا کہ بیع میں شرط خیار ہوتی ہے تو اس عرصہ کے اندر فسخ اجارہ ہو سکتا ہے، بشرطیکہ بقول صحیح اس کی اطلاع مالک کو دے دی جائے۔ اگر مالک موجود نہیں اور اسے فسخ اجارہ کا علم نہیں ہوا تو یہ تنسیخ نافذ العمل نہ ہوگی۔

دوسرے یہ کہ خیار رویت یعنی پسند کی شرط پر معاملہ کیا جائے، چنانچہ اگر کسی نے متعدد قطعات اراضی کرایہ پر لیے اور بعض قطعوں کی بابت اسے تامل ہے تو اسے حق ہے کہ تمام قطعات کا اجارہ منسوخ کر دے۔

خیار شرط اور خیار رویت دونوں صورتوں میں تنسیخ اجارہ پر عمل درآمد مالک کی رضامندی یا حاکم شرع کے فیصلہ پر موقوف نہ ہوگا۔ پس اگر کرایہ دار نے عقد اجارہ فسخ کر دیا اور مالک کو بتا دیا گیا تو یہ تنسیخ مسلم ہو جائے گی۔ اس قسم کا اختیار مالک کو نہیں ہوتا جب تک کہ عقد اجارہ میں ایسی شرط نہ رکھ دی گئی ہو۔ اگر خیار رویت کی شرط نہیں رکھی گئی تو مالک کی طرف سے معاملہ اجارہ لازم النفاذ ہوگا گو کرایہ دار کی طرف سے نہ ہوگا۔

تیسری صورت فسخ اجارہ کی خیار عیب ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک مکان یا اراضی زرعی یا کوئی جانور وغیرہ کرایہ پر لیا اور اس میں کوئی خرابی نکلی تو کرایہ دار کو حق ہے کہ وہ کرایہ داری ختم کر دے لیکن یہ تنسیخ از خود نہ ہوگی بلکہ ضروری ہے کہ کرایہ دار اس معاملہ کو فسخ کرے، خواہ خیار شرط خیار رویت یا خیار عیب کے بارے میں پہلے سے طے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اگر اس خرابی کا علم عقد اجارہ سے پہلے ہی کرایہ دار کو رہا ہو تو اب اسے فسخ اجارہ کا اختیار نہ ہوگا کیوں کہ (اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ) وہ اس عیب پر راضی تھا۔

واضح ہو کہ عیب کی تین صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ کرایہ کی شے میں جو عیب ظاہر ہوا اس سے اس شے کی افادیت پر جس کے لیے اسے لیا تھا، کوئی اثر نہ پڑتا ہو، جیسے ایک مکان کرایہ پر لیا جس کی کوئی دیوار گر گئی ہے لیکن رہائش رکھنے والوں کو اس سے کوئی حرج نہیں ہے اور اس مکان کی منفعت میں کوئی کسر نہیں ہے؛ یا کوئی اونٹ سامان لادنے کے

Marfat.com

لیے کرایہ پر لیا اور اس کی ایک آنکھ جاتی رہی ہے تو ایسی صورت میں کرایہ دار کا حق خیار عیب ثابت نہ ہوگا کیوں کہ جس مقصد کے لیے عقد اجارہ ہوا ہے اس کا تعلق آنکھ سے نہیں ہے، بلکہ پیش نظر منفعت (بار برداری) موجود ہے جس میں کوئی کسر نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس عیب سے وہ منفعت پورے طور پر متاثر ہوتی ہو کہ اس حال میں کرایہ دار کے لیے اصل مقصد جس کے لیے کرایہ دیا ہے حاصل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایک مکان کرایہ پر لیا اور وہ مکان گر گیا۔ اس صورت میں، حکم یہ ہے کہ اس کا کرایہ اس وقت سے ختم ہو جائے گا جب وہ مکان گرا۔ لیکن کرایہ داری کا معاہدہ منسوخ نہ ہوگا بجز اس صورت کے کہ کرایہ دار خود ہی اس کی تنسیخ نہ کرے، کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ اسی حال میں اس سے استفادہ کرے، تاہم اس کی تنسیخ کے لیے مالک کا موجود ہونا یا اس کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

یہی حکم اس صورت میں ہے کہ کوئی اراضی زرعی کرایہ پر لی اور اس کی آب پاشی کا جو ذریعہ تھا وہ بند ہو گیا۔ یا یہ کہ وہ بارانی زمین کہ صرف بارش سے وہ سیراب ہوتی تھی اور پانی نہ برسا تو اس حالت میں کرایہ دار پر کچھ واجب نہ ہوگا اور وہ مالک کی عدم موجودگی میں بھی عقد اجارہ فسخ کرسکتا ہے۔ اگر صرف اس قدر پانی دستیاب ہو جائے جو زمین کے کسی قدر حصہ کو سیراب کر سکے تب بھی کرایہ دار کا حق تنسیخ ساقط نہ ہوگا، بلکہ اسے اختیار ہوگا کہ وہ پوری زمین کا عقد اجارہ منسوخ کر دے یا جس قدر زمین سیراب ہوسکتی ہے اسے رکھ کر اسی حساب سے کرایہ ادا کرے۔ اگر بارش نہیں ہوئی لیکن ہنوز بارش کی امید ہے تو کرایہ دار کو حق تنسیخ باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح پانی کم آئے (اور پورا پانی آنے کی امید ہو) تب بھی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کرایہ کی چیز میں جو عیب لاحق ہوا ہے وہ عیب اس کی منفعت کے کچھ حصہ پر اثر انداز ہو بایں طور کہ اس کی افادیت کلیتاً ختم نہ ہوئی ہو بلکہ کم رہ گئی ہو۔ مثلاً اونٹ کرایہ پر لیا اور اس کے تلوے میں زخم آ گیا یا کرایہ کے مکان کی کوئی دیوار گرنے سے اس کی افادیت میں خلل آ گیا یا کوئی خدمت گار اجرت پر رکھا اور وہ بیمار ہو گیا کہ کار خدمت میں کمی آ گئی تو رکھنے والے کو اختیار ہے چاہے تو اس کی ملازمت برقرار رکھے اور چاہے ختم کر دے۔ اگر ملازمت برقرار رکھی اور اسے ختم نہیں کیا اور کچھ عرصہ اسی طرح کام چلتا رہا تو اب اسے پوری تنخواہ دینی ہوگی۔

اگر کوئی شے کرایہ پر لی اور اس کو کوئی ایسا عیب لاحق ہو گیا جس کا دور کرنا ممکن ہو، مثلاً پانی خارج ہونے کی موری کا بند ہو جانا وغیرہ تو اب اگر اس عیب کو مالک خود ہی دور کر دے تو کرایہ دار کو حق تنسیخ باقی نہ رہے گا۔ لیکن اگر کرایہ دار نے اسے اپنے خرچ پر ٹھیک کیا تو اچھی بات ہے مالک سے اس کے اخراجات کا مطالبہ درست نہیں ہے۔ ہاں جب کرایہ داری کی میعاد ختم ہو جائے تو اسے حق ہے کہ جو کچھ بنایا (یا لگایا ہے) اسے اکھاڑ لے بشرطیکہ اسے اس سے کچھ فائدہ ہو۔ مثلاً اگر پختہ اینٹوں یا پتھروں کی دیوار بنائی ہے تو اس کا ملبہ اکھاڑ کر لے جا سکتا ہے تاکہ وہ اپنے کام میں لائے۔ لیکن اگر اس کے ہٹانے سے اس کو فائدہ نہ ہو تو اسے ہٹانے کا حق نہیں ہے کیوں کہ ایسی صورت میں اس کا ہٹانا حماقت ہے جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں اچھی بات یہی ہے کہ اسے برقرار رہنے دے تاکہ مالک اس سے فائدہ اٹھائے۔

یادرہے کہ مالک کواس بات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس خرابی کو دور کرے جو اس کے مملوکہ (کرایہ کے مکان) میں لاحق ہوگئی ہے۔ اگر وہ اس کی درستی سے انکار کرے تو کرایہ دار کو اختیار ہے کہ عقد اجارہ کو باقی رکھے یا مکان چھوڑ دے۔ لیکن اگر اسے اس کے عیب کا علم کرایہ پر لینے سے پہلے ہی رہا ہو تو اب اس مکان کے چھوڑنے کا حق اسے نہیں ہے، کیوں کہ کرایہ پر لینے سے پہلے اس عیب کو جاننے کی صورت میں اختیار تنسیخ ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

اگر کرایہ کا مکان وقف ہو تو مہتمم وقف کو مجبور کیا جائے گا کہ اس خرابی کو دور کر دے کیوں کہ اس خرابی کو دور نہ کرنا وقف املاک کیلئے نقصان دہ ہے اور مہتمم وقف پر یہ الزام آتا ہے کہ اس نے وقف کی مصلحت کو نظر انداز کر دیا۔ امور بالا سے واضح ہے کہ مالک املاک پر یہ لازم ہے کہ وہ مملوکہ مکانات کرایہ سے استفادہ کے لیے جو امور متقاضی ہیں ان کو ٹھیک ٹھاک کرے جیسے پانی خارج ہونے کی موریوں خاص کر پانی کے نلکوں اور پانی کے خزانوں (ٹنکی وغیرہ) کی درستی اور اس کی صفائی اور دھونا دھلانا۔ یہاں تک کہ اگر کرایہ دار نے اسے گندا رکھا ہو تب بھی اس واسطے کہ اس قسم کی خرابیاں زمین سے پیدا ہوتی ہیں، کرایہ دار کی میعاد ختم ہونے کے بعد مکان کی سپردگی اس پر موقوف نہیں کہ پہلے اس کی پوری طرح صفائی ستھرائی کر کے حوالہ کیا جائے۔ لہٰذا کرایہ پر لینے والے کو اس کا پابند نہیں کیا جا سکتا کہ گھر کو صاف ستھرا کر کے حوالہ کرے۔ ہاں اگر یہی طریقہ عام ہو کہ مکان کی صفائی ستھرائی کرایہ پر لینے والے کے ذمہ ہو تو اور بات ہے جیسا کہ حمام کی کرایہ داری میں ہوتا ہے کہ اس کی بدروؤں کو دھو دھلا کر صاف ستھرا کرنا کرایہ دار کے ذمہ ہوتا ہے، خواہ ظاہری صفائی ہو یا باطنی۔

کرایہ دار پر مطلقاً لازم ہے کہ کرایہ کے مکان سے گرد و غبار (یا کوڑا کرکٹ) وغیرہ کو دور کرے، خواہ غسل خانہ ہو یا کوئی اور جگہ۔ یہ کرایہ دار کی ذمہ داری ہے۔ ہاں اگر پہلے سے مکان مٹی سے اٹ رہا ہو تو اس کی صفائی مکان دار پر لازم ہے۔ اس بارے میں اگر مکان دار اور کرایہ دار میں اختلاف پیدا ہو جائے تو کرایہ دار کی بات مانی جائے گی۔

تنسیخ عقد (کے جواز) کی چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو ایسے کام کے لیے اجرت پر رکھا جس کے کرنے سے کرایہ دار کے وجود یا اس کے مال کو نقصان پہنچے۔ اس کی چند مثالیں ہیں:

ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی طبیب (یا ڈاکٹر) کو اس بات کی (فیس یا) اجرت دیتا ہے کہ اس کے دکھتے ہوئے حصہ کو کاٹ دے، پھر یہ ارادہ ترک کر دے تو اسے ترک کرنے کا اختیار ہے، خواہ وہ تکلیف دور ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، کیوں کہ کسی حصہ جسم کو کاٹ دینا بظاہر نقصان ہے۔ کیوں کہ ہر شخص اپنے وجود کا امانت دار ہوتا ہے (یعنی اس کی حفاظت کرنا چاہتا ہے) اور بسا اوقات تکلیف (بغیر آپریشن کے) دور ہو جاتی ہے اور عضو بھی سالم رہتا ہے تو ایسی صورت میں اس عضو کا کاٹنا حقیقی معنوں میں نقصان دہ ہوا (غرض ایسی صورت میں عقد اجارہ کی تنسیخ ہو سکتی ہے)۔

ایک مثال یہ ہے کہ کسی باورچی کو اجرت پر رکھا کہ دعوت ولیمہ کے لیے کھانا تیار کرے۔ پھر یہ ارادہ ترک کر دیا تو باورچی کو یہ حق نہیں ہے کہ کھانا پکانے کا جو معاملہ طے ہوا تھا اس پر عمل درآمد کا مطالبہ کرے، کیوں کہ اس پر عمل درآمد سے اس سامان کا نقصان ہے جو اس میں لگے گا، مثلاً گوشت گھی وغیرہ۔ ایسی صورت میں نہ باورچی کو حق ہے کہ طے شدہ معاملہ کو

پورا کرانے کا مطالبہ کرے اور نہ یہ ضروری ہے کہ اس ارادے کے ترک کرنے کا کوئی واضح سبب موجود ہو۔ مثلاً طلاق ہو جانا یا کسی موت کا واقع ہونا۔ جیسا کہ پہلی مثال میں (تنسیخ عقد کے لیے) یہ شرط نہیں ہے کہ دکھ دور ہو جائے تب ہی آپریشن ملتوی کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس میں محض نقصان کا اندیشہ عقد اجارہ کے قائم نہ رکھنے کا کافی سبب ہے۔

ایک مثال یہ ہے کہ کچھ مزدوروں کو ایک مکان ڈھانے کے لیے اجرت پر رکھا جائے تا کہ وہاں پر کوئی تعمیر از سر نو کی جائے، پھر یہ ارادہ ترک کر دیا تو اب مزدوروں کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کام کو پورا کرنے کا مطالبہ کریں کیوں کہ مکان کے منہدم کرنے میں مال کا نقصان ہوتا ہے۔

ایک مثال یہ ہے کہ کسی درزی کو کپڑوں کی سلائی کے لیے اجرت پر رکھا، پھر اس خیال کو چھوڑ دیا، چونکہ یہ کام ایسا ہے کہ بعض اوقات کپڑے کی کتر بیونت میں نقصان ہوتا ہے کہ انسان اسے نہیں پہنتا یا اس کی ضرورت نہیں پڑتی، اس لیے درزی کو حق نہیں ہے کہ سلائی کے معاملہ کو پورا کیے جانے کا مطالبہ کرے۔

ایسی ہی ایک مثال یہ بھی ہے کہ عقد اجارہ کے عمل درآمد میں کوئی شے (استعمال میں لا کر) ختم کر دی جاتی ہو جیسے ایک شخص نے کسی کتاب کے نقل کرنے یا چھاپنے کی اجرت طے کی جس کے لیے کاغذ خرید رکھا ہے تو اس شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنا یہ ارادہ ترک کر دے کیوں کہ یہ معاملہ بھی ایسا ہے کہ اگر اس پر عمل درآمد کیا جائے تو (خریدے ہوئے) کاغذ کا نقصان ہے۔

یہ تمام صورتیں اس مسئلہ کی مانند ہیں جس کا ذکر زراعت کے بیان میں کیا گیا کہ (مشترکہ زراعت میں) بیج والے کو تنسیخ معاملہ کا حق ہے کارکن کو یہ حق نہیں ہے کیوں کہ اس معاملہ کے عمل درآمد میں بیج کا نقصان ہوتا ہے۔

پانچویں صورت جس میں تنسیخ اجارہ ہو سکتا ہے یہ ہے کہ مالک ایسے حالات سے دوچار ہو جس کے باعث کرایہ پر دی ہوئی شے کو فروخت کرنا پڑے۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

ایک مثال یہ ہے کہ مالک مقروض ہو اور ادائیگی قرض کے لیے اس چیز کے علاوہ اور کچھ نہ ہو تو اسے حق ہے کہ عقد اجارہ منسوخ کر کے کرایہ پر دی ہوئی شے کو فروخت کر دے۔ اور قرض دار ہونے کا ثبوت مالک کے محض اقرار سے ہو جاتا ہے، مثلاً کوئی شخص اگر اقرار کرے کہ فلاں شخص کا قرض میرے ذمہ واجب الادا ہے اور اس کی ادائیگی کی میعاد پوری ہو گئی ہے تو اسے عقد اجارہ کی تنسیخ کا اختیار ہے اور اپنا مکان (کرایہ پر دیا ہو) بیچ کر قرض چکا دے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا قرضہ کا اقرار عقد اجارہ سے پہلے ہونا ضروری ہے یا بعد میں؟ جواب یہ ہے کہ (اجارہ سے پہلے) اقرار قرض کا ثابت ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر عقد اجارہ کے بعد بھی اپنے اوپر کسی کے قرضہ کا اقرار کیا تو وہ قرض اس کے ذمہ ثابت ہوگا اور اس کی بنا پر اسے فسخ اجارہ کا حق ہے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ قرضہ کے اقرار کا تعلق صرف اقرار کرنے والے سے ہے اور دوسرے کو اس بارے میں دخل نہیں ہے، پس اس پر وہ خود عمل کرے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ قرض خواہ کو حق ہے کہ مقروض کی املاک فروخت کر کے خود اسے کرایہ پر دے دے، کیوں کہ (اس طرح کے فسخ عقد میں) یہ شرط ہے کہ عقد اجارہ کی تنسیخ

Marfat.com

حاکم کے فیصلہ پر کی جائے گی۔ لہٰذا مالک کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ کرایہ پر دیئے ہوئے مکان کو وہ خود ادائیگی قرض کے لیے فروخت کردے جب تک کہ بقول صحیح حاکم شرع اس اجارہ کی تنسیخ نہ کرے اور درآنحالیکہ یہ تنسیخ فیصلۂ حاکم کے مطابق عمل میں آئے گی تو قرض کا اقرار ایک کھلا عذر (تنسیخ عقد اجارہ کے لیے) ہوگا جس میں کوئی امر مخفی نہیں ہے۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ ہر مخفی عذر کی بنا پر عقد اجارہ کا فسخ کرنا درست نہیں ہے تا آنکہ اسے حاکم شرع فسخ نہ کرے۔ اگر فسخ اجارہ کا کوئی واضح سبب ہے تو بقول صحیح اس کے لیے حاکم شرع کا فیصلہ ضروری نہیں ہے۔ مثلاً اگر مالک کے ذمہ کوئی قرض قانونی طریقہ سے ثابت ہے جیسا کہ دستاویزی قرضے جس سے عوام واقف ہیں تو ایسی صورت میں (مالک کو) حاکم عدالت کے فیصلے کے بغیر حق حاصل ہے اور اسے حق ہے کہ قرض کی ادائیگی کے لیے اس شے کو فروخت کر دے درآنحالیکہ اس کا کرایہ پیشگی اتنا وصول نہ کرلیا گیا ہو جو قیمت مکان کے برابر ہو اور یا قیمت مکان اتنی زیادہ نہ ہو کہ اس سے قرض ادا کیا جا سکے۔ اگر پیشگی وصول شدہ کرایہ کی رقم مکان کی پوری قیمت کے برابر ہو تو نہ عقد اجارہ منسوخ ہوگا اور نہ اس شے کو فروخت کیا جا سکے گا ہاں اگر اس شے کی قیمت اس رقم سے زیادہ ہو جو کرایہ دار سے پیشگی وصول کی جا چکی ہے تو اب اسے حق ہے کہ اسے فروخت کردے اور پہلے کرایہ دار کا قرض ادا کرے پھر جو رقم زیادہ ہو وہ دوسرے قرض خواہوں کو ادا کردی جائے۔

اگر ایک شخص نے کسی کو مکان کرایہ پر دیا پھر یہ انکشاف کیا کہ وہ مکان کسی اور کا (مملوکہ) ہے تو ایسی صورت میں وہ عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا بلکہ وہ مکان کرایہ داری کی میعاد ختم ہونے کے بعد اس کے سپرد کیا جائے گا جس کی ملکیت کا اس شخص نے اقرار کیا ہے۔

فسخ اجارہ کے صحیح اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ (کرایہ پر دینے والا) اپنے اور اپنے کنبہ کے اخراجات پورے نہ کرسکتا ہو۔ لہٰذا اگر ایک شخص نے اپنا کوئی مکان کرایہ پر دے رکھا ہے، پھر مشکل کا وقت آ گیا اور خرچ کی طرف سے تنگی ہوئی تو اب اسے اختیار ہے کہ عقد اجارہ فسخ کردے اور اس مکان کو فروخت کردے۔ اب رہی یہ بات کہ آیا اس صورت میں حاکم کا فیصلہ شرط ہے یا نہیں؟ سو اس کے لیے یہ راستہ اختیار کیا گیا ہے کہ حاکم شرع اس کی بیع کا حکم نافذ کرے گا، اس کے ضمن میں عقد اجارہ کی تنسیخ از خود ہو جائے گی۔

واضح ہو کہ مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ کرایہ پر دی ہوئی شے کو میعاد کے اندر بغیر کسی عذر کے فروخت کردے ہاں کرایہ دار کی اجازت سے ایسا کرسکتا ہے۔ اگر اس کی اجازت کے بغیر فروخت کیا تو یہ فروخت درست ہوگی لیکن اس پر عمل درآمد میعاد کرایہ داری گزر جانے کے بعد ہوگا۔ یعنی فروخت صحیح ہوگی۔ لیکن عمل درآمد موقوف رہے گا۔ کرایہ دار کو فسخ اجارہ کا حق نہیں ہے۔ خریدار کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ معلوم ہونے پر کہ اس کی خرید کردہ شے کرایہ پر چڑھی ہوئی ہے اسے فسخ بیع کا اختیار ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے اختیار نہیں ہے۔ اس دوسرے قول کو مشائخ حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔

شے مرہونہ بھی کرایہ کی شے کی مانند ہے کہ اس کی فروخت درست نہیں ہے، لیکن اگر شے مرہونہ کو راہن کی

Marfat.com

اجازت کے بغیر فروخت کیا گیا تو فروخت ہو جائے گی لیکن اس پر عمل درآمد موقوف رہے گا، یہاں تک کہ اسے رہن سے چھڑا لیا جائے۔

فسخ اجارہ کے عذروں میں سے ایک عذر سفر بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس جگہ سے دوسری جگہ جانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے حق ہے کہ عقد اجارہ کی تنسیخ کر دے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی دیہاتی نے شہر میں کوئی مکان کرایہ پر لیا پھر ارادہ کیا کہ وہ اپنے گاؤں چلا جائے تو اسے اختیار ہے کہ کرایہ داری کا معاملہ ختم کر دے۔ ایک عذر کرایہ دار کی تنگ دستی بھی ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی سے کوئی دکان کاروبار تجارت کے لیے کرایہ پر لی اور پھر تنگ دست ہو گیا تو اسے حق ہے کہ عقد اجارہ کو منسوخ کر دے۔ لیکن اگر کاروبار میں گھاٹا ہوا ہو تو فسخ اجارہ کا حق نہ ہوگا۔

اگر ایک دکان میں جس قسم کا کاروبار کوئی کرایہ دار کرتا رہا ہے اگر اسے چھوڑ کر کوئی اور قسم کا کاروبار کرے مثلاً بزازی کی دکان تھی اور اب ارادہ ہوا کہ پرچون کی دکان کرے تو اسے یہ حق ہے کہ اس دکان کا عقد اجارہ فسخ کر دے، بشرطیکہ وہ جگہ اس کاروبار کے لیے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے موزوں نہ ہو۔ اگر ایسی صورت نہ ہو تو یہ حق نہ ہوگا۔ ایسی ہی ایک صورت یہ ہے کہ ایک جانور کہیں جانے کے لیے کرایہ پر لیا پھر یہ مناسب سمجھا کہ ادھر کا سفر نہ کرے تو اسے حق ہے کہ اس اجارہ کو منسوخ کر دے خواہ آدھی دور جا کر ارادہ بدلہ ہو۔ جانور کے مالک کو طے کردہ مسافت کی نسبت سے کرایہ ملے گا۔ اگر کسی شخص سے ایک جانور کرایہ پر لینے کے بعد خود کرایہ دار نے کوئی جانور خرید لیا تب بھی وہ کرایہ داری فسخ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی مکان کرایہ پر لیا ہے پھر اپنا مکان خرید لیا تو اسے عقد اجارہ کے فسخ کرنے کا حق نہیں ہے کیوں کہ اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ جو گھر اس نے خریدا ہے اسے کرایہ پر چڑھا کر اس کا نفع حاصل کرے، بخلاف جانور کے کہ گو اس میں بھی یہ ممکن ہے کہ (اگر اپنا جانور خرید لیا ہے تو) اسے کرایہ پر دے دے، لیکن جانور کے استعمال کرنے کی کیفیت مختلف سواروں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اس (نو خرید) جانور کا مالک یہ پسند نہ کرے کہ اس پر کوئی اور شخص سوار ہو اور یا دوسرے شخص کے سوار ہونے سے جانور کو نقصان پہنچے۔

اگر ایک شخص نے کسی خادم کو اس کے ہمراہ سفر میں رہنے کے لیے اجرت پر رکھا؛ پھر اس خادم نے کسی ظاہر عذر کے بغیر اس اجارہ سے پھر جانا چاہا تو اسے ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔

فسخ اجارہ کی چھٹی صورت فریقین عقد میں سے کسی کی موت کا واقع ہونا ہے کہ اس سے بھی عقد اجارہ ٹوٹ جاتا ہے بشرطیکہ اس عقد اجارہ کا تعلق اس کی اپنی ذات سے ہو، کسی دوسرے کے حق میں نہ ہو۔ لیکن اگر وہ معاملہ کسی اور کی طرف سے کیا ہے تو اس کی موت سے وہ اجارہ فسخ نہ ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نے اپنا مملوکہ مکان کرایہ پر چڑھانے کے لیے کسی کو وکیل بنایا اور وکیل نے یہ کام کر دیا اور وکیل کی وفات ہو گئی تو یہ عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا کیوں کہ اگرچہ وکیل ہی نے وہ معاملہ طے کیا تھا لیکن یہ اپنے لیے نہ تھا بلکہ ان کے مؤکل کے لیے تھا جسے مکان کرایہ پر دے کر اس سے نفع حاصل کرنا تھا لہٰذا یہ اجارہ فسخ نہ ہوگا سوا اس صورت کے جب کہ مالک مکان (یا مؤکل) فوت ہو جائے۔

Marfat.com

اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی کو اس لیے وکیل بنایا کہ اس کے رہنے کے لیے کوئی مکان کرایہ پر لے دے اور وکیل نے یہ کام کر دیا، پھر اس کی وفات ہوگئی تو عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ بقول صحیح وکیل کے وفات پا جانے سے (مؤکل کے حق میں کیا ہوا) عقد اجارہ باطل نہیں ہو جاتا، خواہ وہ وکیل مالک کا ہو جس نے کرایہ پر دیا خواہ بقول صحیح وہ کرایہ دار کا وکیل ہو (جس نے کرایہ پر لیا)۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ کرایہ دار کے وکیل کی وفات سے عقد اجارہ کی تنسیخ واجب ہو جاتی ہے، کیوں کہ کرایہ پر کوئی شے لینے کے لیے کسی کو وکیل بنانا ایسا ہی ہے جیسے کسی شے کی منفعت کی خریداری کے لیے وکیل بنانا، لہٰذا یہ وکیل کی معرفت خریداری کا معاملہ ہوا۔

اس میں وکیل پہلے خود کرایہ دار بنتا ہے پھر اپنے مؤکل کو کرایہ پر دے دیتا ہے۔ پس وکیل کی حیثیت مالک کی سی ہوتی ہے، بایں طور کہ پہلے ملکیت وکیل کی ثابت ہوتی ہے پھر مالک (مؤکل) کی (پس وکیل کی وفات گویا مالک کی وفات ہوئی جو مستوجب فسخ معاملہ ہے)۔ اب قطع نظر اس کے کہ یہ توجیہہ درست ہے یا نہیں، وکیل کی ملکیت تو کسی حال میں بھی برقرار نہیں ہے، لہٰذا اسے مالک تصور کرنا ہی درست نہیں کہ اس کی موت سے معاملہ کو باطل قرار دیا جا سکے۔ وصی اور متولی وقف کی مثال بھی وکیل کی سی ہے، چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی قاصر (یا نابالغ) کے وصی (یا نگران حال) یا اس کے ولی (سرپرست) باپ، دادا یا قاضی (حاکم شرع) سے کوئی شے کرایہ پر لی اور دینے والا (ولی یا وصی) وفات پا گیا تو عقد اجارہ فاسد نہ ہوگا کیوں کہ کرایہ کا اصل حق دار قاصر (یعنی نابالغ معذور) موجود ہے جو اس چیز کا مالک اور کرایہ کا حق دار ہے اور چوں کہ وہ زندہ ہے لہٰذا عقد اجارہ کرنے والے کی موت سے عقد فسخ نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر وقف کا نگران (یا مہتمم) خود واحد حق دار ہو جو تمام آمدنی (یا کرایہ) کا مستحق ہو، اگر وفات پا جائے تب بھی عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا۔ کیوں کہ بقول صحیح وہ بھی وقف شدہ شے کا مالک نہیں ہے۔

اگر فریقین عقد اجارہ میں سے کوئی شخص جس نے اپنے حق میں معاملہ اجارہ کیا ہے، وفات پا جائے تو عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا جب تک کہ تنسیخ ناگزیر نہ ہو جائے (تنسیخ ناگزیر ہو تو تنسیخ ہو جائے گی) لیکن مجبوری ہو تو تنسیخ نہ ہو سکے گی۔ مثلاً موجر (کرایہ پر دینے والے) کی وفات ایسی جگہ پر واقع ہو جہاں کوئی حاکم شرع یا قاضی ایسا نہیں ہے جس سے فیصلہ فسخ کرایا جا سکتا چنانچہ اگر کسی شخص نے بیابان میں سفر کرنے کے لیے اونٹ کرایہ پر لیا اور (موجر کے ساتھ) وہ سفر میں تھا کہ موجر (جس کا اونٹ تھا) وفات پا گیا، تو ایسی صورت میں (وہ اجارہ فسخ ہو جانا چاہیئے تھا لیکن وہ فسخ نہ ہوگا بلکہ) اس وقت تک باقی رہے گا کہ کرایہ دار وہاں پہنچ جائے جہاں کوئی قاضی یا حاکم ہو جو عقد اجارہ کی تنسیخ کر کے چاہے تو پھر اسی کرایہ دار کو اونٹ کرایہ پر دے دے یا کسی اور کو دے دے، جیسی بھی مصلحت ہو۔ اگر اثنائے راہ میں کرایہ دار کی وفات ہو جائے تو جہاں تک سفر کیا ہے وہاں تک کا کرایہ محسوب کیا جائے گا۔

اگر ایک شخص نے کوئی مکان کسی سے کرایہ پر لیا، مکان دار فوت ہو گیا کرایہ دار مکان میں ہے اور ورثا نے اس سے کرایہ کا مطالبہ کیا اور اس کے بعد وہ اسی مکان میں رہا تو اس کی کرایہ داری لازم اور بحال رہے گی۔ لیکن اگر ورثاء نے کرایہ

Marfat.com

کا مطالبہ نہ کیا تو دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ مکان کرایہ کے لیے بنایا گیا تھا تو ایسی صورت میں اس کی کرایہ داری بحال رہے گی ورنہ نہ ہوگی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کوئی مکان مسلسل تین سال تک کرایہ پر اٹھایا گیا تو اس مکان کو کرایہ کے لیے تصور کیا جائے گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مالک کی موت سے کرایہ کے مکان کی حیثیت باطل نہ ہوگی۔ کچھ لوگ اس کے خلاف کہتے ہیں۔

اگر فریقین (عقد اجارہ) میں سے کسی کو جنون لاحق ہو جائے تب بھی عقد اجارہ باطل نہ ہوگا، خواہ وہ جنون مسلسل جاری رہنے والا ہو۔ اسی طرح کرایہ دار کی بداطواری، مثلاً شراب نوشی، بدکاری واغلام بازی سے بھی عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا۔ یہ عذر ایسا نہیں ہے جو مالک مکان یا پڑوسیوں کو تنسیخ عقد اجارہ کا حق دیتا ہو۔ ہاں انھیں یہ حق ہے کہ کرایہ دار کو ان باتوں سے منع کریں یا اس کے خلاف حاکم کے پاس چارہ جوئی کریں کہ وہ ایسے شخص کو سزا دے کہ وہ شر و فساد سے باز آجائے اور اگر حاکم مناسب خیال کرے تو وہ اسے وہاں سے نکال دے جیسا کہ فی زمانہ کچھ لوگ اپنے رہائشی مکان میں لڑائی جھگڑا کرتے رہتے ہیں اور پاس پڑوس میں اچھے لوگ رہتے ہوں تو ان پڑوسیوں کو بھی حاکم کے پاس نالش کرنے کا حق ہے اور حاکم کو ان جھگڑالوؤں کو وہاں سے نکالنے یا انھیں ٹھیک بنانے کا اختیار ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عقد اجارہ چند باتوں سے فسخ ہو جاتا ہے:

ایک یہ کہ جس مقصد کے لیے کوئی شے کرایہ پر لی گئی ہے وہ مقصد فوت ہو جائے کہ کرایہ دار کی غرض پوری نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص نے کوئی مکان کرایہ پر لیا اور وہ مکان گر پڑا، یا جانور کرایہ پر لیا اور وہ مر گیا تو اس صورت میں عقد اجارہ (یا کرایہ داری کا معاملہ) ختم ہو جائے گا کیوں کہ کرایہ دار کے لیے ممکن نہ رہا کہ وہ اپنا مقصد پورا کر سکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک شخص (جس کی ڈاڑھ میں درد ہے) ڈاڑھ کے نکالنے کے لیے اجرت یا فیس طے کرے لیکن اکھاڑنے سے پہلے ہی درد جاتا رہے، یا عمل جراحی (آپریشن کی) فیس طے ہو جائے لیکن اس کے بغیر ہی آرام ہو جائے تو یہ اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ لیکن اگر تکلیف دور نہ ہو تو طے شدہ فیس ادا کر دی جائے گی خواہ وہ کام نہ کیا ہو یعنی ڈاڑھ نکلوانے یا مثلاً پھوڑے کو چیرا دلوانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ کرایہ والے مکان پر کوئی شخص ناجائز قبضہ کر لے یا اس کی منفعت پر زبردستی قابض ہو جائے اور حاکم کے ذریعہ یا کسی اور طرح سے اس مکان کو خالی نہ کرایا جا سکے (تو عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا)۔

چوتھی بات یہ ہے کہ حاکم کی طرف سے دکان کے بند کر دینے یا اسے ڈھائے جانے کا حکم ہو جائے تو اجارہ ختم ہو جائے گا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ دودھ پلانے والی دائی کو حمل رہ جائے یا کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے جس کے باعث وہ دودھ نہ پلا سکے تو عقد اجارہ ختم ہو جائے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

چھٹی بات کوئی خادم جسے کسی خدمت کے لیے اجرت پر رکھا گیا، اگر مریض ہو جائے اور خدمت مفوضہ بجا نہ لا

Marfat.com

سکے تو معاملہ اجارہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر میعاد ملازمت ختم ہونے سے پہلے اسے افاقہ ہو جائے تو عقد اجارہ پھر بحال ہو جائے گا اور جس خدمت کے لیے اسے رکھا گیا تھا اس کی تکمیل کرے گا۔ لیکن اگر کوئی جانور کرایہ پر لیا اور وہ مریض ہو گیا، لیکن میعاد کرایہ داری کے اندر وہ پھر صحت مند ہو گیا تو عقد اجارہ بحال نہ ہوگا کیوں کہ کرایہ دار کو بدوران سفر (اس کی صحت کا) انتظار کرنے میں نقصان ہوا ہے۔

ساتویں نابالغ بچے کے بالغ ہو جانے پر اس کے وصی کا کیا ہوا عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا درآنحالیکہ اس میں رشد (سلیقہ) ہو۔ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ نابالغ کے وصی نے خدمت گاری کے لیے کسی کو اجرت پر رکھا ہو۔ دوسری صورت یہ کہ بچے کے وصی نے اس کے مملوکہ مکان یا اس کے جانور وغیرہ کو اجرت پر دیا ہو۔

مسئلہ کی پہلی صورت میں جب کہ قاصر (یعنی نابالغ جو اپنے معاملات خود انجام دینے سے معذور ہو) جب بالغ ہو جائے اور اس میں رشد (سلیقہ مندی) ہو یعنی احمق نہ ہو اور وصی کے کیے ہوئے عقد اجارہ کو فسخ کر دیا تو درست ہے، بشرطیکہ یہ اجارہ اس کے ولی نے کیا ہو اور ولی کو گمان غالب ہو کہ میعاد اجارہ کے اندر وہ بالغ اور باشعور ہو جائے گا۔ یا اس کا خیال ہی نہ رہا ہو اور عقد اجارہ کر لیا ہو تو اس حالت میں بالغ اور سمجھ دار ہونے پر اسے اختیار ہوگا کہ اس عقد اجارہ کو ختم کر دے، خواہ کرایہ داری کی میعاد میں بہت زیادہ وقت باقی ہو یا تھوڑا وقت رہ گیا ہو۔ لیکن اگر اس کے ولی کو گمان غالب یہ تھا کہ اس میعاد کے اندر وہ بالغ نہ ہوگا، اور احیاناً وہ بالغ ہو گیا تو اب دیکھنا چاہیئے کہ اس کے بالغ ہونے کے بعد ایک ماہ سے زیادہ میعاد (کرایہ داری) باقی ہے یا صرف ایک ماہ یا اس سے کم ہے۔ اگر ایک ماہ سے زیادہ عرصہ باقی ہے تو قاصر (نابالغ) کو عقد اجارہ کے فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ اگر صرف ایک ماہ یا اس سے کم عرصہ باقی ہے تو فسخ اجارہ کا اختیار نہ ہوگا بلکہ لازم ہے کہ میعاد کو پورا کیا جائے، کیوں کہ اس قلیل عرصہ میں کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔

دوسرے مسئلہ کی صورت میں (جب کہ نابالغ کا مکان وغیرہ اس کے وصی نے کرایہ پر دیا ہو) تو اس قاصر (یا معذور) کو اختیار ہوگا کہ اس شرط کے تحت جس کا ذکر پہلے مسئلہ میں کیا گیا ہے، عقد اجارہ کو فسخ کر دے۔ وہ شرط یہ ہے کہ وصی نے (نابالغ کے مملوکہ) گھر یا کوئی مال کرایہ پر دیا اور گمان غالب یہ تھا کہ میعاد اجارہ کے اندر ہی وہ بالغ ہو جائے گا یا اس کی بابت خالی الذہن رہا ہو، لیکن اگر کرایہ پر دینے کے وقت وصی کا گمان غالب یہ تھا کہ وہ نابالغ (یا معذور) میعاد کرایہ داری کے اندر بالغ نہ ہوگا تو ایسی صورت میں اس نابالغ کو یہ حق نہیں ہے کہ بالغ اور سمجھدار ہونے پر (اپنے وصی کے کیے ہوئے) عقد اجارہ کو فسخ کر دے خواہ بقول معتمد میعاد اجارہ داری تھوڑی رہ گئی ہو یا بہت۔ دونوں مسئلوں میں یہی فرق ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے کہ فسخ کا اختیار اسی حالت میں ہے جب کہ کرایہ داری کی میعاد بہت باقی ہو، تھوڑی سی میعاد نہ رہ گئی ہو۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس بارے میں قابل اعتماد پہلی ہی بات ہے، کیوں کہ وصی کو مال میں تصرف کا حق اس وقت تک ہے جب تک کہ بچہ معاملہ کرنے کے قابل نہیں ہے اور کرایہ داری کی جو میعاد وصی نے مقرر کی ہے اس کے اندر اس کے بالغ ہو جانے پر اجارہ کی تنسیخ کر دے۔ بجز اس صورت کے جب کہ میعاد

Marfat.com

کرایہ داری کے دوران اس کے بالغ ہوجانے کا گمان تھا اور اس عرصہ سے زیادہ مدت کے لیے جس کے اندر اس کے بالغ ہوجانے کا گمان ہو کرایہ پر دے دیا گیا۔

واضح ہو کہ اگر لڑکا بالغ ہونے پر بھی ناسمجھ ہی رہے تو اسے اس عقد اجارہ کو توڑنے کا حق نہیں ہے خواہ اس کی میعاد زیادہ باقی رہ گئی ہو یا کم۔

کرایہ پر دی ہوئی شے کے بارے میں اگر مالک (موجر) یہ اقرار کرے کہ اس میں دوسرے کا حق ہے تو اس کے اس کہنے سے اجارہ فسخ نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کوئی مکان کسی کو کرایہ پر دے دیا یا پھر یہ انکشاف کیا کہ یہ مکان کسی اور کے ہاتھ فروخت کر چکا ہے یا کسی کو پہلے ہی کرایہ پر دے چکا ہے، لیکن اس کرایہ دار نے اس کی اس بات کو تسلیم نہ کیا اور اس بارے میں کوئی شہادت بھی نہ تھی تو یہ کرایہ داری برقرار رہے گی اور اسے اختیار نہ ہوگا کہ اسے فسخ کر دے۔ لیکن جیسا کہ اس نے اقرار کیا اس پر عمل ہوگا۔ چنانچہ اگر مالک (موجر) کا کہنا یہ ہے کہ فلاں شے کو کرایہ پر دینے سے پہلے اسے زید کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا تو خریدار کو یہ اختیار ہوگا کہ اس بیع کو منسوخ کر دے جس کا انکشاف کرایہ پر دینے والے نے اب کیا ہے اور جتنے میں فروخت کرنے کا اس نے اقرار کیا ہے اتنی ہی رقم اس سے واپس لے لے اگرچہ وہ رقم مکان کی مالیت سے زیادہ ہو۔ یا چاہے تو وہ قیمت وصول کرے جو بیع والے دن اس شے کی تھی اگرچہ (ادا کردہ) دام سے زیادہ ہو۔ اور یہ اختیار اسے اس لیے ہے کہ کرایہ دار فروخت شدہ شے (یعنی مکان) اور اس شخص کے درمیان جس کے ہاتھ فروخت کرنے کا مالک نے اقرار کیا، حائل ہے اور اس حال میں عقد اجارہ کو بھی فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ اور (اس خریدار کو جس طرح بیع کے فسخ کرنے کا اختیار ہے) اسے بیع کے فسخ نہ کرنے کا بھی اختیار ہے۔ اگر بیع فسخ نہ کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے کہ یا تو وہ کرایہ لے لے جو مالک نے اس سے پہلے طے کیا تھا یا پھر اجرت مثل (یعنی مناسب کرایہ) وصول کر لے اور میعاد کرایہ ختم ہو جانے کے بعد کرایہ پر لی ہوئی شے بیع کا اقرار کرنے والے مالک سے حاصل کر لے بشرطیکہ وہ تلف نہ ہوئی ہو؛ اگر تلف ہو گئی ہے تو اس کی قیمت وصول کرے۔ اگر اس کا کہنا یہ ہے کہ اس نے کرایہ پر دینے سے پہلے اس شے کو فروخت کر دیا تھا لیکن اس کا انکشاف میعاد کرایہ داری گزرنے کے بعد کیا تو جس کے ہاتھ فروخت کرنے کا اقرار کیا ہے اسے حق ہے کہ چاہے تو وہ کرایہ وصول کر لے جس کرایہ پر اسے دیا تھا یا اجرت مثل (یعنی مناسب کرایہ) وصول کرے۔ اور پھر اصل شے اگر موجود ہو تو وہ شے ورنہ اس کی قیمت وصول کرے اگر اس نے یہ اقرار کیا کہ وہ شے (جو کرایہ پر دی گئی ہے) کسی کو ہبہ کر رکھی ہے تو جتنے کرایہ پر دیا ہے اس کا بیشتر حصہ یا اجرت مثل اس کا حق ہے جس کے بارے میں اس نے ہبہ کا اقرار کیا پھر جب میعاد کرایہ داری ختم ہو جائے اس شے کا قبضہ حاصل کرے۔ اگر وہ شے تلف ہو چکی ہے تو اس کی قیمت وصول کر لے۔

اگر یہ اقرار کیا کہ دوسرے شخص کو کرایہ پر دینے سے پہلے وہ کسی اور کو کرایہ پر دے چکا ہے تو جس کے حق میں اقرار کیا ہے اسے کرایہ کے بیشتر حصہ یا اجر مثل (مناسب کرایہ) وصول کرنے کا حق ہے۔

واضح ہو کہ اگر کوئی کرایہ دار گناہ کے کاموں مثلاً زنا کاری یا شراب نوشی میں مبتلا ہو جائے تو عقد اجارہ اس سے فسخ

نہ ہوگا، البتہ اس شخص کو ان بری باتوں سے روکا جائے گا۔ باز آ جائے تو خیر ورنہ اس کے خلاف حاکم کے پاس چارہ جوئی کی جائے درآنحالیکہ اس کی بدچلنی کے باعث اس گھر کو یا پڑوسیوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ حاکم کو چاہیئے کہ وہ مکان بشرط ممکن اسی کرایہ پر اور اتنے ہی عرصہ کے لیے کسی اور کو دے دے۔ اگر کوئی کرایہ دار نہ ملے تو اس شخص کو وہاں سے نکال دیا جائے اور جتنے عرصہ وہ مکان خالی رہے اس کا کرایہ اس شخص سے وصول کیا جائے۔ اگر کوئی ایسا ناسمجھ ہو کہ اس کی ناسمجھی کے باعث اس کے ولی نے اس کے مملوکہ مکان یا اراضی وغیرہ کو کرایہ پر دے دیا یا خود اس کو مزدوری پر لگا رکھا ہو، اور اب اس میں سمجھ اور سلیقہ آ گیا ہے تو اول الذکر صورت میں اس کو سمجھ آ جانے پر یہ حق نہیں ہے۔ کہ اس عقد اجارہ کو فسخ کر دے۔ خواہ کرایہ داری کی میعاد بہت باقی ہو یا تھوڑی، کیوں کہ اس کے ولی نے اس کے بارے میں جو تصرف کیا ہے اس کا اسے حق حاصل تھا، خواہ (بوقت اجارہ) اسے یہ گمان رہا ہو کہ بدوران میعاد کرایہ داری اس میں سمجھ آ جائے گی یا نہ رہا ہو، اس سے قطع نظر کیا جائے گا۔

اگر ثانی الذکر صورت ہو یعنی خود اس ناسمجھ ہی کو کسی اجرت کے کام پر ولی نے لگا دیا ہو اور اس کام پر لگانے کی یہ غرض ہو کہ کسی ہنر وغیرہ کے کام پر لگ کر روزی کمائے تو ایسی صورت میں (بالغ یا سمجھ دار ہونے پر) اسے تنسیخ اجارہ کا اختیار نہ ہوگا۔ ہاں اگر ایسے کام پر لگایا جس کی غرض روزی کمانا نہیں ہے تو اسے عقد اجارہ کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا کیوں کہ ولی کو نابالغ کی ذات پر کسی قسم کا تسلط نہیں ہے بلکہ صرف اس کے مال میں تصرف کا اختیار ہوتا ہے، لہٰذا اگر اس ناسمجھ (نابالغ) نے خود ہی اپنے آپ کو کسی مزدوری کے کام پر لگا لیا تو ولی کو اس پر اعتراض کا اختیار نہیں ہے سوا اس صورت کے جب کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہو (یا اس نے غلطی سے وہ کام اختیار کر لیا ہو)۔ اسی طرح ناسمجھ نابالغ کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ بالغ ہونے کے بعد اس عقد اجارہ کو منسوخ کر دے جب کہ اس نے خود ہی مزدوری پر کام کرنے کا معاملہ طے کیا ہو کیوں کہ اپنی ذات کے بارے میں کسی ناسمجھ کا کوئی عقد اجارہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سمجھ دار کرے کیوں کہ وہ اپنی ذات کو جس طرح چاہے استعمال کرے۔

آٹھویں صورت فسخ اجارہ کی یہ ہے کہ ایک شخص جو خود مال وقف کا حق دار ہے اپنی زندگی میں اس مال وقف کو کرایہ پر چڑھا دے اور میعاد کرایہ داری گزر جانے سے پہلے اس عقد اجارہ کو منسوخ کرنا چاہیئے تو کر سکتا ہے۔ لیکن اگر مال مملوکہ کرایہ پر دیا گیا اور اس مال کا مالک اور کرایہ دار دونوں یا ان میں سے کوئی ایک وفات پا جائے تو عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا، بلکہ ان کے ورثا اس منفعت کی تکمیل کے بارے میں ان کے قائم مقام متصور ہوں گے۔ ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ مالک کو کسی شے کا فائدہ اپنی زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی کسی اور کو منتقل کر دینے کا اختیار ہے، چنانچہ مکان وغیرہ کے مالک کو یہ حق ہے کہ کسی شے سے استفادہ کا حق اپنی وفات کے بعد کسی اور کو دے جائے۔ لیکن وہ شے جو کسی شخص کے لیے وقف ہے اسے صرف اپنی زندگی میں اس پر تصرف کا حق ہے، وفات کے بعد کے لیے حق نہیں ہے، لہٰذا اس کی وفات کے بعد اس کا کیا ہوا عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا اور یہ حق خواہ اس کے لڑکے کو منتقل ہو جائے یا اس کو منتقل ہو جو اسی طبقہ سے ہو یا اس

Marfat.com

کے اقربا میں سے کسی کو، اور خواہ میعاد کرایہ داری کی مدت بہت باقی ہو یا تھوڑی باقی ہو، اور خواہ اس وقف کا حق دار کرایہ پر دینے والا مہتمم ہو یا مہتمم نہ ہو۔ پس اگر وقف کا مہتمم ایسا شخص ہو جس کا کوئی حق وقف شدہ املاک میں نہیں ہے تو اس کی موت سے عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا۔

اگر کسی مکان کا مالک بدچلن ہو جس (کے کردار) کا مضر اثر پڑوسیوں پر پڑتا ہو اس کا حکم بھی بدچلن کرایہ دار ہی کا سا ہے کہ اس کے گھر کو حکماً اس کی مرضی کے خلاف کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے گا یا اسے وہاں سے نکال کر کسی کو کرایہ پر دے دیا جائے گا۔

اگر ایک شخص نے ایسا مکان کرایہ پر لیا یا خرید کیا جس کے پڑوسی خراب لوگ ہوں تو یہ اس مکان کا عیب شمار کیا جائے گا اور (اس عیب کی بنا پر) اسے واپس کیا جا سکتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عقد اجارہ حسب ذیل چند باتوں سے فسخ ہو جاتا ہے: ایک یہ کہ کرایہ پر لی ہوئی چیز تلف ہو جائے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے ایک مکان کرایہ پر لیا اور بدوران مدت کرایہ داری منہدم ہو گیا تو باقی عرصہ کے لیے کرایہ داری فسخ ہو جائے گی اور جتنا عرصہ پہلے گزرا ہے اس کا کرایہ اجرت مثل کے حساب سے جو حصہ بنتا ہے، ادا کیا جائے گا۔ یہ نہ دیکھا جائے گا کہ اس کا کرایہ کس قدر طے ہوا تھا۔ چنانچہ اگر کوئی دکان تیس اشرفی سالانہ کرایہ پر لی حالانکہ اس جیسی دکان نوے اشرفی سالانہ کرایہ کی ہے۔ اب اگر وہ دکان چھ ماہ کے بعد گر پڑی اور باقی مدت کا کرایہ بہ سبب گاہکوں کی کثرت کے دگنا ہو گیا یعنی ساٹھ اشرفی سالانہ اور پہلے اس کا کرایہ تیس اشرفی سالانہ تھا تو کرایہ دار کو لازم ہے کہ پوری دکان کے سالانہ کرایہ (یعنی نوے اشرفی) کا ایک تہائی یعنی تیس اشرفی ادا کرے۔ اور اگر اس دکان کا طے شدہ کرایہ اس کے پورے سال کے کرایہ کے برابر ہو تو کرایہ دار کو گزشتہ ایام (یعنی منہدم ہونے سے پہلے) کا کرایہ ادا کرنا لازم ہے۔

اگر کسی شخص نے (کوئی جانور) کرایہ پر لیا اور جو سامان اس پر لادا گیا وہ تلف ہو گیا تو مالک کو کوئی کرایہ نہ ملے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ ایک کشتی کرایہ پر لی اور اس کا سامان گر کر ڈوب گیا لیکن کشتی بچ رہی۔

واضح ہو کہ فسخ اجارہ کی چند شرائط ہیں:

ایک یہ کہ کرایہ کی چیز ہلاک ہو جائے جیسا کہ آغاز کلام میں بتایا گیا۔ لیکن اگر اس میں کوئی عیب لاحق ہو گیا جیسے کرایہ کے جانور میں لنگ پیدا ہو جائے جس کے باعث اس کی افادی حیثیت کم ہو جائے تو کرایہ دار کو اس صورت میں خیار عیب (یعنی عیب کے باعث اسے لوٹا دینے یا اس کی تلافی کرانے کا اختیار ہے) لیکن اس سے عقد اجارہ منسوخ نہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ کہ کرایہ کی چیز بالکل ہی ضائع ہو جائے کہ اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ رہے (تو عقد اجارہ منسوخ ہو جائے گا) لیکن اگر اس کا کچھ حصہ ضائع ہوا ہے کہ باقی ماندہ حصہ سے اب بھی فائدہ اٹھایا جانا ممکن ہو، جیسے کرایہ کے مکان کا کچھ حصہ گر جائے لیکن کچھ حصہ جو بچ رہا ہے اس میں رہائش کی جا سکتی ہے تو کرایہ داری فسخ نہ ہوگی، البتہ کرایہ دار کو ایسی صورت میں اختیار ہوگا کہ چاہے تو اس میں رہے یا چلا جائے۔

Marfat.com

تیسری شرط یہ کہ جس کام کے لیے عقد اجارہ کیا گیا ہے اس کی ذمہ داری لی گئی ہو۔ پس اگر کسی نے ایک اونٹ (بلا تعیین) کرایہ پر لیا تا کہ اپنا انبار غلہ لاد کر دوسری جگہ لے جائے اور مالک نے ایک اونٹ لا کر دے دیا لیکن وہ لنگڑا ہو گیا یا اسے کوئی ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ بار برداری کے کام میں کمی ہو گئی یا وہ جانور مر گیا تو مالک پر لازم ہے کہ وہ کوئی اور اونٹ لا کر دے، کیوں کہ مالک نے بلا تعیین ایک اونٹ مہیا کرنے کی ذمہ داری لی ہے، خواہ کوئی سا اونٹ ہو، کیوں کہ اجارہ کی غرض منفعت (یعنی انبار کا لادنا) تھی۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ کسی معین شے کو کرایہ پر لیا، اس صورت میں وہ عقد اجارہ اس خاص شے کی منفعت کے لیے ہوگا۔ لہٰذا اگر وہ شے ہلاک (یا تلف) ہو جائے تو عقد منسوخ ہو جائے گا۔ اگر کرایہ والی چیز میں کوئی عیب لاحق ہو گیا تو کرایہ دار کو خیار عیب کا حق ہوگا، اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ کوئی سامان کرایہ پر لینا ایسا ہی ہے جیسے مکان کرایہ پر لینا کہ اس میں کام (انجام پانے) کی ذمہ داری نہیں ہوتی بلکہ اس شے کا تعین لازمی ہے (جو کرایہ پر لی گئی)۔

فسخ اجارہ کا دوسرا موجب کرایہ کی چیز کا کرایہ دار سے روک لینا ہے۔ چنانچہ اگر کرایہ دار کے لیے اس شے سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ رہے تو کرایہ داری ختم ہو جائے گی اگرچہ مالک ہی نے اسے روک لیا ہو، خواہ کرایہ وصول کرنے ہی کے لیے ایسا کیا ہو (تو کرایہ داری منسوخ ہو جائے گی) تا آنکہ از سر نو عقد اجارہ نہ کیا جائے (تجدید عقد اجارہ سے کرایہ داری بحال ہو جائے گی) کیوں کہ کرایہ پر لینا آئندہ کے نفع کے پیش نظر ہوتا ہے جو مستقبل میں پایا جاتا ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔

تیسرا امر موجب تنسیخ یہ ہے کہ کرایہ کی چیز میں کوئی عیب لاحق ہو جائے، ایسی صورت میں کرایہ دار کو حق تنسیخ حاصل ہوگا۔

کسی عارضی معذوری کے لاحق ہو جانے سے کرایہ داری فسخ نہیں ہوتی۔ مثلاً کوئی حمام (گرمابہ) کرایہ پر لیا گیا لیکن ٹھنڈا ہو جانے کے باعث اسے استعمال نہ کیا جا سکا، یا کوئی مکان کرایہ پر لیا اور پھر کسی دوسرے شہر کے سفر کا ارادہ کر لیا۔ یا کوئی جانور سفر میں لے جانے کے لیے کرایہ پر لیا پھر وہ ارادہ ترک کر دیا تو ان امور سے عقد اجارہ فسخ نہیں ہوتا اور نہ کرایہ دار کو اس کے منسوخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ کسی نے اپنا مکان کرایہ پر دے دیا اور پھر اس کے اہل و عیال سفر سے واپس آ گئے اور ضرورت اس کی متقاضی ہوئی کہ وہ اس میں آ کر رہیں تو اس سے عقد اجارہ منسوخ نہ ہوگا۔

اگر کوئی اراضی زرعی کرایہ پر لی اور اس میں کھیتی کی پھر کسی آفت ناگہانی مثلاً حد سے زیادہ تپش یا ٹھنڈک سے یا ٹڈی دل کے آ جانے یا بیماری لگ جانے سے یا کیڑے پیدا ہو جانے سے وہ کھیتی تلف ہو جائے تو کرایہ دار کو عقد اجارہ کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے اور نہ کرایہ میں سے کچھ کم کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ نازل ہونے والی آفت کرایہ پر لی جانے والی شے کی (صلاحیت) نفع پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس کا اثر بوئی ہوئی چیز پر ہوتا ہے اور اس سے مالک اراضی متاثر نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس اگر اراضی غرقاب ہو جائے تو اس کی منفعت اس حالت میں ختم ہو جاتی ہے لہٰذا عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

اسی طرح فریقین اجارہ یا کسی ایک کی موت سے بھی کرایہ داری ختم نہ ہوگی بلکہ میعاد کرایہ داری کے ختم ہونے تک جاری رہے گی اور فریقین کے ورثا عقد اجارہ کرنے والوں کے قائم مقام متصور ہوں گے۔

اسی طرح ادارۂ وقف کے مہتمم کی موت سے بھی (اس کا کیا ہوا) عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا۔ پس اگر ناظم وقف نے املاک موقوفہ کو ایک خاص عرصہ کے لیے کرایہ پر دے دیا اور اس اثنا میں اس کی وفات ہوگئی تو اجارہ فسخ نہ ہوگا بجز اس صورت کے جب کہ وقف کے حقدار نے جو اس کا ناظم بھی ہو اپنے حصہ وقف کو کرایہ پر دیا ہو اور پھر وفات پا گیا اور وقف شدہ املاک اس کے بعد ایسے حق دار کو منتقل ہوگئی جس کے سپرد اس وقف کا انتظام بھی ہو تو ان حالات میں بقول صحیح عقد اجارہ سابقہ منسوخ ہو جائے گا۔ لیکن یہ شرط ہے کہ اس وقف کا انتظام اس کی زندگی تک کے لیے اس کے سپرد رہا ہو۔ لیکن اگر اس کا انتظام مطلقاً اس کے سپرد ہو اور دوران حیات کی قید نہ ہو یا تمام املاک وقف کا انتظام اس کے سپرد ہو یا وقف کے مہتمم کو اس وقف میں کوئی حق نہ ہو تو ایسے شخص کا کیا ہوا عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نابالغ کے ولی نے اس نابالغ کو کسی کے پاس اجرت پر لگا رکھا ہو تو اس لڑکے کے بالغ ہونے پر بقول صحیح وہ عقد اجارہ منسوخ نہ ہوگا درآنحالیکہ اسے اتنے عرصہ کے لیے لگایا گیا ہو جس کے دوران وہ بالغ ہونے کی عمر کو نہ پہنچا ہو، بلکہ احتلام ہو جانے سے (یعنی مادۂ تولید کے خواب میں خارج ہو جانے سے) بالغ قرار پایا ہو۔ لیکن اگر اسے اتنے عرصہ کے لیے اجرت پر لگایا گیا ہو جتنے عرصہ میں وہ (متوقع طور پر) سن بلوغ کو پہنچ گیا تو اس کے پندرہ سال سے زیادہ عمر ہونے پر عقد اجارہ فسخ ہو سکتا ہے، اس سے کم عرصہ میں بحال رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ (ولی کا کیا ہوا عقد اجارہ) باطل ہو سکتا ہے بالغ ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی تا آنکہ معاملہ متفرق نہ ہو۔ اس مسئلہ میں پہلی بات ہی سب سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر کرایہ پر چڑھی ہوئی اراضی زرعی کو پانی نہیں پہنچا تو عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا، البتہ اگر پانی وہاں تک نہ لے جایا جا سکے تو عقد اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔

اگر ایسی زمین کرایہ پر لی گئی جو پانی میں ڈوبی ہوئی ہے، پھر اس زمین کے کچھ حصہ سے پانی اتر گیا اور کسی قدر زمین نکل آئی تو صرف اس قطعہ اراضی کی کرایہ داری ختم ہو جائے گی جہاں پانی کھڑا ہے تاہم کرایہ دار کو اس حصہ اراضی کا اجارہ فوری طور پر فسخ کرنے کا اختیار ہے جہاں سے پانی اتر گیا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اجارہ ایک لازم النفاذ معاہدہ ہے جو حسب ذیل حالات کے سوا فسخ نہیں ہوتا:

منجملہ ان کے خیار مجلس اور خیار شرط ہے جن کی تفصیل ''خیار'' کے باب میں بتائی جا چکی ہے۔

موجبات فسخ اجارہ میں ایک امر یہ ہے کہ کرایہ دار کو کرایہ والی شے میں کوئی ایسا عیب معلوم ہو جس کا علم اسے پہلے سے نہیں تھا اور یا یہ کہ وہ عیب بعد میں پیدا ہو گیا ہو بشرطیکہ وہ عیب ایسا ہو جس سے اس شے کی متوقع منفعت اتنی کم ہو جائے کہ اس کی اجرت میں نمایاں فرق کا موجب ہو جائے۔ ایسی حالت میں عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا سوا اس کے کہ وہ عیب

Marfat.com

معمولی سا ہو کہ اس کا دور ہو جانا ممکن ہے، مثلاً وقتی طور پر جانور میں لنگ آ جائے جس سے کرایہ دار کو کوئی نقصان نہ پہنچے (عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا)۔

ایسے عیوب (یا نقائص) جن سے کرایہ کی چیز کا متوقع نفع کم ہو جائے مثلاً یہ کہ کرایہ کا جانور سرکش ہو یا ایسا لنگڑا ہو کہ (قافلہ کا ساتھ نہ دے سکے) اور قافلہ کے پیچھے رہ جائے یا اس پر سوار ہونا دشوار ہو۔ یا کرایہ کا مکان ایسا ہو جس کی بنیاد کھوکھلی ہو چکی ہے اور اس کے گر پڑنے کا اندیشہ ہے، یا اس کی دیواریں شکستہ ہوں۔ یا کوئی کنواں ہے جس کا پانی خشک ہو گیا یا گدلا ہو گیا کہ پینے یا وضو کرنے کے قابل نہیں، ایسی صورتوں میں عقد اجارہ کے فسخ کر دینے کا حق ہے۔ لیکن اگر کرایہ دار اسی حالت پر راضی ہو اور عقد اجارہ کو فسخ کرنا نہ چاہے تو پورا کرایہ طے شدہ ادا کرنا لازم ہے۔ اگر عیب کے بارے میں فریقین کے درمیان اختلاف ہو؛ کرایہ دار کہے کہ اس عیب کے باعث اسے فسخ اجارہ کا حق ہے اور کرایہ پر دینے والا کہے کہ ایسا نہیں ہے تو اس بارے میں ماہرین سے دریافت کیا جائے گا اور جو فیصلہ وہ کر دیں اس کے مطابق عمل ہوگا۔ اس بارے میں صرف دو ماہرین (واقف کاروں) کی رائے کافی ہے۔

ایک امر فسخ اجارہ کا موجب یہ ہے کہ کرایہ پر دی ہوئی چیز کرایہ دار کو دینے سے پہلے مالک اپنے استعمال میں لے آئے یا روک رکھے یہاں تک کہ میعاد کرایہ داری ختم ہو جائے تو عقد اجارہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر کرایہ دار کو سپرد کرنے کے بعد کرایہ کی چیز میں تصرف کیا، مثلاً ایک مکان زید کو کرایہ پر دے دیا اور زید نے اس میں رہائش کر لی اس کے بعد عمر کو کرایہ پر دے دیا تو اس تصرف سے عقد اجارہ فسخ نہ ہوگا اور کرایہ دار اس تمام کرایہ کا حق دار ہوگا (جو دوسرے کرایہ دار سے وصول ہوا)۔

اگر پورا مکان کرایہ پر دینے کے بعد اس مکان کے کچھ حصہ میں مالک نے اپنی رہائش رکھی تو اس حصہ کی اجرت مثل (یعنی مناسب کرایہ) ادا کرے گا۔

اگر مالک نے کسی شے کو ایک مقررہ عرصہ کے لیے اجرت پر دیا اور نصف میعاد گزر جانے تک اسے کرایہ دار کے سپرد نہ کیا اور اس کے بعد کیا تو صرف اس عرصہ کا اجارہ فسخ ہوگا جس میں اس نے سپرد نہیں کیا تھا۔ اور کرایہ دار پر لازم ہے کہ باقی عرصہ کی اجرت اسی حساب سے چکا دے جو فریقین میں طے پائی تھی۔ لیکن اگر کرایہ دار اس گھر میں اس مدت کے بعد بھی ٹھہرا اور مالک باقی عرصہ اس میں رہنے سے مانع آیا تو پچھلے عرصہ کے کرایہ کا حق دار بھی نہ رہے گا۔

اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی کو کنواں کھودنے کے لیے مزدوری پر لگایا اور ابھی صرف دس ہاتھ کنواں کھدا تھا کہ اس نے کام چھوڑ دیا تو اسے اجرت کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، کیوں کہ اس نے وہ کام جس کے لیے اسے مزدوری پر لگایا تھا، کر کے نہیں دیا۔

منجملہ موجبات فسخ اجارہ کے کرایہ کی شے کا تلف ہو جانا ہے کہ اس حالت میں عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا خواہ وہ شے کرایہ دار کے قبضہ میں آنے سے پہلے تلف ہوئی ہو یا بعد میں۔ اس کی کوئی اجرت (یا کرایہ) واجب الادا نہیں ہے۔ اگر وہ

Marfat.com

شے میعاد کرایہ داری کے دوران تلف ہوتو بقیہ عرصہ کی کرایہ داری فسخ ہو جائے گی اور طے شدہ کرایہ کے حساب سے پچھلے عرصہ کا کرایہ ادا کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر کوئی مکان کرایہ پر لیا اور میعاد (کرایہ داری) کے اندر وہ مکان منہدم ہو گیا تو باقی عرصہ کا عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی زمین زراعت کے لیے کرایہ پر لی اور بجائی کر دی اور کھیتی دریا برد ہو گئی (یا ڈوب گئی) یا کوئی ناگہانی آفت نازل ہوئی کہ سرے سے کچھ پیداوار نہ ہوئی تو نہ اجارہ فسخ ہوگا اور نہ مالک پر لازم ہے کہ کرایہ میں کچھ کمی کر دے۔

فریقین معاملہ یا دونوں میں سے کسی ایک کی موت سے اجارہ فسخ نہ ہوگا البتہ اگر کرایہ پر دینے والا وہ شخص ہے جس کے حق میں کوئی شے وقف ہے اور اس نے وہ شے کسی اور کو کرایہ پر دے دی درآنحالیکہ وہ شے صرف اسی کے لیے وقف تھی اور وقف کرنے والے نے کسی کو وقف کا ناظم نہیں بنایا تھا تو اس صورت میں اس شخص کی وفات سے عقد اجارہ ختم ہو جائے گا۔

نیز عقد اجارہ کسی معذوری کے پیش آجانے سے بھی فسخ نہیں ہوتا، مثلاً کوئی دکان کسی مال کی تجارت کا کاروبار چلانے کے لیے کرایہ پر لی، لیکن اس مال میں آگ لگ گئی تو کرایہ داری فسخ نہ ہوگی۔

اگر کرایہ کی چیز پر کوئی شخص ناجائز قبضہ کر لے تو کرایہ دار کو اختیار ہوگا کہ اس عقد اجارہ کو فسخ کر دے۔ چنانچہ اگر ایک مربع اراضی زراعت کے لیے کرایہ پر لی گئی اور اس پر کسی شخص نے ناجائز قبضہ جما لیا تو مالک پر لازم ہے کہ اگر وہ زمین متعین نہ تھی تو اس کی بجائے کوئی اور قطعہ اراضی کرایہ دار کو دے دے۔ اگر وہ یہ نہ کر سکتا ہو تو کرایہ دار کو اختیار ہوگا کہ اس عقد اجارہ کو منسوخ کر دے یا غصب شدہ املاک کی واگزاری کا انتظار کرے۔ (اگر میعاد کرایہ داری ایک خاص عرصہ کے لیے تھی تو اس میعاد کے ختم ہونے پر عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ لیکن اگر متعین اراضی ایک خاص عرصہ کے لیے ہو تو کرایہ دار کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس معاہدہ کو فسخ کر دے یا غصب شدہ املاک کی واگزاری کا انتظار کرے۔ اگر کرایہ داری فسخ کر دی گئی تو غصب کرنے والا اس کرایہ کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا اور کرایہ دار کو فسخ اجارہ کا اختیار ہوگا خواہ مدت اجارہ داری گزر گئی ہو۔ لیکن فسخ اجارہ سے پہلے کے عرصہ کا کرایہ طے شدہ حساب سے ادا کرنا ہوگا۔

Marfat.com

وکیل بنانے کا بیان

وکالت کی تعریف

لفظ وکالت بکسر وائو وبفتح (دونوں طرح سے آیا ہے)؛ اس کے معنے حفظ، کفایت اور ضمان (یعنی محافظت، قائم مقامی اور ذمہ داری) کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا وکیل ہے (یعنی اس کا محافظ، اس کی بجائے یا اس کا ذمہ دار ہے)۔ اصطلاح فقہ میں اس کے معنے تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ وکالت یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا حق استعمال کرنے کے بارے میں اپنا نائب یا قائم مقام بنائے اور اس میں اس دوسرے شخص کا حق تصرف اس شخص کے تصرف کے برابر ہو۔ لیکن یہ قائم مقامی ایسے امور کی بابت نہ ہو جن کا تعلق اس کی وفات کے بعد سے ہے۔ اس قید سے وصیت کا مفہوم خارج ہو گیا کیوں کہ وصیت یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو اپنی موت کے بعد والے معاملات میں اپنا نائب بنائے لہٰذا وصیت کو وکالت نہیں کہا جا سکتا ۔ رہا یہ سوال کہ اگر مسلمانوں کا سربراہ (یا حکمران) کسی شخص کو اپنی بجائے والی یا قاضی یا نماز کا امام مقرر کرے تو اسے بھی وکالت کہا جائے گا۔ یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے اور مشہور یہ ہے کہ اسے وکیل نہیں کہا جائے گا۔ اس کے لئے تعریف میں کچھ الفاظ کا اضافہ کرنا ضروری ہے تا کہ اس طرح کی نیابت وکالت کے مفہوم سے خارج ہو جائے۔ لہٰذا یوں کہا جائے (کہ وکالت یہ ہے کہ) ''ایک شخص جو مسلمانوں کا سربراہ (یا حکمران) نہ ہو کسی دوسرے شخص کو اپنا حق استعمال کرنے کے بارے میں ..... وغیرہ'' لیکن اگر (سربراہ) کی نیابت کو بھی وکالت کہا جائے تو اس قید کے اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ وکالت یہ ہے کہ ایک شخص جسے کوئی خاص (مقررہ) اور جائز کام انجام دینے کا اختیار ہے اس کی انجام دہی کے لئے کسی اور کو اپنی بجائے مقرر کرے ایسے شخص کو مؤکل (بکسر کاف) کہتے ہیں۔ اور تعریف میں لفظ جائز کام جو آیا ہے اس سے یہ صورت نکل گئی کہ کوئی نابالغ شخص کسی کو اپنا مال ہبہ کرنے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے وکیل بنائے تو اس نابالغ کا یہ تصرف (یعنی وکیل بنانا) ناجائز ہوگا، کیوں کہ باب حجر (یعنی اسباب نااہلیت معاملہ) کے تحت بتایا گیا ہے کہ نابالغ (یا نااہل معاملہ کا) ایسے معاملات کرنا جو اس کے لئے نقصان دہ ہوں ممنوع ہے۔ خواہ معاملہ قولی ہو یا فعلی (یعنی اس کام کا تعلق کہنے سے ہو یا کرنے سے)۔ اور اس تعریف میں لفظ خاص (یا مقررہ) کی قید سے ایسا کام خارج ہو گیا جس کا علم وکیل کو نہ ہو۔ مثلاً یوں کہنا کہ میں آپ کو اپنے مالی معاملات میں وکیل بناتا ہوں یا آپ میرے تمام امور میں وکیل ہیں۔ ان الفاظ کے استعمال سے وکیل کو ان امور میں دخل حاصل نہ ہوگا جن میں تصرف کا حق مؤکل کو ہے، تاہم اس کی حفاظت کا حق اسے حاصل ہوگا۔ اور تعریف وکالت میں یہ جو کہا گیا ہے کہ جو مؤکل جس خاص کام کے لئے وکیل بنائے اس کے انجام دینے کا اسے اختیار ہو اس قید سے وہ صورت نکل گئی جب کہ مؤکل (بکسر کاف) کسی ایسی شے پر تصرف کے لئے وکیل بنائے جس پر اسے خود تصرف کا حق نہیں ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

وکالت کے جائز ہونے کے ثبوت اور

اس کے ارکان (لازمی عناصر)

وکالت اس مفہوم کے اعتبار سے جس کا ذکر اوپر آیا ہے، ایک جائز امر ہے اور اس کا جواز مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے۔ کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اس کے جائز ہونے کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کیا گیا ہے: **فابعثوا احدکم بورقکم** (پس بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر اپنا) وکیل بنانا یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس امر کو برقرار رکھا ہے کیوں کہ اس کے خلاف کوئی حکم نہیں آیا ہم سے پہلے کی شریعت کے احکام بھی اگر اس کی تنسیخ ہماری شریعت میں نہ ہو تو ہمارے لیے شرعی حکم ہے۔ نیز عمل وکالت کے جائز ہونے کی دلیل آنحضرت ﷺ کے اس عمل سے بھی ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے قربانی (کا جانور) خریدنے کے لیے حکم بن حزام کو وکیل بنایا۔ اگر چہ اس حدیث کی سند مجہول (یا نا معلوم) ہے اس کو ترمذی نے حبیب بن ثابت سے اور انھوں نے حکیم سے روایت کیا ہے لیکن حبیب نے اس کو حکیم سے نہیں سنا۔ تاہم چونکہ حبیب قابل اعتماد راویوں میں سے ہیں، اگر

فرماتے ہیں کہ مسلمان کسی ذمی (یعنی اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) کو شراب اور سور کی خرید و فروخت کے لئے وکیل بنا سکتا ہے اور حالت احرام میں ایک شخص شکار کے لئے ایسے شخص کو وکیل بنا سکتا ہے جو حالت احرام میں نہیں ہے حالانکہ مسلمان کے لئے شراب اور سور کی تجارت ممنوع ہے اور اس میں تصرف کا حق اسے حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح ایام حج کے اندر جو شخص حالت احرام میں ہو اسے شکار کرنا ممنوع ہے، پس تعریف (وکالت) کے اندر یہ قید جو لگائی گئی ہے کہ مؤکل وہ ہو سکتا ہے جو مالک تصرف ہو۔ یہ درست نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ (یہاں پر) مالک تصرف ہونے سے مراد یہ ہے کہ مؤکل کے بارے میں عارضی اسباب (منع تصرف) کو نظر انداز کیا جائے گا یعنی وہ شخص فی الاصل تصرف کا مالک ہو گو عارضی طور پر اسے حق تصرف سے منع کر دیا گیا ہو۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ ہر شے دراصل روا ہوتی ہے چنانچہ اگر صاحب تشریح نے شراب اور سور کی تجارت سے منع نہ کیا ہوتا تو اس کی ممانعت نہ ہوتی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ وکالت یہ ہے کہ ایک شخص اپنا کام کسی اور کے سپرد کر دے تا کہ وہ اس کی زندگی میں اسے انجام دے لیکن وہ کام ایسا ہو جسے انجام دینے کا اسے حق ہو اور دوسرے کے سپرد بھی کیا جا سکے۔ اس تعریف میں اپنا کام کسی دوسرے کے سپرد کر دینا وغیرہ جو کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤکل (بکسر کاف) یا وکیل بنانے والا ایسا کام دوسرے کو انجام دینے کے لئے کہے جسے انجام دینے کا خود اسے حق حاصل ہے۔ اس کام کو "**موکل فیہ**" (یعنی امر مفوضہ) کہا جاتا ہے جو اس غرض سے سپرد کیا جاتا ہے کہ وکیل اس کو مؤکل کی زندگی میں اسی طرح انجام دے کہ گویا خود مؤکل نے انجام دیا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وکیل بنانے کے لئے صیغہ (یعنی الفاظ یا طریق کار توکیل) کا استعمال کیا جائے۔ اس سے

Marfat.com

حبیب کو ثقہ (قابل اعتماد) راوی تصور کیا جائے تو اس حدیث کو بطور دلیل پیش کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔ نیز یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے میمونہ سے شادی کرنے کے بارے میں ابورافع کو وکیل بنایا اور عمر بن امیہ ضمیری کو ام حبیبہ کی شادی کے لیے وکیل بنایا۔ بہرحال قطع نظر اس کے کہ یہ حدیث مستند ہے یا نہیں بہرحال مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اور ائمہ احادیث میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہ ہونا اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے جس میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ اب جاننا چاہیے کہ وکیل بنانے کے ارکان (یا لازمی عناصر) چار ہیں: موکل بکسر کاف (وکیل بنانے والا) موکل بفتح کاف (وکیل) موکل فیہ (جس کام کے لیے وکیل بنایا جائے) اور صیغہ (وکیل بنانے کے الفاظ یا طریقہ)۔ (۱)

معلوم ہوا کہ (وکیل بنانے کی تعریف) چار ارکان پر مشتمل ہے، یعنی مؤکل (وکیل بنانے والا) وکیل (جسے وکیل بنایا جائے) صیغہ (وکیل بنانے کے الفاظ یا طریق کار) اور مؤکل فیہ (وہ کام جس کے لئے کسی کو وکیل بنایا گیا) اور ''اپنی زندگی میں'' کے الفاظ کہنے سے وصیت کا معاملہ خارج ہو گیا، کیوں کہ وصیت کی صورت میں جو کام انجام دیا جاتا ہے وہ مؤکل کی وفات کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا اس کو وکالت نہیں کہا جائے گا۔ باقی دوسری قیدیں جن کے لگانے سے بعض اور باتیں خارج ہو گئیں ان کی تفصیل شرائط وکالت کے بیان میں بتائی جائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وکالت یہ ہے کہ ایک شخص جسے کسی خاص کام کا انجام دینا جائز ہے ایک دوسرے شخص کو جسے اس کی طرح اس کام کو انجام دینا جائز ہو، اپنا نائب بنائے اور وہ کام منجملہ امور حقوق اللہ و حقوق العباد کے ایسا ہو جس میں نائب بنانے کی گنجائش ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وکالت کا صرف ایک رکن ہے یعنی صیغہ (یا وکیل بنانے کے الفاظ جس کے استعمال سے کسی کا وکیل بن جانا ثابت ہو جاتا ہے) مثلاً ایک شخص کا کسی کو یہ کہنا کہ میں آپ کو اس اونٹ کے فروخت کرنے یا اس گائے کی خریداری کے لئے وکیل بناتا ہوں وغیرہ۔ وکالت کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ الفاظ میں وکیل کی قبولیت بھی شامل ہو۔ لیکن اگر وہ شخص وکیل بننے سے انکار کر دے تو وہ وکالت رد ہو جائے گی۔ اگر ایک شخص نے کسی کو یوں کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میری اس اونٹنی کو فروخت کر دیں اور وہ شخص خاموش رہا لیکن اونٹنی کو فروخت کر دیا تو بیع جائز ہو گئی۔ لیکن اگر اس نے کہا تھا کہ میں اس بات کو قبول نہیں کرتا اور پھر فروخت کیا تو یہ فروخت درست نہ ہوگی کیوں کہ اس نے وکیل بننے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح اگر کسی کو وکیل بنایا کہ میری بیوی کو (میری طرف سے) تم طلاق دے دو اور اس کام سے اس نے انکار کیا لیکن طلاق دی تو یہ طلاق نہیں پڑے گی کیوں کہ اس نے وکالت سے انکار کیا تھا لہٰذا اس میں اسے کوئی دخل نہ رہا۔ ہاں اگر خاموش رہے اور نہ انکار کرے اور نہ صریحاً قبول کرے تو اس کی وکالت درست ہوگی اور اس صورت میں طلاق دی تو طلاق پڑ جائے گی۔ اس سے واضح ہے کہ حنفیہ 'رکن' اس کو کہتے ہیں جو کسی شے کی ماہیت (یا حقیقت) میں داخل ہو، لیکن جو شے ماہیت سے خارج ہو اسے وہ رکن نہیں کہتے، اگرچہ اس کے بغیر ماہیت کا وجود ممکن نہ ہو۔

وکالت کی شرطیں

شرائط وکالت کی چند قسمیں ہیں: وہ شرائط جن کا تعلق موکل سے ہے، وہ شرائط جن کا تعلق وکیل سے ہے، وہ شرائط جن کا تعلق الفاظ توکیل سے ہے اور وہ شرائط جن کا تعلق اس امر سے ہے جس کے لیے وکیل بنایا گیا۔ ان میں سے ہر قسم (وکالت) کی بابت مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جس شرط کا تعلق مؤکل سے ہے وہ یہ ہے کہ مؤکل اس کام کا مالک ہو جس کے لئے اس نے اپنی بجائے کسی کو وکیل بنایا، لہٰذا وہ شخص جو مسلسل حالت جنون میں رہتا ہو کسی کو وکیل نہیں بنا سکتا۔ یا قطعاً بے سمجھ نابالغ بچہ (کیوں کہ وہ بھی وکیل بنانے کا اہل نہیں ہے)۔ ایک پاگل انسان کسی امر کی انجام دہی کا خود مالک (یا اہل) نہیں ہوتا۔ یہی حال ناسمجھ بچے کا ہے۔ ہاں اگر بچہ سمجھ دار ہو تو اس کے متعلق احکام کی تفصیل باب حجر (اسباب نااہلیت معاملہ) کے بیان میں بتائی جا چکی ہے کہ اس کے تصرف کی تین قسمیں ہیں:

ایک ایسا تصرف (یا معاملہ) جو خود اسے نقصان دہ ہو، جیسے طلاق یا ہبہ یا صدقہ وغیرہ۔ ان امور میں اس کا تصرف مطلق جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اسے اپنی بیوی کو طلاق دینا یا اپنا مال کسی کو عطا کر دینا یا ایسے ہی کسی امر کا اقرار کر لینا درست نہیں ہے، اگر کیا تو یہ تصرف باطل متصور ہوگا۔ پس چونکہ وہ اس کام کا مالک (یا اہل) نہیں ہے اس لئے کسی اور کو اس کے لئے وکیل بنانے کا اختیار بھی نہیں ہے۔

دوسری قسم یہ کہ اگر وہ کوئی مفید مطلب معاملہ کرے مثلاً کسی کا کیا ہوا ہبہ (یا عطا) یا صدقہ قبول کرے کہ درحقیقت اس میں فائدہ ہو تو اس کی یہ کارروائی درست متصور ہوگی اگرچہ اس کے ولی نے اس کی اجازت نہ دی ہو۔ چونکہ اس فعل کا وہ مالک ہے اس بارے میں وہ کسی کو وکیل بنا سکتا ہے۔

تیسری قسم یہ کہ وہ کام ایسا ہو جس میں فائدہ اور نقصان دونوں کی گنجائش ہو۔ مثلاً خرید و فروخت یا کرایہ کا معاملہ کرنا۔ یہ کام اگر ولی کی اجازت سے کیا اور وکیل نے اجازت دے دی تو درست ہوگا اور یہ بھی درست ہوگا کہ اس کے لئے کسی اور کو وکیل بنائے۔ اگر ولی کی اجازت سے نہیں کیا تو اس کا درست ہونا ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر ولی نے اجازت دے دی تو خیر ورنہ وہ کام درست متصور نہ ہوگا۔ ایسے کام میں وکیل بنانے کی بھی یہی صورت ہے (کہ وہ وکالت ولی کی اجازت پر منحصر ہوگی)۔

وہ شخص جو جنون منقطع میں مبتلا ہے یعنی کبھی جنون لاحق ہوتا ہے اور کبھی افاقہ ہو جاتا ہے، ایسے شخص کا حالت افاقہ میں وکیل بنانا درست ہے بشرطیکہ افاقہ کا وقت معلوم ہو کہ کس وقت اس پر جنون طاری نہیں ہوتا۔ ایسا نہ ہو تو اس کا کسی کو وکیل بنانا درست نہ ہوگا۔ اور ایسے شخص کا بھی کسی کو وکیل بنانا درست نہیں ہے جس کے بیشتر اوقات مدہوشی یا بے خیالی میں گزریں کہ اسے امتیاز امور نہ رہے۔

مؤکل کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ کوئی ذمی (اسلامی حکومت کا غیر مسلم فرد) کسی مسلمان کو اپنا وکیل بنائے تو جائز ہے، کیوں کہ ذمیوں کے حقوق کا تحفظ مسلمانوں پر اسی طرح عائد ہوتا ہے جس طرح ہمارے اپنے حقوق کا تحفظ۔

Marfat.com

چنانچہ اگر کوئی ذمی مسلمان کو اس امر کا وکیل بنائے کہ وہ شراب کی قیمت وصول کرے تو مسلمان کے لئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر ذمی نے مسلمان کو اس لئے وکیل بنایا کہ وہ اس کی شراب کو نقدی کے عوض رہن رکھے یا کوئی شے شراب کے عوض رہن رکھ دے تو یہ درست ہوگا۔ بشرطیکہ وکیل یہ بتادے کہ یہ شراب فلاں شخص کی طرف سے رہن رکھ لو۔ لیکن اگر یوں کہا تم اپنی شراب میرے پاس رہن رکھ دو یا یہ کہا کہ اس شراب کو رہن رکھ کر اتنی رقم قرض دے دو تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا۔

اس بارے میں کہ آیا مرتد (اسلام سے پھر جانے والے) کا بھی یہی حکم ہے؟ اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر مرتد نے کسی شخص کو وکیل بنایا تو اس کی سونپی ہوئی وکالت اس کے مسلمان ہو جانے پر منحصر ہوگی۔ اگر وہ پھر مسلمان ہو گیا تو اس کے وکیل کی وکالت برقرار رہے گی۔ اگر مر گیا یا دارالسلام (اسلامی حکومت) سے خارج ہو کر دارالحرب (دشمن کے ملک) میں چلا گیا تو یہ وکالت باطل ہو جائے گی۔ اگر دارالحرب میں جانے کے بعد پھر مسلمان ہو گیا تو اب اگر قاضی (حاکم شرع) نے اس کے دارالحرب کا شہری قرار دیئے جانے کی توثیق کر دی ہے تو اس کے وکیل کی وکالت باطل ہو جائے گی۔ اور اگر ہنوز توثیق نہیں ہوئی تو وکالت بحال رہے گی۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ مرتد کو اپنا وکیل بنانے کا حق ہے اور اس کی توکیل درست اور نافذ العمل رہے گی۔ یہ احکام اس صورت میں ہیں جب کہ مرتد مرد ہو۔ اگر مرتدہ عورت ہو تو سب کے نزدیک اسے جائز ہے کہ کسی کو اپنا وکیل بنائے، کیوں کہ عورت کے مرتد ہو جانے سے اس کی ملکیت پر اثر نہیں پڑتا، وہ اس بارے میں مسلمان عورت کی طرح ہے۔

اگر کسی عورت نے مرتد ہونے سے پہلے کسی کو وکیل بنایا اور بعد میں مرتد ہو گئی تو اس کے وکیل کا حق وکالت باطل نہ ہوگا۔ سوا اس کے کہ اس نے اپنی شادی کے لئے کسی کو وکیل بنایا ہو اور پھر مرتد ہو جائے تو یہ وکالت باطل ہو جائے گی اور اگر اس کے وکیل نے مرتد ہونے کی حالت میں اس کی شادی کر دی تو وہ عقد درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ دوبارہ مسلمان ہو گئی اور (اس کے بنائے ہوئے) وکیل نے اس کا عقد کر دیا تو یہ درست ہوگا۔ اور اگر مسلمان عورت نے (بہ حالت اسلام) کسی کو اپنے عقد نکاح کا وکیل بنایا تھا اور پھر اسلام سے پھر گئی لیکن پھر مسلمان ہو گئی اور اس کے سابقہ بنائے ہوئے وکیل نے اس کی شادی کر دی تو درست نہ ہوگی، کیوں کہ اس کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے اس کی توکیل باطل ہو گئی تھی۔

وکیل کی متعلقہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ صاحب عقل و ہوش ہو، لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ پاگل یا نابالغ بے شعور بچے کو وکیل بنایا جائے۔

وکیل بننے کے لئے بالغ اور آزاد ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ اگر وکیل نابالغ ہو لیکن اتنی سمجھ رکھتا ہو کہ معاملہ کس کو کہتے ہیں اور اس میں کیا فائدہ اور کیا نقصان ہے تو (اس کی وکالت) درست ہے، خواہ ولی نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ اس بارے میں غلام کا بھی یہی حکم ہے۔

وکیل بننے کی دوسری شرط یہ ہے کہ اس کو اپنے وکیل بنائے جانے کا علم ہو۔ کسی معاملہ میں مؤکل کی بجائے وکیل کے تصرف کرنے کی یہ شرط جو لگائی گئی ہے کہ اس کو اپنے وکیل ہونے کا علم ہو اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اگر ایک شخص نے کسی کو اپنا مال فروخت کرنے کے لئے وکیل بنایا اور اسے ہنوز اپنے وکیل بنائے جانے کا علم نہ تھا اور مال فروخت کر دیا تو یہ تصرف باطل ہوگا، بجز اس صورت کے جب کہ مؤکل نے اس کے تصرف کو بحال رکھا ہو۔

Marfat.com

وکیل کو اپنی وکالت کا علم یا تو بالمشافہ گفتگو سے ہوتا ہے یا بذریعہ تحریر اور یا پھر دو ایک معتبر اشخاص کے بیان کرنے سے ہوتا ہے اور ایک غیر معتبر شخص کی شہادت سے بھی ہو سکتا ہے جب کہ وکیل اس کی تصدیق کرے۔

وکیل بننے کے لئے مسلمان ہونا یا مرتد نہ ہونا بالاتفاق شرط نہیں ہے لیکن مؤکل کے لئے مرتد نہ ہونے کی شرط کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک مسلمان کے لئے روا ہے کہ وہ کسی ذمی (غیر مسلم رعایا) کو اپنا وکیل بنائے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سور اور شراب کی فروخت کے لئے بھی اسے وکیل بنایا جا سکتا ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ذمی کو کسی بھی کام کے لئے وکیل بنایا جا سکتا ہے، اس کی توکیل تسلیم کی جائے گی اور نافذ العمل ہوگی۔ لیکن صاحبین (یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف) کا کہنا ہے کہ کوئی مسلمان اگر کسی کو ایسے معاملہ میں وکیل بنائے جسے وہ خود انجام نہیں دے سکتا تو درست نہ ہوگا۔ لیکن مسلمان ہونا یا مرتد نہ ہونا وکیل بننے کی شرط نہیں ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کسی مرتد کو اپنا وکیل بنا لے تو اس کے روا ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر ایک مسلمان (جو دارالاسلام یعنی اسلامی حکومت میں ہو) کسی حربی کو جو دارالحرب (یعنی دشمن کے ملک) میں ہو وکیل بنائے تو یہ توکیل باطل ہوگی۔ اسی طرح اس کے برعکس صورت بھی باطل ہے کہ ایک حربی کسی مسلمان کو اپنا وکیل بنائے درآنحالیکہ وہ حربی دارالحرب میں ہو اور مسلمان دارالسلام میں ہو۔

اب ایسی شرائط کو لیجئے جن کا تعلق شے مؤکل فیہ (یعنی کار یا مقصد وکالت) سے ہے۔ ایک یہ ہے کہ وہ کام عام امور مباحہ میں سے نہ ہو (یعنی وہ کام ایسا نہ ہو جس کے انجام دینے کی عام اجازت ہو کہ جو چاہے بغیر کسی کے کہے انجام دے)۔ پس یہ درست نہیں ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اس امر کے لئے وکیل بنائے کہ وہ اس کے لئے لکڑیاں کاٹ کر لائے یا پانی بھر کر لائے یا کان کھود کر کوئی شے مباح (جس کے نکالنے کی عام اجازت ہو) نکال کر لائے مثلاً لوہا، تانبا یا جواہرات وغیرہ۔ اگر وکیل کوئی شے دستیاب کر لے تو وہ شے اس کی ہوگی مؤکل کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو بھیک مانگ کر لانے کے لئے وکیل بنایا تو یہ توکیل درست نہ ہوگی۔ اگر وکیل کچھ مانگ کر لے آیا تو وہ اسی کا حق ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ وہ کام مؤکل کے لئے حصولی قرض کا نہ ہو۔ پس اگر ایک شخص نے کسی کو اس لئے وکیل بنایا کہ وہ کہیں سے قرض لا کر دے اور وکیل نے کسی سے کہا کہ مجھے اتنا قرض دے دو اور اس نے دے دیا تو یہ قرض وکیل کے ذمہ ہوگا مؤکل کے ذمہ نہ ہوگا اور اگر وہ مال تلف ہو گیا تو اس کی ذمہ داری وکیل پر ہوگی، ہاں وکیل کو یہ اختیار ہے کہ جو قرض وہ مؤکل کے لئے لایا ہے وہ مؤکل کو نہ دے۔ لیکن اگر وکیل نے قرض دینے والے سے یہ کہا تھا کہ مجھے فلاں صاحب نے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ آپ سے اس قدر قرض ان کے لئے لے آؤں تو یہ قرض اس کے ذمہ ہوگا جس نے قرض کے لئے بھیجا اور وہ اس کا فرستادہ کہا جائے گا، اسے وکیل نہ کہیں گے۔ فرستادہ اور وکیل میں فرق یہ ہے کہ وکیل وہ ہوتا ہے۔ جسے الفاظ توکیل سے وکیل بنایا جائے اس کی تفصیل صیغہ (وکالت) کے بیان میں آگے آ رہی ہے۔ بخلاف فرستادہ کے کہ اس کے لئے پیغام رسانی کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ میں تم کو فلاں کام کے لئے بھیج رہا ہوں یا میں تم کو اس لئے بھیج رہا ہوں کہ اتنا قرض لا کر دو۔ پس ضروری ہے کہ وہ فرستادہ جو قرض طلب کرے وہ بھیجنے والے کی طرف سے ہو۔

Marfat.com

بخلاف وکالت کے کہ اس میں وکیل اپنی نسبت سے اور اپنے مؤکل کی نسبت سے دونوں طرح معاملہ کرسکتا ہے۔ نکاح اور ہبہ کے معاملات اس سے مستثنیٰ ہیں؛ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ غرض وکالت کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ (جس کام کے لئے وکیل کیا گیا ہے) وہ کام حدود (یعنی شرعی سزاؤں) میں سے نہ ہو جس میں (نفاذ حد کے لئے) دعویٰ ضروری نہیں ہوتا، مثلاً زنا کاری اور شراب نوشی کی سزا ہے کہ اس میں ثبوت کے لئے عینی شہادت کافی ہے دعویٰ ضروری نہیں ہے نہ ایفاء میں نہ استیفا میں۔ ایفاء سے مراد دینا (ادا کرنا) اور استیفاء سے مراد لینا (مطالبہ کرنا) ہے۔

(ان دونوں میں سے) پہلی بات تو یہ ظاہر ہے کہ ایک شخص کو یہ جائز نہیں ہے کہ دوسرے سے کہے کہ میں شراب نوشی کی سزا بھگتنے کے لئے تم کو اپنا وکیل بناتا ہوں لہٰذا درے کھانے کے لئے اپنی پیٹھ پیش کردو۔ اگر ایسا کیا بھی جائے تو یہ بے فائدہ ہے، کیوں کہ سزا مجرم ہی کو دی جاتی ہے اور دوسری بات اس لئے جائز نہیں ہے کہ یہ حد بغیر دعویٰ دائر کرنے کے ثابت ہوتی ہے لہٰذا اس میں (مطالبہ حد کے لئے) وکیل بنانے کی گنجائش ہی نہیں۔

اب رہیں ایسی حدود (شرعی سزائیں) جن میں دعویٰ کرنا ہوتا ہے، مثلاً تہمت یا چوری کی سزا، اس کے لئے وکیل بنانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حد (شرعی سزا) کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے وکیل بنانا درست ہے۔ چناچہ اگر ایک شخص جس پر تہمت لگائی گئی ہے تہمت لگانے کی سزا ثابت کرنے کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنائے تو یہ توکیل درست ہے خواہ مؤکل موجود ہو یا نہ ہو۔ لیکن مطالبہ سزا کے لئے کسی کو وکیل بنانا اس حالت میں درست ہے جب کہ مؤکل موجود ہو بایں طور کہ حد کے جاری ہونے کے وقت مؤکل اور وکیل کا موجود ہونا ضروری ہے۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس میں بھی پہلی صورت کی طرح وکیل بنانا درست نہیں ہے، البتہ ان کا کہنا ہے کہ جو امر ممنوع ہے وہ صرف اثبات حد کے لئے وکیل بنانا ہے رہا سرقہ مال کے ثبوت کے بارے میں کسی کو وکیل بنانے سے وہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اتفاق رکھتے ہیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ زنا کاری یا شراب نوشی کی سزا ہو یا تہمت اور چوری کی اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے اور ان کے حق اللہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سزائیں اللہ کی مقرر کردہ اور ثابت شدہ ہیں اور جس کے خلاف یہ جرم کیا گیا ہے اس کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا اس کا نفاذ لابدی ہے۔ پس بظاہر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس میں وکیل بنانے کے کچھ معنے نہیں ہیں خواہ دعویٰ ضروری ہو یا نہ ہو۔

جاننا چاہیئے کہ حقوق العباد کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم وہ ہے جس میں شبہ ہو تو اس کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا؛ دوسری قسم وہ ہے جس میں شبہ ہو تب بھی مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

پہلی قسم کی مثال قتل یا قود کا قصاص (یعنی اس کی پاداش) ہے۔ قود کا قصاص کسی ایسے عضو وغیرہ کے نقصان پہنچانے کی پاداش کو کہتے ہیں جس کی حیثیت جان سے کم ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے کہ اس کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے کسی کو وکیل بنایا جائے لیکن اس کی سزا بھگتنے یا اس کا مطالبہ کرنے کے لئے وکالت جائز نہیں ہے۔ پہلی بات تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی بجائے کسی اور کو قتل کیے جانے کے لئے وکیل نہیں بنا سکتا

Marfat.com

کہ اس شخص کی بجائے اس کے وکیل پر حد جاری کی جائے یا مؤکل کے جرم کی پاداش میں وکیل کا کوئی عضو کاٹا جائے کیوں کہ پاداش جرم کا سزاوار محض وہ شخص ہے جس نے ارتکاب جرم کیا۔

دوسری قسم کی مثال وہ حقوق العباد ہیں جن میں شبہ ہو تب بھی مطالبہ کیا جا سکے۔ مثلاً قرض، مال اور دوسرے حقوق جو قصاص کے علاوہ ہیں۔ اس میں کسی کا وکیل بننا درست ہے کہ وکیل اس شبہ کے باوجود کہ مالک وہ قرضہ معاف کر دے اور وہ مال جو کسی کے پاس ہے اس سے دست بردار ہو جائے وکیل کو مطالبہ کا حق ہے۔ غرض اس قسم کے معاملات میں وکیل بنانا خواہ ادائیگی کے لئے ہو یا وصول یابی کے لئے یا جوں کا توں رہنے دینے کے لئے بالاتفاق درست ہے۔

حقوق متذکرہ بالا کے علاوہ تمام معاملات کی وکالت جائز ہے۔ اس میں فروخت، خرید، کرایہ، نکاح، طلاق، ہبہ، صدقہ، خلع (علیحدگی از زوجیت)، مصالحت، عاریتاً لینے، دینے دست برداری یا مطالبہ حقوق، تنازعات کے نمٹانے، قرض وصول کرنے رہن رکھنے اور رہن کرنے، شفعہ' عیب کی بنا پر مال کی واپسی، تقسیم، ہبہ کی درخواست یعنی کسی سے عطیہ حاصل کرنے کا مطالبہ شامل ہیں۔ تاہم ان میں سے بعض معاملات ایسے ہیں جس میں وکیل کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کوئی معاملہ اپنی نسبت سے انجام دے۔ بلکہ ان صورتوں میں ضروری ہوگا کہ وہ اپنے مؤکل کی نسبت سے انجام دے۔ ایسے امور کے منجملہ نکاح ہے کہ وکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں اس رشتہ ازدواج کو اپنے مؤکل کی طرف سے قبول کرتا ہوں۔ یا میں نے اپنی مؤکلہ فلاں عورت کو نکاح میں دیا۔ اگر وکیل نے یہ کہا کہ میں اس رشتہ کو قبول کرتا ہوں اور یہ نا بتایا کہ کس کی طرف سے اور صرف یہ کہا کہ میں نے قبول کیا تو یہ ازدواج وکیل کے ساتھ ہو جائے گا مؤکل کے حق میں نہ ہوگا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ طلاق کے لئے وکیل بنایا گیا اور اس نے طلاق دینے کی نسبت اپنی طرف کی تو درست ہے۔ اپنی طرف نسبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں فلاں شخص کی عورت کو طلاق دیتا ہوں۔ لیکن اگر یوں کہا کہ میری عورت کو طلاق ہے تو اس کی عورت پر طلاق پڑ جائے گی۔ غرض اپنی طرف نسبت کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ''میری عورت'' کہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مؤکل کی عورت کو طلاق دینے کی نسبت اپنی طرف کرے (کہ میں فلاں کی عورت کو طلاق دیتا ہوں تو طلاق ہو جائے گی) اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ یہ بھی کہے کہ فلاں شخص نے مجھے وکیل بنایا ہے کہ میں اس کی بیوی کو طلاق دے دوں۔

ہبہ کرنے کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ اس میں ضروری ہے کہ وکیل ہبہ کرنے کی نسبت مؤکل کی طرف کرے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کو ایک سو کی رقم ہبہ کرنے کے لئے وکیل بنایا اور اس نے کہا کہ میں نے ہبہ کیا اور یہ نہ کہا کہ یہ ہبہ میرے مؤکل نے کیا ہے تو وکیل کا ہبہ کرنا درست نہ ہوگا۔

اسی طرح قتل عمد کے بعد صلح کرنے اور انکار کے بعد سمجھوتا کرنے کا یہی حکم ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی پر دو سو کی رقم کا دعویٰ کیا اور مدعا علیہ نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنایا کہ ایک سو پر معاملہ طے کر لے، اس صورت میں ضروری ہوگا کہ اس معاملہ میں مؤکل کی طرف نسبت کی جائے۔ چنانچہ اگر دعوے دار نے کہا کہ سو پر مصالحت کرنے کو تیار ہوں اور مدعی علیہ کے وکیل نے اسے قبول کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ فیصلہ فلاں شخص کے حق میں قبول کرتا ہوں۔ تو یہ تصفیہ تسلیم کر لیا جائے گا لیکن اگر صرف یہ کہا کہ میں نے قبول کیا اور اس قبولیت کی نسبت اپنے

Marfat.com

مؤکل کی طرف نہیں کی تو یہ مصالحت درست نہ ہوگی بخلاف مصالحت اقرار کے کہ اس میں وکیل اور مؤکل دونوں کی طرف نسبت کرنا درست ہے (مثلاً وکیل یہ اقرار کر کے مصالحت کر لے کہ میرے مؤکل کو تمہیں اتنا دینا ہے)۔

صدقے کے بارے میں وکیل بننے کا یہی حکم ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کو اپنے مال میں سے ایک خاص رقم صدقہ کرنے کے لئے وکیل بنایا تو وکیل کو چاہیئے کہ وہ صدقہ کو اپنے مؤکل کی طرف سے بتادے ورنہ یہ صدقہ وکیل کے اپنے مال سے متصور ہوگا۔

عاریت، امانت، رہن، مشارکت، اور مضاربت میں بھی یہی حکم ہے؛ یعنی ان تمام معاملات میں لازم ہے کہ وکیل تمام تصرفات اپنے مؤکل کی نسبت سے کرے۔

صیغہ وکالت (وکیل بنانے کے الفاظ) کی دو قسمیں ہیں: صیغہ خاص اور صیغہ عام۔

صیغہ خاص وہ الفاظ جن کا مطلب کسی خاص کام کے لئے وکیل بنانا ہو۔ مثلاً یوں کہنا کہ میں اس مکان کی خریداری کے لیے آپ کو وکیل بناتا ہوں۔ صیغہ عام ایسے الفاظ ہیں جن سے عام امور میں وکیل بنانا معلوم ہو۔ مثلاً یہ کہنا کہ آپ میرے تمام معاملات میں وکیل ہیں اور یہ کہنا کہ آپ کو اجازت ہے کہ جو چاہیں کریں اور آپ کا کیا دھرا میری ہر بات میں جائز ہے۔ صیغہ عام کے لئے مخصوص الفاظ نہیں ہیں، یہاں تک کہ اگر یہ کہا کہ میں نے آپ کو اپنا قائم مقام بنانا طے کر لیا ہے یا چاہا یا پسند کر لیا یا اس پر راضی ہوں تو یہ سب درست ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اس طرح کہنے کے بعد وکیل کا کیا ہوا ہر کام مسلم ہوگا یا اس سے بعض امور مستثنیٰ ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا انحصار مؤکل کی عبارت (یا الفاظ) پر ہے۔ اگر یوں کہا تھا کہ میری ہر چیز آپ کے سپرد ہے تو بقول صحیح وہ شخص صرف مؤکل کے مال کی حفاظت کے لئے وکیل متصور ہوگا کسی اور معاملہ میں نہ ہوگا۔ یوں کہنا بھی کہ آپ میرے تمام کم وبیش کے مختار ہیں ایسا ہی ہے۔ اگر کہا کہ آپ کو میرا ہر ایسا کام انجام دینے کی اجازت ہے جو آپ کے کرنے کا ہے تو وہ شخص مؤکل کے تمام مالی انجام دہی میں وکیل ہوگا۔ مثلاً فروخت کرنا، خریدنا، ہبہ کرنا اور صدقہ کرنا۔ تاہم (غلام کو) آزاد کرنے، (بیوی کو) طلاق دینے اور وقف کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان امور میں وہ وکیل متصور نہ ہوگا جب تک کہ اس مقصد کی وکالت کے لئے کوئی دلیل پہلے سے بیان میں موجود نہ ہو۔ تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ امور سب اس (قول) میں شامل ہیں۔

اگر کسی نے یوں کہا تھا کہ میں نے آپ کو اپنے تمام امور میں وکیل بنایا اور وکیل نے کہا کہ میں نے تمہاری بیوی کو طلاق دے دی یا تمہاری تمام زمین وقف کر دی تو بقول صحیح یہ درست نہ ہوگا۔

اگر کہا کہ میں نے آپ کو ''اپنے تمام امور میں وکیل اور اپنا قائم مقام بنایا'' تو یہ وکالت عام متصور نہ ہوگی جب تک کہ یوں نہ کہا جائے کہ ''تمام ایسے امور میں جن میں وکالت جائز ہے'' صرف اسی صورت میں یہ وکالت عام ہوگی اور خرید و فروخت وعقد نکاح وغیرہ تمام امور پر مشتمل متصور ہوگی۔

واضح ہو کہ پہلی صورت یعنی اس طرح کہنے میں کہ ''میں نے آپ کو اپنے تمام امور میں وکیل اور اپنا قائم مقام بنایا'' اور یہ نہیں کہا کہ ''ایسے تمام امور میں جن میں وکالت جائز ہے'' دیکھنا ہوگا کہ مؤکل کیسا شخص ہے؟ اگر وہ کسی خاص

Marfat.com

پیشہ کا آدمی ہے تو وہ صرف اس پیشہ کے متعلقہ معاملات میں وکیل متصور ہوگا۔ لیکن اگر مؤکل کسی خاص پیشہ کا آدمی نہیں ہے بلکہ اس کو بہت سے معاملات سے تعلق ہے تو یہ وکالت باطل ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس شخص کو مختار عام بنایا جائے اسے بقول مفتیٰ بہ تمام امور انجام دینے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، بجز طلاق دینے، آزاد کرنے، وقف کرنے، ہبہ کرنے اور خیرات کرنے کے۔ نیز قرض معاف کرنے یا مطالبۂ واجب میں سے کچھ چھوڑ دینے کا بھی اسے اختیار نہ ہوگا؟ کیوں کہ یہ بھی خیرات وصدقات کی طرح) نیکی کا کام ہے اور نیکی کے کام کا وکیل مالک نہیں ہوتا۔ معاوضہ کی شرط پر بھی ہبہ کرنے اور قرض دینے کا اختیار عام کو نہیں ہوتا۔ ان امور کے علاوہ جملہ امور کا وکیل مالک ہوتا ہے مثلاً قرض لینا، قرضہ چکانا، مؤکل کے حق واجبات کا دعویٰ کرنا اور مؤکل کے خلاف واجبات کے دعوؤں کی جواب دہی کرنا اور مؤکل کے ذمہ قرضوں کا اقرار کرنا۔ ان تمام امور کا حاکم کے حضور میں انجام پانا ضروری نہیں ہے کیوں کہ اس کی ضرورت مختار خاص ہونے کی صورت میں ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ان کے کہنے سے وکالت مطلقاً نہیں ہوتی۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینے سے تمہیں نہیں روکتا۔ یا یہ کہنا کہ آپ میرے وصی ہیں۔ ایسی ہی باتوں میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص کسی کو کہے کہ آپ مجھے دس اشرفی میں ایک اونٹ یا پچاس اشرفی میں ایک لونڈی لے دیجئے۔ اس طرح کہنا وکیل بنانا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مشورہ کی حیثیت میں ہے۔ ہاں اگر یہ کہا کہ مجھے ایک اونٹ دس اشرفی میں لے دو میں اس کا معاوضہ ایک درہم تمہیں ادا کروں گا تو ایسی صورت میں وہ شخص وکیل بن جائے گا۔

اسی طرح اگر ایک شخص اپنے مقروض سے یوں کہے کہ آپ کے ذمہ جو میرا قرض ہے اتنے میں ایک اونٹ یا ایک غلام مجھے خرید دیجئے، تو یہ بھی وکیل بنانے کی صورت نہیں ہے۔ ہاں اگر یوں کہا کہ آپ مجھے فلاں اونٹ یا فلاں لونڈی خرید دیجئے تو یہ توکیل درست ہوگی۔ اور اس طرح کہنے سے بھی وکالت، نہ ہوگی کہ آپ کے ذمے جو میرا مال ہے اسے گندم یا گھی کی پیشگی قیمت تصور کر لیں یعنی بطور بیع سلم اسے کام میں لائیں۔ لیکن اگر مؤکل نے اپنے مقروض سے ایک خاص شخص کا نام لے کر کہا کہ میں اس سے عقد سلم کرنا چاہتا ہوں پس میں تمہیں وکیل بناتا ہوں کہ وہ رقم جو تمہیں مجھے دینی ہے وہ اس کے سپرد کر دو تو یہ وکالت درست ہوگی۔

مختار (یا وکیل) خاص بنانے کے لئے جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں ان کے منجملہ ایک یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے کہے کہ اگر تم نے میرا یہ اونٹ فروخت نہ کیا تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ اس طرح کہنا اس اونٹ کی فروخت کے لئے مختار خاص بنانا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی وکیل بنانا ہے کہ ''میں آپ کو اس مکان کی تعمیر کا پورا اختیار سونپتا ہوں۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ وکیل بناتا ہوں،۔ اسی طرح یوں کہنا بھی کہ میرے تمام معاملات قرض آپ کے سپرد ہیں قرض کے وصول و تحصیل کے لئے وکیل بنانا ہے اور یوں کہنا بھی وکیل بنانا ہے کہ میں اپنے مویشیوں اور اپنی املاک کے جملہ معاملات آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس طرح کہنے سے وکیل کو مویشیوں کی حفاظت کرنے، چرانے، چارہ دینے اور ان پر دوسرے اخراجات کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ لیکن اگر یوں کہا کہ میں اپنی بیوی کا معاملہ آپ کے سپرد کرتا ہوں تو وکیل کو صرف اسی جگہ طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوگا لیکن اگر یوں کہا کہ میں اپنی بیوی کے معاملہ کا مالک آپ کو بناتا ہوں تو اسے

Marfat.com

وہیں پر اور بعد میں بھی طلاق کا اختیار ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وکیل اور مؤکل کی متعلقہ شرائط تین ہیں:

اول آزاد ہونا، لہٰذا آزاد اور غلام کے درمیان وکیل اور مؤکل ہونے کا تعلق درست نہیں ہے۔ اسی طرح دو غلام ایک دوسرے کو وکیل بنانے کا اختیار نہیں رکھتے۔ تاہم اگر کوئی غلام تجارتی امور میں ماذون ہو (یعنی جسے آقا نے تجارتی امور کے انجام دینے کی اجازت دے رکھی ہو) تو اس کو (اس بارے میں) آزاد تصور کیا جائے گا۔

دوسری شرط رشد (سمجھ دار ہونا ہے)۔ چنانچہ اگر دو ناسمجھ اشخاص یا ایک سمجھ دار اور دوسرا ناسمجھ ہو تو ایک دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔ تاہم اس شرط کے بارے میں مالکیہ کے اندر اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کچھ صورتوں میں ایسا کرنا جائز ہے۔ لیکن فائق مسلک یہی ہے کہ مجور علیہ کو (یعنی جس پر معلات کے انجام نہ دینے کی پابندی ہو) مقدمات کی پیروی ، مال کے دعووں یا حقوق کے مطالبوں میں اپنا وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ لیکن دوسروں کو جائز ہے کہ ایسے اشخاص کو اپنا وکیل بنائیں۔ البتہ عورت مجورہ کو (جسے نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو) حق ہے کہ وہ کسی اور کو اپنی عصمت کے تحفظ کی خاطر وکیل بنائے بلکہ اس کا ولی وکیل کی وساطت کے بغیر اس کام کی انجام دہی نہیں کر سکتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس باب میں دو مسلک ہیں: ایک یہ کہ (ناسمجھ یا بے شعور) کو کسی حال میں نہ وکیل بنانا جائز ہے اور نہ وکیل بننا جائز ہے۔ پس اس کے لئے رشد (یعنی سمجھ بوجھ) شرط ہے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ وہ دوسرے کا وکیل نہیں بن سکتا ہے لیکن کسی کو اپنا وکیل بنا سکتا۔ تاہم ایسی صورت میں جب کہ ایک عورت کا خاوند اسے اذیت دیتا ہو تو (اس کی چارہ جوئی کے لئے) کسی اور کو وکیل بنائے تو درست ہے۔

تیسری شرط بالغ ہونا ہے۔ لہٰذا دو نابالغ بچے ہوں یا ایک بالغ اور دوسرا نابالغ ہو تو ایک کا دوسرے کو وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی نابالغ شادی شدہ بچی ہو اور اپنے خاوند یا ولی کے ساتھ نزاع رکھتی ہو اور وہ کسی کو اپنا وکیل بنائے تو یہ وکالت تسلیم کی جائے گی، بلکہ اس صورت میں وکیل بنانا ضروری ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

وکیل بنانے اور وکیل بننے کے لئے ان تمام شرائط مذکورہ بالا کا پایا جانا ضروری ہے۔ رہا مسلمان ہونا سو اس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے کہ مؤکل کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے چنانچہ جائز ہے کہ ایک ذمی (غیر مسلم رعایا) کسی مسلمان کو اپنا وکیل بنائے۔ اس کی وکالت درست ہے۔ اور یہ سوال کہ آیا کوئی مسلمان کسی ذمی کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ درست نہیں ہے لیکن شرائط وکالت میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا، کیوں کہ ذمی اگر آزاد، بالغ اور سمجھ دار ہے تو وہ وکیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن کسی مسلمان کا کسی غیر مسلم کو اپنا وکیل بنانا ایک عارضی سبب ممنوع ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں یہ امر قرینہ قیاس ہے کہ غیر مسلم وکیل مسلمان مؤکل کے امور میں (بحیثیت وکیل ہونے کے) ایسا تصرف کرے جو شرعاً قابل تسلیم نہ ہو۔ اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ مسلمان کا ذمی کے ساتھ مشترکہ کاروبار انجام دینا درست نہیں ہے۔ سوا اس صورت کے جب کہ خرید و فروخت کا معاملہ اس مسلمان کی موجودگی میں کیا جائے کیوں کہ اگر اس (غیر مسلم وکیل) کو ان معاملات کا مختار بنا دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ اس میں سود کا دخل ہو یا شراب اور یا سور کا سودا کرے جس کو اسلامی شریعت تسلیم نہیں کرتی۔ پس اگر ثابت ہو جائے کہ وہ ایسے معاملات کرتا ہے جس کو شریعت نے حرام کیا ہے تو اس کی شراکت میں جو فائدہ

Marfat.com

حاصل ہوا ہے اس کی بابت تصدیق کرنا واجب ہے۔ اگر اس بارے میں صرف شک ہو تو اس کی تصدیق امر مستحب ہے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے حسن معاملہ سے کام لیا ہے اور احکام شریعت اسلامیہ کے مطابق عمل کیا ہے تو اس پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ اس معاملہ میں ایسا مسلمان بھی جس کو اپنے مذہب کا پاس نہیں ہے ایک ذمی (غیر مسلم فرد معاشرہ) کی مانند ہے۔ غرض ذمی کو وکیل بنانے میں جو امر مانع ہے وہ یہی اندیشہ ہے کہ مبادا وہ معاملات کو اس طرح انجام دے جو شریعت اسلامیہ کے منافی ہو، حالانکہ ہر مسلمان پر یہ امر واجب ہے کہ وہ (معاملات میں) اپنے مذہب کا پاس رکھے لہٰذا اس کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ دوسروں کو اپنے نام پر ایسے امور کے بجالانے کی اجازت دے جو دین سے ثابت نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا مسلمان بھی جسے اپنے دین کا پاس نہ ہو (ان معاملات میں) ذمی کی مانند ہے۔

وہ شرائط جن کا تعلق اس امر سے ہے جس کی انجام دہی کے لئے وکیل بنایا گیا، اس میں صرف ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ بات ایسی ہو جس کو شریعت تسلیم کرتی ہو اور وہ ایسی بات نہ ہو جو صرف مؤکل ہی انجام دے سکتا ہے۔ لہٰذا ایک شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کو ان امور میں وکیل بنائے یعنی معاملۂ خرید و فروخت کرنے اجرت پر رکھنے، نکاح، مصالحت، مضاربت اور شجر کاری اور قابل فسخ معاہدوں کا فسخ کرنا جیسے معاہدۂ زراعت ہے کہ تخم پاشی سے پہلے پہلے جس طرح فریقین میں سے کوئی بھی اسے فسخ کر سکتا ہے اسی طرح یہ بھی اختیار ہے کہ تنسیخ معاہدہ کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنا دے۔

بیع فاسد (یا ناقص معاہدہ بیع) کا بھی یہی حکم ہے، مثلاً کسی نابالغ نے جو صاحب شعور ہے کوئی سودا کر لیا تو اس کے ولی کو حق ہے کہ اس عقد کو فسخ کرنے کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنائے۔ طلاق کے معاملہ میں بھی یہی حکم ہے کہ وہ عقد نکاح کو توڑ سکتا ہے۔ لہٰذا جائز ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے یا عورت خلع کے لئے کسی کو وکیل بنائے۔ اسی طرح جائز ہے کہ کسی شخص کو معاملہ فروخت کے ختم کرنے یا قیمت درگزر کرنے یا کم کرنے یا قرض کے ادا کرنے یا حق واجب کا مطالبہ کرنے کے لئے وکیل بنایا جائے نیز حد، قصاص یا سزا کے بارے میں کسی کو وکیل بنانا جائز ہے۔ اسی طرح خاوند کو حق ہے کہ مثلاً اپنی بیوی کی تادیب کے لئے جو نماز نہ پڑھتی ہو اپنے باپ کو وکیل بنائے۔ چونکہ خاوند کو ترک صلوٰۃ پر سزا دینے کا حق ہے لہٰذا اسے اس حق کا استعمال کرنے کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنانا جائز ہے۔

خوں بہا کے حق دار کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنائے۔ نیز ایک شخص شرعی حدود (سزاؤں) اور تعزیرات کے نفاذ کا مطالبہ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنا سکتا ہے اور حوالہ (کرنے یعنی کسی مطالبہ کو دوسرے پر ڈالنے) کے لئے بھی وکیل بنایا جا سکتا ہے، مثلاً کوئی شخص کسی کا مقروض ہے اور اسی طرح اس کا قرض بھی کسی پر ہو تو وہ کسی شخص کو اس کام کے لئے وکیل بنا سکتا ہے کہ وہ اس قرض خواہ (کے مطالبہ) کو جسے مؤکل سے لینا ہے اس مقروض پر ڈال دے جسے دینا ہے اسی طرح سب کے نزدیک اس امر کے لئے بھی وکیل بنانا درست ہے کہ وہ کسی شخص کو اپنے مؤکل کے اس حق سے بری کر دے جو اس شخص پر عائد ہوتا ہے۔ اگرچہ اس حق کی کیفیت نامعلوم ہو کیوں کہ حق سے دست برداری اس امر پر موقوف نہیں ہے کہ اس کی مقدار وغیرہ معلوم ہو۔

کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ عبادات کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنائے بجز مالی عبادات مثلاً ادائے زکوٰۃ کے کہ اس

Marfat.com

کی ادائیگی کے لئے وکیل ہوسکتا ہے حج کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں وکیل بنانا صحیح ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ صحیح نہیں ہے۔ اور یہ سوال کہ آیا دینی وظائف مثلاً اذان، امامت یا کسی خاص جگہ قرآن خوانی کے لئے کسی کو نائب بنایا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ وقف کرنے والے نے یہ شرط نہ لگادی ہو کہ کسی اور کو اس کام میں نائب نہ بنایا جائے گا۔ اگر وقف کرنے والے نے یہ شرط لگادی ہے کہ کسی دوسرے کو اس کام کے لئے نائب نہ بنایا جائے گا اور کسی کو نائب بنایا گیا تو اس کام کی اجرت ساقط ہوجائے گی۔ نہ اصل شخص (وکیل) اس کا مستحق ہوگا اور نہ اس کا بنایا ہوا نائب۔ لیکن اگر کسی اور کو نائب نہ بنائے جانے کی شرط نہیں تھی تو اصل شخص (جس کے سپرد وہ وظیفہ ہے) اجرت کا مستحق ہوگا اور وہ دونوں (یعنی اصل اور اس کا نائب) جو کچھ باہم طے کرلیں اس کے حق دار ہوں گے، خواہ یہ نیابت لازمی ہو یا غیر لازمی۔ یہاں پر لفظ ''عبادات'' میں گواہی اور حلف شامل ہیں لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ کسی شخص کی بجائے کوئی اور شخص گواہی دے یا حلف اٹھائے۔ اس میں ''ایلاء'' (یعنی عورت کے پاس مقررہ عرصہ تک نہ جانے کی قسم کھانا) اور لعان (یعنی الزام کی شہادت نہ ہونے کی صورت میں موکد بہ لعنت قسم کھانا) داخل ہے۔ ان باتوں کے لئے کسی کو وکیل نہیں بنایا جاسکتا کہ کوئی شخص کسی کو اپنا وکیل اس لئے بنائے کہ وہ اس کی طرف سے اس کی بیوی کے ساتھ ایلاء کرے یعنی یہ قسم کھائے کہ اتنے عرصہ تک اس کا مؤکل اپنی بیوی کے پاس نہ جائے گا۔ یا یہ کہ مؤکل کی جانب سے موکد بہ لعنت حلف اٹھائے کہ اپنی بیوی پر بدکاری کا جو الزام اس کے مؤکل نے لگایا ہے وہ درست ہے۔ ان مسائل کی تفصیل اپنی جگہ پر بتائی جاچکی ہے۔ اس میں وکالت کے درست نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ لعان بھی ایک شہادت یا گواہی ہے جس میں قسم کھا کر حلف اٹھانا ہوتا ہے اور یہ بتایا جاچکا ہے کہ گواہی دینے کے لئے اپنی بجائے کسی اور کو وکیل بنانا درست نہیں ہے۔

گناہ کے کام جیسے چوری یا ظہار کے لئے بھی وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں تم کو اس کام کے لئے وکیل بناتا ہوں کہ تم میری طرف سے ظہار کرو۔ (ظہار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے پشت مادر یعنی ماں کے برابر ہے۔ ایسا کہنے سے اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے تا آنکہ اس کا فدیہ نہ ادا کرے) ایسا کہنا ناپسندیدہ اقوال میں سے ہے لہٰذا اگر کسی کا وکیل یہ کہے کہ میرے مؤکل کی بیوی اس کے لئے ماں کے برابر ہے تو اس کہنے سے ظہار نہ ہوگا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ بھی طلاق کی مانند ہے کیوں کہ اس طرح کہنے اور یہ کہنے میں کوئی فرق نہیں کہ میرے مؤکل کی بیوی کو طلاق ہے۔ یہ دونوں اقوال انشاء (یعنی نئی بات پیدا کرنے والے) ہیں جیسے خرید و فروخت اور نکاح میں ہوتا ہے، لہٰذا دونوں میں توکیل درست ہے۔ رہا یہ سوال کہ آیا حرام طریقہ سے طلاق دینے کے لئے وکیل بنانا ممکن ہے؟ مثلاً کوئی شخص بیوی کے ایام ماہواری میں اسے طلاق دینے کے لئے وکیل بنائے تو اسے طلاق پڑے گی یا نہ پڑے گی؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس حال میں وکیل کے طلاق دینے سے طلاق نہ ہوگی کیوں کہ یہ گناہ کے لئے وکیل بنانا ہے (جو ممنوع ہے)۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ طلاق پڑ جائے گی کیوں کہ طلاق بذات خود گناہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک عارضی سبب یعنی ایام ناپاکی کی وجہ سے حرام ہوا ہے۔ یاد رہے کہ یہ اختلاف اسی صورت میں ہے جب کہ کسی شخص نے اس کے لئے اس وقت وکیل بنایا ہو جب کہ عورت اس حال میں ہو۔ لیکن اگر محض طلاق کے لئے کسی کو وکیل بنایا گیا اور وکیل نے ایام ماہواری میں طلاق دی تو مؤکل کی جانب سے یہ طلاق بالاتفاق پڑ

جائے گی کیوں کہ اصل شے جس کے لئے وکیل بنایا گیا وہ گناہ نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے جن امور کا انسان کو مکلف (یا ذمہ دار) بنایا ہے ان کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم میں وہ امور ہیں جن کا تعلق خصوصیت کے ساتھ عمل کرنے والے کے بہبود سے ہے کہ اگر اس کام کو اس کے سوا کوئی اور شخص انجام دے تو وہ شرعی مصلحت جس کے پیش نظر وہ حکم دیا گیا تھا وہ جاتی رہے گی۔ ایسے امور میں کسی کو نائب یا وکیل بنانا قطعاً ممنوع ہے۔ ان امور کی مثال اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔ ذات مبعود کو برحق ماننے کی غرض یہ ہے کہ بندہ اس کی بندگی کا اعتراف اور اس کی برتری وعظمت کا اقرار کرے۔ یہ امر ایسا ہے جو بندے کے لئے مخصوص ہے اور اس کا فائدہ اسی کی ذات خاص کو پہنچتا ہے لہٰذا وہ اس کے لئے کسی اور کو اپنا نائب نہیں بنا سکتا۔

نماز روزہ بھی اس میں شامل ہیں۔ ان کی بجا آوری کا حکم بھی شریعت میں اسی لئے ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی برتری کا اعلان اور اس کی بندگی (یا طاعت گزاری) کا اظہار کرے اور یہ کام خود اس کی اپنی ذات سے انجام پا سکتا ہے لہٰذا کوئی شخص یہ کام اپنی بجائے کسی اور کے سپرد نہیں کر سکتا۔ یہی حال حلفیہ شہادت دینے کا ہے کہ شریعت نے اس کا حکم بجز اس مقصد کے نہیں دیا کہ اس سے مدعی کی سچائی ثابت ہو۔ پس (شاہد کی بجائے) کسی اور کے حلف اٹھا لینے سے یہ مقصد حاصل نہ ہوگا لہٰذا اس میں نیابت (یا وکالت) کی گنجائش نہیں ہے۔

نکاح یعنی مباشرت کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اس کا مقصد بے حیائی کی بات سے نفس کو روکنا اور نسب (اپنی نسل) کا تحفظ ہے۔ لہٰذا یہ کسی اور کے کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے پس اس کے لئے کسی اور کو نائب بنانا درست نہیں ہے۔ بر خلاف نکاح یعنی عقد کے جس کی غرض رشتہ زوجیت کو روا ہونے کا وسیلہ بنانا ہے۔ یہ مقصد خود نکاح کر لینے سے یا اس کی طرف سے وکیل کے انجام دینے سے حاصل ہو سکتا ہے اور اس طرح وہ خاص مصلحت جو نکاح میں پیش نظر ہے فوت نہیں ہوتی۔ (پس اس کے لئے وکیل بنانا جائز ہے)۔

دوسری قسم ایسے امور کی ہے جن کی مصلحت کا تعلق، لوگوں سے قطع نظر، خود کام کی انجام دہی سے ہے (یعنی وہ کام خواہ کوئی بھی انجام دے مقصد حاصل ہو جائے گا) مثلاً غصب شدہ یا مانگے کو لی ہوئی شے کی واپسی، ادائیگی قرض، تقسیم زکوٰۃ اور حق داروں کی حق رسی۔ یہ وہ امور ہیں جن کی بجا آوری کا مطالبہ صاحب شریعت نے ہر مکلف (پابند شرع) انسان سے کیا ہے۔ کیوں کہ اس کا انجام پانا عین خیر ہے۔ کہ جب کبھی یہ کام انجام پا جائے تو مقصد پورا ہو جائے گا، خواہ اس کو پابند شرع انسان خود انجام دے یا اس کی طرف سے اس کا وکیل انجام دے یہاں تک کہ اگر ذمہ دار شخص کو اس کا علم نہ ہو تب بھی (مقصد حل ہو جائے گا)۔

تیسری قسم میں وہ احکام شرعی ہیں جن کی مصلحت ایک طرف محض کام سے اور دوسری طرف عمل کرنے والے کی ذات سے تعلق رکھتی ہے جیسے حج کہ اس کے مشروع ہونے کے دو سبب ہیں: ایک تو اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی برتری اور اس کے آگے سر اطاعت خم کرنے کا اظہار ہے۔ اس مصلحت کا تعلق عمل کرنے والے کی ذات سے ہے اور یہ مقصد جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ عمل کرنے والا اسے خود انجام دے۔ لہٰذا یہ مقصد کسی اور کے انجام دینے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اس میں مال خرچ کیا جاتا ہے جس سے عوام الناس کو فائدہ پہنچتا ہے اور مال کے خرچ کرنے

Marfat.com

کی یہ مصلحت بہر حال حاصل ہو سکتی ہے خواہ کوئی شخص بھی کرے۔ پس جن اصحاب نے پہلی حالت کو پیش نظر رکھا ہے انہوں نے ایسے احکام کو پہلی قسم کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ حج کی ادائیگی کے لئے کسی اور کو نائب بنانا درست نہیں ہے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص کسی اور کی جانب سے حج کرے تو اس شخص کے ذمہ سے حج کی فرضیت ساقط نہ ہوگی ہاں اسے مال خرچ کرنے اور دعا مانگنے کا ثواب حاصل ہوگا۔ اور دوسروں پر خرچ کرنے کی مصلحت قابل نظر انداز ہے کیوں کہ یہ امر عارضی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل مکہ بغیر کچھ خرچ کیے حج کر لیتے ہیں۔ لیکن جن اصحاب نے دوسری بات کو پیش نظر رکھا ہے (یعنی اللہ کی راہ میں مال کا خرچ کرنا) جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وہ فرماتے ہیں کہ دوسرے شخص کی جانب سے حج کرنا (یعنی حج بدل) جائز ہے کیوں کہ اکثر صورتوں میں حج مالی عبادت سے جدا امر نہیں ہے۔ پس ایسی صورت میں اہل مکہ کو جو خرچ کے بغیر حج کرتے ہیں (اکثریت کے پیش نظر) نظر انداز کیا جائے گا کیوں کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

صیغہ وکالت (یعنی وہ عبارت جس سے وکالت ہوتی ہے) کی تین قسمیں تین اعتبار (لحاظ) سے ہیں: بلحاظ مؤکل ، بلحاظ وکیل اور بلحاظ کار وکالت۔ مؤکل کے پیش نظر وکالت کے الفاظ میں یہ شرط ہوگی کہ اس عبارت کا مفہوم عرف عام، لغت یا دستور کی رو سے وکیل بنانے پر دلالت کرتا ہو۔ اگر اس عبارت کا لغوی مفہوم عرف عام سے مختلف ہو تو عرف عام کے مفہوم پر عمل ہوگا اور لغوی مفہوم کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ صیغہ وکالت میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس کے مخصوص الفاظ استعمال کیے گئے ہوں۔ پس اگر یوں کہا کہ میں تم کو وکیل بناتا ہوں یا یہ کہ تم میرے وکیل ہو تو یہ درست ہے، اسی طرح جیسے یوں کہنا کہ تم میری طرف سے تصرف کرو۔ اور جس طرح الفاظ کے استعمال سے وکالت درست ہوتی ہے اسی طرح گونگے یا ایسے شخص کے اشارے سے بھی وکالت ہو سکتی ہے جسے کسی وجہ سے بولنے کی ممانعت ہو۔ یا عام دستور یا عمل سے وکالت ہونے کی مثال یہ ہے کہ دو بھائیوں کا مشترکہ مکان ہو اور یہ دستور ہو کہ ان میں سے کوئی بھی اس مکان کو کرایہ پر دے سکتا ہے اور یا کرایہ وصول کرتا ہے تو وہ شخص اپنے بھائی کا وکیل متصور ہوگا۔ اور اگر وہ کہے کہ بھائی کا حصہ اس نے دے دیا ہے تو اس کی بات مانی جائے گی تا آنکہ اس کی زیادتی ثابت نہ کی جائے۔

وکیل کے لحاظ سے صیغہ وکالت کے لئے یہ شرط ہے کہ ان الفاظ سے یہ پایا جاتا ہو کہ اس نے وکیل بننا قبول کر لیا ہے۔ اب رہا یہ کہ آیا قبولیت کا اظہار کرنا اسی وقت واجب ہے یا تاخیر سے بھی ہو سکتا ہے، اس بارے میں اختلاف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں معروف طریق کار اور دستور پر عمل ہوگا۔ یعنی اگر مؤکل نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ بالعموم اس امر کے متقاضی ہیں کہ فوراً جواب دیا جائے تو واجب ہوگا کہ وکیل فوری طور پر وکیل بننا قبول کرے ورنہ نہ ہوگا۔

صیغہ وکالت کا تعلق جہاں تک کار وکالت سے ہے کہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ جس کام کے لئے وکیل بنایا گیا ہے اس کی نوعیت معلوم ہو، خواہ وہ الفاظ عام وکالت کے لئے ہوں جسے وکالت مفوضہ کہتے ہیں یا وہ الفاظ کسی خاص کام کی وکالت سے تعلق رکھتے ہوں (جسے وکالت خاص کہتے ہیں) جیسے کسی متعین شے کی فروخت یا کسی متعین حق کا مطالبہ کرنے کے لئے وکیل بنایا جائے وغیرہ۔ کار وکالت (کی نوعیت) معلوم ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے ایسی عبارت استعمال کی جائے جو عرف یا لغت کے اعتبار سے اس پر دلالت کرتی ہو۔ اس بارے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ مفہوم عرفی (یا

Marfat.com

مفہوم معروف) کولغوی مفہوم پر ترجیح حاصل ہوگی جب کہ دونوں میں اختلاف ہو۔ گونگے یا ایسے شخص کا جو کسی سبب سے نہ بول سکتا ہو اشارہ سے بتانا (زبان سے) کہنے کے برابر ہے۔ اگر کسی شخص نے کہا کہ ''تم میرے وکیل ہو'' یا یہ کہ ''میں نے تم کو اپنا وکیل بنایا'' اور یہ نہیں بتایا کہ کس کام کے لئے وکیل بنایا ہے اور نہ قرینہ یا کام دستور ایسا ہو جو اس کام کی تعیین کرے تو محض اس قدر کہنا صحت وکالت کے لئے کافی نہیں ہے اگر چہ یہ الفاظ کہ ''میں نے تم کو وکیل بنایا'' لغت کی رو سے وکیل بنانے پر دلالت کرتے ہیں، تاہم اس کو تسلیم نہ کیا جائے گا، تاوقتیکہ طریقہ معروف اس کی تائید نہ کرتا ہو، لہٰذا ضروری ہے کہ مولف کار وکالت کو بیان کردے خواہ عام ہو یا خاص کام۔

وکالت عامہ کی مثال یہ ہے کہ مؤکل کہے کہ میں نے سب کام تمہارے سپرد کر کے تمہیں وکیل بنایا (اس کو وکالت مفوضہ کہتے ہیں)۔ یا یوں کہے کہ میں نے اپنے تمام امور میں تم کو اپنا وکیل اور قائم مقام بنایا۔ یا اسی طرح کے اور الفاظ جو وکالت عامہ کے مفہوم پر دلالت کریں۔ امر ثانی (وکالت خاصہ) کی مثال یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں اس مکان کو خریدنے اور یا فلاں شخص پر جو میرا مطالبہ ہے اس کی وصولیابی کے لئے وکیل بناتا ہوں وغیرہ۔

وکالت عامہ (یا مختار عام) کو مؤکل کے ہر ایسے تصرف کا اختیار ہوگا جس میں مالی نقصان متصور نہ ہو۔ اور مؤکل کو حق نہیں ہے کہ اپنے وکیل کے تصرف کو رد کردے یا اسے (تصرفات میں نقصان کا) ضامن قرار دے اور اس پر مطالبہ عائد کرے۔ تاہم اس طرح کی وکالت جس میں مال کا نقصان ہونا فذ العمل نہ ہوگی۔ لہٰذا وکیل کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے مؤکل کے مال کو خیرات کردے، نہ یہ حق ہے کہ اسے ہبہ کرے اور نہ ایسا کوئی کام کرے جس میں نقصان ہو۔ سوا اس صورت کے جب کہ مؤکل نے یوں کہا ہو کہ تم کو وکالت مفوضہ حاصل ہے (یعنی تمام کام سپرد کر کے وکیل بنایا گیا ہے) اور جو کام بھی تم سے سرزد ہوگا، وہ نافذ العمل ہوگا خواہ وہ کام نقصان دہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر وکیل مالی نقصان پہنچانے والا کام بھی کرے تو وہ واجب التسلیم ہوگا۔ تاہم وکیل کے لئے حرام ہے کہ وہ ایسا کام کرے جو مؤکل کے حق میں نقصان رساں ہو اگر چہ مؤکل نے اسکی اجازت دی ہو کیوں کہ وکیل امانت دار ہوتا ہے اور امین پر لازم ہے کہ مال امانت کو نقصان نہ پہنچنے دے۔ اگر وکیل نے حماقت یا فضول خرچی سے کام لیا ہے تو بہر حال اس کا تصرف تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اگر وہ مال وکیل نے گناہ میں صرف کیا ہے تو اس کی وکالت سرے سے باطل ہوگی، کیوں کہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے گناہ کے کام میں وکالت درست نہیں ہے۔

واضح ہو کہ وکالت عامہ (یعنی مختار عام بننے) میں چند باتیں مستثنیٰ ہیں: ایک بات مؤکل کی بیوی کو طلاق دینا ہے۔ کار وکالت میں یہ امر داخل نہیں ہے، اگر چہ مؤکل نے یہ کہا ہو کہ تم جو کچھ بھی کرو گے وہ نافذ العمل ہوگا۔ خواہ اس میں نقصان ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ بیوی کی طلاق کے بارے میں معروف طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے وکالت خاص درکار ہے بایں طور کہ یوں کہا جائے کہ میں تمہیں اپنی فلاں بیوی کو طلاق دینے کے لئے وکیل بناتا ہوں یا بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ اس بیوی کو طلاق دینے کے لئے وکیل بناتا ہوں۔

دوسری بات بیٹی کے نکاح کی وکالت ہے، یعنی وکیل عام کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے مؤکل کی بیٹی کا نکاح کر دے تاوقتیکہ خاص اس کام کے لئے اسے وکیل نہ بنایا گیا ہو بایں طور کہ وہ کہے کہ میں تم کو اپنی فلاں بیٹی یا اس کی طرف

Marfat.com

اشارہ کر کے کہے کہ اس بیٹی کے نکاح کا وکیل بناتا ہوں۔

تیسری بات اس گھر کی فروخت ہے جس میں اس کی رہائش ہے۔اس میں بھی وکیل خاص بنانے کی ضرورت ہے بایں طور کہ یوں کہا جائے کہ میں فلاں گھر کو یا اس گھر کو فروخت کرنے کے لئے وکیل بناتا ہوں۔

چوتھی بات ایسے غلام کو فروخت کرنا ہے جس پر گھر بھر کے امور کا دارومدار ہے۔یہ بھی وکیل عام کی حد اختیار سے مستثنیٰ ہے۔

غرض یہ چار امور مختار عام کی وکالت میں داخل نہیں ہیں۔ان کے لئے مختار خاص کا ہونا ضروری ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مؤکل کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ خود اس کام کے انجام دینے کا اہل ہو جس کے لئے وہ کسی کو وکیل بنانا چاہتا ہے۔اہل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے خود اس کام میں تصرف کرنا درست ہو۔پس بچہ نابالغ، پاگل، مدہوش اور نشہ باز جو نشہ میں ہو یہ سب وکیل بنانے کی صلاحیت سے خارج ہیں۔اسی طرح بدکار شخص کسی کو اپنی زیر ولایت لڑکی کے نکاح کا وکیل نہیں بنا سکتا کیوں کہ بدکار شخص ولی بننے کا اہل نہیں رہتا۔اور سویا ہوا (یعنی جو عالم غنودگی میں ہو) اور بے عقل انسان جسے حماقت کے باعث مال وغیرہ کے معاملات کا نااہل قرار دیا گیا ہو کسی کو وکیل نہیں بنا سکتا اور عورت عقد نکاح کے لئے کسی کو وکیل نہیں بنا سکتی۔کیوں کہ وہ خود ولی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔اسی طرح وہ شخص جو حالت احرام میں ہے خود عقد نکاح نہیں کر سکتا لہٰذا وہ کسی اور کو اس کام کے لئے وکیل نہیں بنا سکتا۔

اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایسی بات جسے کوئی شخص بذات خود انجام دینے کا اہل ہے اسے جائز ہے کہ اس کے لئے دوسرے کو اپنا وکیل بنا دے اور جن امور میں کوئی شخص خود ولی کی اجازت کے بغیر تصرف کا مجاز نہیں اس کے لئے جائز نہیں ہیں کہ کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنائے۔لیکن یہ قاعدہ اکثریت کی بنا پر ہے کیوں کہ اس مسئلہ کی شق اول سے چند مسائل مستثنیٰ ہیں۔منجملہ ان کے ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی بند گھر پر اپنا حق ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن بغیر دروازہ توڑے یا دیوار پھوڑے اس میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے تو اس پر لازم ہے کہ یہ کام وہ خود ہی انجام دے۔یہ درست نہیں ہے کہ اس کے لئے کسی کو وکیل بنائے۔البتہ اگر وہ اس کام سے ناواقف ہونے یا اس کی شان کے خلاف ہونے کے باعث خود وہ کام انجام نہ دے سکتا ہو تو ایسی صورت میں اس کام کے لئے کسی کو وکیل بنانا درست ہوگا۔لیکن اس شخص کو وہ کام خود کرنا ہوگا، اسے آگے کسی اور کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

اگر سفیہ مجور (یعنی بے عقل نااہل معاملہ) کو اس کا ولی نکاح کرنے کی اجازت دے دے تو اس پر لازم ہے کہ وہ یہ کام خود کرے، کسی اور کو اپنی طرف سے وکیل بنانے کا حق نہیں ہے۔

ایسی ہی ایک صورت یہ ہے کہ اگر کوئی وکیل اپنے کار مفوضہ کو خود سرانجام دینے کی اہلیت رکھتا ہے تو لازم ہے کہ وہ کام خود انجام دے؛ اسے اپنی طرف سے کسی اور کو اس کام کے لئے وکیل بنانا درست نہیں بجز اس صورت کے جب کہ وہ کام اس کے کرنے کے لائق نہ ہو۔

اسی طرح کچھ مسائل ایسے ہیں جو (قاعدہ کی دوسری شق سے) مستثنیٰ ہیں۔مثلاً نابینا کہ اس کے لئے ایسے امور کا انجام دینا جائز نہیں ہے جن کی انجام دہی کے لئے مشاہدہ ضروری ہے۔تاہم وہ اپنی طرف سے کسی اور کو وکیل بنا سکتا ہے

Marfat.com

اس صورت میں اگر چہ اسے خود تصرف کرنا جائز نہ تھا باوجود اس کے وکیل بنانا اسے جائز ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کے لئے حالت احرام میں ہے اور اسے خود عقد نکاح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا تاہم یہ درست ہے کہ وہ کسی اور کو وکیل بنائے کہ وہ حلال ہو جائے (یعنی حج یا عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد) اس کی شادی کر دے۔ اس میں وکیل بنانے کے وقت یہ صراحت کی گئی ہو کہ شادی حلال ہونے (یعنی تکمیل حج یا عمرہ) کے بعد ہوگی یا یہ صراحت نہ کی گئی ہو تب بھی یہی خیال کیا جائے گا کہ شادی احرام کھلنے کے بعد ہی ہوگی۔ غیر محرم (جو حالت احرام میں نہیں ہے) کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کو عقد نکاح کے لئے اپنا وکیل بنائے، کیوں کہ محرم سفیر (ایلچی) ہوتا ہے جو عقد نکاح نہیں کر سکتا۔

واضح ہو کہ جس طرح مؤکل کے لئے یہ شرط ہے

کہ جس کام کے لئے وہ کسی کو وکیل بناتا ہے اس کی انجام دہی کا وہ خود اہل ہو، اسی طرح وکیل کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ اسے جس کام کے لئے وکیل بنایا گیا ہے وہ اس کام کا اہل ہو غرض ہر وہ شے جس میں انسان کو خود تصرف کا حق ہے، جائز ہے کہ وہ اس کام میں کسی اور کی طرف سے وکیل بنے اور ہر ایسا کام جس کے کرنے کا وہ اہل نہیں اس میں کسی دوسرے کا وکیل بننا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ قاعدہ بھی اکثریت کی بنا پر ہے چنانچہ اس قاعدہ کی دوسری شق سے چند صورتیں مستثنیٰ ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ عورت کسی کی بیوی کو طلاق دینے کی وکیل بن سکتی ہے لیکن وہ خود کو طلاق دینے کی نا اہل ہے۔ پس اگر چہ وہ خود اس کام کو انجام نہیں دے سکتی لیکن دوسرے کی وکیل بن سکتی ہے۔ اسی طرح بے عقل نا اہل معاملہ اور یا غلام اپنے آقا (یا ولی) کی اجازت کے بغیر قبولیت نکاح کے لئے وکیل بن سکتے ہیں حالاں کہ وہ خود ولی یا آقا کی اجازت کے بغیر عقد نکاح میں قبولیت کا کام انجام نہیں دے سکتے۔

ایسا ہی وہ نیک بچہ (نابالغ) جس کا جھوٹ بولنا ایک بار بھی ثابت نہیں ہے اسے کسی کے پاس ہدیہ (یا تحفہ یا نذر) پہنچانے کے لئے وکیل بنانا یا کسی گھر کا دخل حاصل کرنے کی اجازت دینا، زکوٰۃ کی تقسیم یا قربانی کو ذبح کرنے کے لئے وکیل بننا جائز ہے حالاں کہ اسے خود ان امور کے انجام دینے کی اجازت نہیں ہے۔

یہ شرائط وہ ہیں جن کا تعلق وکیل اور مؤکل سے ہے۔ تاہم وکیل بننے کی شرطوں میں اس امر کا اضافہ کیا گیا ہے کہ وکیل بننے کے لئے لازم ہے کہ اس کی تعیین ہو جائے۔ لہٰذا اگر دو اشخاص ہیں اور ان سے یہ کہا گیا کہ میں فلاں چیز کو فروخت کرنے کے لئے تم میں سے ایک کو وکیل بناتا ہوں تو یہ درست نہیں ہے۔ کار وکالت (یعنی وکیل کے سپرد شدہ کام) کے لئے بھی چند شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ اس کام کی نوعیت کچھ نہ کچھ معلوم ہو۔ اگر بالکل ہی وکیل کو اس کام کی بابت علم نہ ہو تو وکالت درست نہ ہوگی۔ کار وکالت کے نا معلوم ہونے کی مثال یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں آپ کو اپنے تمام امور میں اور اپنے ہر کم و بیش میں وکیل بناتا ہوں۔ تو اس طرح وکیل بنانا درست نہ ہوگا کیوں کو اس ناواقفیت کے باعث جو گڑبڑ ہوگی اس میں جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے۔

وکالت کے کام کی نوعیت کا کچھ نہ کچھ معلوم ہونے کی صورت یہ ہے کہ مؤکل نے یہ کہہ کر وکیل بنایا ہو کہ میں آپ کو اپنے مال اور جانوروں کی فروخت کے لئے وکیل بناتا ہوں۔ اس میں اگر چہ اس کے مال کا پورا علم نہ ہو تب بھی وکالت

Marfat.com

درست ہے، کیوں کہ کارو کالت کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ دوسرے معاملات اور کارو کالت میں امتیاز کیا جا سکے۔

(کارو کالت کی) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کام نیابت کے قابل ہو، اور اس میں نیابت چل سکنے کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ کی توثیق یا تنسیخ کی جا سکے لہٰذا ایک شخص کو حق ہے کہ وہ خرید و فروخت، ہبہ، ضمانت اوٹنے، وصیت کرنے اور حوالہ (یعنی اپنے ذمہ کا مطالبہ دوسرے پر ڈالنے) وغیرہ معاملات میں اپنی بجائے کسی اور کو وکیل بنائے۔ ضمانت اوٹنے کی وکالت یہ ہے کہ وکیل کہے کہ میں اپنے مؤکل کو فلاں شے کو تمہارے حق میں موصی (وصیت کرنے والا) بناتا ہوں۔ حوالہ کی صورت یہ ہے کہ وکیل کہے کہ تمہارا مطالبہ جو میرے مؤکل پر ہے میں اس کی ادائیگی فلاں شخص کے حوالے کرتا ہوں جس پر میرے مؤکل کا اس قدر قرض ہے۔ معاملات کا فسخ کرنا یہ ہے کہ مؤکل کسی کو اس امر کے لئے وکیل بنائے کہ وہ فلاں سامان کا عقد بیع فسخ کر دے یا خرید شدہ سامان میں کوئی عیب نکل آنے کی بنا پر اسے واپس کر دے یا خیار مجلس اور خیار شرط کی بنا پر معاملہ فسخ کر دے۔ اسی طرح مؤکل کو یہ بھی حق ہے کہ وہ کسی کو قرضہ یا کوئی شے حاصل کرنے کے لئے وکیل بنائے یا مؤکل کی جانب سے قرض کی ادائیگی کرے۔

یاد رہے کہ اگر مؤکل کے پاس کسی کی کوئی شے از قسم گندم یا جانور ہے تو یہ درست نہ ہوگا کہ اس کی سپردگی کے لئے کسی اور کو وکیل بنائے بلکہ بقول معتمد ضروری ہے کہ وہ مال بذات خود واپس کرے۔ نیز مؤکل کو حق ہے کہ کسی پر استغاثہ کرنے یا جواب دعویٰ دائر کرنے کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنائے، فریق مخالف اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ اور مؤکل کو حق ہے کہ مباح شے کا مالک ہونے کے لئے کسی کو وکیل بنائے مثلاً مچھلی یا پرندوں کا شکار کر کے لانے کے لئے۔ مؤکل یہ بھی کر سکتا ہے کہ سزا کا مطالبہ کرنے یا مجرم کو سزا دلانے کے لئے کسی کو وکیل بنائے۔ اور اس لئے بھی وکیل ہو سکتا ہے کہ شرعی حدود کے نافذ ہونے کے موقع پر (مؤکل کی طرف سے) وکیل موجود رہے۔ لیکن سزا پانے کے لئے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں ہے یعنی یہ کہ اسے اپنی بجائے سزا بھگتنے کے لئے وکیل بنائے۔ ایسے معاملات نیابت کے قابل نہیں ہیں (ملاحظہ ہو مسلک حنفیہ)۔

ایسی بدنی عبادت کے لئے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں ہے جس کا ادا کرنا اور جس کی نیت کرنا خود اس شخص کا کام ہے مثلاً نماز اور امامت۔ امامت میں اگرچہ نیت کی حاجت نہیں ہے لیکن اس کا تعلق نماز سے ہے اور نماز کے لئے نیت لازمی ہے۔ اس مسئلہ میں حلف، ایلاء، ظہار، گواہی اور منت داخل ہیں (ان کی تفصیل اوپر آ چکی ہے)۔ ان میں سے کوئی امر قابل نیابت (یا وکالت) نہیں ہے۔ البتہ بدنی اور مالی مشترکہ عبادتوں کے لئے وکیل بنانا درست ہے جیسے حج، عمرہ، میت کی تجہیز و تکفین نیز حج میں جو امور شامل ہیں مثلاً طواف کی دو رکعتیں اگرچہ یہ نماز ہے جس میں نیابت سود مند نہیں ہوتی لیکن حج کے زمرہ میں اس کے اندر بھی نیابت ہو سکتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خالص بدنی عبادتوں مثلاً نماز، روزہ میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ خالص مالی عبادتیں یا مالی اور بدنی مشترکہ عبادتیں قابل نیابت ہیں (یعنی دوسرے شخص کی طرف سے انجام دی جا سکتی ہیں)۔

کارو کالت میں تیسری بات قابل لحاظ یہ ہے کہ جس شے کو وکیل کے کام سے تعلق ہے وہ مؤکل کی ملکیت ہو (یعنی مؤکل کو اختیار ہو) چنانچہ اگر اس امر کے لئے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ اس عورت کو طلاق دے جس سے وہ شادی کرنے والا ہے تو یہ وکالت باطل ہے (کیوں کہ شادی سے پہلے مؤکل طلاق کا مالک نہیں ہوتا)۔

Marfat.com

اب رہا صیغہ وکالت (یعنی وہ الفاظ جو وکیل بنانے کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں اور) جو فریقین وکیل یا مؤکل دونوں میں سے کوئی استعمال کرے اور دوسرا اسے رد نہ کرے۔ اگر مؤکل نے کہا کہ میں نے تم کو اس کام کے لئے وکیل بنایا، یا یوں کہا کہ یہ کام میں نے تمہارے سپرد کیا، خواہ یہ الفاظ روبرو کہے جائیں یا لکھ کر یا کسی فرستادہ کی معرفت تو یہ درست ہوگا۔ اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وکیل یہ بھی کہے کہ میں نے قبول کیا بلکہ صرف یہ شرط ہے کہ اس سے انکار نہ کرے۔ اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وکیل کو اپنے وکیل بنائے جانے کا علم بھی ہو، چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنے بھائی کو کسی کام کی انجام دہی کے لئے وکیل بنایا اور اس نے یہ جاننے سے پہلے کہ اس کے بھائی نے اسے وکیل بنایا ہے وہ کام انجام دیا تو جو کچھ اس نے کیا وہ نافذ العمل متصور ہوگا۔ وکیل کے لئے کار وکالت کی فوری انجام دہی شرط نہیں ہے چنانچہ اگر کسی کو اپنے وکیل بننے کا علم ہوا اور فوراً ہی وہ اس کام کی انجام دہی میں نہیں لگ گیا اور نہ فوراً اس سے انکار کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم حسب ذیل دو صورتوں میں الفاظ کا تبادلہ ضروری ہے:

ایک یہ کہ ایک شخص کسی چیز کا مالک ہو لیکن وہ چیز کسی اور شخص کے پاس ہے، کرایہ پر یا عاریتاً یا کسی اور طرح سے، اب وہ چیز مالک نے کسی اور کو ہبہ کر دی اور جسے ہبہ کیا اس نے اس چیز پر قبضہ کرنے کے لئے اسی کو وکیل بنایا جس کے پاس سر دست وہ چیز ہے تو یہ درست نہ ہوگا جب تک کہ وہ قابض الحال اس وکالت کو لفظاً قبول نہ کرے اور اس کے قبضہ سے وہ چیز نکل نہ جائے۔ ایسی زمین کا اپنے زیر حفاظت رکھنا کافی نہیں ہے کیوں کہ اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ اسی کے پاس کرایہ پر یا عاریتاً برقرار رہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وکالت کی اجرت (یا فیس) لی گئی ہو۔ پس اگر ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ فلاں زمین اس کے لئے خرید کر دے اور اس کام کی ایک خاص اجرت مقرر کی تو اس صورت میں وکیل کے لئے لازم ہوگا کہ وہ وکالت قبول کرنے کے الفاظ ادا کرے کیوں کہ یہ وکالت اس حال میں اجارہ (یعنی کسی کو اجرت پر رکھنا) ہے اور اس میں یہ شرط ہے کہ جس کام کے لئے وکیل بنایا گیا ہے وہ متعین ہو جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مؤکل کے لئے شرط ہے کہ جس کام کے لئے اس نے کسی کو اپنا وکیل بنایا ہے وہ خود اس کام کا اہل ہو کیوں کہ جو شخص کسی کام کے انجام دینے کا خود اہل نہیں ہے اس کے نائب کا اس کام کو انجام دینا بدرجہء ادنی درست نہ ہوگا۔ ایسی صورت مستثنیٰ ہے جس میں مجبوراً ایسا کرنا پڑے (یعنی اس کام کو خود کرنے سے وہ معذور ہو)۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ مؤکل نابینا ہو۔ ایسے شخص کو وہ معاملہ انجام دینا منع ہے جس کی انجام دہی میں دیکھنے کی ضرورت ہے مثلاً (کسی شے کی) خرید و فروخت اور کرایہ داری کا معاملہ ہے۔ ایسے شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا وکیل کسی کو بنالے کیوں کہ اسے یہ معاملہ کرنا اس لئے منع ہے کہ وہ مال بیع کو دیکھ کر جان نہیں سکتا، اس لئے نہیں کہ نفس معاملہ میں کوئی نقص ہے۔

اور ایسا شخص جو معاملہ کے وقت موجود نہ ہو وہ بھی نابینا ہی کی مانند ہے۔ اسے بھی جائز ہے کہ بیع یا کرایہ کے معاملہ میں کسی کو اپنا وکیل بنائے حالاں کہ اس مال کو نہ دیکھ سکنے کے باعث اس کا معاملہ کرنا منع ہے۔

اس شرط (اہلیت) کے لگانے سے نابالغ، بے عقل، جنون زدہ وغیرہ بھی (وکیل بنانے کی اہلیت سے) خارج ہو گئے، جیسا کہ بیع کے بیان میں بتایا گیا ہے البتہ کسی باشعور نابالغ لڑکے کا اپنے ولی کی اجازت سے ایسے معاملات کی انجام دہی درست ہے جس میں بالغ ہونے کی شرط نہیں ہے۔ پس اسے نکاح جیسے امور میں کسی کو وکیل بنانا درست نہیں ہے ہاں

Marfat.com

قبولیت نکاح کے لئے وہ وکیل بنایا جاسکتا ہے۔اور اگر اسے طلاق کا شعور اور عقل ہے تو ولی کی اجازت کے بغیر طلاق کے لئے کسی کو وکیل بنا سکتا ہے۔

(مؤکل کی طرح) وکیل کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ وہ اس کام کے انجام دینے کا اہل ہو جس کے لئے وکیل بنایا گیا ہے۔ یہ درست نہیں ہے کہ وہ ایسے امور کے لئے وکیل بنایا جائے جنہیں وہ خود انجام دینے کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔اس حکم سے چند صورتیں مستثنیٰ ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ماں کا نکاح کسی ایسے شخص سے کرانے کے لئے جس سے نکاح مباح ہو ایک آزاد، مال دار شخص کو جو نکاح پر قادر ہو وکیل بنائے۔اس میں اگر چہ اس شخص کو خود نکاح کرنا ممنوع ہے لیکن دوسرے سے نکاح کے لئے وکیل بنا سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک محتاج شخص اپنے لئے زکوٰۃ وصول کرنے کی خاطر کسی مال دار کو وکیل بنائے۔اگر چہ وہ مال دار اپنے لئے زکوٰۃ نہیں لے سکتا، لیکن دوسرے کا وکیل بن سکتا ہے۔کفارہ اور منت کی رقم کا بھی یہی مسئلہ ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کی بہن یا پھوپھی کا نکاح کسی سے ہو اور وہ اس میں قبولیت کے لئے وکیل بنے کہ اس میں وہ خود ان سے نکاح نہیں کر سکتا لیکن کسی اور سے نکاح میں قبولیت کا وکیل بن سکتا ہے۔

(قاعدہ نا اہلیت وکالت کی) مستثنیٰ صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک عورت اپنے تئیں یا کسی اور عورت کو طلاق دینے کے لئے وکیل بن سکتی ہے لیکن بغیر وکیل بنے کسی کو طلاق نہیں دے سکتی۔ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں لیکن زیادہ نہیں ہیں۔

اب رہا کار وکالت (جس کے لئے کسی کو وکیل بنایا گیا)۔اس میں وہ تمام معاملات شامل ہیں جن کے کرنے کا انسان کو حق ہے کہ ان میں خرید و فروخت، اجارہ (کرایہ داری) مضاربت (مال اور محنت کی مشارکت) قرض لینا اور اس کی ادائیگی، طلاق دینا، اس سے رجوع کرنا، حوالہ (ایک کا مطالبہ دوسرے پر ڈالنا)، رہن کرنا یا رکھنا، ضمانت دینا، کسی کی سرپرستی قبول کرنا، (کسی کام میں) شرکت کرنا، امانت رکھنا، شجر کاری (کی مشارکت) ہبہ، صدقہ، وصیت، وقف اور تقسیم وغیرہ تمام امور شامل ہیں۔اسی طرح مباح اشیاء کے حصول مثلاً شکار کرنے یا لکڑی جمع کرنے اور مردہ زمین کو قابل کاشت بنانے کے لئے بھی کسی کو وکیل بنانا داخل ہے۔

ایسے امور میں جنہیں دوسرا نہیں کر سکتا وکالت درست نہیں ہے مثلاً ظہار (بیوی کو ماں کہہ دینا) ایمان (حلف اٹھانا)، لعان (موکد بہ لعنت قسم کھانا) نذر (منت)، ایلا (بیوی کے پاس ایک عرصہ کے لئے نہ جانے کی قسم کھانا) قسامہ (قسم پر فیصلہ کرنا)، بیویوں میں باری مقرر کرنا، گواہی دینا اور گری پڑی چیز یا لاوارث بچہ کو اٹھانا، یہ وہ امور ہیں جن کے لئے کسی اور کو نائب نہیں بنایا جا سکتا۔اسی طرح گناہ کے کام اور دودھ پلانے وغیرہ میں وکالت درست نہیں ہے۔ عقد ازدواج کی قبولیت کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنانا درست ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ ولی نکاح اس عقد کو مؤکل ہی کی طرف نسبت کرے۔چنانچہ زوجہ کا وکیل یوں کہے گا کہ میں اپنی مؤکلہ کو تمہارے مؤکل شخص کے عقد ازدواج میں دیتا ہوں یا بحیثیت وکیل فلاں عورت کا عقد فلاں مرد سے کرتا ہوں اور وکیل کہے کہ میں نے یہ عقد فلاں شخص یا اپنے مؤکل کے حق میں قبول کیا۔اگر یہ نہیں کہا تو نکاح فاسد ہوگا خواہ دل میں مؤکل کے عقد کی نیت رہی ہو۔

خرید وفروخت کے لیے وکیل بنانے کا بیان

خرید وفروخت کے معاملات میں کسی کو وکیل بنانا ایسے امور میں سے ہے جو بکثرت وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کو ایک مستقل عنوان کے تحت بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ بعض مؤلفین نے کیا ہے۔ اس کے متعلقہ احکام بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

حقوق اللہ تعالیٰ میں سے جو امور نائب بنانے کے قابل نہیں ہیں ان میں تمام وہ عبادتیں ہیں جن کا تعلق محض بدن سے ہے جیسے نماز اور روزہ کی عبادتیں ہیں کہ ان امور میں کسی کو وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ اور وہ اعمال جن کی ادائیگی کے لئے کسی کو وکیل بنانا درست ہے وہ نیک کام ہیں یا جن میں مالی اور بدنی عبادتیں مشترک ہیں۔ اول الذکر کی مثال خیر، خیرات، نذر، اور کفارہ کی تقسیم ہے۔ ان امور میں کسی کو وکیل بنانا مطلقاً جائز ہے۔ ثانی الذکر کی مثال حج اور عمرہ کے اعمال ہیں کہ یہ مالی اور بدنی عبادتوں پر مشتمل ہیں لیکن ان امور میں کسی کو بلاشرط وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ان عبادات کی انجام دہی سے معذور ہو تو درست ہے۔

حدود (شرعی سزا) کا ثبوت بہم پہنچانے اور مستوجب اشخاص سے ان کے نفاذ کے لئے کسی کو وکیل بنانا درست ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **واغد یا انیس الی امراۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا فاعترفت فامر بھا فرجمت** (یعنی اے انیس کل یہ بات 'الزام زنا' کی اس عورت کے آگے بیان کرو۔ اگر وہ اقرار کر لے تو اسے سنگ سار کر دو۔ اس نے اقرار کر لیا تو اسے حکم دے دیا گیا اور وہ سنگ سار کر دی گئی) اس واقعہ میں حضور ﷺ نے مستوجب حد ثابت کرنے اور اس کے نافذ کرانے کے لئے وکیل بنایا۔

بہتر یہ ہے کہ ایسی حدود (شرعی سزائیں) جو حقوق العباد کے متعلقہ جرائم سے تعلق رکھتی ہیں ان کا نفاذ مؤکل کے رو برو کیا جائے کیوں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ مؤکل کو رحم آجائے اور اسے معاف کر دے اور مجرم سزا سے بچ جائے۔

اب رہا صیغہ (یعنی الفاظ وکالت) اس سے مراد ہر ایسی عبارت ہے جس سے تصرف (یا کام انجام دینے) کی اجازت نکلتی ہو مثلاً یوں کہنا کہ میں نے تم کو وکیل بنایا یا یہ کہ میں نے یہ کام تمہارے سپرد کیا یا تمہیں اس کے کرنے کی اجازت دی وغیرہ۔ یوں کہنے سے بھی کہ تم اس اونٹ کو فروخت کر دو یا میرے اس غلام کو آزاد کر دو وکالت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی وکالت ہے کہ میں نے تم کو اپنا قائم مقام یا اپنا نائب بنایا۔ وکالت کی قبولیت کا اظہار وکیل کے ہر ایسے قول یا فعل سے ہو جاتا ہے جس سے اس کا قبول کر لینا ظاہر ہوتا ہو۔ وکیل بننے کے لئے اس امر کا علم ہونا شرط نہیں ہے کہ اسے وکیل بنایا گیا ہے چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا اور ہنوز اس کی خبر اسے نہیں ہوئی لیکن وہ کام جس کے لئے اسے وکیل بنایا گیا اس نے انجام دیا تو اس کا کیا ہوا نافذ العمل ہوگا۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وکیل فوراً تسلیم وکالت کا اظہار کرے بلکہ سال بھر یا اس سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد اظہار قبولیت کرے تب بھی درست ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ معاملات خرید وفروخت سے تعلق رکھنے والے چند مسائل ہیں:

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ میرا فلاں مال فروخت کر دے اور یہ وضاحت نہیں کی کہ

اس کے دام بھی وصول کرنے ہیں تو دیکھنا چاہیئے کہ اگر عام طور پر ایسے امور میں مشہور طریق کار یہ ہے کہ وکیل دام وصول نہیں کرتا تو ایسی صورت میں وکیل کو دام وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر خریدار نے وہ دام اسی کو دے دیئے تو ادائیگی سے بری الذمہ نہ ہوگا اور مؤکل اپنے مال کے دام کا مطالبہ خریدار سے کر سکتا ہے۔ لیکن اگر عام رواج یہ ہے کہ وہ وکیل جسے فروخت کا کام سپرد کیا جاتا ہے وہی دام بھی وصول کرتا ہے تو ایسے شخص کے لئے صرف یہ ثابت ہونا کافی ہے۔ کہ اسے مال کی فروخت کے لئے وکیل بنایا گیا ہے تو اس امر کے ثابت ہونے کے بعد اسے دام وصول کرنا لازم ہے۔ اگر اس نے مال تو دے دیا لیکن دام وصول نہ کیے تو وہ اس کا ذمہ دار متصور ہوگا۔

اگر دام وصول کرنے یا نہ کرنے کی بابت کوئی عام دستور نہ ہو تب بھی وکیل ہی دام وصول کرنے کا ذمہ دار ہے کیوں کہ گو اس کی صراحت وکیل بناتے وقت نہیں کی تاہم (یہ تو ظاہر) ہے کہ قیمت کا وصول کرنا فروخت کے لوازمات میں سے ہے۔

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ کسی کو ایک متعین شے کی فروخت کے لئے وکیل بنایا گیا ہو، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اگر سامان تجارت کی فروخت کے لئے وکیل بنایا گیا تو بہر حال وکیل کو مال کے دام وصول کرنے اور اس کے مطالبہ کا حق ہے۔

اگر کسی کو سامان خریدنے کے لئے وکیل بنایا گیا اور وہ اس نے خرید لیا۔ لیکن وکیل نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس کے دام کی ادائیگی کا ذمہ دار میں نہیں ہوں گا بلکہ میرا مؤکل ہے تو ایسی حالت میں وکیل کو سامان خرید شدہ کے حاصل کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔ لیکن اگر مال خریدا اور ادائیگی قیمت سے خود کو بری الذمہ ہونے کی شرط نہیں تھی تب اسے حق ہے کہ مال کو سنبھال لے اور دام کی ادائیگی کا ذمہ دار بھی ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کو غیر معینہ مال کی خریداری کے لئے وکیل بنایا لیکن وکیل غیر مفوضہ (یعنی مختار کل نہیں بنایا) مثلاً یوں کہا کہ میرے لئے ایک اونٹ (غیر معین) خرید لاؤ اور وکیل نے اونٹ خرید لیا، پھر اس میں کوئی عیب نکل آیا جس کا علم وکیل کو خریدنے کے وقت نہیں تھا تو یہ وکیل پر لازم ہے کہ اس عیب کی بنا پر وہ اونٹ واپس کر دے اس میں مخفی رہا ہو یا ظاہر۔ لیکن اگر خریدنے کے وقت اسے یہ عیب معلوم تھا تو اب وکیل کو اسے واپس کرنے کا حق نہیں ہے اور وکیل اس کا ذمہ دار ہوگا، مؤکل پر اس کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ یہ اور بات ہے کہ مؤکل اسی حال میں راضی ہو جائے۔

اگر ایک متعین مال کی خریداری کے لئے وکیل بنایا گیا، مثلاً یوں کہا کہ میرے لئے فلاں اونٹ خرید لاؤ اور وکیل نے اس کو خرید لیا، پھر اس میں کوئی عیب نکلا تو اب اس کی واپسی وکیل کا کام نہیں ہے تاہم یہ چاہیئے کہ وہ وکیل اپنے مؤکل کو اس عیب سے آگاہ کر دے، اس کے بعد مؤکل چاہے تو اسے واپس کر دے اور چاہے تو رکھ لے۔ لیکن اگر باوجود متعین کرنے کے وکیل کو یہ بھی اختیار دیا تھا کہ تم اس کو رکھ بھی سکتے ہو اور واپس بھی کر سکتے ہو تو ایسی صورت میں وکیل کو واپس کرنے یا قبول کر لینے کا اختیار ہے۔ ہاں اگر کوئی معمولی سا عیب نکلا جسے بالعموم نظر انداز کر دیا جاتا ہے، ادھر اس کے خریدنے میں مؤکل کا فائدہ ہے، مثلاً ایک اونٹنی خریدی جس کی دم کٹی ہوئی ہے لیکن سستے داموں دستیاب ہو گئی تو اب واپسی

Marfat.com

کا اختیار نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو غیر معینہ سامان فروخت کرنے کے لئے وکیل بنایا لیکن وکالت غیر مفوضہ تھی (یعنی اس کو مختار مطلق نہیں بنایا) اور وکیل نے وہ سامان کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا پھر اس میں کوئی عیب نکل آیا تو خریدار وہ مال وکیل کو واپس کر دے گا۔ درآنحالیکہ اسے یہ علم نہ تھا کہ وہ فلاں شخص کا وکیل ہے (اور یہ سامان اس کا نہیں بلکہ مؤکل کا ہے) اور یا وکیل نے خود قسم کھا کر یہ نہ بتایا ہو کہ میں فلاں کا وکیل ہوں۔ اگر ایسی صورت رہی ہو تو اب خریدار واپسی کے لئے مؤکل کی طرف رجوع کرے گا۔ لیکن اگر وہ وکیل مختار مطلق تھا تو خریدار کو حق ہے چاہے تو وکیل کو واپس کرے یا مؤکل کو خواہ خریدار کو اس وکیل کے مختار یا معمولی وکیل ہونے کا علم ہو یا نہ ہو۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو کسی سامان کی خریداری کے لئے وکیل بنایا جائے تو وکیل پر لازم ہے کہ جو سامان خریدے وہ مؤکل کے لائق ہو۔ چنانچہ اگر کہا کہ میرے لئے ایک اونی چوغہ خرید لاؤ تو ضروری ہے کہ اس قسم کا چوغہ خریدا جائے جو مؤکل کی شایان شان ہو۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ چوغہ کی قیمت نہ بتائی گئی ہو کہ اتنے میں خریدنا۔ اگر قیمت بتا دی گئی ہے تو بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اتنے ہی میں خریدا جائے گو مؤکل کے لائق نہ ہو۔ لیکن بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ پھر بھی ایسا چوغہ خریدنا چاہیئے جو مؤکل کے لائق ہو۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو سامان فروخت کرنے کے لئے وکیل بنایا تو اس کی دو صورتیں ہوں گی کہ یا تو وہ قیمت بتا دی ہے کہ اتنے میں فروخت کرنا یا نہیں بتائی۔ اگر قیمت کا تعین کر دیا ہے اور وکیل نے اس سے کم میں فروخت کیا تو مؤکل کو اختیار ہے کہ اس بیع کو برقرار رکھے یا رد کر دے۔ اگر برقرار رکھی تو جو قیمت ملی ہے وہی لے لے۔ اور اگر بیع کو رد کیا تو اپنا مال موجود ہو تو واپس لے سکتا ہے اور اگر وہ مال کام آچکا ہے تو وکیل اس کے بتائے ہوئے دام میں جس قدر کمی ہوئی ہے اس کے وصول کر لینے کا ذمہ دار ہوگا، کمی معمولی ہو یا زیادہ اس سے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اگر مؤکل نے قیمت کا تعین نہیں کیا تھا کہ اتنے میں فروخت کیا جائے اور وکیل نے ثمن مثل (واجبی دام) سے کم میں فروخت کیا لیکن فرق معمولی سا ہے جو بالعموم ہوتا رہتا ہے بایں طور کہ بیس فیصدی یا اس سے کم فرق ہے تو وہ بیع نافذ متصور ہوگی اور مؤکل کو اختیار (واپسی) باقی نہ رہے گا۔ اگر فرق بیس فیصدی سے زیادہ ہے تو مؤکل کو اختیار ہے کہ اس فروخت کو تسلیم کرے یا رد کر دے جیسا کہ سابقہ صورت میں بتایا گیا۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مال کی خریداری کے لئے کسی کو وکیل بنایا؛ اس میں بھی دو صورتیں ہوں گی: یا تو دام کا تعین کر دیا ہے یا نہیں کیا۔ اگر دام کا تعین نہیں کیا تو یہ صورت بھی ویسی ہی ہے جیسی فروخت کی مذکورہ بالا صورت کہ اگر ثمن مثل (واجبی دام) سے زیادہ میں خریدا لیکن معمولی سی زیادتی ہے تو مؤکل کو واپسی کا اختیار نہیں؛ ہاں اگر تفاوت زیادہ ہے تو اس مال کے رکھنے یا واپس کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن اگر اس کے دام کی تعیین کر دی تھی کہ اتنے میں خریدنا تو وکیل حالت فروخت کے برخلاف اس صورت میں کسی قدر زیادہ دام میں بھی خرید سکتا ہے۔ پس اگر یوں کہا کہ میرے لئے ایک گھوڑا بیس اشرفی میں خرید لاؤ اور وکیل نے ایک اشرفی زیادہ میں خریدا تو مؤکل کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار نہیں ہے کیوں کہ ایک اشرفی بیس کے دسویں حصہ کا نصف (یعنی بیس فیصدی ہے)۔ لیکن اگر وکیل نے دو اشرفی زیادہ دام میں

Marfat.com

خریدا تو مؤکل کو اختیار ہے کہ اس بیع کو قائم رکھے یا رد کر دے۔ اس صورت میں رد کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذمہ داری وکیل پر ڈال دی جائے گی بشرطیکہ شرط خیار پر سودا نہ ہوا ہو۔ (وکیل کی) خریداری کو تسلیم کر لینے کی شرط یہ ہے کہ وکیل نے وہ مال بطریق سلم (یعنی نقد دام ادھار مال کی شرط پر) نہ خریدا ہو۔ لہٰذا اگر وکیل نے دام دے دیئے ہیں کہ اس کے عوض اس قدر گندم دو ماہ بعد لے لوں گا، اور مؤکل کے خلاف سودا کیا ہے تو اب اس پر اسے راضی ہونے کا بھی اختیار نہیں ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ اس سے الگ ہو جائے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ وکیل نے اگر مؤکل کے خلاف سودا کیا ہے (اور پیشگی قیمت دے دی ہے جیسا کہ سلم میں ہوتا ہے) تو یہ رقم وکیل سے واجب الوصول قرض ہو گئی۔ اگر مؤکل نے اس طرح کی خریداری کو بحال رکھا تو گویا وکیل کا قرضہ ادا ہو گیا جس کے عوض مؤکل وہ خرید شدہ مال (گندم) لے گا جو سر دست قرض واجب الوصول ہے اور مطلب یہ ہوا کہ قرض کی ادائیگی قرض کی شکل میں ہوئی جو امر باطل ہے (کیوں کہ اس صورت میں ایک قرض ادا ہوئے بغیر اتر گیا)۔ علاوہ اس کے ایک خرابی یہ ہے کہ غذائی جنس کو قبضہ میں آنے سے پہلے فروخت کیا گیا۔ کیوں کہ (وکیل کا سودا چونکہ مؤکل کی مرضی کے خلاف تھا اس لئے) وہ خرید شدہ گندم وکیل کی ہوئی اور اب اگر مؤکل (وکیل کے کیے ہوئے سودے پر) راضی ہو گیا تو گویا وکیل نے اسے قبضہ میں آنے سے پہلے مؤکل کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ امر بھی (شرعاً) باطل ہے۔

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ اس کے لئے فلاں چیز فلاں بازار سے اور فلاں وقت خرید لائے اور وکیل نے اس کے خلاف کیا اور جہاں سے خریدنے کے لئے کہا گیا تھا وہاں سے نہیں خریدا تو اب دیکھنا ہوگا کہ اگر اس مال کا نرخ بازار اور وقت کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے تو مؤکل کو اس خلاف ورزی کی بنا پر اس سودے کو بحال رکھنے یا رد کر دینے کا اختیار ہوگا۔ اگر نرخ میں تفاوت نہ ہو تو یہ اختیار نہیں ہے۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو اشیائے ربوی باہمی خرید و فروخت کے لئے وکیل بنایا گیا، مثلاً یہ کہا کہ اس گندم کو لوبیا کے عوض فروخت کر دو اور وکیل نے اس کے برخلاف گندم کو چاول کے عوض فروخت کر دیا تو مؤکل کو اس سودے کو بحال رکھنے اور رد کر دینے کا اختیار ہے، لیکن اس کی دو شرط ہیں۔ ایک تو یہ کہ خریدار کو یہ معلوم نہ ہو کہ وکیل نے اپنے مؤکل کے کہنے کے خلاف کیا ہے۔ اگر اس کو یہ معلوم تھا تو معاملہ سرے سے فاسد ہو جائے گا۔ کیوں کہ خریدار نے ایسی چیز کی خریداری کا اقدام کیا جس کی بابت اسے معلوم تھا کہ ممکن ہے یہ خریداری تکمیل کو پہنچے یا نہ پہنچے۔ ایسی صورت میں اشیائے ربویہ کا سودا فاسد ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ صورت خیار بیع کی ہے جو ربوی اشیاء کے معاملہ میں باطل ہے۔

یہاں پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے تو اس صورت میں جب کہ وکیل نے مؤکل کی مرضی کے خلاف اشیائے ربویہ کی خرید و فروخت کی ہو مؤکل کو تسلیم کرنے یا رد کر دینے کا اختیار دے دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل معاملہ میں شرط خیار نہیں تھی، یہ اختیار تو اس وقت ہوا جب وکیل نے مؤکل کی مرضی کے خلاف عمل کیا۔ یہ اختیار اصل نہیں ہے بلکہ اسے اختیار قرار دے دیا گیا۔ باقی رہا وہ خیار جس سے (اشیاء ربویہ کے) معاملات باطل ہو جاتے ہیں وہ ہے جس کی شرط شروع سے معاملہ میں رکھی گئی ہو مثلاً شرط خیار کے ساتھ سودا ہوا ہو۔ اور اس کا پہلے سے علم ہو (کہ یہ مال حسب قاعدہ واپس بھی کیا جا سکتا ہے) جیسا کہ پہلی صورت میں ہے۔

Marfat.com

اب جاننا چاہیئے کہ ربوی معاملات ان اقسام کے سودے ہیں جن میں ربائے فضل حرام ہے۔ان اشیاء کا ذکر ربا کے بیان میں آچکا ہے۔اس میں تمام غذائی اشیاء کا سودا داخل ہے جن کا ذخیرہ کیا جاسکتا ہے اور جو خوراک کے کام میں آتی ہیں مثلاً گندم، جوار اور چاول وغیرہ۔ نیز سونا اور چاندی بھی اس میں داخل ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وکیل یا خریدار کسی نے مؤکل کی بتائی ہوئی قیمت سے کمی کی ذمہ داری نہ لی ہو۔ چنانچہ اگر مؤکل نے کہا کہ اس مال کو بیس میں فروخت کرنا اور وکیل نے پندرہ میں فروخت کیا۔لیکن گھاٹے کی رقم یعنی پانچ اپنے ذمہ لے لی تو اب مؤکل کو (ردوقبول) کا اختیار نہ رہے گا۔

اسی طرح اگر وکیل نے اپنی ذمہ داری پر بتائے ہوئے دام سے زیادہ میں کوئی شے خریدی مثلاً یوں کہا گیا کہ میرے لئے فلاں چیز دس میں خرید لاؤ اور وکیل نے پندرہ میں خریدا اور زیادہ دام اپنے ذمہ لے لئے تو مؤکل کو اختیار نہ رہا۔

نواں مسئلہ یہ ہے کہ وکیل کو یہ حق نہیں ہے کہ جس چیز کو فروخت کرنے کے لئے اسے وکیل بنایا گیا ہے اس چیز کو وہ اپنے لئے خرید لے۔اگرچہ اس کے دام مؤکل نے مقرر کر دیئے ہوں کیوں کہ ممکن ہے اس چیز کو اور کوئی اس سے زیادہ میں خرید لیتا۔ہاں اگر مؤکل نے (وکیل کو) خرید لینے کی اجازت دے دی ہو یا اس دام میں لوگوں کی مانگ ختم ہوگئی ہو۔مثلاً جس بازار میں فروخت کرنا تھا وہاں سے لوگ جاچکے ہیں (تو وکیل کے خرید لینے میں مضائقہ نہیں)۔

اسی طرح وکیل کو یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ چیز اپنے نابالغ، بے عقل، پاگل یا غلام کے ہاتھ جس کا وہ ولی ہے فروخت کرے۔پس اگر وہ اپنے چھوٹے بچے یا بالغ جنون زدہ وغیرہ کے ہاتھ فروخت کرے تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ ان کی طرف سے (بحیثیت ولی) اسے قبول کرنا ہے تو گویا اس نے اپنے ہی لئے کیا البتہ اگر اپنی بیوی یا باشعور لڑکے کے ہاتھ فروخت کرے تو جائز ہے بشرطیکہ اس میں ناجائز رعایت نہ کی گئی ہو۔اگر ان کے ساتھ ناروا مراعات برتی گئی مثلاً دس کی چیز پانچ میں دے دی تو مؤکل کا گھاٹا وکیل کو پورا کرنا ہوگا۔اور ناروا رعایت کی مقدار کے لئے فروخت کرنے کے وقت کو دیکھا جائے گا۔لہٰذا اگر کسی شے کی قیمت پانچ تھی اور پانچ ہی میں اس نے فروخت کیا پھر اس کی قیمت زیادہ ہوگئی اور دس تک پہنچ گئی اور مؤکل کو یہ معلوم ہوا تو اب مؤکل اس کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بیع وشراء کی خاطر وکیل بنانے میں چند مسائل قابل لحاظ ہیں:

ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس چیز کی خرید یا فروخت کے لئے کسی کو وکیل بنایا گیا ضروری ہے کہ اس چیز کا اچھی طرح علم ہو یا کسی طرح سے بھی اتنا علم ہو کہ وکیل مؤکل کے کہنے کی تعمیل کرسکے۔اگر وکیل اس کو بالکل ہی نہ جانتا ہو تو وکیل بنانا ہی باطل ہے، سوا اس کے کہ کسی کو وکیل عام (یا مختار کل) بنا دیا جائے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ خرید وفروخت کے لئے یا تو کسی کو وکیل عام بنایا گیا ہوگا یا وکیل خاص۔پھر جس چیز کی خرید یا فروخت کی بابت وکیل بنایا گیا ہے اس سے یا تو وکیل بالکل ہی ناواقف ہوگا یا ناواقفیت تھوڑی ہوگی۔اگر وہ وکالت عامہ ہے مثلاً مؤکل نے وکیل کو یوں کہا کہ آپ میرے لئے جو چاہیں خریدیں اور میرے سامان میں سے جس چیز کو چاہیں فروخت کردیں تو اس صورت میں وکیل کو کلی اختیار ہے کہ بغیر کسی تعین کے جو چاہے خریدے) اور اس کے مال میں سے جس شے کو چاہے فروخت کردے۔لیکن وکالت خاصہ کی صورت میں اگر (خریدنے یا فروخت کرنے والی شے کی بابت)

Marfat.com

وکیل کو کچھ بھی معلوم نہیں تو وکالت درست نہ ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی کہے کہ میرے لئے ایک کپڑا یا ایک جانور خرید لاؤ۔ اب کپڑے اور یا جانور کے بارے میں وکیل کو کچھ بھی علم نہیں۔ بالکل ناواقف ہونے سے مراد فقہا کے نزدیک اس شے کی جنس سے ناواقف ہونا ہے۔ یعنی ایسی شے کا ذکر کیا جائے جس کی بہت سی جنسیں ہیں اور کسی ایک جنس کی تعیین نہ کی جائے جیسے جانور یا کپڑا۔ پس اگر یوں کہا کہ میں نے تم کو ایک جانور خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو یہ درست نہ ہوگا کیوں کہ جانور تو ہر ایسا جاندار ہے جو زمین پر چلتا ہے، اس میں حیوان انسان سب شامل ہیں۔ عام طور پر یہ لفظ گھوڑے، خچر یا گدھے کے لئے خاص طور پر بولا جاتا ہے پھر بھی ان میں سے ہر ایک کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اگر مشہور معنے مراد لئے جائیں تو اس کے مفہوم میں گھوڑا اور گدھا داخل ہیں اور جنس جو مؤکل کے پیش نظر ہے وہ نامعلوم ہے کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ اس کا مقصد گھوڑا ہو یا خچر یا گدھا ہو۔

واضح ہو کہ یہاں پر جو لفظ ''جنس'' استعمال ہوا ہے اس سے منطق کا اصطلاحی لفظ ''جنس'' مراد نہیں ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ جنس وہ لفظ ہے جو بہت سی مختلف ماہیت رکھنے والی اشیاء کے لئے بولا جائے۔ بلکہ یہاں جنس سے مراد یہ ہے کہ اس لفظ کے مفہوم میں کسی شے کی متعدد اقسام آتی ہوں۔ پس گھوڑا مثلاً ایک جنس ہے جس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اسی طرح خچر اور گدھا کہ سب مختلف جنسیں ہیں اور بہت سی اقسام پر مشتمل ہیں۔ کپڑے کی مثال بھی ''جانور'' کی سی ہے کہ اس کی جنس بھی نہیں بتائی گئی۔ کپڑے کا لفظ کپڑے کی مختلف جنسوں پر مشتمل ہے اور اس کی ہر جنس کے تحت بہت سی قسمیں ہیں: چنانچہ اس میں سوتی، ریشمی، اونی اور چھال سے بنا ہوا کپڑا شامل ہے۔ پھر یہ کپڑے بھی مدراسی، دیسی، اور شاش ترکی یا بندی وغیرہ ہیں۔ اور ریشم میں بھی ٹسری خالص اور ہندی ریشم وغیرہ ہیں۔ اسی طرح صوف اور کتان بھی فقہا کے نزدیک جدا اجناس ہیں اور ان کے تحت بہت سی قسمیں ہیں۔ پس اگر مؤکل نے وہ جنس نہ بتائی جس کی خریداری کے لئے اس نے وکیل بنایا ہے تو وکالت باطل ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر قیمت بتا دی جائے تب بھی۔ لیکن اگر وکیل کا ابہام اس شے کی بابت معمولی سا ہو تو وکالت صحیح ہوگی مثلاً مؤکل یوں کہے کہ میں آپ کو اس لئے وکیل بناتا ہوں کہ آپ میرے لئے ایک گھوڑا یا ایک، خچر یا ایک گدھا خرید دیں تو وکالت درست ہوگی۔ کیوں کہ اگرچہ تشفی بخش تفصیل نہیں بتائی گئی لیکن اس میں ابہام بہت زیادہ نہیں ہے۔ اور فقہا اس ابہام کو نوع کے ابہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی ایسی عبارت استعمال کی جائے جس کے مفہوم میں ایک شے کی بہت سی انواع آتی ہوں لیکن ان میں سے کسی ایک نوع کا تعین نہ کیا گیا ہو۔ یہاں پر نوع سے مراد ''قسم'' ہے؛ پس اگر کہا کہ میں آپ کو ایک گھوڑا خریدنے کے لئے وکیل بناتا ہوں تو گویا ایک ایسا گھوڑا خریدنے کو کہا جس کی قسم معلوم نہیں گھوڑے کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں سے کسی قسم کا تعین نہ کرنے سے نوع یعنی قسم کا علم نہ ہوا۔ لیکن یہ ابہام معمولی ہے کیوں کہ وکیل خود ہی مؤکل کا مقصد اس سے پا سکتا ہے کہ مؤکل کی حالت کے پیش نظر اس کے لائق ایک گھوڑا خرید لے۔

اس بارے میں ایک اور قسم کا ابہام ہے جسے اوسط درجہ کا ابہام کہنا چاہیئے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی سے یوں کہا جائے کہ میرے لئے ایک مکان اتنی قیمت میں اتنی قیمت کا خرید لو۔ اس صورت میں اگرچہ مؤکل نے وہ جگہ نہیں بتائی جہاں پر مکان خریدنا ہے اور نہ مثلاً اس کے کمروں کی تعداد بتائی لیکن قیمت جو بتا دی تو اس سے مکان کی بابت جو ابہام تھا وہ کم ہو گیا۔ لیکن اگر قیمت نہیں بتائی اور نہ مکان کی کوئی صفت بیان کی تو یہ ابہام ایسا ہوگا جیسا جنس کے نہ معلوم ہونے میں

Marfat.com

(لہٰذا یہ وکالت باطل ہوگی)۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ قیمت بتادینے سے بھی ابہام کم نہیں رہتا بلکہ جگہ کا بیان کرنا ضروری ہے کیوں کہ اگر یہ نہ کیا گیا تو اس مکان کی قیمت اور اس کے پسند خاطر ہونے میں بہت سے جھگڑے نکل سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس چیز کے خریدنے یا فروخت کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنایا جائے اس شے کی بابت وکیل کو معلومات نہ ہونے کی تین قسمیں ہیں: جنس کا معلوم نہ ہونا، نوع کا معلوم نہ ہونا یا اوسط درجہ کا مؤکل نے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ وکیل کو جو شے لینی یا بیچنی ہے اس کی جنس، نوع اور صفت معلوم ہو تو وہ وکالت بلا اختلاف درست ہے۔ اس کی مثال یوں کہنا ہے کہ میں آپ کو اس لئے وکیل بناتا ہوں کہ آپ میرے لئے ایک مشکی تیز رفتار گھوڑا خرید دیجئے۔ اس کے برعکس اگر ایسا لفظ استعمال کیا گیا جس کے مفہوم میں مختلف اجناس شامل ہیں اور کسی جنس کا تعین نہ کیا گیا تو وکالت قطعاً درست نہ ہوگی اگرچہ اس شے کی قیمت بھی بتادی گئی ہو مثلاً یوں کہنا کہ میں آپ کو وکیل بناتا ہوں کہ آپ ایک کپڑا میرے لئے خرید کر دیں۔

اگر ایسا لفظ استعمال کیا گیا جس کے مفہوم میں مختلف انواع آتی ہیں اور اس نوع کو نہ بتایا گیا جس کی خریداری پیش نظر ہے۔ مثلاً وہ لفظ ایسا ہو کہ لوگوں کے مختلف احوال کے پیش نظر اس لفظ سے مختلف انواع سمجھی جاسکتی ہیں تو ایسی صورت میں وکیل کے لئے ہوسکتا ہے کہ ابہام معمولی رہ جائے مثلاً لفظ دار گھر ہے کہ اس کے مفہوم میں متعدد قسم کے مکانات آتے ہیں۔ کیوں کہ ''گھر'' کا لفظ چھوٹے، بڑے، سنگین یا پختہ اینٹ سے بنے ہوئے وغیرہ پر مشتمل ہے اور یہ بھی کہ وہ فلاں شہر، فلاں علاقہ یا فلاں سڑک پر واقع ہو وغیرہ۔ لیکن اگر یہ کسی گاؤں کی بات ہو جہاں کے اکثر مکانات تعمیر، وسعت اور محل وقوع کے اعتبار سے مختلف نہ ہوں تو وکیل کے لئے یہ ابہام معمولی نوعیت کا ہوگا اور اس کو نوع ناواقفیت تصور کیا جائے گا (یعنی وکالت درست ہوگی)۔ لیکن اس میں بھی ضروری ہے کہ قیمت بتادی جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں آپ کو اتنے میں ایک گھر خریدنے کے لئے وکیل بناتا ہوں۔ اس کے برعکس اگر یہ کسی شہر کی بات ہے جہاں کے مکانات محل وقوع اور تعمیر کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں ضروری ہوگا کہ وکیل کو مکان کی تمام وہ خصوصیات بتادی جائیں جن سے وہ اس مکان کا امتیاز کر سکے، بصورت دیگر وکیل کی لاعلمی گویا جنس کی لاعلمی ہوگی (یعنی وکالت درست نہ ہوگی)۔

دوسرا مسئلہ قابل لحاظ یہ ہے کہ وکیل نے اپنے مؤکل کے لئے کوئی شے خریدی اور اس میں کوئی عیب نکل آیا، لیکن مؤکل کو اس نے نہیں بتایا تو اس کی ذمہ داری وکیل پر ہوگی۔ لیکن اگر وہ مال مؤکل کے پاس آنے سے پہلے ہی وکیل کے پاس تلف ہو جائے تو وہ نقصان مؤکل کا ہوگا۔ یہاں ایک سوال ہے کہ آیا مؤکل کو یہ حق ہے کہ وکیل کی معرفت خریدے ہوئے مال کو حاصل کرنے سے پہلے (عیب کی بنا پر) واپس کر دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا کیوں کہ مال جب تک وکیل کے ہاتھ میں ہے اس کی واپسی کا حق اسی کو ہے اگر وکیل وفات پا جائے تو یہ حق اس کے ورثاء کو ہوگا۔ اگر کوئی وارث نہ ہو تب مؤکل اس مال کو (عیب کی بنا پر) واپس کر سکتا ہے۔ کیوں کہ وکالت (خرید و فروخت) اس وقت ختم ہوتی ہے جب مال سپرد کر دیا جائے تاہم وکیل کو اس وقت تک (خرید شدہ) مال کے واپس کرنے کا حق نہیں ہے جب تک کہ مؤکل اس کی اجازت نہ دے۔ اجازت دے دے تو وکیل کا اس مال کو واپس کرنا درست ہے۔

اگر کسی کو ایک شے خریدنے کے لئے وکیل بنایا اور دام نہیں دیئے لیکن وکیل نے وہ چیز خود خرید کر اس کی قیمت دے دی تو وکیل کو حق ہے کہ وہ مال روک لے اور مؤکل کو نہ دے۔ البتہ اگر قیمت نہ دی ہو تو بطریق اولیٰ اسے مال روک لینے کا اختیار ہے، کیوں کہ قیمت ادا کر دینے کی صورت میں یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ وکیل نے اپنے مؤکل کے ساتھ حسن سلوک کے طور پر اس کی بجائے خود دام ادا کر دیئے ہیں تو مال کا روک لینا درست نہ ہوگا۔ اگر دام وکیل نے دیئے ہی نہیں تو حسن سلوک کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اگر (خرید شدہ) مال وکیل کے پاس ضائع ہو گیا قبل اس کے کہ وہ اسے روکتا تو یہ مؤکل کا نقصان ہوا اور مؤکل پر لازم ہوگا کہ اس سامان کی قیمت وکیل کو ادا کر دے۔

اسی طرح اگر مؤکل نے وکیل کو دام دے کر کہا کہ اس سے فلاں چیز میرے لئے خرید لو اور وہ دام وکیل کے پاس سے ضائع ہو گئے تب بھی نقصان مؤکل ہی کا ہوگا، وکیل پر عائد نہ ہوگا۔ ہاں اگر وکیل نے کوئی شے خرید لی ہے پھر مؤکل نے اس کے دام وکیل کو دے دیئے کہ فروخت کنندہ کو ادا کر دے اور وہ دام فروخت کنندہ کو دینے سے پہلے ہی اس کے پاس سے گم ہو گئے تو اب اس کا ذمہ دار وکیل ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ مال جو وکیل نے مؤکل کو دینے سے روک رکھا تھا اور اس کے پاس ضائع ہو گیا تو یہ وکیل کا نقصان ہوگا اور مؤکل سے اس کی قیمت کے مطالبہ کا حق نہ رہے گا خواہ مال کی مالیت اس کے دام کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس مال کی حیثیت ایسی صورت میں مال مرہونہ کی سی ہے کہ اگر وہ تلف ہو جائے تو اس مال کی قیمت اور مالیت میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہی مقدار تلف شدہ متصور ہوگی بایں طور کہ جس وقت وہ شے تلف ہوئی ہے اس وقت کے لحاظ سے دیکھا جائے گا کہ اس کی مالیت کیا تھی اور اس کی قیمت کیا تھی اور اس کی مالیت اور قیمت برابر ہوں، مثلاً وہ دس میں خریدی گئی اس کے بعد نہ اس کی قیمت کم ہوئی نہ زیادہ تب تو فیصلہ ظاہر ہے لیکن اگر اس کی قیمت تلف ہونے کے وقت تک پانچ زیادہ ہو گئی تھی تو یہ پانچ مؤکل کا حق ہے اور وکیل سے مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر دام میں پانچ کم ہو گئے تو یہ پانچ وکیل کا حق ہے اور وہ مؤکل سے قابل مطالبہ ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کو ایک اونٹ خریدنے کے لئے وکیل بنایا اور وکیل نے وہ اونٹ پندرہ میں خریدا اور مؤکل نے ہنوز وہ قیمت وکیل کو ادا نہ کی تھی ادھر وکیل قیمت وصول کرنے سے پہلے وہ اونٹ مؤکل کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ اسی حال میں وہ اونٹ وکیل کے پاس مر گیا، تو اس مسئلہ میں دو مختلف رائیں ہیں۔

ایک رائے تو یہ ہے کہ وہ اونٹ اور اس کی قیمت دونوں وکیل کا نقصان ہے اور مؤکل وکیل سے کچھ مطالبہ نہیں کر سکتا خواہ اس کی قیمت زیادہ ہو گئی ہو یا کم۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اونٹ کے مرنے کے وقت اس کی مالیت اور اس کے دام کا موازنہ کیا جائے گا۔ اگر اس کی مالیت اتنی ہی تھی جتنے میں وہ خریدا گیا، تب تو فیصلہ ظاہر ہے لیکن اگر اس کی مالیت کم ہو گئی تھی مثلاً وہ دس کا رہ گیا تھا، تو وکیل کے حساب میں دس ہی محسوب ہوگا اور پانچ کا مطالبہ مؤکل سے کیا جائے گا۔ اگر اونٹ کی قیمت اس وقت بیس ہو گئی تھی تو تلف شدہ مال صرف پندرہ کا متصور ہوگا اور مؤکل مزید پانچ کا مطالبہ وکیل سے کرے گا۔

چوتھا مسئلہ قابل لحاظ یہ ہے کہ اگر وکیل نے اپنے مؤکل کے لئے کوئی چیز نقد دام میں خریدی لیکن خریدنے کے بعد

Marfat.com

فروخت کنندہ نے اسے ادائیگی کی مہلت دے دی تو وکیل کو حق ہے کہ مؤکل سے فوری ادائیگی قیمت کا مطالبہ کرے۔ لیکن اگر شروع سے ہی ادھار سودا ہوا تھا تو اب وکیل کو مؤکل سے فوری ادائیگی کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے معاملہ بیع سلم (یعنی نقد دام اور ادھار مال کا معاملہ) کرنا چاہتا ہو تو اسے حق ہے کہ اس کام کے لئے کسی شخص کو وکیل بنائے کہ وہ مسلم الیہ (جس کے ساتھ معاملہ بیع کیا گیا ہے یعنی فروخت کنندہ) کو راس المال (یعنی پیشگی قیمت) ادا کرے، لیکن مسلم الیہ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ راس المال پیشگی قیمت وصول کرنے کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ راس المال کے وصول کرتے ہی وکیل مال فروخت شدہ کا وقت مقررہ پر فراہمی کا ذمہ دار ہو جائے گا حالانکہ قیمت مسلم الیہ اصل فروخت کنندہ کی ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ انسان اپنا مال بیچے اور قیمت کا حق دار کوئی اور ہو، لہٰذا اس طرح کی وکالت باطل متصور ہوگی۔ وکیل کی حیثیت صاحب معاملہ (مسلم الیہ) کی سی ہو جائے گی۔" مال اس کی ملکیت متصور ہوگا اور جس چیز کا سودا ہوا وہ اس کے ذمہ قرض واجب الادا رہے گا۔ غرض راس المال اگر وکیل کے حوالہ کر دیا جائے تو وہ اس کے ذمہ قرض ہوتا ہے۔ (پیشگی ادائے قیمت نہیں ہے)۔

پہلی صورت میں یہ جائز ہے کیوں کہ اگر خریدار نے کسی شخص کو اپنی طرف سے راس المال کی ادائیگی کے لئے وکیل بنایا تو اسے لازم ہے کہ اسی وقت فروخت کنندہ کے حوالے کر دے، اگر ادائے رقم سے پہلے مسلم الیہ سے جدا ہو جائے، اگر مؤکل سے قیمت وصول کر کے فروخت کنندہ سے جدا ہو گیا تو یہ معاملہ (عقد بیع سلم) باطل ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ اگر مؤکل موجود ہو اور مال دینے سے پہلے ہی وہ چلا جائے تو آیا وہ عقد سلم باطل ہو جائے گا یا نہ ہوگا؟ اس بارے میں دو رائیں ہیں: بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وکیل نائب کی حیثیت میں ہوتا ہے؛ اگر اصل شخص موجود ہے تو نائب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ وکیل اصل معاملہ میں نائب ہوتا ہے لیکن عمل درآمد میں اس کے وہی حقوق ہیں جو اصل شخص کے ہیں۔ لہٰذا مؤکل کے موجود ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا درآنحالیکہ اس کا وکیل موجود ہو۔

(اس بارے میں) صرافہ (نقود) کے معاملات کی مثال بھی معاملہ "سلم" کی سی ہے کہ فریقین معاملہ میں سے ہر ایک کو جائز ہے کہ اپنا وکیل بنائے جو رقوم متبادلہ کا لین دین (اپنے مؤکل کی جانب سے) کریں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا وکیل لین دین سے پہلے فریق ثانی سے جدا نہ ہو۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو ایک خاص شے مثلاً فلاں گھوڑے یا فلاں شخص کے بیل کی خریداری کے لئے وکیل بنایا گیا تو وکیل کو مؤکل کی عدم موجودگی میں وہی چیز اپنے لئے خریدنا جائز نہیں ہے اور اگر مؤکل موجود ہو تو اس کی موجودگی کے باعث وہ اپنے آپ کو فرائض وکالت سے سبکدوش کر لیتا ہے، اور مؤکل کا پابند نہیں رہتا۔ لیکن اس صورت میں جب کہ مؤکل موجود نہیں ہے اسے اپنے آپ کو وکالت کے کام سے سبکدوش کر لینے کا حق نہیں ہے لہٰذا اس چیز کو جسے مؤکل نے اپنے لئے خریدنے کی خاطر وکیل بنایا ہے وہ وکیل اپنے لئے خرید سکتا ہے۔ بصورت دیگر وہ مؤکل کی حق تلفی کا مرتکب ہوگا جو ایک ناجائز امر ہے۔ ہاں اگر مؤکل نے کہا تھا کہ فلاں شے میرے لئے بیس میں ملے تو خرید لاؤ اور اس نے وہ چیز اپنے لئے پچیس میں خرید لی، یا یہ کہا ہو کہ فلاں مال چاندی کے عوض خریدنا اور اس نے سونے کے عوض (اپنے لئے) خرید لیا تو

Marfat.com

جائز ہے کیوں کہ اس صورت میں عارضی طور پر وکیل (وکالت سے) سبکدوش ہوکر مؤکل کے کہنے کے خلاف عمل کرتا ہے۔
اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ فلاں عورت کے ساتھ شادی کے لئے اس کی وکالت کر دے تو اس صورت میں وکیل اگر خود اس عورت سے شادی کر لے تو وہ شادی ہو جائے گی۔ اس لئے کہ نکاح میں یہ ضروری ہے کہ نکاح کی نسبت مؤکل کی طرف کی جائے اگر وکیل نے اس کی نسبت اپنی جانب کر لی تو اس نے تقاضائے وکالت کی خلاف ورزی کر کے خود کو وکالت سے معزول کر لیا۔

اگر کسی شخص کو غیر معینہ شے کی خریداری کے لئے وکیل بنایا گیا، مثلاً یوں کہا کہ جو کچھ تم مناسب سمجھو خرید لو تو اس میں تین صورتوں کا احتمال ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ اس کے دام کسی نہ کسی کی طرف منسوب ہوں گے تو جس کے دام ہیں اسی کی وہ چیز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دام کو فریقین میں سے کسی کی طرف منسوب نہ کیا گیا ہو تو اب خریدنے والے کی نیت دیکھی جائے گی۔ اگر اس ارادے سے خریدا کہ وہ چیز مؤکل کی ہوگی تو وہ مؤکل کی ہوگی، اگر اپنے لئے خریدنے کا ارادہ تھا تو وکیل کی ہوگی۔ اگر ارادہ کے بارے میں باہم اختلاف ہو کہ وکیل کہے کہ یہ میں نے اپنے لئے خریدا ہے اور مؤکل اس کے برعکس کہتا ہو تو اس نزاع میں مال پر فیصلہ ہوگا۔ اگر وکیل نے اپنی طرف سے مال لگایا تو وہ چیز وکیل کی ہوگی، اگر مؤکل کی طرف سے لگایا تو مؤکل کی ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نہ یہ معلوم ہو کہ مال کس کی طرف سے لگایا گیا جیسا کہ دوسری صورت میں تھا کہ نہ وکیل نے خریدتے وقت یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنے لئے خرید رہا ہے یا اپنے مؤکل کے لئے اور مؤکل بھی اس بات کو مانتا ہے تو ایسی صورت میں دو رائیں ہیں: ایک رائے تو یہ ہے کہ خرید شدہ شے بہر حال اس کی ہوگی جس نے خریدی یعنی وکیل کی خواہ اس کے دام اس نے اپنی جیب سے ادا کیے یا مؤکل کے مال سے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یہ شے اس کی ہوگی جس کے مال سے قیمت ادا کی گئی۔

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ وکیل نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے فلاں جانور مثلاً گھوڑا اپنے مؤکل کے لئے خریدا ہے؛ اس میں بھی چند صورتوں کا احتمال ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ وکیل کو اس خاص جانور کے خریدنے کے لئے کہا گیا ہو، جانور زندہ ہو اور اس میں کوئی عیب نہ ظاہر ہوا ہو۔ ایسی صورت میں وکیل کی بات تسلیم کی جائے گی بشرطیکہ وکیل اس کے لئے قسم کھالے۔ خواہ اس نے اس جانور کی قیمت مؤکل سے وصول کر لی ہو یا نہ کی ہو۔ اس لئے کہ اس نے ایسی بات کہی ہے جو وہ اپنی وکالت کے دائرہ اختیار میں کسی وقت بھی کر سکتا تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ (خرید شدہ) جانور مر گیا یا اس میں کوئی عیب لاحق ہو گیا ہو۔ اس کی دو شکلیں ہیں: ایک شکل یہ ہے کہ وکیل اس کے دام خرچ کر چکا ہو، ایسی حالت میں بھی وکیل کی بات مانی جائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وکیل کو غیر معین جانور خریدنے کے لئے کہا گیا ہو اور وکیل اس کے دام صرف کر چکا ہو تو ایسی حالت مؤکل کی بات مانی جائے گی بصورت دیگر وکیل پر یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اس نے وہ جانور اپنے ہی

Marfat.com

لئے خریدا ہو پھر جب یہ سودا گھاٹے کا نظر آیا تو کہہ دیا کہ میں نے مؤکل کے لئے خریدا تھا۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ یہ بیل فلاں شخص کے لئے میرے ہاتھ فروخت کردو اور اس نے فروخت کردیا، اس کے بعد خریدار نے اس بات سے انکار کیا کہ فلاں شخص نے اسے خریدنے کے لئے کہا تھا تو اس کے انکار کی پروانہ کی جائے گی کیوں کہ اس نے پہلے یہی کہا تھا کہ وہ بیل فلاں شخص کے لئے خرید رہا ہے، سوا اس کے جب کہ وہ شخص خود یہ کہے کہ درحقیقت اس نے خریدنے کے لئے اسے نہیں کہا تھا۔

نواں مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو دو مقررہ اشیاء کی خریداری کے لئے وکیل بنایا اور دام نہیں بتائے (کہ کتنے میں خریدنا)۔ وکیل نے ان دونوں میں سے ایک شے اس کی مناسب قیمت یا کسی قدر زیادہ دام میں جس میں عام طور پر لوگ خرید لیتے ہیں خرید لیا تو درست ہے، لیکن اگر وہ چیز بہت گراں خریدی گئی تو یہ ٹھیک نہیں ہے، کیوں کہ جب کسی کو خریدنے کے لئے وکیل بنایا جائے تو اسے جائز نہیں ہے کہ وہ نمایاں طور پر زیادہ دام میں خریدے۔

اگر کسی کو دو یکساں قیمت کی اشیاء خریدنے کے لئے وکیل بنایا، مثلاً یہ کہا کہ میرے لئے دو بوری گندم کی دو اشرفیوں میں خرید دو لیکن وکیل نے صرف ایک بوری ایک اشرفی سے زیادہ میں خریدی تو مؤکل اس زیادہ دام کی ادائیگی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ ہاں اگر وکیل دوسری بوری باقی ماندہ دام میں خرید کر دے (تو درست ہے)۔

دسواں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو ایک مقررہ شے کی فروخت کے لئے وکیل بنایا گیا لیکن وکیل نے اس کے خلاف کیا اور اس کے خلاف کرنا خود مؤکل کے لئے سودمند تھا تو یہ بیع نافذ ہوگی، مثلاً کسی نے کہا کہ میرا یہ گھوڑا بیس اشرفی میں فروخت کردو اور وکیل نے اسے پچیس میں فروخت کردیا (تو ٹھیک ہے) بشرطیکہ اسی نقد کے عوض فروخت کیا ہو جس کے عوض فروخت کرنے کے لئے کہا تھا۔ اگر اس کے خلاف چاندی کے عوض فروخت کیا تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا اگرچہ اس میں مؤکل کو فائدہ ہو۔

گیارھواں مسئلہ یہ ہے کہ وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ جس چیز کو فروخت کرنے کے لئے اسے کہا گیا ہے وہ چیز اپنے لئے یا ایسے شخص کے لئے خریدے جو بوجہ صغر سنی، دیوانگی یا بے عقلی کے نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو اور وکیل اس کا ولی ہو۔ نیز اس کے لئے خریدنا بھی جائز نہیں جس کی گواہی وکیل کے حق میں قبول نہیں کی جاتی جیسے اس کا بالغ لڑکا یا باپ۔ غرض کسی وکیل کو جائز نہیں ہے کہ ان تینوں اقسام کے اشخاص کے ہاتھ اپنے مؤکل کا مال فروخت کردے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ ان اشخاص کا کوئی مال اپنے مؤکل کے لئے خریدے کیوں کہ اس میں بیجا رورعایت کی تہمت وکیل پر لگائی جاسکتی ہے۔ مزید براں اس میں یہ معاملہ خرید و فروخت یا تو وہ خود اپنے ساتھ کرے گا یا اس کی جانب سے کرے گا جس کا وہ ولی ہے، نتیجتاً خریدار اور فروخت کنندہ ایک ہی شخص ہوا حالانکہ سب جانتے ہیں کہ جب تک دو فریق نہ ہوں معاملہ بیع نہیں ہوسکتا، ہاں اگر مؤکل نے یہ اجازت دے دی ہو کہ وہ وکیل ایسے شخص کے ہاتھ بھی اس کا مال فروخت کرسکتا ہے جس کی شہادت اس وکیل کے حق میں تسلیم نہ کی جاتی ہو، ایسی صورت میں وکیل ان اشخاص کے ساتھ مثلی (مناسب) دام میں خرید و فروخت کرسکتا ہے یعنی نہ تو عام دام سے زیادہ میں خریدے اور نہ عام دام سے کم میں فروخت کرے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن اگر معاملہ میں غبن فاحش (ناروا زیادتی) کے ساتھ معاملہ کیا تو بقول ایک صاحب کے درست نہ ہوگا۔ غبن

Marfat.com

یسیر (یعنی معمولی کمی بیشی) ہوتو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

واضح ہو کہ غبن فاحش (یعنی ناروا زیادتی) وہ ہے جو بالعموم لوگوں میں نہ ہوتا ہو۔ یعنی اتنا دھوکا ایک دوسرے کو نہ دیا جاتا ہو۔ اس کی مقدار بعض اصحاب یہ بتاتے ہیں کہ مال تجارت کے معاملات میں بیس فیصدی سے زیادہ، جانوروں کے معاملات میں دس فیصدی سے زیادہ اور گھریلو اشیاء کے معاملات میں پانچ فیصدی سے زیادہ ہو تو یہ غبن فاحش ہے، اس سے کم ہو تو وہ غبن یسیر (یعنی معمولی گھاٹا) ہے۔

اگر مؤکل نے اجازت دے دی ہو کہ وکیل اس کا مال خود اپنے یا اپنے کمسن بچے کے لئے خرید سکتا ہے تو اس کی بابت دو رائیں ہیں:

ایک تو یہی کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ اس طرح صاحب معاملہ (دو نہیں) ایک ہوگا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ بظاہر وہ صاحب جو اس کو بدیں جہت ناجائز فرماتے ہیں کہ اس میں صاحب معاملہ ایک ہی شخص ہوتا ہے وہ بھی ایسا کرنے سے منع نہیں فرماتے کہ وکیل وہ مال کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کر کے پھر اسی سے دوسری بار خود خرید کرے۔ ایسی صورت میں بائع اور مشتری مختلف ہو جائیں گے۔

بارہواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کے نزدیک وکیل کو حق ہے کہ وہ مال جو اسے محض فروخت کے لئے سپرد کیا گیا ہے، کم یا زیادہ، کتنے ہی میں فروخت کر دے۔ اس میں غبن (یا دھوکے) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا خواہ اس میں زیادہ گھاٹا ہو یا معمولی۔ لیکن صاحبین (امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کہتے ہیں کہ مناسب دام کے بغیر اس کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ بعض اصحاب نے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور بعض نے صاحبین کے قول کو اور اسی پر فتویٰ ہے۔ لیکن اگر خریداری کے لئے وکیل بنایا گیا ہو تو بالاتفاق وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ چیز مناسب دام کے علاوہ، اتنے میں خریدے جسے لوگ عام طور پر بہت زیادہ خیال کرتے ہوں۔ پس اگر وکیل نے دستور یا مشہور دام کے خلاف اس سے زیادہ دام میں خریدا یا (بتائی ہوئی) نقدی کے بغیر کسی اور شے کے عوض خریدا تو یہ خرید اس کے اپنے لئے متصور ہوگی اور اگر دام مؤکل سے لئے ہیں تو اسے واپس کرنا ہوگا۔

جاننا چاہیئے کہ بیع وشراء کا کام کرنے والوں کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم میں کسی نابالغ کے باپ دادا اور وصی ہیں کہ اگر وہ اس کے مال میں سے جس کو معاملہ کرنے کے قابل نہیں قرار دیا گیا کچھ خریدیں یا ان کا کوئی مال فروخت کریں تو انھیں جائز نہیں ہے کہ عرف اور عادت کے خلاف خرید و فروخت کریں۔ اس میں معمولی غبن ہو تو نظر اندازی کے قابل ہے۔

دوسری قسم میں بیع مطلق کے وکیل یا عقد مضاربت کرنے والے فریقین یا شرکاء عنان (مشترکہ مال میں کاروبار کرنے والے) ہیں۔ ان اصحاب کو روا ہے کہ وہ جس طرح بھی چاہیں خرید و فروخت کریں۔ ان کا کیا ہوا معاملہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نافذ ہوگا اگرچہ اس میں غبن فاحش (ناروا زیادتی) ہو۔

تیسری قسم میں مرض الموت کا مریض آتا ہے، جس کے ذمہ اتنا قرض واجب الادا ہو جو مریض کے تمام مال پر حاوی ہو۔ ایسا شخص اگر کوئی چیز اپنے مال میں سے فروخت کرے تو واجب ہے کہ وہ فروخت عام دستور اور قیمت مروجہ کے

عوض ہو۔ اگر اس معاملہ میں غبن ہوا۔ تو وہ فروخت نافذ العمل نہ ہوگی، خواہ وہ غبن زیادہ ہو۔ یا معمولی اس میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ مال واپس کردے یا قیمت میں جو کمی ہے وہ پوری کردے۔ اب اگر وہ شخص وفات پا جائے اور اس کے بعد اس کا کوئی وصی ہو اور اس وصی نے متوفی کا قرض ادا کرنے کے لئے اس کا مال فروخت کیا تو ایسی حالت میں اگر وصی کے کیے ہوئے معاملہ میں معمولی سا غبن (یا ناروا گھاٹا) ہوا ہو تو قابل درگزر ہے۔ لیکن اگر وہ مال اس کے وصی نے ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا ہو جس کی گواہی اس کے حق میں قبول نہیں کی جاتی، یا فروخت میں کوئی رورعایت برتی گئی تو وہ بیع درست نہ ہوگی۔

چوتھی قسم میں وصی ہے۔ اسے جائز نہیں ہے کہ یتیم کے مال کو خود خرید لے یا اس کے مال کے عوض اپنا کوئی مال فروخت کرے۔ البتہ اگر اس میں یتیم کو فائدہ پہنچے کہ اسے ایک تہائی نفع ہو تو جائز ہے۔ یعنی اس کی دس کی چیز پندرہ میں فروخت کرے یا پندرہ کی چیز اسے دس میں خرید دے۔

پانچویں قسم میں مکاتب (یعنی وہ غلام جسے ایک خاص رقم کے عوض آزادی کی شرط رکھ دی گئی ہو) اور عبد ماذون بالتجارہ (وہ غلام جسے تجارت کی اجازت دے دی گئی ہو) ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کے نزدیک انہیں اجازت ہے کہ مشہور یا مروجہ نرخ کے خلاف کتنے ہی میں خرید و فروخت کریں۔ اگر ایسے غلاموں (کے لئے فروخت کی اجازت ہو اور انہوں) نے دس کی چیز ایک میں فروخت کردی، تب بھی درست ہوگا۔ لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ انھیں بھی جائز نہیں ہے کہ بازار کے بھاؤ کے خلاف خرید و فروخت کریں۔

تیرھواں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو مال تجارت کی فروخت کے لئے وکیل بنایا گیا اور اس نے ادھار فروخت کیا تو وہ درست ہوگا، لیکن اگر ایسی چیز کی فروخت کے لئے کہا ہو جس کے دام کی مؤکل کو احتیاج ہے، مثلاً وکیل کو یوں کہا کہ میری ایک بوری گندم فروخت کردو تاکہ میرے ذمہ جو خراج ہے وہ چکادوں تو اب وکیل کو ادھار فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح ہر ایسے مال کی فروخت ہے جس میں یہ قرینہ موجود ہو کہ مؤکل کو اس کے دام کی ضرورت ہے۔ ہاں اگر ادھار ہی فروخت کرنے کے لئے کہا ہو تو اور بات ہے، تاہم اتنا لمبا ادھار نہ ہونا چاہیئے جو عام مروجہ ادھار کے خلاف ہو۔ اگر ایسا ہوا تو معاملہ بیع نافذ العمل نہ ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت کے لئے وکیل کے بارے میں چند امور قابل لحاظ ہیں:

اول یہ کہ جب کسی کو وکیل بنایا جائے تاکہ اس کے لئے کوئی شے خرید کرے تو چاہیئے کہ اس چیز کی قسم بتادی جائے۔ چنانچہ اگر کہا کہ میں آپکو ایک گھوڑا خریدنے کے لئے وکیل بناتا ہوں تو لازم ہے کہ وہ یہ بھی بتادے کہ وہ گھوڑا تازی ہو اور اس میں یہ صفتیں ہوں۔ یا اگر کہا کہ میں آپ کو ایک گھر خریدنے کے لئے وکیل بناتا ہوں تو یہ بھی بتادینا واجب ہے کہ وہ مکان کہاں پر واقع ہو یعنی فلاں شہر، فلاں محلہ یا فلاں شاہراہ پر ہونا چاہیئے۔ اس تفصیل کی ضرورت اس صورت میں ہے جب کہ مکان بغرض تجارت نہ خریدا جارہا ہو، ورنہ اس تفصیل کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اس صورت میں محض ایسے مکان کی خریداری پیش نظر ہے جس سے کسی نہ کسی طرح کا نفع حاصل ہو، خواہ کسی بھی وجہ سے ہو۔ اس صورت میں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ کوئی مکان ایسا خریدو جس (کی فروخت) میں نفع حاصل ہو۔

Marfat.com

دوسرا امر یہ ہے کہ ایک خاص متعین شے خریدنے کے لئے وکیل ہو تو اس پر لازم ہوگا کہ مؤکل نے جو کچھ کہا ہے اس کی تعمیل کرے۔ پس اگر کہا کہ فلاں شخص کی اونٹنی اتنے میں میرے لئے لے دو تو اب وہ شے متعین ہوگئی۔ وکیل کو اس سے ہٹنے کی اجازت نہیں ہے۔

اگر کسی خاص چیز کو مہینے دو مہینے کے ادھار پر فروخت کرنے کے لئے کہا تو درست ہے اور وکیل پر لازم ہے کہ مؤکل کے کہنے پر عمل کرے۔ اگر وکیل نے اس کے کہنے کے خلاف کیا اور اسے نقد دام میں فروخت کر دیا تو درست متصور ہوگا لیکن اس کی دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ نقد فروخت کرنے سے مؤکل نے منع نہ کیا ہو یا نقد کی صورت میں ادھار سے کم دام ملتے ہوں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مؤکل نے خریدار کا تعین نہ کر دیا ہو۔ اگر خریدار کا تعین کر دیا ہے مثلاً یوں کہا کہ یہ چیز فلاں شخص کے ہاتھ ادھار فروخت کرنا تو وکیل کو اس کے خلاف عمل درست نہیں ہے، لیکن اگر صرف یہ کہا ہو کہ اسے ادھار فروخت کر دو اور یہ نہیں بتایا کہ کتنے دن کے ادھار پر دینا تو اس سے وہ عام مدت سمجھی جائے گی جو بالعموم اس سامان کے ادھار بیچنے میں ہوا کرتی ہے۔ اگر کوئی مدت معروف نہ ہو تو وکیل کو چاہیئے کہ اتنے عرصہ کے لئے ادھار فروخت کرے جتنے میں مؤکل کو فائدہ ہو۔

واضح ہو کہ وکیل کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ جو چیز فروخت کرنے کے لئے اسے سپرد کی گئی ہے وہ خود خرید لے یا اپنے کم سن بچے یا بے عقل یا جنون زدہ کے لئے (بہ طور ولی کے) خریدے، کیوں کہ معاملہ بیع دو کے درمیان ہونا واجب ہے، ایک کی طرف سے ایجاب ہو یعنی وہ کہے کہ میں یہ چیز اتنے میں فروخت کرتا ہوں اور دوسرے کی طرف سے قبول ہو جو کہے کہ میں قبول کرتا ہوں۔ لیکن اس صورت میں ایک ہی شخص ہے (جو ایجاب بھی کرتا ہے اور قبول بھی)، کیوں کہ وہ مال وہ خود اپنے ہاتھ فروخت کرے گا خواہ اپنے لئے یا اس کے لئے جس کا ولی ہے۔ یہ صورت درست نیں ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ مؤکل نے اپنے مال کی قیمت مقرر کر دی ہو اور وکیل اپنے کم سن بچے یا بے عقل یا جنون زدہ کی طرف سے کسی کو وکیل بنا دے جو ان کی طرف سے معاملہ کو قبول کرے اور اصل مؤکل (مالک مال) اس پر راضی ہو تب یہ بیع صحیح ہو سکتی ہے۔ (وکیل کا) اپنے بالغ لڑکے کے ہاتھ جو ذی شعور ہو یا اپنے باپ دادا کے ہاتھ فروخت کرنا بنیادی طور پر تو صحیح ہے لیکن بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اندیشہ تہمت کے باعث درست نہیں ہے۔ ہاں اگر مؤکل نے ان کے ہاتھ فروخت کرنے کی اجازت بوضاحت دے دی تو بلا اختلاف درست ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کو کہا کہ میں نے آپ کو اس لئے وکیل بنایا کہ آپ اس چیز کو جس شے کے عوض چاہیں یا مناسب سمجھیں فروخت کر دیں تو وکیل کو حق ہوگا کہ وہ شہر میں رائج نقدی کے علاوہ غیر ملکی کرنسی کے عوض بھی فروخت کر دے۔ لیکن غبن فاحش کے ساتھ یا ادھار فروخت کرنے کا حق اسے نہیں ہے۔

اگر مؤکل نے یوں کہا تھا کہ جتنے میں بھی چاہو فروخت کر دو تو اسے غبن فاحش (ناروا کم دام) میں بھی فروخت کرنے کا حق ہے، لیکن ادھار یا شہری نقدی کے بغیر بیچنے کا حق نہیں ہے۔ اس واسطے کہ جتنے کا لفظ 'مقدار' کے لئے مستعمل ہوتا ہے؛ اس کے مفہوم میں کم یا زیادہ دونوں شامل ہیں۔ لہٰذا اس طرح کہہ کر مؤکل نے اجازت دے دی ہے کہ وکیل

Marfat.com

اسے کسی بھی قیمت میں فروخت کرسکتا ہے۔لیکن اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اتنے عرصہ کے ادھار پر یا شہری نقدی کے بغیر بھی بیچا جاسکتا ہے۔

اگر یوں کہا کہ جس طرح بھی چاہو فروخت کردو تو وکیل کو اختیار ہے کہ وہ ادھار فروخت کردے لیکن غبن فاحش سے یا شہری نقدی کے بغیر فروخت نہیں کرسکتا کیوں کہ لفظ 'جس طرح' کام کی کیفیت سے تعلق رکھتا ہے۔لہٰذا اس کے مفہوم میں نقد فروخت اور ادھار دونوں شامل ہیں اور اس لفظ سے اس کی صراحت ہوتی ہے؛ لیکن غبن کے ساتھ یا شہری نقد کے بغیر معاملہ کرنا اس سے ظاہر نہیں ہوتا۔

چوتھا امر یہ ہے کہ اگر کسی کو بیع وشرا کے لئے وکیل مطلق (بلا شرط) بنایا گیا تو وہ ان تین شرائط کے تحت خرید و فروخت کرسکتا ہے:

پہلی شرط یہ ہے کہ خرید یا فروخت کا معاملہ اتنی قیمت پر کیا جائے جو مؤکل کے لئے نفع بخش ہو، لہٰذا کوئی مال ثمن مثل (مناسب دام) یا اس سے زیادہ دام کے بغیر نہ فروخت کیا جائے۔اسی طرح مناسب یا اس سے کم قیمت کے بغیر نہ خریدا جائے۔لہٰذا اگر خرید وفروخت کا کوئی معاملہ غبن فاحش (یعنی غیر معمولی نقصان سے) کیا گیا تو وہ درست نہ ہوگا۔

غبن فاحش (یا غیر معمولی گھاٹے) کا سودا وہ ہے جس کا نقصان بالعموم نا قابل درگزر خیال کیا جاتا ہے، اور غبن یسیر (معمولی گھاٹے کا سودا) جو بسا اوقات لوگ کر لیتے ہیں، ایسا ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔

اگر وکیل نے کسی مال کا مثلی دام (یعنی عام مناسب دام) میں سودا کر لیا اور معلوم ہوا کہ لوگ اس سے زیادہ دام دینے کو تیار ہیں اور ہنوز مدت خیار (یعنی معاملہ کو قائم رکھنے یا رد کر دینے کی میعاد) باقی ہے تو لازم ہے کہ وہ مال اس خواہش مند (زیادہ دام دینے والے) کو دے دیا جائے؛ اگر ایسا نہ ہو سکے تو پہلا معاملہ فسخ کر دیا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جہاں وہ مال فروخت ہوا ہے وہیں کی رائج الوقت نقدی میں سودا ہوا ہو، غیر ملکی کرنسی میں وہ سودا درست نہیں ہے، سوا اس کے اس کے کہ مؤکل نے اس کی اجازت دے دی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بیع وشرا کی وکالت کے بارے میں یہ چند امور قابل لحاظ ہیں:

اول یہ کہ وکیل کو جائز نہیں ہے کہ وہ مال جو بیچنے کے لئے اسے سپرد کیا گیا ہے وہ خود خرید لے، کیوں کہ معاملہ بیع کا مروجہ طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہے لہٰذا وکیل کو بھی اسی عامہ طریقہ کا پابند خیال کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ وکیل اپنے مؤکل کے مال کو اپنے بیٹے، باپ یا بیوی کے ہاتھ فروخت کر دے۔ نیز ہر ایسے شخص کے ہاتھ فروخت درست نہیں جس کی گواہی اس وکیل کے حق میں قبول نہ کی جاتی ہو، کیوں کہ اس میں بھی اسی طرح تہمت کا اندیشہ ہے جس طرح خود اپنے ہاتھ فروخت کرنے میں ہے۔

دوسرے یہ کہ وکیل کو جائز نہیں ہے کہ اپنے مؤکل کا مال تجارتی سامان کے عوض یا ادھار پر یا ایسی نقدی کے عوض جو اس شہر میں رائج نہ ہو۔ سودا کرے، سوا اس کے کہ خود مؤکل نے ایسا کرنے کی اجازت دی ہو۔ اگر یہ نزاع ہو کہ اجازت دی تھی یا نہیں تو وکیل جو کہے اس کو تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن اگر معاملہ کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہو، وکیل کہے کہ مؤکل نے مجھے فروخت کرنے کو کہا تھا اور مؤکل کہے کہ میں نے رہن کرنے کے لئے وکیل بنایا تھا تو اس صورت میں مؤکل

Marfat.com

کا بیان تسلیم کیا جائے گا۔

تیسرے یہ کہ اگر مؤکل نے وکیل کو یہ کہہ دیا تھا کہ اس مال کا سودا اتنے میں کرنا تو وکیل پر لازم ہوگا کہ جو کچھ اس نے کہا ہے اس کی تعمیل کرے۔ اگر بتائے ہوئے دام سے کم میں فروخت کیا تو یہ فروخت تو درست ہو جائے گی لیکن وکیل پر لازم ہوگا کہ مؤکل نے جو دام بتائے تھے وہ پورا کرے یہی حال اس صورت میں ہے جب کہ مؤکل نے قیمت کا تعین نہ کیا ہو لیکن وکیل نے ثمن مثل (یا بازار کے بھاؤ) سے کم میں فروخت کیا تب بھی عام مناسب دام اسے ادا کرنے ہوں گے۔

اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ کوئی چیز وکیل نے اس دام سے زیادہ دے کر خریدی جس کی تحدید مؤکل نے کر دی تھی۔ یا ثمن مثل (بازار کے بھاؤ) سے زیادہ دام دے کر خریدی تو یہ خرید و فروخت درست ہوگی لیکن ثمن مثل (واجبی دام) پورا ادا کرنا ہوگا۔ ہاں اگر وکیل نے اس دام سے زیادہ میں فروخت کیا جو مؤکل نے بتائے تھے تو درست ہے ۔ہاں دام میں غبن یسیر (یعنی معمولی بدعنوانی) ہو تو اسے درگزر کیا جائے گا۔

یاد رہے کہ غبن فاحش (یا نارو ابدعنوانی) وہ ہے جو کاروباری لوگوں میں نہیں ہوا کرتی۔ اس کی مقدار کا اندازہ دام میں بیس فیصدی لگایا گیا ہے کہ اس کمی بیشی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وکیل ایسا کرے تو وہی اس کا ذمہ دار ہوگا۔ چوتھے یہ کہ اگر مؤکل نے کہا تھا کہ میرے لئے نقد دام میں خریداری کرنا، لیکن وکیل نے ادھار خریدا تو درست ہے یا یہ کہا کہ اس چیز کو ادھار فروخت کر دو اور وکیل نے نقد فروخت کیا تب بھی درست ہے درآنحالیکہ مؤکل کو اس میں کوئی نقصان نہ ہوا ہو کیوں کہ وکیل نے وہ کیا ہے جو مؤکل کے لے سودمند رہا ہے۔ البتہ اگر اس خلاف ورزی سے مؤکل کو نقصان پہنچ گیا مثلاً مؤکل نے ادھار فروخت کرنے کو کہا تھا وکیل نے نقد بیچ دیا اور کوئی ظالم درمیان میں حائل ہو گیا یا وکیل خود ہی اس کی حفاظت نہ کر سکا اور اسے ضائع کر دیا تو وکیل کا یہ معاملہ نافذ العمل نہ ہوگا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ معاملہ تو ہو جائے گا لیکن جو نقصان ہوا ہے اس کا تاوان وکیل کو ادا کرنا ہوگا۔ اسی طرح اگر مؤکل نے کہا کہ میرے لئے اتنے میں فلاں چیز خرید لاؤ لیکن وکیل نے اس سے زیادہ دام دے کر ادھار خریدا (تب بھی وہی گھاٹا بھرے گا)۔

پانچویں یہ کہ اگر وکیل نے کوئی مال خریدا اور معلوم تھا کہ اس میں عیب ہے تو اس خریداری کا ذمہ دار وکیل ہوگا۔ اور اسے مال کے واپس کرنے کا حق بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر مؤکل اس عیب کے باوجود اس مال (کے رکھنے) پر راضی ہو جائے تو درست ہوگا کیوں کہ (اب) مقصد اسی شے کی خریداری سے ہو گیا۔ لیکن اگر وکیل کو اس عیب کا علم نہیں تھا تو اسے اس چیز کو واپس کر دینے کا حق ہے بشرطیکہ واپسی سے پہلے وہ چیز مؤکل کے سامنے نہ آئی ہو۔ اگر مؤکل آ جائے تو اب وکیل کو واپسی کا حق نہیں ہے، کیوں کہ اس عیب دار مال پر دراصل مؤکل کا حق ہے اور وکیل محض اس کا قائم مقام ہے۔ اب اگر مؤکل موجود ہے تو تمام حق تصرف مؤکل کو حاصل ہو گیا۔ یہی صورت دام کی ادائیگی اور مال فروخت شدہ کی حصولیابی کی ہے کہ مؤکل حق دار ہے وکیل نہیں۔ لہٰذا مؤکل کی موجودگی میں وہی خود اپنا حق (تصرف) استعمال کر سکتا ہے۔

چھٹے یہ کہ اگر کسی کو اس لئے وکیل بنایا گیا کہ وہ مؤکل کا مال فروخت کر دے تو وکیل کا کام یہ ہے کہ وہ مال خریدار کے حوالے کرے۔ اس کے دام کا وصول کرنا اس کا کام نہیں ہے۔ ہاں مؤکل اجازت دے دے تو خیر، کیوں کہ بعض اوقات فروخت کے لئے ایسے شخص کو وکیل بنایا جاتا ہے جس کے پاس وصول شدہ دام کی رقم کا آنا قابل اطمینان نہیں ہوتا۔

Marfat.com

خصومات (یا نزاعی مقدمات) میں وکیل بنانے کا بیان

اگر ایک شخص نے کسی کو اپنی طرف سے نزاعی مقدمات کی پیروی کے لیے وکیل بنایا کہ وہ موکل کی طرف سے اس کے حق کے دعوے کی پیروی کرے۔ یا کسی کے دعوے کا جواب دعویٰ موکل کی طرف سے داخل کرے تو یہ درست ہے۔ لیکن اس وکیل کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مطالبہ وصول کرے۔ اور نہ اس بارے میں صلح کر سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وکیل بنانے کے وقت اس کی تصریح کر دی جائے۔ اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

اگر مؤکل نے صراحتاً وکیل کو قیمت وصول کرنے کی اجازت نہیں دی لیکن ضمناً اجازت ظاہر ہوتی ہے تو وکیل کو قیمت وصول کر لینا درست ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو وکیل بنایا گیا کہ وہ مؤکل کا اونٹ کسی دور جگہ پر عام منڈی میں فروخت کرے اور کوئی خاص خریدار متعین نہیں کیا تو اس کے معنی سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ مؤکل نے دام وصول کرنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔ یہاں تک کہ اگر وکیل نے وہ مال فروخت کر کے خریدار کے حوالے کر دیا اور اس کی قیمت وصول نہ کی تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں یہ وکیل کی بدعنوانی متصور ہوگی۔ (گویا کہ ایسی صورت میں وصولی قیمت کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ قیمت لینا وکیل پر واجب ہے)

ساتویں یہ کہ اگر کسی کو ایک چیز خریدنے کے لئے وکیل بنایا گیا تو وکیل پر لازم ہوگا کہ فروخت شدہ مال کے دام مؤکل کے حوالے کر دے۔ اگر دام کے دینے میں بلاوجہ تاخیر کی اور وہ رقم ضائع ہوگئی تو وکیل اس کا ذمہ دار ہوگا۔

آٹھویں یہ کہ اگر کچھ خریدنے کے لئے کسی کو وکیل بنایا گیا تو لازم ہے کہ مؤکل اس چیز کی قسم اور اس کے دام کا تعین کر دے لہٰذا اگر مؤکل نے یہ کہا کہ میں آپ کو اس لئے وکیل بناتا ہوں کہ میرے لئے جو چیز چاہو اور جتنے میں چاہو خرید لاؤ تو یہ درست نہیں ہے۔

نویں یہ کہ اگر کسی کو مؤکل نے اپنا تمام مال یا اس میں سے جو کچھ بھی چاہے فروخت کرنے کے لئے وکیل بنایا تو درست ہوگا، یہاں تک کہ اگر یوں کہا کہ میرے مال میں سے جی کچھ تمہارا جو چاہے فروخت کر دو تو وکیل کو مؤکل کا تمام مال فروخت کر دینے کا حق ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مقدمات میں وکیل بنانا جائز ہے۔ اس کی شرطیں حسب ذیل ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ نزاعی مقدمات کا وکیل ایک ہو اس سے زیادہ نہ ہوں۔ فریق مخالف کی رضامندی کے بغیر ایک سے زیادہ وکیل نہیں ہو سکتے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وکیل کو فریق مخالف سے عداوت نہ ہو۔ اگر اس کے ساتھ وکیل کی عداوت ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف کسی کی وکالت درست نہ ہوگی۔ اگر عداوت ثابت نہ ہو تو فریق مخالف کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل ہو سکتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وکیل مقدمہ متعین ہو لہٰذا یہ کہنا کہ جو شخص بھی میری طرف سے مقدمہ کی پیروی کرے وہ میرا

Marfat.com

وکیل ہے یہاں تک کہ اگر دو شخصوں کا کوئی مطالبہ کسی پر ہے اور وہ دونوں یہ کہیں کہ ہم میں سے جو بھی موجود ہوگا وہی فریق ثانی کے خلاف مقدمہ کی پیروی کرے گا تو یہ وکالت نہ ہوگی کیوں کہ یوں کہنا ایسا ہے کہ ایک کام کے لئے متعدد اشخاص کو کہا جائے اور ان میں سے کسی کو متعین نہ کیا جائے۔ لہٰذا (توکیل کے لئے) ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ دونوں میں سے مقدمہ کی پیروی کون کرے گا؟

چوتھی شرط یہ ہے کہ مؤکل خود حاکم عدالت کے سامنے شریک کارروائی نہ ہو۔ اگر کوئی شخص خود پیروی کرتا رہا اور تین پیشیوں پر حاضر عدالت ہوا تو اس کے بعد وہ کسی کو اپنا وکیل نہ بنائے کیوں کہ اس طرح کرنے سے برائی کو اہمیت حاصل ہوتی ہے اور دشمنی بڑھتی ہے۔ اور ہماری خیر پسند شریعت میں ایسا کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کسی مجبوری کے باعث مثلاً مرض، سفر یا اعتکاف میں بیٹھنے کے باعث اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا دے۔ ایسی حالت میں اسے حلف اٹھانا پڑے گا کہ مجبوریوں کے منجملہ کس مجبوری کے باعث وکیل بنانا پڑا۔ حلف اٹھانے سے انکاری ہو تو کسی کو وکیل بنانا درست نہ ہوگا تا آنکہ فریق ثانی راضی نہ ہو۔

معذوری کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ فریقین ایک دوسرے کے ساتھ گالی گلوچ پر اتر آئے ہوں یا ایک فریق دوسرے کی تلخ کلامی سے غصہ میں آجائے۔ لیکن اگر مؤکل نے سبب بتائے بغیر اپنی مجبوری کا حلف اٹھایا تو اس حلف سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اور وکیل مقدمہ کو تین پیشیاں بھگتنے کے بعد از خود وکالت سے ہٹ جانے کا حق نہیں ہے سوا اس کے کہ معذوری ہو اور حلف سے کہے کہ میں صرف اس مجبوری کے باعث وکالت سے دستکش ہوا ہوں۔ اسی طرح مؤکل کو بھی حق نہیں ہے کہ (تین پیشیاں بھگتنے کے بعد) اپنے وکیل کو الگ کر دے۔ تین پیشیوں سے پہلے وکیل خود بھی وکالت سے کنارہ کش ہوسکتا ہے اور اس سے پہلے پہلے مؤکل بھی اسے ہٹا سکتا ہے۔ فریق مخالف کو حق ہے کہ ہٹے ہوئے وکیل کو اپنا وکیل بنالے، لیکن اگر وکیل اپنے پہلے مؤکل سے دشمنی ٹھان لے تو وہ فریق ثانی کا وکیل نہیں بن سکتا۔

اگر کوئی وکیل کسی قضیہ میں مقدمہ کا پیروکار رہا ہو اور وہ معاملہ ختم ہو جائے اور اسی وکیل کو پھر کسی اور معاملہ کی پیروی میں شامل کر لیا جائے تو درست ہے بشرطیکہ پہلی وکالت اس قضیہ کے لئے مخصوص نہ رہی ہو اور اس مقدمہ کا فیصلہ ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو۔ اگر چھ ماہ گزر چکے ہیں تو مقدمہ سابقہ کے وکیل کو اس مقدمہ کی پیروی درست نہیں ہے۔ لیکن اگر دونوں مقدمہ باہم ملے جلے ہوں اور ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہ ہوں تو وکیل کو حق ہے کہ اپنے مؤکل کی طرف سے (دوسرے مقدمہ کی) پیروی کرے، خواہ (فیصلہ کو) بہت زیادہ مدت گزر گئی ہو۔

کسی خاص تنازع کے وکیل مقدمہ کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے مؤکل کی طرف سے کسی کے مطالبہ کا اقرار کرے، بجز اس صورت کے جب کہ وکالت کے وقت اس کی وضاحت کر دی گئی ہو کہ وہ مؤکل کی طرف سے اقرار کر سکتا ہے۔ پس اگر وکیل کسی بات کا اپنے مؤکل کی طرف سے اقرار کرے تو وہ اقرار مؤکل پر عائد نہ ہوگا۔ وکیل کی حیثیت صرف ایک گواہ کی سی ہوگی۔

اس صورت میں جب کہ وکالت مفوضہ (یعنی مختار کل بنانے والی) ہو تو وکیل کو اپنے مؤکل کی طرف سے اقرار کرنے کا اختیار ہے اور دونوں صورتوں میں مؤکل پر اس کے وکیل کا اقرار عائد ہونے کی چند شرطیں ہیں کہ جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں مخصوص تنازعہ کے ایسے وکیل کو جسے مؤکل کی طرف سے اقرار کا اختیار حاصل ہے اور یا یہ کہ وہ وکیل مختار

عام ہے اس کا اقرار نافذ العمل نہ ہوگا۔ (وہ شرائط یہ ہیں)

پہلی شرط یہ ہے کہ وکیل کسی معقول بات کا اقرار کرے جسے مقدمہ سے لگاؤ ہو۔ ایسی بات کا اقرار نہ ہو جس کو مقدمہ سے نسبت نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جس امر کا اقرار کیا ہے وہ امر متنازعہ کی اقسام میں سے ہو، مثلاً قرض کے تنازعہ میں کسی کو وکیل بنایا جائے اور وہ وکیل اقرار کرے کہ اس کے مؤکل نے اس قدر قرض وصول کر لیا ہے یا اتنے کی ادائیگی ہو چکی ہے۔ لیکن اگر وکیل تو اس قرض کے معاملہ کا ہے جو اسے فریق مخالف سے واجب الوصول ہے اور اقرار اس امر کا کرے کہ فریق مخالف کی فلاں چیز جو اس کے پاس تھی تلف ہو گئی وغیرہ تو (یہ بے تعلق بات ہے اس لئے) یہ اقرار بے فائدہ ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اقرار ایسے شخص کے حق میں نہ ہو کہ اس شخص اور اس کے درمیان (اس اقرار سے) تہمت لگائی جا سکے۔ مثلاً وہ اقرار کسی اپنے دوست یا قریبی رشتہ دار کے حق میں ہو۔

اگر مؤکل نے وکیل سے کہا کہ میری طرف سے ایک ہزار کا اقرار کر لو تو یہ اقرار خود مؤکل کی جانب سے متصور ہوگا اور وکیل کا تجدید اقرار ضروری نہیں ہے۔ مؤکل اس کے بعد اقرار سے نہیں پھر سکتا اور نہ وکیل کو معزول کر سکتا ہے بلکہ وکیل اس کے اقرار کا گواہ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ تنازعات میں کسی کو وکیل بنانا جائز ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وکیل ایک ہی شخص ہو یا زیادہ ہوں۔ رہا یہ کہ آیا یہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (اس بارے میں) بعض اصحاب نے امام صاحب کے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ فریق مخالف کی رضامندی کے بغیر وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ اور بعض اصحاب نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے کہ مخالف کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل بنانا جائز ہے، خواہ مدعی کا وکیل ہو یا مدعا علیہ کا۔ اور بعض اصحاب نے یہ معاملہ قاضی (حاکم شرع) پر چھوڑا ہے کہ اگر وہ سمجھے کہ اس سے مؤکل کی غرض فریق ثانی کو ناحق نیچا دکھانا اور نقصان پہنچانا ہے تو وہ وکیل کرنے کی اجازت نہ دے۔ لیکن اگر کسی فریق کی بابت (قاضی کو) یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس وکالت کو جو تحقیق واقعہ کے لئے ہے قبول نہ کر کے ہار سے بچنا چاہتا ہے تو چاہئے کہ قاضی اس کی بات کو نہ سنے۔ اس زمانہ میں تو یہی بہتر ہے، کیوں کہ بسا اوقات انسان اچھی طرح سے جانتا ہے کہ وہ غلطی پر ہے اور اسے اپنے دعوے میں ناکامی ہوگی پھر بھی وہ عداوت اور سخت عناد کے باعث کوئی چالاک وکیل کر لیتا ہے جس کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ فریق مخالف کو نقصان پہنچائے بایں طور کہ وہ اس کی حق رسی میں تاخیر کی ترکیب کرے یا پھر یہ کہ اسے فضول اور اذیت دہ اخراجات کا متحمل ہونا پڑے وغیرہ۔ پس اگر کسی مؤکل کی یہ حرکت قاضی کو معلوم ہو جائے تو اس کے وکیل کو تسلیم نہ کرنا بہتر ہے، سوا اس کے کہ فریق مخالف اس پر راضی ہو جائے۔

یہ تمام باتیں اس صورت میں ہیں جب کہ حاکم شرع (بے جا طرف داری کے) الزام سے بری ہو۔ بصورت دیگر صاحبین کی رائے پر عمل کرنا بہتر اور سود مند ہے۔ لہٰذا اگر ضروری ہو جائے تو امام (حاکم مجاز) مقدمہ میں وکیل بنانے کی اجازت دے سکتا ہے اگرچہ فریق مخالف اس پر راضی نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مؤکل مریض ہو اور پیدل چل کر حاضر عدالت ہونا اس کے لئے ممکن نہ ہو (تو وکیل کرنے کی اجازت ہو سکتی ہے)۔ لیکن اگر وہ کسی سواری پر حاضر ہو سکتا ہے تو

Marfat.com

اسے (اصالتاً) حاضر ہونا لازم ہے، بشرطیکہ اس سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ ایسا ہو تو اس کا اصالتاً حاضر ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ کوئی شخص مدت مقدمہ کے لئے ارادۂ سفر رکھتا ہو اور اس امر کا قرینہ موجود ہو (کہ فی الواقع اسے سفر درپیش ہے) تو قاضی اسے اللہ کی قسم دلائے گا (اور تب وکیل کی اجازت دے گا)۔

اسی طرح پردہ نشین خاتون جو عام مردوں کے سامنے نہیں آتی اسے بھی حق ہے کہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر کسی کو اپنا وکیل بنائے۔ اور وہ شخص بھی جو مقدمہ بازی سے گریز کرتا ہوا اپنا وکیل کسی کو بنا سکتا ہے گو فریق مخالف راضی نہ ہو۔ اس طرح عوام میں سے اہم شخصیتوں کو وکیل بنانے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

امر متنازعہ میں جو شخص رضا کارانہ طور پر وکالت کر رہا ہو جب چاہے امر وکالت سے دستکش ہو سکتا ہے۔ نیز وصولی واجبات کا وکیل اور خرید و فروخت وغیرہ کا وکیل بھی ایسا کر سکتا ہے۔ البتہ تین حالتیں ایسی ہیں کہ وکیل نہ خود وکالت سے دستکش ہو سکتا ہے اور نہ مؤکل اسے ہٹا سکتا ہے۔

اول یہ کہ کسی شخص کو اس لئے وکیل بنایا گیا ہو کہ وہ فلاں شے فلاں شخص کے حوالے کر دے مثلاً یوں کہا جائے کہ تم یہ کپڑے یا کتابیں یا مویشی فلاں کو دے دو اور پھر مؤکل شہر سے کہیں چلا جائے تو ایسی حالت میں وکیل پر لازم ہوگا کہ وہ چیز اس شخص تک پہنچا دے۔ اسے یہ جائز نہیں ہے کہ وکالت سے دست بردار ہو جائے۔

دوم یہ کہ کسی کو مال مرہونہ کی فروخت کے لئے وکیل بنایا جائے کہ مثلاً ایک شخص نے کوئی چیز قرض کے بدلے رہن رکھی اور پھر کسی شخص کو وکیل بنایا کہ اس شے (مرہونہ) کو فروخت کر کے قرض ادا کر دے تو اس وکیل کو حکماً اسے فروخت کرنا ہوگا، وکالت نہیں چھوڑ سکتا۔

سوم یہ کہ ایک شخص نے امر متنازعہ میں کسی کو وکیل بنایا اور مدعی کے طلب کرنے پر جواب دہی کے لئے خود نہیں پہنچ سکا تو اس کے وکیل پر واجب ہوگا کہ اس کی جانب سے مقدمہ کی پیروی کرے۔ وکالت سے ہٹنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ مؤکل ہی اسے ہٹا سکتا ہے۔ ایسا کرنے سے مدعی کی حق تلفی ہوتی ہے کیوں کہ وہ شخص جس سے حق کا مطالبہ ہے وہ موجود نہیں ہے۔ البتہ اگر مدعا علیہ حاضر ہو تو مؤکل اپنے وکیل کو ہٹا سکتا ہے کیوں کہ مدعی اپنے حق کا مطالبہ اس سے کر سکتا ہے جو موجود ہے۔ ایسا ہی اس صورت میں بھی جب کہ کسی کو مدعا علیہ کی طلبی پر وکیل نہ بنایا گیا ہو (اس وکیل کو ہٹایا جا سکتا ہے) کیوں کہ اسے وکالت کا حق نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل وکیل کے برطرف کرنے کے بیان میں آئے گی۔

واضح ہو کہ وہ شخص جسے خصومات (نزاعی معاملات) یا مطالبہ حقوق کے لئے وکیل بنایا گیا ہو اسے بقول مفتیٰ بہ مطالبات کے وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے بلکہ قرض وغیرہ مالی مطالبہ کا وصول کرنا اسی شخص کا کام ہے جسے وکیل بنانے کے وقت اس مقصد کے لئے مامور کیا گیا ہو۔ لہٰذا اگر کسی کو قرض کی وصولی یابی کے لئے وکیل بنایا گیا ہو اور مقدمہ کی پیروی کے لئے نہ بنایا گیا ہو تب بھی اس وکیل کو حق ہے کہ مقدمہ کی پیروی کرے۔ کیوں کہ مطالبہ حق کا طریقہ ہی یہ ہے کہ دعویٰ دائر کیا جائے۔

نزاعی امور کا وکیل مصالحت کرنے کا حق نہیں رکھتا اور نہ مصالحت کا وکیل امور متنازعہ کی وکالت کر سکتا ہے کیوں کہ ایسا کرنا مصالحت کے مقصد کے برعکس ہے۔ جس شخص کو مصالحت یا خصومت کے لئے وکیل بنایا گیا ہے اس کے علاوہ

Marfat.com

کسی اور کو مطالبہ کے اقرار (تسلیم) کرنے کا حق نہیں ہے لہٰذا کوئی اور وکیل اقرار کا حق نہیں رکھتا۔ اس بارے میں وصولی مطالبہ اور وکیل مصالحت اور دوسرے وکلاء میں کوئی فرق نہیں یعنی کسی کو اقرار کا حق نہیں ہے۔ البتہ حسب ذیل شرائط کے ساتھ وکیل خصومت کو اقرار کا حق ہے:

پہلی شرط یہ ہے کہ اقرار قاضی کی عدالت میں ہو۔ عدالت سے باہر اقرار کیا تو وہ مؤکل پر لازم نہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اقرار حد اور قصاص (شرعی سزاؤں) کے بارے میں نہ ہو۔ چنانچہ اگر وکیل نے اپنے مؤکل کے بارے میں ایسی کسی بات کا اقرار کر لیا تو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وکیل بنانے کے وقت یہ صراحت نہ کر دی گئی ہو کہ وکیل کو اقرار کا حق نہ ہوگا۔ اگر وکیل بنانے کے وقت یہ بات کھول دی گئی ہو تو وکیل کو اقرار کا حق نہ ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر مؤکل نے یوں کہا کہ میں تم کو اس تنازعہ مقدمہ کی پیروی کا وکیل بناتا ہوں لیکن تم کو میری طرف سے کسی مطالبہ کے اقرار کا حق نہ ہوگا تو یہ درست ہے لہٰذا اگر اس کے بعد بھی وکیل نے قاضی کی عدالت میں اپنے مؤکل کی طرف سے اقرار کر لیا تو وہ وکالت سے برطرف ہو جائے گا اور اس کی سماعت نہ کی جائے گی۔ صورت بالا میں جب کہ وکیل کو اقرار کا حق نہ دیا گیا ہو انکار کا حق رہتا ہے۔ لیکن اگر مؤکل نے صرف یہ کہا ہو کہ تم انکار کا حق نہیں رکھتے ہو تو وکیل کو اقرار کا حق حاصل ہو جائے گا۔ اگر وکیل بنانے کے وقت اقرار یا انکار کسی بھی حق کا ذکر نہیں آیا تو اس وکالت کے درست ہونے میں اختلاف ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خصومت (مقدمات نزاعی) میں وکیل بنانا جائز ہے لیکن وکیل خصومت کو مطالبات کے خود وصول کر لینے کا حق نہیں ہے، سوا اس صورت کے جب کہ وکیل بناتے وقت اس کی تصریح کر دی گئی ہو۔ اگر اس کی تصریح نہیں کی گی تو وصولی واجبات کا حق اس کہنے میں نہ از روے لغت شامل ہے نہ از روے عرف عام کیوں کہ ممکن ہے مؤکل پیروی مقدمہ کے لئے راضی ہو اور وصولی مطالبات کا حق دینے کے لئے راضی نہ ہو۔ لیکن جسے واجبات وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا جائے اسے مقدمہ چلانے کا حق بھی ہو جاتا ہے کیونکہ س (نالش) کے بغیر واجبات کی وصولی نہیں ہو سکتی۔ غرض وصولی مطالبہ کی وکالت میں عرف عام کے لحاظ سے پیروی مقدمہ خود آجاتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خصومت (نزاعی مقدمات) میں وکیل بنانا درست ہے لیکن وکیل خصومت کو (مؤکل کی طرف سے) نہ اقرار کا اختیار ہے نہ مصالحت کا نہ قرض کی ادائیگی کا اور نہ مطالبہ کے وصول کرنے کا، کیوں کہ اقرار کرنے کے لئے وکیل بنانا درست نہیں ہے، یہاں تک کہ بقول صحیح اگر مؤکل نے وکیل بناتے وقت اس کی تصریح بھی کر دی تب بھی۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں آپ کو اس امر کے لئے وکیل بناتا ہوں کہ میرے ذمہ فلاں شخص کے لئے اس قدر کا اقرار کر لو اور وکیل کہے کہ میں نے فلاں شخص کے اس قدر مطالبہ کا اقرار کر لیا تو یہ اقرار درست نہ ہوگا کیوں کہ یہ تو کسی کے حق کی خبر دینا ہے۔ اس بارے میں گواہی کی طرح وکالت کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن آیا وکیل کے اس طرح کہنے سے مؤکل کو اس مطالبہ کا اقرار کرنے والا تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا انحصار عبارت پر ہے۔ اگر یوں کہا تھا کہ میں تم کو وکیل بناتا ہوں کہ میری طرف سے فلاں شخص کے حق میں یہ اقرار کر لو کہ اس کے ایک ہزار مجھ پر واجب ہیں

Marfat.com

کیا وکیل اپنی طرف سے کسی اور کو وکیل بنا سکتا ہے؟

اگر کسی مؤکل نے اپنے وکیل کو یہ اجازت دے دی ہو کہ وہ کسی اور کو اپنی طرف سے وکیل بنا سکتا ہے، تو اس کا کسی اور کو اپنا وکیل بنانا درست ہے۔ اگر اجازت نہیں دی تو اس صورت میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

(اور وکیل نے اقرار کرلیا) تو یہ مؤکل کا قطعی اقرار متصور ہوگا۔ اور اگر یوں کہا کہ میں تم کو اس لیے وکیل بناتا ہوں کہ میری طرف سے اقرار کرلو اور یہ نہیں کیا کہ اس کے مجھ پر اس قدر واجب ہیں تو اس صورت میں بھی کہا اور جاتا ہے کہ یہ اقرار کرنا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اقرار نہیں ہے۔ اور صحیح تر بات یہ ہے کہ اس طرح کہنے سے مؤکل کا اقرار تسلیم کرلیا جائے گا۔ اگر یوں کہا کہ میں تم کو وکیل بناتا ہوں کہ تم اقرار کرلو کہ فلاں شخص کے مجھ پر ایک ہزار ہیں اور یہ نہیں کہا کہ ''میری طرف سے اقرار کرلو'' تو بقول صحیح یہ اقرر نہیں ہے، کیوں کہ اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ اقرار مؤکل کی طرف سے ہے۔ اگر صرف یہ کہا کہ میں تم کو وکیل بناتا ہوں کہ فلاں شخص کے لئے ایک ہزار کا اقرا کرلو اور یہ نہیں کہا کہ ''میری طرف سے'' یا یہ کہ ''میرے ذمہ'' تو یہ اقرار نہیں ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مؤکل اصلی نے اپنے وکیل کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ کسی اور کو وکیل بنائے تو وہ وکیل ان دو حالتوں کے بغیر کسی اور کو اپنی طرف سے وکیل نہیں بنا سکتا۔

پہلی حالت یہ ہے کہ اگر مؤکل نے جس کام کے لئے وکیل بنایا وہ کوئی ایسا کام ہے کہ وکیل کے لئے خود اسی کی انجام دہی اس کی شان کے شایاں نہیں ہے مثلاً عام بازار میں جا کر جانور کی فروخت کے لئے کسی کو وکیل بنایا اور وکیل ایک ذی حیثیت شخص ہے کہ اسے بذات خود (بازار جا کر) جانور کے بیچنے کا کام انجام دینا اس کی شان کے منافی ہے تو ایسی حالت میں اسے حق ہے کہ وہ اس جانور کی فروخت کے لئے کسی کو اپنی طرف سے وکیل بنا دے۔ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ مؤکل اس وکیل کی وجاہت سے واقف ہو یا پھر یہ کہ وہ وکیل مشہور شخصیت کا مالک ہو۔ اگر یہ شرط نہ پائی جائے اور وکیل اپنے مؤکل کی اجازت کے بغیر کسی کو اپنی طرف سے وکیل بنا دے اور اس طرح وہ مال ضائع ہو جائے تو وکیل پر ذمہ داری عائد ہوگی۔

دوسری حالت یہ ہے کہ کار مفوضہ اتنا بڑا (یا زیادہ) ہو کہ وکیل اس کو تن تنہا سرانجام نہ دے سکے تو ایسی حالت میں اسے حق ہے کہ اپنی طرف سے کسی اور کو وکیل بنائے جو اس کام کی (سرانجام دہی) میں اس کی مدد کرے تاہم اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ تمام ہی کام اپنے وکیل کے سپرد کر دے۔

اگر کسی وکیل نے ایک اور شخص کو اپنی طرف سے وکیل بنایا اور ادھر اصل مؤکل نے اس وکیل کو برطرف کر دیا تو اس وکیل کی برطرفی سے (وکیل کا بنایا ہوا) دوسرا وکیل برطرف متصور نہ ہوگا۔ اگر مؤکل اس دوسرے وکیل کو برطرف کرنا چاہے تو وہی اسے جداگانہ طور پر علیحدہ کر سکتا ہے۔ اور پہلا وکیل بھی (اپنے بنائے ہوئے) دوسرے وکیل کو برطرف کر سکتا ہے۔ اور اگر مؤکل اول وفات پا جائے تو دونوں وکیل برطرف ہو جائیں گے۔

Marfat.com

اگر کسی وکیل کو وکالت مفوضہ (مختار کل کی حیثیت) حاصل ہے تو وہ غیر مشروط طور پر کسی کو بھی اپنا وکیل بنا سکتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ چند صورتوں کے سوا کسی وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ مؤکل کی اجازت کے بغیر بطور خود کسی کو اپنا وکیل بنائے۔

ان صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو اپنی طرف سے زکوٰۃ واجب ادا کرنے کے لئے وکیل بنائے۔ ایسے وکیل کو مؤکل کی اجازت کے بغیر بھی کسی کو اپنا وکیل بنانا درست ہے اور اس دوسرے وکیل اصل مؤکل کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ کی ادائیگی جائز ہے۔ اس کے برخلاف اگر ایک شخص نے کسی کو اس لئے وکیل بنایا کہ اس کے لئے قربانی کا جانور خرید کرے اور اس وکیل نے کسی اور کو اس کام کے لئے وکیل بنایا اور اس نے قربانی کا جانور خرید لیا تو یہ خریداری اصلی مؤکل کی منظوری پر موقوف ہوگی کہ اگر اس نے اجازت دے دی تو خریداری درست ہوگی ورنہ نہ ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ اس کے قرض کی وصول یابی کرے تو وکیل کو حق ہے کہ اس کام کے لئے کسی اور کو جو اس کے کنبہ میں سے ہو (یعنی جس پر اس کے عیال کی معاشی ذمہ داری ہے) وکیل بنالے۔ اب اگر اس وکیل نے اپنے کنبہ کے کسی آدمی کو اپنی طرف سے وکیل بنایا اور مقروض نے اسے قرض حوالے کر دیا تو وہ قرضہ ادا ہو گیا۔ کیوں کہ اس شخص کا وصول کرنا جس کے معاش کی ذمہ داری وکیل پر ہے خود وکیل کا وصول کرنا ہے۔ لیکن اگر وکیل نے اس کام کے لئے (اپنے کنبہ کے شخص کو نہیں بلکہ) کسی اجنبی کو وکیل بنایا جس کے عیال کی ذمہ داری اس پر نہیں ہے اور مقروض نے قرض (واجب الادا) اس کے حوالے کر دیا اور پھر وہ قرض اس کے حق دار (یعنی اصل مؤکل) کے ہاتھ میں پہنچ گیا تب تو مقروض قرضہ سے سبکدوش ہو گیا۔ لیکن اگر وہ قرضہ اس کے حق دار کو نہیں پہنچا اور دوسرے وکیل کے پاس ضائع ہو گیا تو قرضہ کی ادائیگی نہیں ہوئی۔ وکیل ثانی پر اس کی ادائیگی کی ذمہ داری رہے گی اور مؤکل اس کا مطالبہ اپنے پہلے وکیل سے جسے اس نے اپنا وکیل بنایا تھا کرے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو وکیل بنا دیا کہ وہ اس کا مال فروخت کر دے۔ پھر اسے بلا بھیجا تا کہ اس کی قیمت کی مقدار اسے بتا دے، کہ اتنے میں فروخت کرنا اس وکیل نے (خود جانے کی بجائے) اپنی طرف سے ایک وکیل بنا کر بھیجا کہ مؤکل سے اس مال کی قیمت کا اندازہ دریافت کر کے آئے تو اس کے لئے اصل مؤکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنالینا درست ہے کیوں کہ اس وکالت کا مقصد مال کے دام کا معلوم کرنا تھا اور اس مقصد کے لئے وکیل بنانے میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

واضح ہو کہ وکالت کے کام کو وکیل کی رائے پر چھوڑ دینے میں اسے وکیل بنانے کی اجازت بھی شامل ہے۔ چنانچہ اگر مؤکل نے (وکیل سے) کہا کہ آپ اپنی رائے کے مطابق کام کیجئے یا یہ کہا کہ آپ کا جو جی چاہے کیجئے۔ تو اس طرح کہنے سے وکیل کو اپنی طرف سے وکیل بنانے کا حق بھی حاصل ہو گیا۔ لیکن اگر یہ پہلا وکیل بھی اپنی طرف سے کسی اور کو وکیل بنا کر کہے کہ تم اپنی رائے کے مطابق یا جو جی چاہے کرو تو یہ حق اسے نہیں ہے کہ وہ بھی اپنے آگے تیسرا وکیل اس کام کے لئے بنائے۔

ان مسائل میں طلاق دینے یا (بردہ) آزاد کرانے کی وکالت مستثنیٰ ہے کہ اگر کسی کو کہا گیا کہ جو کچھ تمہاری سمجھ میں

Marfat.com

وکیل کو وکالت سے ہٹانے کا بیان

وکالت ایسے معاملات میں سے ہے جو جائز (اختیاری) ہیں کیوں کہ موکل کی طرف سے وکیل کو کام کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور وکیل کی طرف سے کام میں اس کی حمایت ہوتی ہے۔ لیکن یہ دونوں باتیں لازم نہیں ہو جاتیں لہٰذا موکل اور وکیل دونوں کو حق ہے کہ معاہدۂ وکالت کو فسخ کر دیں۔ چنانچہ وکیل چاہے تو وکالت سے دستکش ہو جائے۔ اسی طرح موکل چاہے تو اسے برطرف کر دے۔ تاہم اس میں

آئے کرو یا جو جی چاہے کرو، اس طرح کہنے سے کوئی شخص مؤکل کی بیوی کو طلاق دینے یا اس کے غلام کو آزاد کرنے کا وکیل نہیں بن جاتا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اور نہ اس بارے میں کوئی وکیل اپنی طرف سے کسی اور کو وکیل بنا سکتا ہے۔

اگر پہلے وکیل نے اپنی طرف سے دوسرا وکیل، اپنے مؤکل کی اجازت کے بغیر یا وکالت مفوضہ (یا اختیار کلی) حاصل ہوئے بغیر بنایا اور وکیل ثانی نے امر مفوضہ انجام دیا تو اس کام کی انجام دہی درست نہ مانی جائے گی، البتہ وکیل اول اس کی اجازت دے دے تو درست ہے، خواہ (انجام دہی کار کے وقت) وہ موجود ہو یا نہ ہو، کیوں کہ مقصد تو اصل وکیل کی رائے کا حاصل کرنا ہے اور یہ مقصد (وکیل ثانی کو عمل کرنے کی) اجازت (یا تائید) سے عملاً حاصل ہو گیا۔ اور اس دوسرے شخص کو وکیل کہا جائے گا اگرچہ اس کی یہ وکالت اجازت مؤکل یا صحیح طور پر مختار کل ہوئے بغیر ہوئی ہے کیوں کہ اس تصرف (یعنی کار مفوضہ کی انجام دہی) کی اجازت دینے سے وہ شخص عملی طور پر وکیل ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ اگر ایک بے تعلق شخص کے انجام دیئے ہوئے کام کو جائز تصور کر لیا جائے تو اس غیر متعلقہ شخص کی حیثیت ایک وکیل کی سی ہو جاتی ہے۔ غرض بعد میں کسی کے انجام دیئے ہوئے کام کو جائز تسلیم کرنا پہلے سے وکیل بنانے کی مانند ہے۔

اگر وکیل اول نے مؤکل کے کہنے یا مختار کل ہونے کی حیثیت سے کسی اور کو اپنی طرف سے وکیل بنایا تو دوسرا وکیل بھی اصل مؤکل کا تابع متصور ہوگا۔ لہٰذا وکیل اول جس نے اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنایا ہے، اگر برطرف کر دیا جائے یا وفات پا جائے تب بھی یہ دوسرا وکیل برطرف متصور نہ ہوگا ہاں اگر اصل مؤکل وفات پا جائے تو دونوں وکیل برطرف ہو جائیں گے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جو وکیل کار وکالت کو خود انجام دے سکتا ہو اسے اپنی طرف سے کسی اور کو وکیل بنانا درست نہیں، ہاں جس کام کی انجام دہی سے وہ خود عاجز ہو تو بجا ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کام کے لئے کسی اور کو وکیل بنائے۔

مؤکل نے اگر اپنے وکیل کو اجازت دے دی ہو کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا لے تو درست ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ وکیل کو وکالت مفوضہ (اختیار کلی) حاصل ہو بایں طور کہ اسے کہا گیا ہو کہ تمہارا جو جی چاہے وہ کرو، تو ایسی حالت میں وہ کسی کو بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی وکیل اس صورت میں اپنی طرف سے بلا اجازت مؤکل کسی کو وکیل بنا سکتا ہے جب کہ کار وکالت کی انجام دہی سے معذور ہو یا اس کام کی انجام دہی اس کی شان کے شایان نہ ہو۔ بصورت دیگر وکیل کے لئے

Marfat.com

مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

ضروری ہے کہ کسی اور کو اپنی طرف سے وکیل بنانے کے لئے اپنے اصل مؤکل کی اجازت صریحاً یا ضمناً حاصل کرے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وکالت ایک معاملہ جائز (یا اختیاری) ہے، لیکن تین مواقع ایسے ہیں جب کہ معاملہ لازمی (ناقابل تنسیخ) ہو جاتا ہے یعنی وکیل کو ہٹنے یا ہٹانے کا اختیار نہیں رہتا۔ یہ مواقع وہ ہیں جن میں وکالت کا تعلق محض وکیل اور مؤکل کے مابین محدود نہیں رہتا۔ بلکہ اس میں دوسروں کے حق کا تعلق بھی ہو جاتا ہے۔ اس کا ذکر وکالت خصومت کے بیان میں پہلے آچکا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے:

(الف) شے مرہونہ کی فروخت کی وکالت؛ کہ اگر ایک شخص نے قرض کے بدلے میں کوئی چیز کسی کے پاس رہن رکھی، پھر کسی شخص کو وکیل بنایا کہ اس شے کو فروخت کر دے تا کہ قرض سے سبکدوشی حاصل کی جائے تو اس صورت میں وہ وکالت اختیاری نہیں رہتی بلکہ لازمی ہو جاتی ہے اور وکیل وکالت سے دستکش نہیں ہو سکتا اور نہ مؤکل ہی اسے ہٹا سکتا ہے۔ کیوں کہ اس وکالت میں قرض خواہ کے حق کا بھی تعلق ہے اور چاہتا ہے کہ مال مرہونہ کی فروخت سے اپنا حق حاصل کرے۔ اسی میں وہ صورت بھی شامل ہے جب کہ ایک شخص، مقروض کی موجودگی میں، کسی کو اپنا قرضہ وصول کرنے کے لئے وکیل بنائے تو اب اسے حق نہیں ہے کہ اسے وکالت سے ہٹا دے سوا اس صورت کے جب کہ مقروض کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسے اس کا حق ہے۔

(ب) وکالت خصومت (یا امور نزاعی کی وکالت) جب کہ مطلوب (یا مدعا علیہ) موجود نہ ہو اور مدعی کی درخواست ہو کہ (مدعا علیہ نہیں ہے تو) اس کے وکیل کو طلب کیا جائے۔ مثلاً ایک شخص کا کسی پر قرضہ ہو اور مقروض چوبیس گھنٹے کے سفر پر جا رہا ہو اور قرض خواہ مقروض سے مطالبہ کرے کہ وہ اپنی بجائے کسی کو اپنا وکیل بنا کر جائے تا کہ وہ وکیل اس کی عدم موجودگی میں مطالبہ قرض کے بارے میں اس کی طرف سے جواب دہی کر سکے۔ اور مدعی کی اس درخواست کی بنا پر مدعا علیہ کی طرف سے کوئی وکیل بنایا گیا تو ایسی صورت حال میں وہ وکیل ناقابل معزولی متصور ہوگا، کیوں کہ اسے غیر حاضر مقروض کی بجائے سمجھا جائے گا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں ہے جس سے وہ اپنے قرض کا مطالبہ کر سکے۔ اب اگر وہ وکیل وکالت سے ہٹ جائے تو قرض خواہ کی حق تلفی ہوگی۔ لیکن اگر مقروض موجود ہو، غیر حاضر نہ ہو تو یہ وکالت (لازمی نہ رہے گی بلکہ) جائز (یا اختیاری) ہوگی، کیوں کہ مقروض خود جواب دہی مقدمہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ وکیل کا تقرر مدعی کی دخواست پر نہ ہوا ہو تو اب مدعی کو اس بارے میں حق نہ رہے گا۔

(ج) کسی شے کو ایک شخص تک پہنچا دینے کی وکالت درآنحالیکہ مؤکل موجود نہ ہو۔ اس صورت میں وکیل پر لازم ہوگا کہ وہ چیز اس شخص کے پاس پہنچا دے۔ اس وکالت کے کام کی سرانجام دہی سے دست بردار ہونے کا حق نہیں ہے۔

جیسا کہ وکالت خصومت کے بیان میں بتایا گیا ہے۔ یہ امور وہ ہیں جن میں وکالت امر لازم (نا قابل تنسیخ) ہو جاتا ہے۔ باقی اور امور میں فریقین میں سے ہر ایک کو معاہدہ وکالت کے فسخ کر دینے کا حق ہے۔ لیکن یہ شرط ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو وکالت کے ختم ہو جانے کی اطلاع ہو گئی ہو۔ پس اگر وکیل خود وکالت سے دست کش ہونا چاہے تو لازم ہے کہ وہ اندریں باب اپنی تحریر (مؤکل کو) پہنچا دے یا کوئی ایسا فرستادہ اس کے پاس بھیج دے جو صاحب تمیز ہو۔ عادل نیکوکار ہو یا نہ ہو۔ بالغ ہو یا نابالغ ہو اور قطع نظر اس کے مؤکل اس کی بات کی تصدیق کرے یا جھٹلا دے۔ یا پھر وکیل روداد اپنی وکالت سے دست برداری کا اظہار کر سکتا ہے۔ یہ اظہار کسی اور طرح سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ مسئلہ اس حالت میں لاگو ہوگا جب کہ وکیل رضا کارانہ طور پر وکالت کر رہا ہو۔ اگر اجارہ کا وکیل ہو تو جو شرائط رکھی گئی ہیں ان کے مطابق عمل درآمد ہوگا۔

یاد رہے کہ چند امور ایسے ہیں جن میں وکالت سے برطرف ہونے کے لئے فریقین کا مطلع ہونا ضروری نہیں ہے:

ایک یہ کہ اطلاع کے بغیر ہی کسی کو وکیل بنا دیا جائے۔ ایسے وکیل کو مؤکل اسے اطلاع دیئے بغیر برطرف کر سکتا ہے۔

دوسرا امر نکاح، طلاق اور (بردہ) آزاد کرنے کی وکالت ہے کہ مؤکل کی اطلاع کے بغیر وکیل اپنے آپ وکالت سے دستکش ہو سکتا ہے۔

تیسرے وہ وکالت ہے جو مؤکل کا تمام مال فروخت کرنے کے لئے ہو۔ اس کام کا وکیل مؤکل کو اطلاع دیئے بغیر ہی وکالت سے دستکش ہو سکتا ہے۔

چوتھے وہ وکالت جو کسی غیر معین شے کی خریداری کے لئے ہو۔ اس میں بھی وکیل اپنے مؤکل کو بتائے بغیر وکالت سے دست بردار ہو سکتا ہے۔ ان تمام امور کا سبب یہ ہے کہ وکیل خود ہی مؤکل کی اطلاع کے بغیر وکالت چھوڑ دے تو مؤکل کا اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اس سے مؤکل کے نقصان کا اندیشہ ہو تو بدون اطلاع وکالت چھوڑ دینا درست نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا مال فروخت کر دے اور بازار چالو ہے لیکن وکیل نے اسی حال میں مؤکل سے کہے بغیر وکالت چھوڑ دی تو یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ مؤکل نے اپنے وکیل پر بھروسہ کر کے اسے بازار میں بھیجا تھا۔ ایسی صورت میں مؤکل کو بتائے بغیر وکالت سے دستکش ہو جانا جائز نہیں ہے۔

چند امور ایسے ہیں کہ مؤکل کے ہٹائے بغیر ہی وکیل وکالت سے برطرف ہو جاتا ہے:

ایک یہ کہ جس کام کے لئے وکیل بنایا گیا وہ کام ختم ہو جائے۔ مثلاً کسی کو قرضہ وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا گیا اور قرضہ وصول کر لیا تو وصول کرنے پر وہ وکالت ختم ہو گئی۔

دوسرے یہ کہ فریقین میں سے کسی کی وفات ہو جائے یا جنون مسلسل لاحق ہو جائے جس کی میعاد بقول مفتیٰ بہ ایک ماہ تک ہے۔

تیسرے یہ کہ کسی مرتد (تارک اسلام) نے کسی کو وکیل بنایا اور بھاگ کر دارالحرب چلا گیا یا قتل کر دیا گیا (یو ۔

Marfat.com

وکیل برطرف ہوجائے گا) لیکن اگر مرتد پھر مسلمان ہوجائے تو اس کی بنائی ہوئی وکالت برقرار رہے گی۔

دو امور (وکالت) ایسے ہیں جن میں موت آجانے سے یا جنون لاحق ہوجانے سے وکالت باطل ہوجاتی ہے: (ایک) وہ وکالت خصومت جو فریق مخالف کی درخواست پر ہوئی ہو اور (دوسرے) وہ وکالت جو مؤکل کی عدم موجودگی میں کوئی شے کسی کو دینے کے لئے ہو۔ شے مرہونہ کو فروخت کرنے کی وکالت ان حالات کے پیش آنے سے باطل نہیں ہوتی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تمام جائز امور کی وکالت میں، مؤکل اور وکیل دونوں میں سے کوئی جب چاہے معاملہ وکالت کو فسخ کر سکتے ہیں، سوا ان تین حالتوں کے:

ایک حالت وکالت خصومت کی ہے کہ اس میں وکیل کو از خود وکالت سے دست کش ہوجانا درست نہیں ہے۔ اور نہ مؤکل ہی کے لئے درست ہے کہ تین بار فریق مخالف کے ساتھ پیشی بھگتنے کے بعد اپنے وکیل کو ہٹا دے جیسا کہ وکالت کے بیان میں بتایا گیا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ وکیل معاوضہ یا فیس دے کر بطور اجارہ (شرائط کے تحت) مقرر کیا گیا ہو یا بلا معاوضہ ہو۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ وہ وکیل معاوضہ یا فیس دے کر بطور اجارہ مقرر کیا گیا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو ایک خاص کام کی انجام دہی کے لئے ایک مقررہ اجرت پر یا غیر مقررہ اجرت پر کچھ عرصہ کے لئے وکیل بنایا گیا ہو۔ اول الذکر کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو وکیل بنائے کہ وہ اس کے فلاں اونٹوں کو فروخت کردے۔ فروخت کرنے کے بعد اسے پانچ اشرفی (حق الخدمت) ملے گا۔ لیکن اس کے لئے وقت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ ثانی الذکر کی مثال یہ ہے کہ اسے اس لئے وکیل بنایا جائے کہ اسے ان اونٹوں کو بیچنا ہے۔ فروخت کرنے کے لئے پانچ دن تک منڈی میں لے جائے۔ پانچ دن کے بعد وہ دو اشرفی پائے گا خواہ وہ اونٹ اس عرصہ میں فروخت ہوگئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔

یاد رہے کہ کار وکالت اور وقت دونوں کا تعین درست نہیں ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ یہ سامان پانچ دن میں فروخت کردو جس کی اجرت اتنی ہوگی، یعنی اگر (اس عرصہ میں) فروخت نہ کیا تو کچھ نہ ملے گا۔ (یہ درست نہیں ہے) کیوں کہ کام اور وقت دونوں کا مقرر کردیا جائے تو اجارہ فاسد ہوجاتا ہے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ وکالت بطور اجارہ کے ایک اجرت طے کر کے ہو جو اس کام کی مزدوری ہوگی۔ مثلاً کسی شخص کو اس غرض سے وکیل بنایا جائے کہ وہ اتنی اجرت (معاوضہ) لے کر اس کے (واجب الطلب) قرض کی وصول یابی کرے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ قرض کی مقدار اور اس شخص کا تعین کر دیا جائے جس سے قرضہ وصول کرنا ہے۔ (یہ اجارہ کی صورت ہے)۔ اگر مزدوری پر یہ کام لیا جائے تو اس میں ان امور کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں یعنی قرض کی مقدار اور مقروض کا نام نشان بتا دیا جائے تب یہ معاملہ اجارہ ہوگا، جعالہ (یعنی مزدوری کا کام) نہ رہے

Marfat.com

گا۔ان دونوں صورتوں کے مسائل وکالت میں اختلاف آرا ہیں: بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ وکالت لازمی (ناقابل تنسیخ) کسی طرح نہیں ہے، خواہ معاوضہ بطریق اجارہ یا بطریق جعالہ (مزدوری) ہو یا نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ وکالت لازمی (ناقابل تنسیخ) ہوگی۔اب اگر یہ کام بطور اجارہ (پابندی شرائط) ہو تو معاملہ طے ہوتے ہی یہ معاملہ وکیل اور مؤکل دونوں پر لازم ہو جائے گا اور اگر بطور جعالہ (مزدوری) کے ہو تو وکیل کے کام شروع کرتے ہی کام کرانے والے مؤکل پر لازم ہو جائے گا (یعنی وہ اب اسے فسخ نہیں کر سکتا)۔لیکن جسے کام پر لگایا گیا (یعنی وکیل) پر لازم نہ ہوگا یعنی وہ اسے فسخ کر سکتا ہے۔

واضح ہو کہ مؤکل کی وفات پر وکیل معزول ہو جاتا ہے کیوں کہ وکیل، مؤکل کا نائب ہوتا ہے، بالخصوص مالی معاملات میں مؤکل کی وفات کے بعد اس کا مال اس کے وارثوں کا ہو جاتا ہے تو اب کچھ باقی نہیں رہتا جس پر اس کا نائب تصرف کر سکے۔اب رہی یہ بات کہ آیا مؤکل کے وفات پاتے ہی وکیل معزول ہو جاتا ہے، خواہ اسے اطلاع نہ ہو یا اس کی اطلاع ہونا ضروری ہے؟ اس بارے میں مختلف رائیں ہیں اور ترجیح اس رائے کو ہے کہ وکیل معزول نہیں ہوتا جب تک کہ اسے اطلاع نہ ہو۔پس اگر علم ہونے سے پہلے کوئی کارِ وکالت وہ انجام دے چکا ہے تو وہ کام برقرار رہے گا۔

اگر کسی مؤکل نے اپنے وکیل کو برطرف کیا تو کہا جاتا ہے کہ برطرف کرتے ہی وہ وکیل وکالت سے ہٹ جائے گا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ نہیں ہٹے گا جب تک کہ اسے اپنی برطرفی کی اطلاع نہ ہو۔لہٰذا اطلاع پانے سے پہلے جو کام اس نے کیا ہے وہ قول اول کے مطابق لاگو نہ ہوگا اور قول ثانی کے مطابق لاگو ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بجز ان دو حالتوں کے وکالت لازم (ناقابل تنسیخ) نہیں ہوتی:

پہلی حالت یہ ہے کہ وکیل کے ہٹ جانے سے مؤکل کا مال ضائع یا خراب ہوتا ہو۔ایسی حالت میں وکالت لازم ہوگی اور وکیل وکالت سے دستکش نہیں ہو سکے گا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ وکالت اجارہ کی شکل میں ہو (یعنی شرائط کے ساتھ کارِ وکالت طے ہوا ہو) تو اس کی جو شرائط ہیں وہ پوری کی جائیں گی اور وکالت بحال رہے گی۔ان کے علاوہ جتنی بھی صورتیں ہیں ہر ایک میں فریقین میں سے وکیل یا مؤکل جو چاہے وکالت کو فسخ کر سکتا ہے۔اگرچہ کارِ وکالت شروع کرنے کے بعد کریں۔

وکالت کی تنسیخ قول سے ہوتی ہے۔مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے وکالت کو فسخ یا باطل کر دیا۔یا وکیل کہے کہ میں وکالت سے دست کش ہوتا ہوں یا اسی قسم کے اور الفاظ جن سے تنسیخ وکالت کا مفہوم نکلتا ہو، مثلاً مؤکل کا یہ کہنا کہ میں نے تمہاری وکالت واپس لے لی یا اٹھالی۔رہا یہ کہ آیا مؤکل کے برطرف کرتے ہی وکیل برطرف ہو جاتا ہے یا اس وقت ہوتا ہے جب اسے اپنی برطرفی کی اطلاع ملے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک اسے اطلاع نہ ملے وکیل برطرف نہیں ہوتا۔ لہٰذا اطلاع پانے سے پہلے جو امور اس نے انجام دیئے ہیں وہ نافذ العمل متصور ہوں گے۔

واضح ہو کہ وکیل یا مؤکل کے وفات پانے یا پاگل ہو جانے یا بے ہوش ہو جانے پر وکالت منسوخ ہو جاتی ہے۔ر

Marfat.com

طرح نکاح کا وکیل اگر فسق (گناہ) میں مبتلا ہو جائے تو اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کو نکاح کا وکیل بنایا اور وہ وکیل معصیت میں پڑ گیا مثلاً بدکاری میں ملوث ہوا یا چوری کی فاسقانہ جرائم کا مرتکب ہوا تو اس کی وکالت ختم ہو جائے گی کیوں کہ وکیل نکاح کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عادل نیکوکار ہو۔ نیز جس چیز پر تصرف کے لئے مؤکل نے کسی کو وکیل بنایا اگر مؤکل اس چیز کا مالک نہ رہے تو وہ وکالت بھی ختم ہو جائے گی۔ مثلاً کسی کو مکان یا جانور یا غذائی اشیاء کی فروخت کے لئے وکیل بنایا اور پھر اسے فروخت یا وقف کر دیا تو وکالت منسوخ ہو جائے گی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی وکالت ختم ہو جائے گی جب کہ ایک مکان فروخت کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنایا اور وہ مکان کرایہ پر چڑھا دیا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وکالت معاملات جائز (اختیاری) میں سے ہے، یعنی فریقین (مؤکل و وکیل) میں سے ہر ایک کو یہ حق ہے کہ جب چاہے اس معاملہ کو فسخ کر دے۔ اور اگر دونوں میں سے کسی کی وفات ہو جائے یا کوئی جنون مسلسل میں مبتلا ہو جائے یا بے عقلی کے باعث نااہل معاملہ قرار پا جائے تو اس کی وکالت باطل ہو گی، کیوں کہ ان حالات میں کوئی شخص معاملہ کرنے کا اہل نہیں رہتا۔ پس نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کسی کو وکیل بنا سکتا ہے۔ نیز ایسے امور کی وکالت (کی حالت) میں جس کے لئے عادل (نکوکار) ہونا ضروری ہے اگر کوئی شخص فسق میں مبتلا ہو جائے تو وہ وکالت باطل ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کو ایجاب نکاح کے لئے وکیل بنایا، مثلاً یوں کہا کہ میں تم کو وکیل بناتا ہوں کہ میری بیٹی کا نکاح فلاں شخص سے کر دو یعنی اس شخص سے (بطور میرے وکیل کے) یہ کہو کہ میں نے فلاں شخص کی بیٹی کو تمہاری زوجیت میں دیا، اس کے بعد مؤکل ایسے امور کا مرتکب ہوا جو فسق یا معصیت ہیں تو اس کا وکیل وکالت سے برطرف ہو جائے گا۔ اسی طرح وکیل اگر خود بھی گناہ میں آلودہ ہو جائے تو وکالت سے ہٹ جائے گا۔ لیکن اگر کسی کو نکاح کی قبولیت کے لئے وکیل بنایا، مثلاً یوں کہا کہ میں تم کو اس لئے وکیل بناتا ہوں کہ تم فلاں لڑکی کا نکاح میرے بیٹے کے ساتھ یا یہ کہا کہ میرے ساتھ قبول کرو تو اس صورت میں مؤکل کے فاسق ہو جانے سے وکالت باطل نہ ہو گی۔

مؤکل کے مرتد ہو جانے سے بھی وکالت باطل ہو جائے گی کیوں کہ مرتد ہونے کے بعد اسے اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں رہتا۔ لیکن اگر وکیل مرتد ہو جائے تو اس کی وکالت ایسے امور میں باطل ہو گی جو وکالت کے منافی ہیں۔ اگر ایک شخص نے کسی کو اس لئے وکیل بنایا کہ اس کی طرف سے اس کی بیوی کو طلاق دے دے اور ہنوز وہ طلاق دینے نہ پایا تھا) کہ مؤکل اپنی بیوی کے پاس چلا گیا اور اس سے مباشرت کی تو وکالت باطل ہو جائے گی کیوں کہ اس کا مباشرت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسے اپنی بیوی سے رغبت ہے (اور طلاق دینا نہیں چاہتا)۔

مؤکل کے وفات پا جانے یا وکیل کو برطرف کرنے سے وکالت ختم ہو جائے گی اگرچہ وکیل کو اپنی برطرفی کا علم نہ ہوا ہو۔ اور اس وقت مؤکل کا جو کچھ بھی وکیل کے پاس ہو گا وہ بطور امانت متصور ہو گا۔ اگر اس میں تصرف کے بغیر وہ ضائع

Marfat.com

حوالہ (ایک کے مطالبہ کو دوسرے پر ڈالنے) کا بیان

حوالہ کی تعریف

حوالہ (کا لفظ) زبر اور زیر دونوں طرح سے صحیح ہے لیکن زبر کے ساتھ زیادہ صحیح ہے۔ لغت میں اس کے معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے ہیں، جیسے ایک بوتل کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پر رکھا جائے اس کے مفہوم میں ایک شخص کا قرض دوسرے کے ذمہ منتقل کرنا شامل ہے۔ (بناوٹ کے لحاظ سے)۔ لفظ حوالہ باب 'احال احالة'' کا اسم مصدر ہے۔ اس مصدر سے بولا جاتا ہے کہ ''احلت زیدا علی عمرو' '(یعنی میں نے زید (کے مطالبہ) کو عمرو کے حوالے کر دیا) اس فقرہ میں ضمیر 'میں نے' محیل (حوالہ کرنے والا) ہے اور زید 'محال' ہے (یعنی جسے حوالہ کیا گیا) اسے محتال بھی کہتے ہیں۔ اور عمرو محال علیہ یا محتال علیہ ہے (یعنی جس کے حوالہ کیا گیا) اور مال (یعنی مطالبہ) محال بہ ہے (یعنی مطالبہ واجب الادا)۔

لفظ حوالہ کے معنے اصطلاح شرع میں یہ ہیں کہ (مقروض) اپنے قرض کے مطالبہ کو دوسرے شخص پر اس قرض کے عوض ڈال دے جو اس شخص سے اسے لینا ہے۔ اس طرح قرض کے منتقل کر دینے سے مقروض اپنے قرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر عمرو سے زید کو سو اشرفیاں لینا ہیں اور اس کی ادائیگی کی میعاد مثلاً تین ماہ بعد پوری ہو گئی ہے اور عمرو نے شرائط آئندہ کے مطابق زید کے مطالبہ کو خالد کے حوالے کر دیا تو زید قرضہ سے بے تعلق ہو جائے گا اور عمرو کی بجائے اس کی ادائیگی کی ذمہ داری خالد پر جا پڑے گی۔ (۱)

ہو گیا تو وکیل اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ لیکن اگر وکیل کے تصرف کرنے سے وہ ضائع ہوا تو اس کی ذمہ داری اسی پر ہو گی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حوالہ کی تعریف کے بارے میں دو رائیں ہیں: ایک یہ کہ مقروض کا اپنے ذمہ کے (صرف حق) مطالبہ کو ایسے شخص پر ڈال دینا ہے جس کے ذمہ مقروض کا مطالبہ ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص کا قرض دوسرے پر ہے اور اس نے اپنے قرضہ کی ادائیگی دوسرے کے حوالے کر دی اور جس کے حوالے کی گئی اس نے اسے قبول کر لیا اور (ادائیگی کی) ذمہ داری اوٹ لی تو اب قرض خواہ کا مطالبہ اصلی مقروض سے منتقل ہو کر اس پر جا پڑے گا جس پر قرض ڈالا گیا اور جس نے مقروض کی طرف سے ادائیگی کی ذمہ داری اوٹ لی ہے۔ تاہم قرض اصل مقروض ہی کے ذمہ باقی رہے گا۔

دوسری رائے حوالہ کی تعریف کی بابت یہ ہے کہ انتقال مطالبہ کے ساتھ قرض بھی منتقل ہو جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اصل مقروض جب اپنا قرض کسی دوسرے کے حوالے کر دے جو اس قرض کی ادائیگی کا ذمہ لے لے تو وہ قرض سے

Marfat.com

سبکدوش ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ جو اصحاب یہ کہتے ہیں کہ حوالہ صرف حق مطالبہ کے منتقل کرنے کا نام ہے (قرض کا منتقل کرنا نہیں ہے) ان کے دلائل چند امور پر موقوف ہیں:

ان میں سے ایک امر یہ ہے کہ اصل مقروض یعنی محیل اگر چاہے کہ وہ خود ہی قرض ادا کر دے تو قرض خواہ اس کے قبول کرنے کا پابند ہوگا (یعنی انکار نہیں کر سکتا)۔ اگر وہ قرض اس پر منتقل ہو چکا ہوتا جس نے ادائیگی کی ذمہ داری اوٹ لی ہے تو قرض خواہ کو مجبور نہ کیا جا سکتا کہ وہ اس تبرع (یا مہربانی) کو قبول کرے، کیوں کہ (مقروض قرض سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی اگر قرض ادا کرتا ہے تو گویا) اس کا ادائے قرض کرنا مقروض کی امداد (یا کار خیر) ہے اور کسی کی امداد قبول کرنے (یا نہ کرنے کا ہر شخص کو اختیار ہے اس) کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ قرض خواہ یعنی 'محال' اگر محال علیہ (اوٹنے والے) کو ادائیگی قرض سے بری الذمہ کر دے تو اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس مہربانی کو یا اس قرضہ کے ہبہ کر دینے کو رد کر دے، لیکن از انجا کہ قرضہ منتقل نہیں ہوا اور مقروض کے ذمہ باقی ہے اوٹنے والے کو (ادائیگی کی) ذمہ داری سے سبکدوش ہونے سے انکار کا حق نہیں ہے بخلاف ہبہ کے کہ اس ہبہ کو قبول نہ کرنے کا اسے اختیار ہے۔ اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کے قرضہ کی ضمانت لے لی اور قرض خواہ نے ضامن کو قرض سے سبکدوش کر دیا تو ضامن کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس سبکدوشی کو رد کر دے کیوں کہ بقول صحیح وہ قرضہ مقروض اول کے ذمہ ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ ہاں اگر قرض خواہ اپنا واجب الوصول) قرضہ ضامن کو ہبہ کر دے تو وہ اس ہبہ کو نامنظور کر سکتا ہے، کیوں کہ اس ہبہ کا تعلق صرف ضامن سے ہے لہٰذا اسے تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا اسے حق ہے۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ قرض خواہ یعنی محال اگر محال علیہ (اوٹنے والے) کو بری الذمہ کر دے تو اصل مقروض اپنی ذمہ داری (قرض) سے سبکدوش ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد قرض خواہ کو دوسری بار مقروض سے مطالبہ کا حق نہیں رہے گا۔ لیکن اگر (قرض خواہ نے) وہ قرضہ ہبہ کر دیا تو محال علیہ (اوٹنے والے) کو حق ہے کہ وہ اصل مقروض سے قرض وصول کر لے، بشرطیکہ اصل مقروض کا اتنا ہی قرضہ اوٹنے والے پر نہ ہو جس کے مقابلہ میں اس کے قرضہ کی ادائیگی کی ذمہ داری اس نے لی تھی۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ اگر محال علیہ (جس پر قرضہ ڈالا گیا) حالت افلاس میں مر جائے یا قرض سے انکار کر دے اور اس کے خلاف شہادت نہ ہو تو قرض خواہ یعنی 'محال' اپنے قرض کے لئے اصل مقروض یعنی محیل کی طرف رجوع کرے گا۔ اگر قرض کی ذمہ داری اس پر ختم ہو گئی ہوتی (یعنی قرض منتقل شدہ قرار پاتا) تو قرض خواہ کا مطالبہ اس سے درست نہ ہوتا۔

واضح ہو کہ ایسے محال علیہ (اوٹنے والے) کو جو حالت افلاس میں مر جائے یا قرض سے انکار کرے اور اس کے خلاف کوئی شہادت نہ ہو 'توی' (یا دیوالیہ) کہا جاتا ہے۔ لفظ توی کے لغوی معنی ''مال کا برباد ہو جانا'' ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ 'توی' کو اسی معنی میں لیا ہے۔ لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے 'توی' (یا دیوالیہ) کے مفہوم میں یہ بھی زیادہ کر دیا ہے کہ حاکم نے محال علیہ (یعنی جس پر قرض ڈالا گیا ہے) کو اس کی زندگی میں مفلس (یا نادار) قرار دے دیا ہو۔ ایسی

Marfat.com

حوالہ کے ارکان (اجزائے لازمی) اور شرائط

حوالہ کے ارکان اور شرائط بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

صورت میں قرض خواہ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ محیل (مقروض اصلی) سے (اپنے واجبات کا) مطالبہ کرے۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ قرض خواہ یعنی محال اگر محیل (یعنی اصل مقروض) کو وکیل بنادے کہ وہ خود ہی محال (اوٹنے والے) سے قرض وصول کر کے دے تو یہ درست نہ ہوگا۔ اگر قرض اس کے ذمہ سے منتقل ہو گیا ہوتا تو اسے وکیل بنانا درست ہوتا، کیوں کہ اس صورت میں اس کی حیثیت اجنبی کی سی ہوتی۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ معاملہ حوالہ (یعنی انتقال قرض) قابل فسخ ہے، اگر (حوالہ میں صرف مطالبہ کی منتقلی نہ ہوتی بلکہ) قرضہ ایک سے اتر کر دوسرے پر جا پڑتا تو 'حوالہ' فریقین کے لئے امر لازمی (ناقابل تنسیخ) ہو جاتا۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کوئی چیز خریدی اور اس کی قیمت نہیں دی بلکہ فروخت کنندہ کو وصولی قیمت کے لئے کسی اور شخص کے حوالہ کر دیا (کہ اس کے دام ان صاحب سے لے لینا) تو فروخت کنندہ کو اختیار ہے کہ فروخت شدہ مال کو خریدار کے حوالے نہ کرے اور بغیر قیمت وصول کیے اس کے دینے سے باز رہے۔ اگر (حوالہ میں) قرض محال علیہ (یعنی اوٹنے والے کو منتقل شدہ متصور ہوتا تو فروخت کنندہ کو یہ حق نہ رہتا کہ فروخت شدہ چیز خریدار کے حوالے نہ کرے۔

ان اصحاب کی دلیل جو کہتے ہیں کہ مطالبہ کا حق منتقل ہونے کے ساتھ قرض منتقل ہو جاتا ہے، یہ ہے کہ اگر محال (قرض خواہ) محال علیہ (اوٹنے والے) کو قرض سے بری کر دے یا وہ قرضہ اسے ہبہ کر دے تو یہ درست ہے۔ لیکن اگر محیل یعنی اصل قرض دار اسے بری الذمہ کر دے یا اسے ہبہ کر دے تو یہ درست نہ ہوگا۔ اگر فی الواقع قرض اصل قرض دار یعنی محیل کے ذمہ باقی رہتا تو اسے حق ہوتا کہ وہ اوٹنے والے کو قرض سے بری کر دے یا قرضہ اسے ہبہ کر دے۔

اب درآنحالیکہ ان دونوں اقوال میں اختلاف ہے۔ حوالہ کے متعلقہ مسائل میں سب کا متفق ہونا کس طرح ممکن ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حوالہ کا معاملہ کبھی تو ادائے قرض کی تاخیر سے عبارت ہوتا ہے۔ اس صورت میں صرف مطالبہ کا حق منتقل ہوتا ہے جیسا کہ ان مسائل سے ظاہر ہوتا ہے جن سے محض مطالبہ کا منتقل ہونا مفہوم ہوتا ہے اور کبھی حوالہ کا مطلب اصل مقروض کو قرض سے سبکدوش کرنا ہوتا ہے۔ اس صورت میں مطالبہ کے ساتھ قرض منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ دوسری صورت میں ہے۔ لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ حوالہ صرف مطالبہ کا منتقل کرنا ہے۔ اس قسم کے اصطلاحی مفہوموں میں ایسی شقوں کے نکل آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ حقیقی معنوں میں یہ تعریف نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حوالہ کا صرف ایک رکن ہے یعنی ایجاب وقبول (یعنی قول وقرار)۔ ایجاب یہ ہے کہ مقروض یعنی محیل قرض خواہ یعنی محال سے کہے کہ میں نے آپ کو اتنے مطالبہ کے لئے فلاں کے حوالے کر دیا (یعنی آپ کا جو مطالبہ مجھ سے ہے وہ اب آپ فلاں سے کر سکتے ہیں) اور قبول یہ ہے کہ محال (قرض خواہ) اور محال علیہ (جس کے حوالہ کیا گیا ہے) دونوں کہیں کہ ہمیں منظور ہے اور ہم اس پر راضی ہیں۔ یا اس طرح کے اور الفاظ جن سے قبولیت اور رضامندی ظاہر

Marfat.com

ہوتی ہو۔ پس قول وقرار کے لئے ضروری ہے کہ وہ محال اور محال علیہ کی جانب سے ہو باقی محیل کا اقرار اس میں شرط نہیں ہے جیسا کہ شرائط کے بیان میں بتایا جائے گا۔ اندریں صورت ایجاب وقبول دونوں محال اور محال علیہ کی جانب سے لازم ہیں۔

حوالہ کی شرائط چار قسم کی ہیں:

پہلی قسم کی شرائط کا تعلق محیل (یعنی مقروض) سے ہے جس کے لئے شرط ہے کہ وہ صاحب عقل ہو لہٰذا کسی جنون زدہ یا بے عقل بچے کی طرف سے کیا ہوا حوالہ درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ بالغ ہو لہٰذا نابالغ (اپنے ذمہ کا مطالبہ) کسی اور کے حوالہ کرے تو اس پر عمل نہ ہوگا۔ سوا اس صورت کے جب کہ اس کے ولی نے اس کی اجازت دے دی ہو۔ ہاں اگر نابالغ ذی عقل ایسا کوئی معاملہ حوالہ کرے تو یہ منعقد ہو جائے گا، لیکن ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ غرض حوالہ کے نافذ العمل (یعنی عمل درآمد) ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، حوالہ کے منعقد ہونے کے لئے شرط نہیں ہے کیوں کہ حوالہ تو نابالغ بھی کر سکتا ہے)۔

حوالہ کے صحیح ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ محیل (حوالہ کرنے والا یا مقروض) مریض نہ ہو۔ پس اگر مریض حوالہ کرے تو درست ہے۔ اس میں یہ شرط بھی نہیں ہے کہ محیل مقروض راضی ہو، چنانچہ اگر قرض خواہ محال اور قرضہ اوٹنے والا محال علیہ اس پر متفق ہو جائیں کہ وہ قرض دار کو قرضہ سے سبکدوش کر دیں گے، تو وہ ایسا کر سکتے ہیں اگر چہ اصلی قرض دار اس پر راضی نہ ہو۔ پس اگر وہ قرض ادا کر دیا جائے تو درست ہے اور مقروض اپنے قرض سے سبکدوش ہو جائے گا۔ محیل (مقروض) کے لئے آزاد ہونا بھی شرط نہیں ہے (یعنی غلام بھی اپنا قرض دوسرے پر ڈال سکتا ہے)۔

دوسری قسم کی شرائط کا تعلق قرض خواہ سے ہے جس کو اپنے قرضہ کے لئے کسی اور کے حوالہ کیا گیا ہو۔ اس میں یہ شرط ہے کہ وہ صاحب عقل ہو لہٰذا قرض خواہ اگر دیوانہ یا بچہ ہے تو اسے حوالہ قبول کرنا (یعنی دوسرے کا قرض اوٹ لینا) درست نہیں ہے، کیوں کہ قرضہ اوٹنے کے لئے ذی عقل ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بالغ ہو، لہٰذا نابالغ صاحب عقل کے اوٹ لینے سے اس معاملہ پر عمل درآمد نہ ہوگا، تا آنکہ اس کے ولی نے اجازت نہ دی ہو۔ غرض بالغ ہونا معاملہ حوالہ پر عمل درآمد ہونے کے لئے شرط ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

مال یتیم کا مقروض اگر اپنے ذمہ کا مطالبہ اپنے سے زیادہ مال دار پر ڈالے تو باپ یا وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ اسے قبول کر لے۔ لیکن اگر اوٹنے والے کی حیثیت مقروض کے برابر ہے تو اس صورت میں (قبول کرنے یا نہ کرنے کے جواز میں) اختلاف ہے۔

معاملہ حوالہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ قرض خواہ اس حوالہ پر راضی ہو، جبراً قبول کرانا درست نہیں ہے۔ نیز ضروری ہے کہ (حوالہ کے وقت) قرض خواہ موقع پر موجود ہو۔ اگر قرض خواہ موقع پر موجود نہ تھا تو اس کا قبول کر لینا درست نہ ہوگا۔ پس اگر کسی شخص نے اس کی طرف سے قبول کر لیا اور اس کی اطلاع اسے دے دی گئی اور اس نے اجازت دے دی تب بھی بقول صحیح حوالہ درست نہیں ہے۔

تیسری قسم کا تعلق محال علیہ (یعنی جس پر قرضہ ڈالا گیا) سے ہے اس کے لئے شرط ہے کہ (اوٹنے والا) ذی عقل

ہو۔اگر وہ دیوانہ یا بچہ یا بے عقل ہے تو اس کا اوٹ لینا درست نہیں ہے۔اس کا بالغ ہونا بھی شرط ہے اور اس کا بالغ ہونا حوالہ کے منعقد ہونے اور اس پر عمل درآمد دونوں کے لئے شرط ہے۔نابالغ لڑکا اگر ذی شعور ہو تب بھی حوالہ قبول کرنا (یعنی قرضہ اوٹ لینا) درست نہیں ہے اور وہ اوٹ بھی لے تو اسے حوالہ تسلیم نہ کیا جائے گا، اگرچہ اس کا ولی اس کی اجازت دے دے۔اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ بخوشی خاطر قبول کرے لہٰذا اگر محال علیہ کو (جس پر قرضہ ڈالا گیا) جبراً قبول کرایا گیا تو یہ قبول کرنا درست نہ ہوگا۔لیکن محال علیہ کا موقع پر موجود ہونا شرط نہیں ہے پس اگر وہ موجود نہ ہو اور اسے مطلع کیا جائے اور وہ راضی ہو تو حوالہ درست ہے۔

چوتھی قسم کا تعلق اس شے سے ہے جس کی ادائیگی ایک شخص سے دوسرے پر ڈالی گئی ہے۔یعنی قرض واجب الادا۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ چیز محال یا صاحب مطالبہ) کا قرض ہو جو اسے محیل (حوالہ کرنے والے۔مقروض) سے لینا ہے۔اگر محال کا قرضہ محیل پر نہ ہو اور (کوئی مطالبہ کسی اور پر ڈالا جائے تو) اسے حوالہ نہیں کہیں گے بلکہ یہ وکالت ہوگی۔ اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ محیل (مقروض) کا قرضہ محال علیہ (اوٹنے والے پر) ہو، لہٰذا جائز ہے کہ مقروض اپنا قرضہ ایسے شخص پر ڈال دے جو اپنے مال سے اس پر مہربانی کرنا چاہتا ہو۔

مطالبہ قرض کے بارے میں ایک شرط یہ ہے کہ قرض کی نوعیت معلوم ہو (کہ وہ کیا ہے اور وہ کس قدر ہے) اور یہ ضروری ہے کہ وہ قرض واجب الادا ہو چکا ہو۔لہٰذا کسی کی بیوی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے قرض خواہ کو اپنا پورا مہر حوالہ میں دے دے درآنحالیکہ وہ ہنوز خاوند کے پاس نہ گئی ہو، کیوں کہ خاوند کے ساتھ تخلیہ ہونے سے پہلے وہ پورے مہر کی حق دار نہیں ہوتی۔ممکن ہے کہ خاوند اس سے پہلے طلاق دے دے تو نصف مہر کی حق دار ہوگی (لہٰذا اس سے پہلے پورا مہر حوالہ کرنا درست نہ ہوگا)۔اسی طرح اگر ایک شخص کا کوئی غلام مکاتب ہے (یعنی اس سے ایک خاص رقم لے کر آزاد کرنے کا وعدہ ہے) تو یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ شخص غلام کا آقا اپنے قرض کو حوالہ میں وہ مال کتابت دے دے جو اسے غلام سے لینا ہے، کیوں کہ معاہدہ کتابت کی رو سے) جو قرض غلام پر عائد ہوتا ہے وہ قرض لازم نہیں ہے۔(محال بہ کے لئے) قرض کی قید لگانے سے اعیان (یا اشیاء واملاک) محال بہ (حوالہ کی چیز) سے خارج ہوگئی۔اشیاء کی بابت احالہ نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ اگر ایک شخص کے حق وراثت کا کوئی حصہ مثلاً مکان، قطعہ اراضی یا زرعی پیداوار کسی کے پاس ہے اور اس شخص کا کچھ حصہ اسی جیسا کسی اور کے پاس ہے تو اب اس شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے ذمہ کا مطالبہ اس کے حوالہ کر دے جس کے ذمہ اس کا مطالبہ ہے، کیوں کہ ایک کی ذمہ داری کو دوسرے کے ذمہ منتقل کرنے کا معاملہ ایک شرعی معاملہ ہے اور وہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ حوالہ کی چیز شرع کی تعریف کی رو سے قرض نہ ہو۔اور املاک اصل شے یا اعیان) ایسی شے ہے جس کا مادی طور پر منتقل ہونا ناقابل فہم ہے۔یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر ایک شخص کی مملوکہ نقدی سونا چاندی کسی کے پاس امانت کے طور پر ہو اور وہ شخص کسی اور کا مقروض ہے اور اپنے ذمہ کا مطالبہ اس امانت دار پر ڈال دے تو یہ صحیح ہے حالانکہ یہ امانت امین کے پاس بطور اعیان کے ہے قرض نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں حوالہ کرنے سے محیل (مقروض) کا قرضہ اس کے ذمہ سے منتقل ہو کر وہ قرضہ اس پر جا پڑتا ہے جس کے حوالہ کیا گیا۔اور مال امانت جو امین کے پاس تھا وہ قرض کے مطالبہ میں آ کر اس قرض کی ادائیگی میں کام آتا ہے۔ہاں اگر یہ صورت ہوتی کہ اس امانت دار کا بھی اسی قدر مال

Marfat.com

کسی اور کے پاس امانت ہوتا اور اس مال امانت کا مال اول (اپنے ذمہ کا مطالبہ) دوسرے امانت دار پر ڈالتا تو یہ درست نہ ہوتا کیوں کہ یہ اعیان کی منتقلی اعیان کے عوض ہوئی (قرض کی نہ ہوئی)۔ مثلاً زید کی بیس اشرفیاں عمر کے پاس امانت ہیں اور خالد کی اسی قدر اشرفیاں زید کے پاس امانت ہیں اور زید خالد سے کہے کہ وہ اپنی اشرفیوں کا مطالبہ مجھ سے کرنے کی بجائے عمر سے وصول کر لے جس کے پاس اسی قدر میری امانت ہے تو یہ درست نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ اگر ایک شخص کا کوئی حق مال وقف میں ہے اور اس کے ذمہ کسی کا قرض ہے تو آیا وہ یہ کر سکتا ہے کہ اپنے ذمہ کا قرض وصول کرنے کے لئے قرض خواہ کو ناظم وقف کے حوالہ کر دے کہ وہ اس وقف کے حق میں سے اپنا قرض پورا کر لے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں وہ ایسا کر سکتا ہے، خواہ قرض خواہ کو ناظم وقف کے حوالہ کرتے ہوئے اس حصہ کا ذکر کیا جائے جو اسے مال وقف میں ہے جیسے وہ یوں کہے کہ میں آپ کو ناظم وقف کے حوالے کرتا ہوں کہ آپ میرے حصہ کا وقف قرض کے عوض وصول کر لیں۔ یا اس حصہ کا ذکر نہ کیا جائے کیوں کہ اس صورت میں محال بہ (یا مطالبہ کی نوعیت) طے شدہ اور معلوم ہے۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ محال علیہ (جس پر قرض منتقل کیا گیا ہے) کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ محیل (اصل مقروض) کا مقروض ہو۔

یہ صورت اس سے مختلف ہے کہ ناظم اوقاف وقف کا اثاثہ معلوم ہونے سے پہلے ہی وقف کے کسی حق دار کو کہے کہ کسی ٹھیکہ دار سے اپنے حصہ کا وقف وصول کر لے ایسا کرنا درست نہ ہوگا کیوں کہ (اثاثہ وقف معلوم ہونے سے پہلے) حق دار کا کوئی مطالبہ ناظم اوقاف پر نہیں ہے جسے کسی اور پر ڈالنا درست نہیں ہے۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ وقف کا اثاثہ تو معلوم ہو لیکن (حق داروں میں) تقسیم عمل میں نہ آئی ہو۔ وقف کا اثاثہ معلوم ہونے کے بعد حق دار کا حق ثابت ہو جاتا ہے لیکن قبل از تقسیم ناظم اوقاف سے مطالبہ حق نہیں ہو سکتا۔ اور چوں کہ حق دار کا حق ثابت ہو جاتا ہے اس لئے اگر حق دار وفات پا جائے تو اس کے حصہ کی وراثت درست ہوگی۔ پس وقف علی الاولاد کی صورت میں اگر کوئی حق دار وقف کا اثاثہ معلوم ہو جانے کے بعد وفات پا جائے تو اس کے حق کے حصہ میں وراثت جاری ہوگی بخلاف اس حق کے جو ثابت شدہ نہیں ہے۔ جیسے وقف اثاثہ معلوم ہونے سے پہلے حق دار کا جو حصہ ہے اس میں حق دار کی وفات کے بعد وراثت نہیں چلے گی۔

ناظم اوقاف، وقف کے تمام اثاثہ کا پتہ لگا کر اسے اکٹھا کرے تو وہ تمام اثاثہ حق داروں کی مشترکہ ملکیت اور ناظم کے پاس بطور امانت ہوگا اور جب حق دار مطالبہ کریں تو ان کے حوالہ کرنا واجب ہے۔ اگر مطالبہ کے بعد حوالگی سے پہلے) ناظم کے پاس وہ اثاثہ ضائع ہو جائے تو ناظم اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔

(مال وقف کے) جملہ حق داروں کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے ذمہ کے مطالبات ایک دوسرے کے حوالہ کر دیں۔ ایسی صورت میں یہ حوالہ قرض کا نہیں بلکہ اعیان (یا املاک) کا ہے کیوں کہ حق داروں میں سے ہر ایک کا حصہ املاک وقف میں ایسا ہی ہے جیسے دوسرے کا حصہ (اور یہ قرض نہیں ہے)۔ ہاں ایسا کرنا اس صورت میں جائز ہوگا جب کہ ناظم کے پاس مال وقف ضائع ہو جائے یا وہ اس مال وقف کو اپنے مال میں شامل کر لے۔ ایسا ہوا تو وہ مال (ناظم کے ذمہ) قرض ہو جائے گا اور حوالہ جائز ہو جائے گا)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حوالے کے ارکان (اجزائے لازمی) چھ ہیں: محیل (حوالہ کرنے والا یا مقروض) محال (جس کو کسی کے حوالہ کیا گیا: قرض خواہ) محال علیہ (جس کے حوالہ کیا گیا: اوٹنے والا) اور دو قرضے: وہ قرضہ جو محال کا محیل پر ہے (یعنی جو قرض خواہ کو مقروض سے لینا ہے) جس پر قرض ڈالا گیا اور صیغہ الفاظ حوالہ یعنی ایجاب وقبول (یا قول وقرار) حوالہ کرنے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے کہے کہ میں آپ کو فلاں شخص کے حوالے کرتا ہوں کہ وہ قرضہ جو آپ کا مجھ پر ہے اس سے وصول کرلیں۔ یا یوں کہے کہ بیس اشرفیوں کے بارے میں آپ کو فلاں شخص کے حوالہ کرتا ہوں اور قرض کا ذکر اس میں نہیں کیا۔ یا یوں کہے کہ آپ کا وہ حق جو مجھ پر ہے وہ میں فلاں کی طرف منتقل کرتا ہوں۔ یا آپ مجھ سے جتنے کے حق دار ہیں میں اتنا ہی حق آپ کا فلاں شخص پر ڈالتا ہوں یا یوں کہے کہ اس حق کے عوض جو آپ کا مجھ پر ہے میں آپ کو اس قرض کا مالک بناتا ہوں جو مجھے فلاں سے لینا ہے یا اسی قسم کے اور الفاظ جن سے حوالہ کا مفہوم نکلتا ہو۔ غرض یہ شرط نہیں ہے کہ حوالہ کا لفظ ہی استعمال کیا جائے۔ لیکن حوالہ کے لئے لفظ بیع کا استعمال درست نہیں ہے اور نہ اس میں اقالہ (تنسیخ معاملہ) شامل ہے۔

حوالہ کی شرائط چھ ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ محیل (حوالہ کرنے والا) جو مقروض ہوتا ہے وہ راضی ہو۔ اگر وہ راضی نہ ہو تو حوالہ درست نہ ہوگا۔ یہاں پر رضامندی سے مراد اگر یہ ہے کہ اسے مجبور نہ کیا گیا ہو تب تو رضامندی کا شمار شرط میں کیا جانا ظاہر ہے لیکن اگر اس سے مراد ایجاب (قول) ہے یعنی یہ کہنا کہ میں نے آپ کو فلاں کے حوالے کیا وغیرہ تو اس کو شرط قرار دینا یوں ہی سی بات ہے کیوں کہ ایجاب تو حوالہ کا رکن ہے لہٰذا یہ رکن کہلائے گا نہ کہ شرط۔

دوسری شرط یہ ہے کہ محال یعنی قرض خواہ جسے کسی دوسرے کے حوالہ کیا گیا) اس پر راضی ہو (کہ وہ اپنا قرض دوسرے سے وصول کرے)۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو اس حوالہ کو تسلیم نہ کیا جائے گا اور نہ اسے اس پر مجبور کیا جائے گا۔ غرض قرض خواہ کی رضامندی کے بغیر حوالہ درست نہ ہوگا، لیکن محال علیہ (جس پر قرض ڈالا گیا) اس کی رضامندی شرط نہیں ہے کیوں کہ قرض خواہ کو اختیار ہے کہ وہ اپنا قرض خواہ خود وصول کرے یا کسی اور کی معرفت جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ ایک شخص اپنا قرضہ وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنادے۔ غرض محال علیہ کو (جس پر قرض ڈالا گیا) یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ قرض خواہ کا حق ادا کرنے سے انکار کردے۔ اس بارے میں صحیح ترین قول یہی ہے تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محال علیہ کی رضامندی بھی شرط ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ محال بہ (قرض جو دوسرے پر ڈالا گیا ہے) کی قسم اور مقدار معلوم ہو۔ اگر اس کی کیفیت فریقین میں سے دونوں یا کسی ایک کو معلوم نہ ہو تو حوالہ باطل ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ قرض محال بہ فی الحال یا انجام کار لازم (ناقابل تنسیخ) ہو۔ قرض لازم وہ ہے جو مقروض کے ذمہ سے کسی وقت بھی ساقط نہ ہو۔ جیسے خاوند کے ساتھ تخلیہ ہونے کے بعد بیوی کا مہر یا فروخت شدہ مال کے دام جب کہ مدت خیار (حق واپسی کی میعاد) گزر چکی ہو۔ اور وہ قرض جو (سر دست لازم نہ ہو لیکن) مآل کار لازم ہو جاتا ہے وہ بیوی کا مہر ہے خاوند کے ساتھ تخلیہ سے پہلے یا فروخت شدہ مال کی قیمت مدت خیار گزرنے سے پہلے۔ ان دونوں قسم کے قرضوں میں

حوالہ درست ہے (یعنی ایک کا قرض دوسرے پر ڈالا جا سکتا ہے)۔

اگر کسی شخص نے کوئی مال شرط خیار (حق واپسی کی شرط) پر خریدا اور حق واپسی کی میعاد گزرنے سے پہلے خریدار نے فروخت کنندہ کو وصولی قیمت کے لئے کسی اور شخص کے حوالے کر دیا تو اب واپسی کا اختیار ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ حوالہ کا معاملہ لازم اور نا قابل تنسیخ ہوتا ہے تو درآنحالیکہ خریدنے اور فروخت کرنے والے دونوں حوالہ (یا منتقلی قرض) پر راضی ہو گئے تو گویا انہوں نے اس بیع کو نا قابل تنسیخ تسلیم کر لیا۔ اگر خیار اختیار واپسی کا باقی ہو تو حوالہ کا تقاضا یعنی لزوم معاملہ پورا نہ ہوگا، لہٰذا حوالہ باطل متصور ہوگا۔ ایسی ہی صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے کوئی مال شرط خیار پر فروخت کیا (یعنی ناپسند ہوا تو واپس ہو سکتا ہے) اور ہنوز دام نہیں لئے لیکن کسی اور کو خریدار کے حوالے کر دیا کہ اس کی قیمت تم وصول کر لینا تو اب شرط خیار فروخت کنندہ کی طرف سے ختم ہو جائے گی تاہم خریدار کی طرف سے یہ اختیار باطل نہ ہوگا، سوا اس صورت کے کہ وہ بھی اس حوالہ پر راضی ہو (یعنی فروخت کنندہ کی بجائے اس شخص کو دام دینے پر راضی ہو)۔ اگر راضی نہ ہو تو اس کا اختیار واپسی مال برقرار رہے گا۔

کتابت کے قرض میں (یعنی اس رقم میں جو غلام کو اپنی آزادی کے لئے ادا کرنی ہے) حوالہ کا معاملہ ہو سکتا ہے درآنحالیکہ یہ حوالہ غلام کی طرف سے ہو، چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو اس شرط پر پروانۂ آزادی دے دیا کہ وہ اس قدر مال بالاقساط اسے ادا کر دے اور غلام نے اس رقم کی ادائیگی کسی تیسرے شخص کے حوالہ کر دی تو یہ صحیح ہوگا کیوں کہ کتابت تحریر آزادی بعوض مال) پر عمل درآمد آقا کے لئے لازمی ہے جس سے پھرنا درست نہیں ہے اس کے برعکس اگر آقا نے کسی شخص کو غلام مکاتب کے حوالے کر دیا (کہ تم اس قدر رقم اس سے وصول کرنا) تو یہ حوالہ درست نہ ہوگا۔ کیوں کہ مال کتابت کا قرضہ غلام پر لازم نہیں ہے (یعنی غلام چاہے تو کتابت کو منسوخ اور غلام رہنا گوارا کر سکتا ہے)۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ محیل (یا مقروض) پر جو قرض ہے وہ اس قرض کے برابر ہو جو محال علیہ (اوٹنے والے) پر ہے یعنی دونوں قرضے جنس، مقدار، میعاد ادائیگی کے گزر جانے یا باقی رہنے میں اور مال قرض کے شکستہ یا صحیح ہونے میں برابر ہوں لہٰذا حوالہ میں اشرفیوں کے عوض قرشوں یا ریالوں میں معاملہ کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ دونوں قرضوں کی جنسیں مختلف ہیں۔ اسی طرح پانچ کے عوض دس، یا دس کے عوض پانچ پر حوالہ کا معاملہ کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ مقداروں میں اختلاف ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پانچ کی رقم قرض اس پر ڈالی جائے جس سے دس لینا ہو۔ اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ ایسے قرضہ کو جس کی میعاد ختم ہو چکی ہے اس قرضہ میں منتقل کیا جائے جس کی میعاد ادائیگی ہنوز باقی ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ ریزگاری قروش کو سالم ریالوں کے عوض یا اس کے برعکس کے ساتھ معاملہ حوالہ کیا جائے۔ اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ دونوں قرضے یکساں مستحکم بھی ہوں، چنانچہ اگر زید کا قرض عمر پر ہے جس کے عوض عمر نے زید کے پاس کوئی شے رہن رکھ دی ہے یا اس کے قرضہ کا کوئی ضامن ہے۔ ادھر عمر کا قرض خالد پر ہے جس کے عوض نہ کوئی شے رہن ہے اور نہ کوئی ضامن ہے۔ اب عمر نے زید کو خالد کے حوالے کر دیا کہ وہ اپنا قرضہ خالد سے وصول کر لے تو یہ حوالہ درست ہوگا اور عمر کا قرضہ بغیر رہن یا ضمانت کے خالد کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سابقہ رہن ختم ہو جائے گا۔ اور ضامن ہو تو وہ بری الذمہ ہو جائے گا، کیوں کہ حوالہ کا تسلیم کرنا قرضہ کی وصولیابی کے برابر ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی سے کوئی

Marfat.com

چیز خریدی اور دام نہیں دیئے اس لئے فروخت کنندہ نے بغیر دام وصول کیے مال فروخت سے انکار کر دیا لیکن خریدار نے فروخت کنندہ کو قیمت کی وصول یابی کے لئے کسی اور کے حوالے کر دیا اور فروخت کنندہ اس پر راضی ہو گیا تو اب اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ فروخت شدہ مال خریدار کو دینے سے انکار کر دے کیوں کہ حوالہ کو تسلیم کر لینا قیمت کا وصول کر لینا ہے۔

اسی طرح اگر خاوند نے اپنی بیوی کو وصولی مہر کے لئے کسی اور کے حوالے کر دیا (کہ وہ فلاں سے حق مہر وصول کر لے) اور بیوی اس پر راضی ہو گئی تو اب اسے فرائض زوجیت سے انکار کا حق نہیں رہا۔

اگر محال یعنی قرض خواہ نے یہ شرط لگا دی کہ محیل (مقروض) کوئی شے رہن رکھ دے یا کوئی ضامن لے آئے تو حوالہ درست نہ ہوگا کیوں کہ مقروض جب اپنا قرض دوسرے کے حوالہ کر دے تو اس کے بعد قرض سے بری الذمہ ہو جاتا ہے تو اب قرض کی ضمانت دینے کے کچھ معنی ہی نہیں ہیں۔ ہاں اگر قرض خواہ اوٹنے والے سے رہن یا ضمانت کی شرط رکھے تو حوالہ درست ہوگا۔ لیکن محال علیہ (جس پر قرضہ ڈالا گیا ہے) اس شرط کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ محیل اور محال علیہ (یعنی مقروض اور قرض اوٹنے والا) دونوں کے قرضے ایسے ہوں جن کو فروخت کیا جا سکے یا تبادلہ کیا جا سکے۔ لہٰذا سلم کے قرضہ میں حوالہ کا معاملہ نہیں ہو سکتا خواہ وہ راس المال (رقم سلم) ہو یا مسلم فیہ مال ہو۔ لہٰذا اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں بیس اشرفی پیشگی کے عوض بیس بوری گندم آپ سے لوں گا تو ایسی صورت میں مسلم (پیشگی قیمت دینے والا) جس نے مال لگایا یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ مسلم الیہ کو جس سے وعدہ پر مال لینا ہے) کسی اور شخص کے حوالہ کرے کہ وہ راس المال (یعنی معاملہ سلم کی رقم) فلاں شخص سے وصول کر لے۔ کیوں کہ حوالہ کے معاملہ میں کوئی شخص اپنا قائم مقام کسی اور کو نہیں بنا سکتا۔ اگر محال علیہ جس پر ادائیگی رقم ڈالی گئی ہے) سلم کی رقم محال کو دے دے تو یہ ادائیگی اس کی اپنی جانب سے متصور ہوگی اور یہ سرمایہ مسلم (سلم کرنے والے) کا نہ ہوگا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ مسلم الیہ یعنی جس سے مال سلم کا سودا ہوا ہے کسی ایسے شخص کو جس کا وہ مقروض ہے یوں کہے کہ تم اپنے مطالبہ قرض میں فلاں شخص سے رقم سلم دست بدست وصول کر لو۔ کیوں کہ ایسی صورت میں مسلم (رقم سلم ادا کرنے والا) گویا سلم کی رقم (یا راس المال) خود ادا کر رہا ہے۔

یہی صورت مسلم فیہ (یعنی وہ شے جس کا سودا ہوا ہے) کی ہے کہ اس کی فروخت یا مبادلہ نہیں ہو سکتا۔ اور وہ مال جو مسلم (یعنی بطور سلم سودا کرنے والا) پیشگی دیتا ہے اس کی حیثیت مال زکوٰۃ کی سی ہے کہ صاحب مال کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ محتاج (مستحق زکوٰۃ) کو کسی اور کے حوالہ کر دے کہ وہ اس سے زکوٰۃ کی رقم وصول کر لے کیوں کہ (یہ تو مال زکوٰۃ کو اس مطالبہ کے عوض فروخت کرنا ہے جو مال دار کو اس شخص سے لینا ہے) حالانکہ زکوٰۃ کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حوالہ کے ارکان یہ ہیں: محیل (حوالہ کرنے والا) محال بہ (جسے کسی کے حوالہ کیا گیا) اور صیغہ (الفاظ حوالہ ضروری نہیں کہ الفاظ حوالہ مصدر احالہ ہی سے بنے ہوں بلکہ ہر وہ عبارت جو قرض کو ایک سے دوسرے پر منتقل کیے جانے کا مفہوم رکھتی ہو، حوالہ میں استعمال کی جا سکتی ہے مثلاً یوں کہنا کہ آپ اپنا حق جو مجھ پر ہے فلاں شخص سے وصول کر سکتے ہیں۔ میں اس کے مطالبہ سے بری الذمہ ہوں۔ اسی طرح یہ کہنا بھی درست ہے کہ میں آپ کو فلاں کے حوالہ کرتا ہوں یا یہ کہ میں نے آپ کا مطالبہ فلاں پر ڈال دیا یا یہ کہ آپ کو فلاں شخص کے حوالہ کیا گیا وغیرہ کوئی گونگا ہو تو اس کا اشارہ

Marfat.com

جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کافی ہے لیکن جو بول سکتا ہے اس کا اشارہ کافی نہیں ہے۔

ایک شرط محیل مقروض اور محال قرض خواہ کی رضا مندی ہے۔ محال علیہ جس پر قرض ڈالا گیا کی رضا مندی، بقول مشہور، شرط نہیں ہے۔ اسی طرح حوالہ کے وقت اس کی موجودگی اور اس کا اقرار بھی شرط نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے اور قرض خواہ کے درمیان باہم چپقلش ہے تو حوالہ درست نہ ہوگا۔ اگر حوالہ کیے جانے کے بعد ان میں باہم عداوت پیدا ہو جائے تو قرض خواہ کو منع کیا جائے گا کہ وہ قرض کا مطالبہ محال علیہ سے نہ کرے کیوں کہ اس میں مخالفت کے زیادہ ہونے اور عداوت بڑھ جانے کا اندیشہ ہے جس سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ حوالہ کرنے والا محال کا (یعنی اس شخص کا) قرض دار ہو جسے وہ کسی اور کے حوالہ کرتا ہے اور یہ کہ جس کے حوالہ کیا گیا ہے اس پر حوالہ کرنے والے کا قرض ہو۔ اگر محیل قرض دار پر محال کا قرض نہیں ہے تو یہ معاملہ حوالہ نہ ہوگا بلکہ یہ وکالت ہوگی، کیوں کہ جس پر قرض نہیں ہے اس سے اپنی کسی چیز کا مطالبہ کرنے کو کسی سے کہنا حوالہ نہیں ہے بلکہ یہ وکالت ہے۔ اور اگر محیل کا کوئی قرض محال علیہ پر (یعنی جس پر مطالبہ ڈالا گیا) نہیں ہے تو یہ حمالہ (دوسرے پر بار ڈالنا) ہے، کیوں کہ اس میں محال علیہ محیل کے قرضہ کی بیباقی کا بار اپنے اوپر لے لیتا ہے۔ چنانچہ ایسی حالت میں اگر محال علیہ (جس نے بار قرض اوٹ لیا ہے) مفلس ہو جائے یا وفات پا جائے تو محال (قرض خواہ) کو وہ محیل (مقروض اصلی) سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے۔ البتہ اگر قرض خواہ کو یہ بات پہلے ہی معلوم ہو کہ محیل کا کوئی قرض محال (اوٹنے والے پر) نہیں ہے اور مقروض نے حوالہ کے وقت اپنی سبکدوشی کی شرط رکھ دی تھی تو اب قرض خواہ کو مقروض اصلی سے مطالبہ کا حق نہ رہے گا، خواہ اوٹنے والا دیوالیہ ہو جائے کیوں کہ قرض خواہ اس حوالہ منتقلی قرض کو منظور کر کے اپنے حق سے بخوشی خود دست بردار ہو چکا ہے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر اوٹنے والا مفلس ہو جائے یا مر جائے، تب یعنی قرض خواہ کو حق ہے کہ وہ مقروض سے اپنا مطالبہ کرے اگر چہ محیل نے یہ شرط رکھ دی ہو کہ حوالہ کے بعد وہ قرض سے سبکدوش ہو جائے گا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ اگر اس طرح دوسرے کا قرضہ اوٹ لینے والا یعنی محال علیہ وہ قرضہ فوراً ادا کر دے تو کیا اسے حق ہے کہ محیل اصلی مقروض سے اپنی ادا کردہ رقم کا مطالبہ کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ اگر ایسا قرینہ موجود ہے کہ اس نے قرض کی ادائیگی ایک کار خیر کے طور پر انجام دی ہے تب تو رجوع کا حق نہیں ہے۔ بصورت دیگر اسے مطالبہ کا حق ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ قرضہ جو اس نے ادا کیا ہے وہ قرض کے طور پر دیا ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ دونوں قرضوں میں سے ایک قرضہ فوری طور پر واجب الادا ہو۔ لہٰذا اگر مثلاً وہ قرض جو محیل پر ہے میعادی ہو اور وہ قرضہ جو محال علیہ پر ہے وہ بھی میعادی ہو تو اس صورت میں حوالہ درست نہ ہوگا کیوں کہ یہ صورت ایک قرض کو دوسرے قرض سے فروخت کرنا ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن اگر دونوں قرضے فوری طور پر واجب الادا ہیں یا دونوں میں سے ایک فوری طور پر واجب الادا ہے، تب حوالہ درست ہے کیوں کہ اس صورت میں قرض کی فروخت قرض سے نہ ہوگی۔ (کیوں کہ جب قرض واجب الادا ہو جائے تو وہ قرض نہیں رہتا)۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ (حوالہ کا) قرض لازم (ناقابل تنسیخ) ہو۔ لہٰذا غیر لازم (قابل تنسیخ) قرض میں حوالہ درست

Marfat.com

نہیں ہے۔ جیسے کوئی آقا اپنے مقروض کو اپنے غلام مکاتب کے حوالہ کردے (کہ وہ غلام سے رقم کتابت وصول کرلے) کیوں کہ مکاتب غلام پر جو قرض ہے وہ لازم (ناقابل تنسیخ) نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اگر غلام مکاتب اپنے آقا کو کسی شخص کے حوالہ کرے کہ وہ اس شخص سے رقم کتابت وصول کرلے تو یہ درست ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ محیل پر جو قرض ہے مقدار اور صفت میں اس قرض کے برابر ہو جو محال علیہ (اوٹنے والے) پر ہے۔ مقدار میں برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ اوٹنے والے سے جس قدر وصول کرے وہ اس مقدار سے زیادہ نہ ہو جتنا وہ اپنے مقروض سے لینے کا حق دار ہے۔ پس اگر ایک شخص کا کسی پر قرض ہے جس کی مقدار پانچ ہے اور اس نے اپنے قرض کو ایسے شخص کے حوالہ کیا جس سے اس کو دس لینے ہیں تو واجب ہے کہ صرف پانچ کی منتقلی کرے تاکہ وہ اس سے زیادہ وصول نہ کرسکے، کیوں کہ اگر رقم واجب قرض تھی اور قرض خواہ نے اس حوالہ دار سے زیادہ وصول کرلیا تو وہ 'سود' ہوا۔ اور اگر وہ (مطالبہ قرض) نہیں بلکہ کسی مال فروخت شدہ کی قیمت واجب الادا ہے تو اس صورت میں اگرچہ یہ درست ہے کہ اس مال کے دام سے زیادہ دے دیا جائے لیکن اس میں (یہ خرابی ہے کہ) قرض کی فروخت قرض کے عوض ہوگی جس کی (شرع میں) اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ (واجب الادا اور واجب الوصول) دونوں قرضے صفت میں مختلف ہوں۔ چنانچہ اگر دونوں میں اشرفیوں کی تعداد برابر ہو لیکن اشرفیاں مختلف ہوں مثلاً ایک انگریزی ہو اور دوسری مصری اشرفی جن کی مالیت برابر مانی گئی ہے (تب بھی حوالہ درست نہ ہوگا)۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ مقروض اور اس کا قرض اوٹنے والے دونوں کے قرض غذائی اشیاء غلہ وغیرہ کی فروخت کے دام نہ ہوں۔ لہٰذا اگر زید نے بکر کو بیع سلم کے طور پر گندم کی قیمت میں بیس اشرفی پیشگی دے رکھی ہے اور بکر نے بھی خالد کو اسی طرح بیع سلم کے طور پر گندم کی قیمت میں بیس اشرفی پیشگی دے دی ہے تو بکر کے لئے جائز نہیں ہے کہ زید کو خالد کے حوالے کردے کہ وہ اس سے وہ گندم وصول کرلے جس کی قیمت زید نے اسے دے رکھی ہے۔ البتہ اگر بکر نے بیس بوری گندم زید سے قرض لے رکھا ہے تو اس صورت میں جائز ہے کہ بکر زید کا مطالبہ خالد پر ڈال دے کہ وہ اس سے اپنی گندم واجب حاصل کرلے۔ اول الذکر صورت میں دونوں قرضے بیع سلم سے تعلق رکھتے ہیں (یعنی فروخت شدہ مال ہیں) اور ثانی الذکر صورت میں دونوں براہ راست قرضے ہیں۔ پہلی صورت ممنوع ہے کیوں کہ اس میں (فروخت شدہ) غذائی شے کو حاصل کرنے سے پہلے فروخت کردیا گیا اور ایسا معاملہ غذائی متبادل اشیاء میں ممنوع ہے البتہ دوسری صورت جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک قرض بیع کا ہو (یعنی قیمت قرض ہو یا مال قرض ہو) اور دوسرا براہ راست قرض ہو۔ چنانچہ اگر زید نے بکر سے بیس بوری کے لئے بیع سلم کیا (یعنی پیشگی قیمت دے دی) اور بکر نے خالد کو اسی قدر یا اس سے کم وبیش غلہ قرض دے رکھا ہے تو بکر کے لئے جائز ہے کہ وہ زید کو خالد کے حوالے کردے کہ وہ اس سے اپنے حق کا غلہ وصول کرلے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ قرضہ جو بکر کو لینا ہے وہ واجب الادا ہو چکا ہو نیز اس صورت میں بھی جب کہ دونوں کے مواجب قرض ہوں تو لازم ہے کہ محال بہ کا قرض واجب الادا ہو چکا ہو۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسی کوئی صورت کسی طرح جائز نہیں ہے کہ خریدی ہوئی غذائی اشیاء کو حاصل کرنے سے پہلے اسے فروخت کردیا جائے۔ اگر دونوں قرضوں میں سے ایک براہ راست قرض ہو اور دوسرا بیع سلم کا قرض ہو تب بھی

اس میں معاملہ حوالہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا بکر کو یہ حق نہیں ہے کہ زید کو اس اناج کے قرضہ کے لئے جس کی بیع سلم اس نے کر رکھی ہے خالد جو اس کا مقروض ہے کے حوالہ کر دے کہ وہ اپنا قرضہ اس سے وصول کر لے۔ اس میں غذائی شے کا وہ قرضہ جو خالد کے پاس ہے اور بکر کو اس سے لینا ہے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے زید کے ہاتھ فروخت کیا گیا (اس لئے ناجائز ہے)۔ ہاں یہ جائز ہے کہ جس شخص کو کسی سے اپنا قرضہ دین وصول کرنا ہے اسے ایسے شخص کے حوالہ کیا جائے جسے قرضہ بیع دینا ہے۔ چنانچہ اگر زید نے بکر کو بیس بوری (اناج) بطور قرض دے رکھا ہے اور بکر نے خالد کو بیس بوری کے عوض بیس اشرفی بطور سلم قیمت پیشگی دے رکھی ہے تو بکر کا زید کو خالد کے حوالہ کر دینا درست ہے کہ وہ اپنا حق اس سے وصول کر لے کیوں کہ یہ (فروخت شدہ) غذائی شے پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کا بیچنا نہیں ہے بلکہ اس سے قرض کی ادائیگی کی گئی ہے۔

غرض اس طرح پر حوالہ کی چھ شرطیں ہوئیں۔ بعض اصحاب نے صیغہ الفاظ حوالہ کو بھی بے پروائی سے شرط قرار دے دیا ہے۔ ایسی صورت میں شرائط کی تعداد سات ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حوالہ کے ارکان جن سے حوالہ کا تحقق ہوتا ہے یہ ہیں: محیل (مقروض) محال بہ (قرض خواہ) محال علیہ (قرضہ اوٹنے والا) اور صیغہ (الفاظ حوالہ)۔ اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس میں لفظ حوالہ استعمال کیا جائے بلکہ اس کا ہم معنی لفظ استعمال کیا جائے تب بھی صحیح ہے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میرے ذمہ جو آپ کا قرضہ ہے اس کے لئے آپ زید کے پیچھے پڑ سکتے ہیں۔

حوالہ کی شرائط پانچ ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ قرض خواہ کا قرضہ اور وہ قرضہ جو اوٹنے والے پر واجب ہے دونوں قرضے جنس، صفت اور فوری یا بتاخیر ادائیگی کے لحاظ سے یکساں ہوں لہٰذا ضروری ہے کہ سونے کے قرضہ کی منتقلی اسی جیسے سونے کے قرضہ سے کی جائے۔ اگر سونے کے مطالبہ کو چاندی کے مطالبہ میں منتقل کیا جائے تو جنس مختلف ہونے کی وجہ سے حوالہ درست نہ ہوگا۔ اسی طرح قسط وار قرضہ کو یک مشت قرضہ میں نیز ایسے قرض کو جس کی میعاد پوری ہو چکی ہے ایسے قرضہ میں منتقل کرنا جس کی میعاد باقی ہے یا اس کے برعکس درست نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قرض خواہ اور قرض اوٹنے والے دونوں کے قرض کی مقدار معلوم ہو، اگر اس کا علم نہ ہو تو حوالہ درست نہ ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ محال بہ کا واجب الوصول قرضہ مستقل ہو، لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ کوئی مقروض عورت اپنا قرض اپنے مہر پر منتقل کر دے درآنحالیکہ ہنوز وہ اپنے خاوند کے پاس نہ گئی ہو، کیوں کہ اس سے پہلے اس کے مہر کا جو قرضہ خاوند پر ہے وہ مستقل (نا قابل ترمیم و تنسیخ) نہیں ہے۔ اسی طرح کسی آقا کے لئے جس نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا ہو (یعنی ایک خاص رقم ادا کرنے کی شرط پر پروانہ آزادی دے دیا ہو) یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنے قرض خواہ کو اس غلام کے حوالہ کر دے کہ وہ اپنے قرضہ کے عوض غلام سے کتابت کی رقم وصول کر لے، کیوں کہ کتابت کا قرضہ (یعنی وہ رقم جو غلام نے اپنی آزادی کے عوض اپنے آقا کو دینا کیا ہے) غیر لازم یعنی قابل تنسیخ ہے کیوں کہ غلام چاہے تو اس عہد کتابت کو توڑ سکتا ہے۔

Marfat.com

حوالہ کے بعد مقروض کے بری الذمہ ہوجانے کا بیان

اگر ایک شخص کا قرضہ دوسرے پر ہے اور مقروض نے اس شخص کو اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے کسی اور کے حوالہ کر دیا تو آیا اس طرح مقروض اپنے قرض سے بری الذمہ ہوجائے گا یا نہ ہوگا؟ اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

چوتھی شرط یہ ہے کہ قرض ایسا ہو جس کی مقدار وزن، پیمانہ، گنتی یا گزوں میں متعین کی جاسکے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ 'محیل' (حوالہ کرنے والا مقروض) اس حوالہ پر راضی ہو۔ لیکن محال (قرض خواہ) کا راضی ہونا شرط نہیں ہے درآنحالیکہ محال علیہ (اوٹنے والا) ادائیگی قرض کی استطاعت رکھتا ہو اور ٹال مٹول کرنے والا نہ ہو جیسا کہ حدیث کی تشریح میں بتایا گیا۔ اسی طرح محال علیہ (جس پر قرض ڈالا گیا) کا راضی ہونا بھی شرط نہیں ہے۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر حوالہ کی شرائط پوری ہو جائیں تو محیل (مقروض) حوالہ کرنے کے بعد قرض سے بری الذمہ ہوجائے گا، خواہ محال علیہ جس پر قرضہ ڈالا گیا مفلس ہوجائے یا وفات پا جائے یا قرض دار ہونے سے انکار کر دے۔ لیکن اگر حوالہ کی شرائط پوری نہ ہوں تو وہ حوالہ درست نہ ہوگا بلکہ وہ وکالت ہوگی۔

اسی طرح اس صورت میں جب کہ ایک شخص (مطالبہ کے لئے) کسی کو جو اس کا مقروض نہیں ہے ایسے شخص کے حوالہ کر دے جو اس کا مقروض ہے تو یہ بھی وکالت ہے گو اس میں حوالہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہو۔

اگر ایک شخص نے کسی ایسے شخص کو جو اس کا مقروض نہیں ہے ایسے شخص کے حوالہ کیا جو اس کا مقروض ہے، تو اگرچہ یہ معاملہ لفظ حوالہ سے کیا جائے تو وہ وکالت قرار پائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حوالہ (منتقلی قرض) کا معاملہ ہونے کے بعد مقروض کا مطالبہ اوٹنے والے پر منتقل ہوجائے گا اور مقروض اپنے قرض سے بری الذمہ ہوجائے گا۔ اب اگر مقروض کا قرض اوٹنے والا مفلس ہوجائے یا مرجائے یا حوالہ کا معاملہ ہونے کے بعد (محیل) کا مقروض ہونے سے انکار کر دے، تو قرض خواہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے حق کے لئے محیل (مقروض اصلی) سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے۔ لیکن اگر حوالہ سے پہلے ہی محال علیہ (جس پر قرض ڈالا گیا ہے) اس بات سے انکار کر دے کہ وہ محیل حوالہ کرنے والے) کا مقروض ہے اور اس قرض کے لئے کوئی گواہ نہ ہو تو (محیل مقروض اصلی) کے لئے (بنیادی طور پر) درست نہیں ہے کہ اپنا قرض اس پر ڈال دے کیوں کہ حوالہ کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ قرض برقرار ہو۔

اگر محال علیہ (جس پر کسی کا قرضہ ڈالا گیا ہے) قرضہ اوٹنے سے پہلے ہی مفلس تھا تب بھی اس پر قرضہ کی منتقلی صحیح ہے۔ لیکن اگر قرض خواہ کو اس کے مفلس ہونے کا علم تھا اور اس کے اوٹنے کو اس نے قبول کر لیا تو حوالہ درست ہوگیا اور اب قرض خواہ کو محیل (اصل مقروض) سے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ مقروض کو اوٹنے والے کی مفلسی کا حال معلوم ہو یا نہ ہو۔ ہاں اگر قرض خواہ کو اوٹنے والے کی مفلسی کا علم نہ ہو لیکن مقروض جانتا ہو تو قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ اصلی مقروض سے کرسکتا ہے کیوں کہ اسے دھوکے میں رکھا گیا۔ اگر پہلے سے معلوم ہونے کی بابت جھگڑا ہو اور قرض خواہ کہے کہ مقروض کو معلوم

کہ جس پر قرض ڈالا جارہا ہے وہ مفلس ہے اور وہ اب انکار کررہا ہے، تو اس بارے میں فیصلہ قرض خواہ کے حلف پر ہوگا در آنحالیکہ اس بیان میں جھوٹ کا گمان ہو۔ اگر یہ گمان نہ ہو تو حلف اٹھانے کی ضرورت نہ ہوگی اگرچہ مقروض اس پر کذب بیانی کی تہمت لگائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مقروض جب اپنے قرض خواہ کو کسی اور کے باضابطہ حوالہ کردے تو وقتی طور پر وہ اپنے قرض سے بری الذمہ ہوجائے گا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ قرض خواہ کا قبضہ جب کسی اور پر منتقل ہو چکا تو قرض خواہ کو اصل مقروض سے مطالبہ کا حق نہیں رہا۔ سوا اس صورت کے جب کہ اوٹنے والا دیوالیہ ہوجائے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ اوٹنے والا مفلس ہوجائے یا مرجائے تو اس صورت میں قرض خواہ کو حق ہے کہ مقروض اوّل یعنی ''محیل'' سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے۔

واضح ہو کہ محیل کے بری الذمہ قرار پانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کی وفات ہوجائے تو قرض خواہ اس کے ورثاء سے اپنے قرض کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ البتہ اسے یہ حق ہے کہ متوفی کے وارثوں میں سے کسی کو وہ اس امر کا ضامن ہونے کے لئے کہے کہ وہ اس کا حق ضائع ہونے سے بچائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ''حوالہ'' کا معاملہ (حسب ضابطہ) ہوجانے کے بعد نتیجتاً محیل (مقروض) محال (قرض خواہ) کے قرضہ واجب سے بری الذمہ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح محال علیہ بھی (جس نے مقروض کا قرضہ اپنے ذمہ لے لیا ہے) مقروض کے قرضہ سے بری ہوجائے گا، لیکن اسی قدر قرضہ جو محیل (مقروض) کے ذمہ ہے اسی قدر قرضہ اوٹنے والے کی طرف بحق قرض خواہ منتقل ہوگا۔ اور حوالہ کے بعد بہرکیف قرض خواہ کو محیل (اصل مقروض) سے مطالبہ کا حق نہ رہے گا خواہ اوٹنے والا مفلس ہوجائے، وفات پاجائے یا اپنے ذمہ کے قرض ہی سے انکار کردے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ حوالہ سے پہلے وہ (اوٹنے والا) اپنے ذمہ قرضہ سے انکار کرے (تب بھی مقروض بری الذمہ ہی رہے گا) خواہ قرض خواہ کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اس واسطے کہ اوٹنے والے کا منتقلی قرض کا اقرار کرلینا، ضمناً قرض کا اقرار ہے، لہٰذا (اوٹنے والے) کے انکار سے قرض خواہ کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ نیز اگر حوالہ سے پہلے اوٹنے والا مفلس ہوجائے تب بھی قرض خواہ کو اپنے قرض کا مطالبہ محیل (اصل قرض دار) سے کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی کا قرض اوٹنے سے پہلے کوئی شخص اپنے ذمہ قرض ہونے سے انکار کرے اور اس کے لئے حلف اٹھالے اس کے بعد بھی کوئی مقروض (باضابطہ) اپنا قرض اس پر ڈال دے تو قرض خواہ کو یہ حق ہے کہ وہ محیل (مقروض) کو قسم دلائے کہ واقعی اوٹنے والے کی بابت اسے علم نہ تھا کہ اس کے ذمہ محیل کا کوئی قرضہ نہیں ہے۔ اگر محیل مقروض حلف اٹھالے تو قرض خواہ سے حلف لیا جائے گا اور معاملہ حوالہ باطل قرار دیا

Marfat.com

ضمانت کا بیان

ضمانت کی تعریف

ضمانت کے معنے لغت میں کسی دوسرے کی ذمہ داری اپنے اوپر اوٹ لینا ہے۔ لفظ 'ضمان' مادہ 'ضمن' (یعنی شمولیت) سے مشتق ہے کیوں کہ ذمہ شخصی وابستگی کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ 'کفالت' کا ہم معنی ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ ''کفل فلان فلانا'' (فلاں شخص فلاں کا کفیل بن گیا) یعنی اس شخص نے اسے اپنے ساتھ وابستہ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' وکفلھا زکریا ''یعنی زکریا نے حضرت مریمؑ کو اپنے ساتھ ملا لیا کہ وہ اس کی پرورش اور تربیت کرے گا۔ اور لفظ کفالت مادہ کفل بہر سہ حرکت 'فا' کا مصدر ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کفل کفلاً و کفولا یعنی اس نے کفالت اوٹ لی۔ یہ لفظ 'ب' کے ساتھ مستعمل ہو تو متعدی ہو جاتا ہے لہٰذا کہتے ہیں کفلت بالرجل (یعنی اس شخص کو میں نے اپنی کفالت میں لیا)۔ اس کا استعمال مقروض کے لیے ہو تو عن کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور یوں بولتے ہیں'' کفلت عن المدیون ''(یعنی میں نے مقروض کی ذمہ داری کو اوٹ لیا) اور جب قرض خواہ کے لیے 'ل' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور یوں بولتے ہیں''کفلت للدائن ''(یعنی میں نے قرض خواہ کی ذمہ داری کو اوٹ لیا)۔

رہے اس لفظ کے اصطلاحی معنے سو اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس امر کی شہادت مہیا ہو جائے کہ اوٹنے والا اپنے ذمہ کا قرض محیل (مقروض اصل) کو ادا کر چکا ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کفالت کی تعریف دو طرح سے کی جاتی ہے:

ایک تعریف ہے کسی شخص یا قرض یا شے کے مطالبہ میں ایک کی ذمہ داری کو دوسرے کی ذمہ داری سے وابستہ کر دینا (یعنی ایک کی بجائے دو کا ذمہ دار ہو جانا)۔ اس کی تین قسمیں ہیں: کفالت شخص، کفالت قرض اور کفالت عین۔

دوسری تعریف ہے''اصل قرض کی ذمہ داری کو دوسری ذمہ داری میں شامل کر دینا''۔ لیکن پہلی تعریف دوسری سے زیادہ صحیح ہے کیوں کہ وہ عام ہے جس میں تینوں قسم کی کفالتیں شامل ہیں۔ دوسری تعریف میں صرف قرض کی کفالت آتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ایک شخص کا قرض دوسرے شخص پر ہے تو اس شخص کو یہ حق ہے کہ وہ اس سے ایک ایسے قابل وثوق ضامن کا مطالبہ کرے جو اصل مقروض کے ساتھ شامل ہو جائے۔

یہاں پر علمائے حنفیہ کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ضامن کو اصل کے ساتھ شامل کر دینے سے قرض خواہ کو حق ہو جاتا ہے کہ اصل مقروض کو (درمیان سے) ہٹائے بغیر ضامن سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے، کیوں کہ

Marfat.com

قرض کا معاملہ جو اصل مقروض کے ساتھ تھا باقی ہے۔ جن اصحاب کی یہ رائے ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ ضامن کی ذمہ داری اصل شخص کے ساتھ شامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ضامن ذمہ دار ہو گیا تو یہ تعریف جامع نہ رہی کہ ضمانت کی تمام اقسام پر پوری اترے، کیوں کہ شخصی ضمانت میں بالاتفاق ضامن (اصل معاملہ کی) ذمہ داری میں شامل نہیں ہوتا۔ قرض خواہ کا صرف یہ حق ہے کہ وہ ذات مقروض کو حاضر کرنے کا مطالبہ کرے۔

یہی حال کفالت بالاعیان (کسی شے کی بابت ضامن بننے) کا ہے۔

اعیان (اشیاء) کی تین قسمیں ہیں:

اول اعیان مضمونہ بنفسہا (وہ اشیاء جن کی بذاتہ ذمہ داری اوٹی جا سکے)۔

دوم اعیان مضمونہ بغیرہا (وہ اشیاء جن کی ضمانت دوسری شے سے وابستہ ہو)۔

سوم اعیان غیر مضمونہ (وہ اشیاء جن کی ضمانت نہیں ہو سکتی)۔

اشیاء مضمونہ بنفسہا (یعنی ایسی چیز جس کی ضمانت اوٹی جا سکتی ہے) اگر کوئی شخص اپنی ذمہ داری میں لیتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ (عند الطلب) وہی چیز بجنسہٖ واپس کر دے بشرطیکہ موجود ہو۔ اگر تلف ہو گئی ہے تو اسی جیسی شے لا کر دے، بصورت دیگر اس کی قیمت (یا مالیت) واجب الادا ہو گی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے غصب کردہ یا بیع فاسد سے حاصل کردہ شے، کہ اگر مثلاً ایک شخص نے کسی کی گائے غصب کر لی (یعنی اس پر ناجائز قبضہ کر لیا) تو غصب کرنے والے پر واجب ہے کہ اگر وہ گائے موجود ہے تو وہی بعینہ واپس کرے۔ اگر وہ مر گئی تو اسی جیسی گائے خرید کر مالک کو دے۔ لیکن اگر (مثلاً) جواہرات میں سے کوئی ایسی شے غصب کی گئی جس کی نظیر نہیں ہے تو لازم ہے کہ اس کے مالک کو اس کی مالیت ادا کرے، بشرطیکہ اس کا ضائع ہونا شہادت سے یا اقرار سے ثابت ہو جائے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی چیز عقد فاسد کے ذریعہ خریدی جائے (اور اسے واپس کرنا پڑے) اس کی تفصیل شرائط کفالت کے بیان میں آئے گی۔

اشیاء مضمونہ بغیرہا بھی اگر موجود ہوں تو بعینہ واپس کی جائیں گی اور اگر وہ تلف ہو جائے تو اسی جیسی چیز یا اس کی مالیت کا واپس کرنا واجب نہیں ہے، کیوں کہ اس کی ضامن دوسری شے ہے جس سے مراد اس کے دام ہیں۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کوئی شے خریدی اور اس کے دام ادا کر دے لیکن اسے لیا نہیں کہ ایک شخص نے خریدار کے اطمینان کے لئے اس کی بہم رسانی کی ضمانت لے لی تو بصورت تلف اس کے ضامن پر لازم نہیں ہے کہ اس جیسی چیز یا اس کی مالیت (خریدار کو ادا کرے)۔ یہی کیفیت رہن (شے مرہونہ) کی ہے کہ اس کا ضامن کوئی دوسرا ہے جس سے مراد قرض ہے (یعنی وہ شے مرہونہ قرض کی ضمانت میں ہوتی ہے)۔ پس اگر ایک شخص کا قرض کسی پر ہے اور اس نے اپنی کوئی چیز بطور رہن اس قرض کے عوض اس شخص کے پاس رکھ دی پھر اس شے مرہونہ کا ضامن ایک اور شخص بن گیا لیکن وہ شے اس کے پاس تلف ہو گئی تو ضامن نہ اس جیسی چیز دینے کا ذمہ دار ہے نہ اس کی مالیت کا۔ غرض اعیان مضمونہ بنفسہا اور اعیان مضمونہ بغیرہا میں ضمانت اوٹنا درست ہے لیکن ضامن کی ذمہ داری بالاتفاق اس شے سے وابستہ نہیں ہے۔ مالک شے کو اشیاء مضمونہ بنفسہٖ کے تلف ہونے پر اس کے سوا اور کوئی حق نہیں کہ اگر وہ شے موجود ہو تو اس کے لانے کا ورنہ اس کی قیمت یا اس جیسی شے کا مطالبہ کیا جائے اور اشیاء مضمونہ بغیرہا کی ضمانت کی صورت میں وہ کسی شے کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ (محض

Marfat.com

قرض نہیں بلکہ ہر) مطالبہ میں ایک ذمہ داری کو دوسری کے ساتھ ملا دینے کا نام ضمانت ہے تا کہ یہ تعریف ہر اقسام کفالت پر مشتمل ہو۔

ایسی اشیاء جو نہ مضمون بنفسہ ہوں اور نہ مضمون بغیرہ ہوں ان کا بصورت تلف نہ واپس کرنا لازم ہے نہ ان کی ضمانت درست ہے۔ان کی حیثیت مال امانت کی سی ہے۔ان میں وہ اشیاء ہیں جو کسی کی تحویل میں ہوں یا وہ مضاربت و شراکت کا سرمایہ ہوں۔

ضمانت کی دوسری تعریف پر یعنی قرض کی ذمہ داری میں ایک اور ذمہ دار کا شامل کرنا، ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اس تعریف کی رو سے قرض متعدد ہو جاتے اور اس کی مقدار دگنی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص کا قرض دوسرے پر ہو جس کی مقدار ایک ہزار ہے پھر اس کی ضمانت کسی اور نے لے لی اور اس کی ذمہ داری ضامن پر بھی آپڑی تو اصل (مقروض) اور ضامن دونوں ایک ایک ہزار کے ذمہ دار ہو گئے۔لیکن یہ اعتراض بے حقیقت ہے کیوں کہ گو اس قرض کا ذمہ ضامن نے اوٹ لیا ہے لیکن قرض خواہ کو ایک کے سوا دوسرے سے اپنا قرض وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔اگر ان دونوں میں سے ایک نے ادا کر دیا تو دوسرا بری الذمہ ہو جائے گا۔غرض ایک قرض کی ذمہ داری دو پر ہو جانے سے یہ لازم نہیں ہو جاتا کہ قرض خواہ دونوں سے اپنا قرضہ وصول کرے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے غصب شدہ مال کا مطالبہ غصب کرنے والے سے کہ اگر (مثلاً) زید نے عمر کا کوئی مال غصب کر لیا اور وہ مال اس غاصب سے کسی اور نے غصب کر لیا تو دونوں غاصب یعنی غاصب اول زید اور غاصب ثانی خالد اس مال مغصوبہ (کی واپسی) کے ذمہ دار ہیں لیکن اس سے حق دار کے حقوق متعدد نہیں ہوئے، وہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔البتہ مال مغصوبہ کے بارے میں اگر صاحب مال نے دونوں غاصبوں میں سے کسی ایک کی ذمہ داری کو مان لیا اور اس غاصب نے بھی اس کو قبول کر لیا تو ان دونوں میں سے ایک کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔لیکن قرض کے بارے میں دونوں (اصل مقروض اور ضامن) میں سے کسی ایک کو مان لینے سے دوسرا بری الذمہ نہیں ہو جاتا سوا اس صورت کے جب کہ ایک شخص قرض کا کلیتاً ضامن ہو جائے بلکہ جب تک کہ وہ قرض فی الواقع وصول نہ ہو جائے وہ شخص بھی ذمہ داری سے بری الذمہ نہ ہوگا۔

اس مسئلہ میں ان اصحاب کو غور کرنا چاہیئے جو یہ کہتے ہیں کہ ضمانت عبارت ہے محض مطالبہ کی ذمہ داری کو دوسری ذمہ داری سے ملا دینے سے، اور یہی تعریف ہے جس کا مفہوم کفالت کی اقسام ثلاثہ پر مشتمل ہے۔

وہ اصحاب جو کہتے ہیں کہ ضمانت نام ہے قرضہ کے ساتھ مطالبہ کی شمولیت کا، ان کے دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ قرض خواہ اگر اپنا قرض ضامن کو ہبہ کر دے تو درست ہے اور اس صورت میں وہ ضامن اس کا مطالبہ اصل مقروض سے کر سکتا ہے۔اگر ضامن کی ذمہ داری قرض کے ساتھ وابستہ نہ ہوتی تو قرض خواہ کے لئے درست نہ ہوتا کہ ضامن کو اپنا قرض ہبہ کرے، کیوں کہ جس پر قرض ہے ہی نہیں اسے قرض کو ہبہ نہیں کیا جا سکتا، سوا اس کے کہ اس کو وصول کرنے کے لئے کہا گیا ہو جیسا کہ ہبہ کے بیان میں بتایا جائے گا۔اس سے عیاں ہے کہ ضامن بھی قرض کا ذمہ دار ہے۔ نیز یہ بھی ایک دلیل ہے کہ اگر قرض خواہ ضامن سے اپنے قرض کے عوض کوئی چیز خرید لے تب بھی صحیح ہے، کیوں کہ قرض کے عوض صرف اسی سے خریدنا درست ہے جس پر قرض ہو۔اور ایک دلیل یہ ہے کہ اگر ضامن وفات پا جائے تو قرض (جس کی ضمانت اس

Marfat.com

نے لی ہے) اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا۔ اگر قرض میں اسے شریک تصور نہ کیا جاتا تو اس کی وفات کے ساتھ ہی مطالبہ ختم ہو جاتا۔

واضح ہو کہ ان مسائل میں سب کا اتفاق ہے تو کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ ضمانت صرف مطالبہ میں شرکت کا نام ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اصحاب کہتے ہیں کہ ضمانت نام ہے مطالبہ میں شریک ہونے کا اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ ضمانت کبھی اصل قرضہ میں شمولیت ہوتی ہے۔ اور ضمانت کی یہ تعریف ناقص اس لئے ہے کہ ضمانت کی تینوں اقسام اس میں نہیں آتیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ بات یہ ہے کہ اگر اصل قرض ہی کی ضمانت ہوگی۔ باقی دونوں اقسام کی ضمانت کا ذکر اس میں بالاتفاق نہیں ہوتا۔ یہاں پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو شخص ضمانت کی تعریف یہ کرتا ہے کہ ضمانت خود قرض کی ذمہ داری میں شریک ہونے کا نام ہے اس کے پیش نظر صرف ایک ہی قسم کی ضمانت ہوتی ہے کیوں کہ اس سے بھی تعریف کی خامی دور نہ ہوگی اور صحیح ترین تعریف وہی ہے جو تینوں اقسام کی ضمانت پر مشتمل ہو۔ ایسی صورت میں مختلف تعریفوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن اس اختلاف کا نتیجہ حلف کی صورت میں نمایاں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص (بحیثیت ضامن) جو کسی کے قرض میں شریک ہو جاتا ہے حلف اٹھا لے کہ اس پر کوئی قرض نہیں ہے تو وہ حانث (دروغ گو) ہو جائے گا اور درآنحالیکہ اس کی ذمہ داری صرف مطالبہ میں شریک ہونے کی ہو تو وہ جھوٹا متصور نہ ہوگا لیکن محض مطالبہ میں شریک ہونا کچھ معنے نہیں رکھتا۔

اب جاننا چاہیئے کہ 'ذمہ' سے مراد وہ اقرار ہے جس کا تعلق کسی انسان سے ہو۔ پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ **فی ذمتہ کذا** (اس کے ذمہ اس قدر ہے) یہاں فی ذمتہ کے معنے فی نفسہ کے ہیں بایں اعتبار کہ اس نے کسی شے کے متعلق اقرار کر لیا ہے اس کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا ''ضم ذمتہ الیٰ ذمۃ'' جو کہا جاتا ہے اس کے معنے ادائے حق کی ذمہ داری میں ایک شخص کو دوسرے شخص کے ساتھ شامل کر دینے کے ہیں۔

بعض اصحاب (ضمانت کی) تعریف یوں کرتے ہیں کہ (ضمانت) ایک صفت شرعی ہے جس سے کسی شخص کو اپنے حق میں اور اپنے خلاف واجبات (عائد کرنے) کی اہلیت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن پہلی تعریف زیادہ واضح ہے۔

حنفیہ کے نزدیک کفالت اور ضمانت ہم معنے ہیں۔

اب جاننا چاہیئے کہ ضمانت کا معاملہ درست نہیں ہوگا تا آنکہ مقروض اس کی اجازت نہ دے دے، جیسا کہ آئندہ بتایا جائے گا۔ درآنحالیکہ یہ ضمانت اس کے کہنے سے ہوئی ہے ضامن پر وہ قرض واجب ہو جائے گا اور جب ضامن قرض ادا کر دے تو اس کا مطالبہ مقروض اصل پر عائد ہوگا اور قرض خواہ کو ضامن سے مطالبہ کرنے کا حق ہوگا۔ اس طرح ضمانت میں دو قرضے اور تین مطالبات ہوتے ہیں (یعنی قرض خواہ کا قرض ضامن پر اور ضامن کا قرض اصل مقروض پر یہ دو قرض ہوئے لیکن مطالبے تین ہوئے: ایک قرض خواہ کا مطالبہ مقروض پر دوسرا ضامن پر تیسرا ضامن کا مطالبہ مقروض پر)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ضمان، کفالت اور حمالت (یعنی دوسرے پر بار ڈال دینا) ان سب کے معنے ایک ہیں اور وہ یہ ہیں کہ کوئی حق دار ضامن کو اس شے کا ذمہ دار قرار دے جس کی ضمانت اس نے کی ہے خواہ وہ ذمہ داری کسی اور شے پر موقوف ہو یا نہ ہو۔

Marfat.com

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک ضامن ہونے کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم ضمان المال (مال کا ضامن بننا) ہے کہ اگر ایک شخص نے مال کے بارے میں کسی کی ضمانت لی ہے تو وہ اس مال (کی ادائیگی) کا ایسا ہی ذمہ دار ہوگا جس طرح کہ اصل مقروض ذمہ دار ہے۔ یہ ذمہ داری کسی اور شے پر موقوف نہ ہوگی۔

دوسری قسم ضمان الوجہ ہے (یعنی کسی کو پیش کر دینے کی ذمہ داری) ہے۔ یعنی اس مقروض کو عند الطلب حاضر کر دینے کی ضمانت جس پر قرض ہے۔ یہ ضمانت مالی معاملات کے سوا کسی اور معاملہ میں درست نہیں ہے اور جب تک کہ ضامن مقروض کو پیش نہ کرے مال کی ذمہ داری سے بری نہ ہوگا۔ اگر وہ مقروض کو حاضر کر دے تو اب قرض اس پر عائد نہ ہوگا۔ اس قسم میں حق دار کے حق کی ذمہ داری اس امر پر موقوف ہے کہ وہ شخص حاضر نہ ہو جس کی (حاضری کی) ضمانت لی ہے۔

تیسری قسم "ضمان طلب" ہے یعنی ضامن نے مقروض کی جستجو اور تلاش کی ذمہ داری اوٹ لی ہو۔ اس قسم کی ضمانت مال کے علاوہ اور معاملات میں بھی ہو سکتی ہے۔ اس میں ضامن پر مال کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ البتہ اگر ضامن اس شخص کے لانے یا اس کا پتہ بتانے میں کوتاہی کرے کہ اس کا ٹھکانا جانتا ہو اور اسے چھوڑ دے۔ اس قسم کی ضمانت میں ضامن پر اس وقت ذمہ داری عائد ہوگی جب کہ وہ (جستجو) میں کوتاہی کرے یا اسے بھگا دے۔

اس سے واضح ہے کہ ضمان مال میں ضامن پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ کسی اور امر پر موقوف نہیں ہوتی۔ اور ضمان وجہ میں اس کی ذمہ داری اس بات پر موقوف ہے کہ ضامن اس شخص کو پیش نہ کر سکے جس کی ضمانت اس نے اوٹی ہے۔ اور ضمان طلب میں ضامن پر ذمہ داری کا عائد ہونا (جستجو میں) کوتاہی پر موقوف ہے۔ ضمانت کی یہ تعریف بایں صورت ضمانت کے اقسام ثلاثہ پر مشتمل ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ضمانت کسی شے کی یا ایسی شے کی ذمہ داری کا اوٹ لینا ہے جو دوسرے پر واجب ہے درآنحالیکہ وہ شے واجب دستیاب ہو جس کی ضمانت لی ہے یا پھر اس شخص کے حاضر کرنے کی ذمہ داری اوٹ لینا ہے جس پر کسی کا حق ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم دیون ثابتہ کی ضمانت (یعنی ثابت شدہ قرضوں کا اوٹ لینا) ہے۔ پس اگر ایک شخص نے کسی کے قرضہ کی ضمانت اوٹ لی تو اس پر بھی (ادائے) قرض کی ذمہ داری اسی طرح عائد ہوگی جیسے اصل قرض دار پر ہے۔ یعنی مقروض کا قرضہ اس کے ذمہ سے ضامن پر منتقل نہ ہوگا بلکہ (مقروض پر بھی) ضامن کی طرح قرضہ کی ذمہ داری عائد رہے گی اور قرض خواہ کو دونوں سے اپنے قرض کے مطالبہ کا حق ہے اگر مقروض اصل قرض ادا کر دے یا کسی اور کے حوالہ کر دے تو ضامن بھی بری الذمہ ہو جائے گا کیوں کہ وہ مضمون (مقروض) کے تابع ہے۔ لیکن اگر ضامن ضمانت سے دست کش ہو جائے تو اصل مقروض بری الزمہ نہ ہوگا۔ مثلاً اگر حاکم نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ضامن اس قرضہ سے بری الزمہ ہے یا ضامن نے اپنا قرضہ قرض خواہ کے حوالہ کر دیا تو اصل مقروض ادائیگی قرض کی ذمہ داری سے سبکدوش نہ ہوگا اور قرض خواہ کو اس سے مطالبہ کرنے کا حق باقی رہے گا۔ اور اگر قرض خواہ نے اپنا قرضہ دونوں میں سے کسی سے بھی فی الواقع وصول کر لیا تو دونوں سبکدوش ہو جائیں گے۔ پھر یہ ہے کہ اگر ضامن نے قرضہ ادا کر دیا اور یہ نیت تھی کہ جو کچھ دیا ہے وہ اصل مقروض سے وصول کر لیا

Marfat.com

جائے گا تب تو ضامن کو (اصل مقروض سے) مطالبہ کا حق ہوگا۔ لیکن اگر مقروض سے مطالبہ کرنے کی نیت نہ تھی تو مطالبہ درست نہ ہوگا۔

دوسری قسم ایسی شے کی ضمانت لینا ہے جو اگرچہ سردست واجب الوصول نہیں ہے لیکن واجب ہو جانے والی ہے مثلاً غصب شدہ یا مستعار لی ہوئی شے کہ گو سردست غاصب یا عاریتاً لینے والے کے ذمہ واجب الادا نہ ہو لیکن آئندہ وہ ان کے ذمہ واجب ہو جائے گی کیوں کہ بہر حال ایسی اشیاء کا ان کے مالکوں کو واپس کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ موجود ہوں۔ اگر وہ تلف ہو جائیں تو ان کی مالیت واجب الادا ہوگی پس ایسی اشیاء کی ضمانت لینے کا مطلب ان اشیاء کو بعینہٖ واپس کرنے یا تلف ہو جانے کی صورت میں ان کی مالیت ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کرنا ہے۔

واضح ہو کہ اشیاء مقبوضہ علیٰ سوم الشراء کا حکم بھی اشیاء مغصوبہ یا اشیاء مستعار کی مانند ہے۔ مقبوضہ علی سوم الشراء سے مراد یہ ہے کہ خریدار کوئی شے اس کے مالک سے اس شے کی جانچ پڑتال یا بھاؤ تاؤ کی خاطر لے آئے لیکن اس کی خریداری کے بارے میں آخری تصفیہ نہ ہوا ہو، گرچہ دام طے ہو چکے ہوں اور مال لے لیا ہو لیکن دام ادا نہ کیے ہوں۔ یا دام طے نہ ہوا ہو لیکن مال لے لیا ہو تا کہ رشتہ داروں اور دوستوں کو پہلے دکھا کر اس کا سودا کیا جائے۔ اس قسم کے مال کی ضمانت بھی مال مستعار یا غصب شدہ مال کی ضمانت کی مانند ہے کہ اگر وہ تلف ہو جائے تو اس کی مالیت کا ادا کرنا یا ایسا ہی مال واپس کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر بغیر شرط مساومت کے وہ مال لیا ہو (یعنی جانچ پڑتال وغیرہ کے لئے نہ لیا ہو) اور کوئی قیمت طے نہ ہوئی ہو تو وہ شے قابل ضمانت نہ ہوگی اور ایسی شے کی ضمانت نہیں ہو سکتی۔

ناقابل ضمانت اشیاء مثلاً امانت کی چیز یا شراکت کا مال اور کرایہ پر لی ہوئی شے بھی ایسی ہی اشیاء ہیں جیسے وہ مال جو مساومت کے طور پر نہ لیا گیا ہو (یعنی دیکھ بھال کر سودا کرنے کے لئے نہ لیا ہو) کہ ایسی اشیاء کی ضمانت بھی نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہ ایسی اشیاء ہیں کہ جس کے پاس ہوں اس پر تاوان واجب نہیں ہوتا لہٰذا ایسی شے کے ضامن پر بھی واجب نہ ہو گا۔ البتہ اگر اس کے ساتھ بے اعتدالی کی جائے تو تاوان درست ہے۔ یعنی ایسی شے جس کے پاس ہو وہ اگر بے اعتدالی کرے (اور اسے نقصان پہنچائے) تو اس پر تاوان واجب ہوگا۔

تیسری قسم ایسے قرضوں کی ضمانت ہے جو کسی شخص پر واجب الادا ہونے والے ہیں، بایں طور کہ وہ اس امر کی ضمانت دے کہ اس شخص پر جو آئندہ قرض ہوگا اس کی ذمہ داری ضامن پر ہوگی۔ مثلاً ایک شخص کسی کو کاروبار میں لگائے تو اس کارکن پر لازم ہوگا کہ کوئی ضامن لائے جو اس بات کی ضمانت دے کر بغرض کاروبار جو کچھ بھی وقتاً فوقتاً بطور تجارتی قرض کے وہ لیتا رہے گا وہ ضامن اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ کوئی شخص اس امر کی ضمانت دے کہ وہ اس شخص کو عند الطلب حاضر کر دے گا جس پر کسی کا حق ہے۔ اس کو 'کفالت' کہتے ہیں۔ پس ضمانت کی یہ تعریف (مذکورہ بالا) تمام اقسام کو شامل ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں ضمانت ایک معاہدہ ہے جو اس امر کا متقاضی ہے کہ ایک شخص اس حق کا جو کسی دوسرے شخص پر واجب ہے یا ضمانت دی ہوئی چیز کو موجود کرنے کا یا کسی کے شخصی طور پر حاضر کر دینے کا ذمہ اوٹ لے جسے حاضر کرنے کا اسے حق ہے۔

Marfat.com

ضمانت کے ارکان اور اس کی شرطیں

ضمانت کے ارکان (اجزائے لازمی) پانچ ہیں: ضامن (ضمانت دینے والا)، مضمون لہ یعنی حق دار (یا قرض خواہ)، مضمون عنہ یعنی وہ جس پر کسی کا حق ہے (یا قرض دار)، مضمون وہ حق (یا مطالبہ جس کی ضمانت دی گئی)۔ اسے مضمون بہ بھی کہتے ہیں یعنی جس حق کے لیے وہ ضمانت لی گئی ہے۔ ان ارکان (پنج گانہ) میں سے ہر ایک کے لیے شرطیں ہیں جو از روئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

دوسری قسم ضمانت کی چیز کو اس کے مالک کے سپرد کرنے کی ذمہ داری قبول کرنا۔ مثلاً کسی کے پاس غصب کی ہوئی چیز ہے یا مستعار لی ہوئی شے ہو (اور اس کی واپسی کی ضمانت لی جائے)۔ چنانچہ اگر زید نے عمر کا کوئی مال غصب کر لیا تو خالد غصب شدہ مال کے واپس کرنے کی بابت زید کی ضمانت لے سکتا ہے۔ اور اگر وہ مال باقی ہے تو اس کی واپسی کا ضامن ذمہ دار ہوگا اور اگر تلف ہو گیا تو اس پر ذمہ داری نہ ہوگی۔ یہی حکم مستعار لی ہوئی شے کا ہے۔

تیسری قسم اس شخص کے حاضر کرنے کی ذمہ داری لینا ہے جس کے حاضر کرنے کی ضمانت لی ہے۔ پس اگر زید کا کوئی قرض عمر پر ہے تو خالد کا اس امر کی ضمانت لینا درست ہے کہ وہ مقروض کو عند الطلب حاضر کر دے گا۔ اس ضمانت کو کفالت کہتے ہیں۔ غرض کفالت بھی ضمانت کی ایک قسم ہے جس کا تعلق کسی کے شخصی وجود سے ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کفالت (یا ضمانت) کا صرف ایک رکن ہے، یعنی ایجاب وقبول (یا قول وقرار)۔ عقد (یا معاملہ) کی اصل حقیقت یہی ہے؛ اس کے علاوہ تمام باتیں شرائط میں داخل ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ بنا بریں ضروری ہے کہ اس ضمانت کو قرض خواہ یعنی مکفول لہ قبول کرے، خواہ وہ ضمانت مالی ہو یا شخصی۔ پس اگر ایک شخص کا قرض کسی پر ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے قرض کے لئے کسی تیسرے شخص کو کفیل ذمہ دار بنائے تو یہ کفالت درست نہ ہوگی تا آنکہ قرض خواہ موقعہ (معاہدہ) پر بذات خود (اس ضمانت کو) قبول کرے یا پھر اس کا کوئی نائب ہو جسے اس مقصد کے لئے (یعنی اس ضامن کی ضمانت قبول کرنے کے لئے) مقرر کیا گیا ہو اور اس نے قبول کر لیا ہو اور بعد میں اصل قرض خواہ نے اسے اپنا قائم مقام ہونا تسلیم کر لیا ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ کفالت کے معاملہ میں قرض خواہ کا موقع پر قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ (ان اصحاب کے نزدیک) کسی شخص کی ذاتی ضمانت یا مال کی کفالت کی ذمہ داری اوٹ لینا حق دار کے قبول کیے بغیر بھی درست ہے۔ کیوں کہ کفیل کے ہونے سے قرضہ کی توثیق ہی ہوتی ہے، حق دار کو اس کی موجودگی سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، لہٰذا کفالت کا صحیح ہونا (حق دار کی) قبولیت پر موقوف نہیں ہے۔

الفاظ کفالت میں ہر ایسی عبارت شامل ہے جو (دوسروں کا) ذمہ اوٹ لینے کا مفہوم رکھتی ہو، مثلاً یہ کہنا کہ میں کفیل بنتا ہوں یا ضامن ہوتا ہوں یا یہ بار اٹھاتا ہوں یا اس کا ذمہ دار ہوں یا اس کا بوجھ مجھ پر ہے یا فلاں کا قرض دار ہوں یا یوں کہے کہ فلاں کا قرضہ مجھ پر آپڑا وغیرہ اور کفالت بالنفس میں نفس سے ہر ایسا لفظ ہے جو مسائل طلاق میں بدن (یا وجود شخصی) سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے کوئی کہے کہ میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ فلاں شخص کی جان یا روح یا اس کا سر اور اس کا چہرہ

Marfat.com

پیش کروں گا۔ اسی طرح جزو بدن جو پورے بدن (وجود شخصی) کے لئے مستعمل ہوتا ہے جیسے فلاں شخص کا نصف یا تہائی (ان تمام الفاظ سے پورا وجود مراد ہوتا ہے)۔ لیکن کسی خاص عضو بدن جیسے ہاتھ یا پاؤں (کا نام لے کر) کوئی کہے کہ میں اس کے ہاتھ یا پاؤں کا ضامن بنتا ہوں تو یہ کفالت (بالنفس) صحیح نہ ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کفالت کی چند شرائط ہیں۔ بعض شرطوں کا تعلق مکفول عنہ (قرض دار یا حق دار) سے ہے، بعض کا مال مکفول بہ (جس مال کی ذمہ داری اوٹی گئی) سے اور بعض کا صیغہ (الفاظ کفالت) سے ہے۔

مکفول عنہ جس کی ضمانت لی گئی ہے کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ شخص مال ضمانت سے بے عقل ہونے کے باعث نااہل معاملہ قرار نہ دیا گیا ہو، کیوں کہ کسی بے عقل انسان کا کسی شے میں تصرف کرنا دو طرح کا ہو سکتا ہے:

اول یہ کہ وہ کوئی شے اس طرح خریدے یا فروخت کرے یا خرچ میں لائے کہ ایسا کرنا اس کے لئے ضروری ہو۔

دوسرے یہ کہ اس قسم کا تصرف غیر ضروری ہو بلکہ اس سے قطع نظر کیا جا سکتا ہو۔ اگر اس کا وہ تصرف ناگزیر تھا تو اس شے کے بارے میں کسی کا ضامن بننا بھی درست ہے۔ اگر ضامن اس مجور علیہ (بے عقل نااہل معاملہ) کی طرف سے حق دار کا مطالبہ پورا کر دے تو مجور علیہ کے مال سے اپنے مال کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے غیر ضروری تصرف کیا ہے جسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے تو نہ اس کی ضمانت درست ہوگی اور نہ ضامن مجور علیہ سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے مجور (نااہل معاملہ) کے قرض کی ضمانت لے لی ہے تو آیا قرض خواہ کو اس کا مطالبہ ادا کرے یا نہ کرے؟ اس مسئلہ میں تفصیل ہے کہ اگر ضامن کو یہ معلوم تھا کہ قرض دار کو معاملہ کا نااہل قرار دیا جا چکا ہے اس کے باوجود ضمانت لی اور مضمون لہ (یعنی قرض خواہ) کو اس کا علم نہ تھا تو ضامن نے جس قدر مال کی ضمانت لی ہے، اس قدر مال اسے قرض خواہ کو بالاتفاق دینا ہوگا اور اس طرح جو کچھ اس نے ادا کیا ہے، وہ رائگاں کیا۔ اور اس کا مطالبہ اس مجور (یا ممنوع التصرف) سے کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر ضامن کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ جس کی ضمانت لے رہا ہے (وہ مجور علیہ ہے) یعنی اس پر معاملہ کرنے کی پابندی عائد ہے اور مضمون لہ (یعنی حق دار کو) جس کے حق میں ضمانت لی گئی یہ بات معلوم تھی کہ اس شخص پر معاملہ کرنے کی پابندی ہے تو ایسی صورت میں بالاتفاق ضامن پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔ لیکن اگر (ضامن اور قرض خواہ) دونوں کو یہ علم ہو کہ مقروض مجور علیہ ہے (یعنی اسے معاملہ کرنے کا حق نہیں ہے) یا ان دونوں کو اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہو تو اس صورت میں اختلاف رائے ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ضامن پر لازم ہے کہ جتنے کی ضمانت کی ہے وہ ادا کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ پس اگر ایک شخص نے کسی بچے کی طرف سے اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کسی کا مطالبہ پورا کرنے کی ضمانت لے لی تو یہ ضمانت درست ہے اور ضامن نے جو کچھ ادا کیا ہے بچے کے مال سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ مثلاً کسی شیشے کا برتن وغیرہ توڑ دیا یا کوئی شے ضائع کر دی اور ایک شخص نے اس کی مالیت مالک کو ادا کر دی تو اسے حق ہے کہ جو کچھ دیا ہے وہ اس بچے کے مال سے وصول کر لے۔ البتہ اگر وہ بچہ بالکل ہی چھوٹا سا ہو مثلاً چھ ماہ کا کہ جھڑکنے سے بھی وہ باز نہ آئے تو ایسی صورت میں اگر وہ کچھ نقصان کر دے تو اس کا کوئی ذمہ دار نہ ہوگا۔

مکفول عنہ (جس کی طرف سے ضمانت لی گئی) ہے یعنی مقروض کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ضمانت کی چیز

Marfat.com

دینے پر قادر ہو۔ لہٰذا کسی محتاج متوفی شخص کا ضامن بننا درست ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ضامن نے متوفی کے قرضہ کا بار اپنے ذمہ لے لیا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ متوفی کی ذمہ داری کے ساتھ ضامن کی ذمہ داری بھی شامل ہوگئی، کیوں کہ متوفی کی ذمہ داری تو (اس کی موت کے ساتھ) ختم ہوگئی۔ نیز اگر ضامن کو یہ معلوم تھا کہ متوفی مال دار نہیں ہے لیکن بعد میں وہ مال دار ہو گیا تو وہ مال شمار میں نہ آئے گا (اس کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا) اور اب ضامن کو یہ حق نہ ہوگا کہ اس میں سے اپنا مطالبہ وصول کرے، کیوں کہ وہ قرضہ کار خیر کے طور پر ادا کیا گیا۔ لیکن اگر ضامن کو یہ گمان تھا کہ مقروض کے پاس مال ہے یا مال دار ہونے کا شبہ تھا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مال دار ہے تو اسے مطالبہ کا حق ہے اور اس بارے میں ضامن کی بات (کہ اس نے ادائیگی قرض کس نیت سے کی تھی) مانی جائے گی۔ یا پھر ایسا کوئی قرینہ (خارجی ثبوت) موجود ہو جس سے معلوم ہو کہ اس نے کار خیر کے طور پر قرضہ ادا کیا تھا (واپس لینے کی نیت نہیں تھی)۔

کسی کا ضامن بننے کی چند شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ ضامن بالغ ہو۔ بچے کا ضامن بننا درست نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ ذی عقل و ہوش ہو۔ لہٰذا جنون زدہ کی ضمانت درست نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ اس کو بے عقلی کے باعث نااہل معاملہ نہ قرار دیا گیا ہو۔ بے عقل کا ضامن ہونا صحیح نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ ضمانت لینے والی شادی شدہ عورت نہ ہو۔ اگر ایسی عورت اپنے مال کی ایک تہائی مقدار سے زیادہ مال کی ضمانت اوٹ لے تو اس کے خاوند کو حق ہے کہ اس کی اوٹی ہوئی ضمانت کو رد کر دے۔ لیکن اگر اس قدر مال کی ضمانت لی جو اس کے تہائی مال کے برابر ہو تو یہ ضمانت درست ہوگی اگر چہ اس کا خاوند اس کی اجازت نہ دے یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ صدقہ کرے یا کسی کو ہبہ کرے یا بردہ آزاد کرے یا ایسا ہی کوئی اور کار خیر ہو تو اس کا تصرف صرف ایک تہائی مال میں قابل عمل درآمد ہوگا۔ اگر خاوند کی اجازت کے بغیر اس سے زیادہ میں تصرف کیا تو خاوند اس کے پورے تصرف کو رد کر سکتا ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ خطرناک مرض کا مریض اپنے مال کے ایک تہائی حصہ سے ایک دینار بھی زیادہ کی ضمانت لے تو وہ قابل عمل درآمد نہ ہوگی، ہاں اگر اس کے ورثا اس کی اجازت دے دیں تو خیر۔

یاد رہے کہ چوتھی اور پانچویں شرط کفالت کی شرائط نفاذ (یعنی قابل عمل درآمد ہونے کی شرائط) میں سے ہے، کفالت کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے نہیں ہے۔ اگر ایسی ضمانت کر لی جائے تو درست ہے لیکن خاوند یا وارثوں کی اجازت کے بغیر اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا۔

پہلی، دوسری اور تیسری شرائط ضمانت کے صحیح ہونے کی شرطیں ہیں اور نافذ العمل (یا قابل عمل درآمد) ہونے کی بھی یہی شرائط ہیں۔ لیکن اگر غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر کسی کی ضمانت لے تو ضمانت درست ہوگی لیکن وہ نافذ العمل نہ ہوگی یہاں تک کہ آقا اجازت دے دے۔ ہاں اگر غلام آزاد کر دیا جائے تو آزادی کے بعد وہ ضمانت اس پر عائد ہو جائے گی۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ ضامن اس قدر مقروض نہ ہو کہ اس کا تمام مال قرض میں دیا ہوا ہو۔ ایسے شخص کے لئے نہ

Marfat.com

ضمانت لینا درست ہے اور نہ کوئی کار خیر (صدقہ ہبہ وغیرہ) انجام دینا درست ہے۔

مال مکفول بہ (ضمانت شدہ مال کی) کی بابت یہ شرط ہے کہ وہ قرض ہو لہٰذا امانت کے مال کی ضمانت نہیں ہوتی۔ مانگے کی چیز (یا شے مستعار) یا کسی کی تحویل میں رکھی ہوئی چیز یا مال مضاربت یا مشترکہ کاروبار کا راس المال بھی اسی طرح (ناقابل ضمانت) ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کوئی سامان دوسرے سے مستعار لیا اور اس کے لئے کسی کو ضامن بنایا کہ وہ مستعار مال کو واپس کرنے کا ذمہ دار ہوگا تو یہ ضمانت درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس کوئی شے بطور امانت رکھ دی یا کچھ مال کسی کو دیا کہ اس سے کاروبار کرے (یعنی منافعہ میں ایک حصہ رکھ کر اس مال سے کاروبار کرے) تو (درست نہ ہوگا) البتہ اس امر کے لئے کوئی ضمانت لے سکتا ہے کہ اگر وہ مال بے اعتدالی، یا حفاظت میں بے توجہی کے باعث تلف کیا گیا تو وہ ضامن اس کی تلافی کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر عاریتاً (مانگے کی چیز) لینے والے نے اس چیز کو یا شرکاء کار میں سے ایک شریک نے اپنے ساتھی کے مال میں زیادتی کی یا بے اعتنائی سے اسے ضائع کیا تو ضامن پر لازم ہے کہ تلف شدہ مال کی مالیت ادا کرے۔

واضح ہو کہ (ضمانت شدہ) مال کا قرض لازم یا قرض قابل لزوم ہونا شرط ہے۔ قرض لازم جس کی ضمانت درست ہے اس کی مثال قرضہ میں لیا ہوا مال یا فروخت شدہ مال کے دام ہیں۔ یعنی اگر ایک شخص نے کسی سے کوئی مال قرض خریدا اور کوئی شخص اس دام (کی ادائیگی) کا ضامن بنا تو درست ہے اور واجب العمل ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے کوئی زمین طے شدہ کرایہ پر لی اور اس کی ادائیگی کے لئے کسی کو ضامن بنایا تو ضمانت درست اور لازم ہوگئی۔

قرض غیر لازم جس کی ضمانت درست نہیں ہے اس کی مثال بچے (نابالغ) کا وہ قرضہ ہے جو اس نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر لیا یا کسی بے [illegible] نے (جسے معاملہ کرنے کی ممانعت ہو) لیا ہو۔ اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے اس میں غلام کا قرض بھی داخل ہے جو اس نے آقا کی اجازت کے بغیر لیا ہو یا مکاتب کا قرضہ (یعنی ایسے غلام کا قرضہ جسے ایک مقررہ رقم کی ادائیگی کی شرط پر پروانہ آزادی دیا گیا ہو) کہ ایسے لوگوں کی ضمانت لینا درست نہیں ہے کیوں کہ یہ قرضے لازمی (یا قطعی) قرضے نہیں ہیں چنانچہ جائز ہے کہ مکاتب غلام معاہدہ کتابت کو توڑ دے یا اس پر قائم رہے۔

ایسے قرضہ کی مثال، جو اگرچہ سردست لازم نہیں ہے لیکن وہ قرضہ آگے چل کر لازم ہونے والا ہے، کسی کام کی (طے شدہ) مزدوری ہے کہ اگرچہ وہ مزدوری (جو طے ہوئی ہے) سردست لازم نہیں ہے لیکن انجام کار لازم ہوگی۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ اگر تم میرا گم شدہ اونٹ (تلاش کر کے) لاؤ تو تمہیں بیس اشرفیاں دوں گا، اس (وعدہ) کے لئے اگر کوئی ضامن پیش کیا جائے جو اس (رقم کی ادائیگی) کی ضمانت دے تو درست ہوگا، اگرچہ وہ کام شروع نہ ہوا ہو۔ اگر وہ کام تکمیل کو پہنچ جائے تو (مزدوری کی) وہ رقم کام کرانے والے کے ذمہ اور اسی طرح ضامن کے ذمہ بھی ثابت ہو جائے گی۔ لیکن اگر (اجیر نے) وہ کام انجام نہ دیا تو (آجر) پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ یہی قول قابل ترجیح ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مزدوری کا قرض بھی جب تک کہ کام شروع نہ کیا جائے کتابت کے قرض کی مانند ہے کہ اس کی ضمانت درست نہیں ہے۔

جس قرض کی میعاد ادائیگی پوری ہو چکی ہے اس کی ضمانت تاخیر سے ادائیگی کی شرط پر کی جائے تو درست ہے۔

مثلاً زید کا قرض دس اشرفی عمر پر ہے اور اس کی مدت پوری ہو چکی ہے تو جائز ہے کہ خالد زید سے کہے کہ مثلاً اسے مہینے دو مہینے کی مہلت دے دیجئے میں اس کا قرض ادا کرنے کا ضامن بنتا ہوں۔ یہ ضمانت درست ہوگی۔ لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات پائی جائے:

اول یہ کہ ضمانت کے وقت مقروض اپنا قرضہ ادا کر سکتا ہو، یعنی قرض خواہ کے لئے مقروض سے اپنا قرضہ وصول کر لینا آسان ہو۔ اگر ضمانت کے وقت قرض کی وصول یابی دشوار ہو تو یہ ضمانت درست نہ ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں مدت ادائیگی کی توسیع سے وہ قرض، قرض خواہ کے لئے نفع بخش ہو جائے گا اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی صورت میں قرض خواہ خود اپنے قرض کا ذمہ دار ہے اور اسے وصول کر لینے پر قادر ہے۔ اگر کسی ضامن نے مدت ادائیگی میں توسیع کرالی تو اس ضمانت سے قرض خواہ کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا، لہٰذا مدت میں توسیع ایک ایسا امر ہے جیسے کوئی شخص کسی (ذاتی) منفعت کو پیش نظر رکھے بغیر قرض دے۔ لیکن اگر ضمانت کے وقت مقروض کے لئے اپنا قرض ادا کرنا دشوار تھا اور قرض خواہ اپنا قرض وصول نہیں کر سکتا تھا، اب اگر ضامن نے اس مہلت کے عوض (جو قرض خواہ نے دی) ادائیگی قرض کی ضمانت لے لی (اور اس طرح قرض، جس کی وصول یابی مشکوک تھی اب یقینی ہوگئی) تو گویا یہ نفع پر قرض دینا ہوا (جو ناجائز ہے)۔

دوسری بات یہ کہ ضمانت کے وقت قرض دار کو ادائیگی قرض کا مقدور نہیں تھا اور ضامن نے صرف اتنے عرصہ کے لئے مزید مہلت لی جتنے عرصہ میں یہ توقع نہ تھی کہ قرض دار کو فراخدستی حاصل ہو جائے گی بلکہ خیال یہ تھا کہ اس وقت تک بھی وہ بدستور تنگدست رہے گا (تب بھی ضمانت درست ہوگی) کیوں کہ قرض دار پر واجب ہے کہ قرض دار کی حالت کے پیش نظر اس کی سہولت کے لئے کچھ اور وقت مل جائے۔ ایسی صورت میں ضمانت اوٹنے سے قرض خواہ کو کوئی فائدہ نہیں ہے (لہٰذا یہ جائز ہے) البتہ اگر اس مدت کے دوران مقروض کی حالت بہتر ہو جانے کی امید ہو تو وہ ضمانت درست نہ ہوگی۔ چنانچہ اگر ایک شخص کو کسی سے دس لینے ہیں اور میعاد قرض پوری ہو چکی ہے اور مقروض اپنے قرض خواہ سے کہے کہ آپ تین ماہ کی مزید مہلت دے دیجئے اس کے لئے میں کسی کو ضامن بنائے دیتا ہوں۔ اس صورت میں اگر مقروض کے پاس اتنا مال ہو کہ اس میعاد کے ختم ہونے سے پہلے اس دس کی ادائیگی عام حالات میں کر سکتا ہے تو ایسی ضمانت درست ہوگی لیکن اگر مہینہ دو مہینہ کے بعد اسے فراخدستی ہوگئی مثلاً کسی وقف میں اس کا حصہ تھا اور اس کے حصول کی توقع رکھتا تھا یا کوئی وظیفہ اس کا بندھا ہوا تھا اور اس کے ملنے کا منتظر تھا تو وہ ضمانت درست نہ ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں بھی قرض خواہ نے اس مدت میں توسیع کے عوض جس میں وصولی قرض دشوار تھی ضمانت سے فائدہ اٹھایا۔ (اس مسئلہ کے بارے) میں یہ کہا جاتا ہے کہ پہلی صورت میں بھی قرض خواہ نے اس پوری مدت میں توسیع کے عوض جس میں ادائیگی قرض دشوار تھی ضامن کی ضمانت سے فائدہ اٹھایا، تو دونوں میں کیا فرق رہا؟ اسی طرح میعادی قرضہ کی بابت فوری ادائیگی کے لئے ضمانت اوٹنا بھی مثلاً ایک شخص نے دو ماہ کا میعادی قرض کسی کو دے رکھا ہے لیکن قرض دار اس سے کہتا ہے کہ میعاد ادائیگی میں نے کم کر دی ہے اور اب یہ فوری طور پر واجب الادا ہے اور اس کے لئے اس نے ایک شخص کو ضامن بھی بنا دیا (تو گویہ صورت درست ہے) لیکن عملاً اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیوں کہ یہ امر خلاف عقل ہے کہ مقروض خود اس میعاد کو کم کر دے جس میں اسے قرض

Marfat.com

ادا کرنا ہے اور پھر اس کے لئے ضمانت بھی پیش کر دے کہ اس میں ٹال مٹول سے کام نہ لیا جائے گا۔ اس میں بھی فقہا کی رائیں تفصیل طلب ہیں جن کا ذکر بے فائدہ ہوگا۔

مضمون بہ (یا ضمانت کی چیز) کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ آپ فلاں شخص کو قرض دے دیجئے میں اس کی ضمانت دیتا ہوں تو یہ ضمانت درست ہوگی (اگرچہ قرض کی مقدار معلوم نہیں ہے) لیکن قرض جو دیا جائے اس کے ثبوت کے لئے شہادت لازم ہوگی محض قرض خواہ کا کہنا ضامن کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ آیا ضامن اس تمام مال کا ذمہ دار ہوگا جو مقروض نے لیا ہے، خواہ اس کی مقدار کتنی ہی ہو یا صرف اس مقدار کا ذمہ دار ہوگا جس میں بالعموم کام چل سکتا ہے۔ اس بارے میں دو رائیں ہیں۔ تاہم اس ضمانت کی صورت میں ضامن کو حق ہے کہ معاملہ قرض طے ہونے سے پہلے ضمانت سے دستکش ہو جائے، طے ہونے کے بعد یہ حق نہ رہے گا، اور اگر ضامن قرض کے کچھ حصہ کی ضمانت پر عمل پیرا ہو چکا ہے تو صرف اسی مقدار مال کا ذمہ دار ہوگا جس کی ضمانت اس نے لی ہے۔

صیغہ ضمانت (یعنی جن الفاظ میں ضمانت لی گئی ہے) کے بارے میں شرط یہ ہے کہ وہ الفاظ بالعموم حفاظت اور نگہداشت (اوٹنے) کا مفہوم رکھتے ہوں مثلاً ضامن کہے کہ میں نے فلاں کا بار اٹھالیا یا اس کا ذمہ دار ہوں یا کفیل ہوں یا اس کا طرف دار ہوں یا یہ کہ اس کی طرف آپ کا جو کچھ ہے وہ میرے پاس ہے یا میرے اوپر ہے یا میری طرف یا میرے ذمہ ہے یا میں اس کا جنبہ دار یا اجازت یافتہ یا مددگار یا ذمہ دار ہوں اور یا اسی قسم کے اور الفاظ ہوں ☆ ان تمام الفاظ سے ضمانت ہو جاتی ہے۔ الفاظ ضمانت کے استعمال کرنے کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ مطلق ضمانت کا لفظ استعمال کیا جائے جس میں یہ قید نہ ہو کہ وہ مالی ضمانت ہے یا شخصی ضمانت مثلاً ایک شخص کہے کہ میں فلاں شخص کا ضامن ہوں اور یہ نہیں بتایا کہ میں اس مال کا ضامن ہوں جو اس کے ذمہ ہے یا خود اس شخص کے حاضر کرنے کا ضامن ہوں۔ ایسی ضمانت کا مفہوم متعین کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کو مالی ضمانت پر محمول کیا جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد (شخصی ضمانت) اس شخص کے وجود کو حاضر کرنا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ضمانت کے الفاظ سے واضح ہو جائے کہ کس چیز کی ضمانت لی ہے، خواہ اس کی وضاحت الفاظ سے کر دی جائے جیسے کوئی شخص کہے کہ میں اس قرض کی ضمانت لیتا ہوں جو فلاں شخص کے ذمہ ہے یا یہ کہے کہ میں فلاں شخص کی ذات کا ضامن ہوں۔ ایسی صورت میں ضامن کے معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ جس طرح کے الفاظ اس نے استعمال کیے ہیں اس پر عمل درآمد ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ضمانت کے الفاظ سے اس شے کا مفہوم نکالا جا سکے جس شے کی ضمانت کی گئی ہے۔ مثلاً

☆ واضح ہو کہ مؤلف علام نے اجازت کے مترادف الفاظ کا ذکر بایں طور کیا ہے:
"واما الصیغة فیشترط فیها ان تدل علی الحفظ و الحیاطة عرفاً مثلا قوله انا حمیل بفلان او زعیم او کفیل او قبیل اوهولک عندی او علی اوالی او قبلی او انا قبیل به او اذین او عوین او صبیر او کوین و نحوذالک" عاجز مترجم ان الفاظ کا ترجمہ کرنے سے قاصر رہا، صرف مفہوم یا مدعا درج کر دیا ہے۔

Marfat.com

کوئی شخص کہے کہ میں فلاں کا ضامن ہوں تو اس قید کے مفہوم میں مالی ضمانت بھی آتی ہے اور شخصی ضمانت بھی۔ ایسی صورت میں ضامن نے جو بھی نیت (ان الفاظ سے) کی ہے وہ اسی پر عمل درآمد کرے گا اور اس بارے میں اس کی بات تسلیم کی جائے گی کیوں کہ یہ اس کی رضا کارانہ نیکی ہے دراصل تو وہ بری الذمہ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ شرائط ضمانت کی پانچ قسمیں ہیں:

پہلی قسم کا تعلق ضامن (یا کفیل) سے ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عاقل اور بالغ ہو لہٰذا نہ تو جنون زدہ کی ضمانت قطعاً تسلیم کی جائے گی اور نہ نابالغ بچے کی ضمانت۔ البتہ ایک حالت ایسی ہے جس میں بچے کی لی ہوئی ضمانت تسلیم کی جائے گی (یا صحیح مانی جائے گی) اور وہ حالت یہ ہے کہ ضمانت مال کی ہو شخصی ضمانت نہ ہو اور وہ بچہ یتیم ہو تو اس کا ولی یا بصورت دیگر اس کا باپ یا کوئی اور (دادا وغیرہ) قرض لے تاکہ وہ مال خود بچے کی ذاتی لازمی ضروریات میں صرف کیا جائے اور ولی کی اجازت سے بچے کو اس مال قرض کا ضامن بنایا جائے۔ ایسی صورت میں بچے کا اپنے ولی کا ضامن بننا درست ہے اور بچے اور ولی دونوں سے مال ضمانت کا مطالبہ کیا جا سکے گا۔ لیکن اگر نابالغ (بچے) کو یہ کہا جائے کہ وہ اپنے ولی کی شخصی ضمانت لے۔ کہ حسب الطلب وہ اپنے ولی کو پیش کر دے گا تو یہ ضمانت درست نہ ہوگی کیوں کہ ضمانت مالی کی صورت میں تو بچے پر اس مال کی ادائیگی لازم ہے جو اس کی ذات پر خرچ کیا گیا۔ اگر وہ اس مال کے بارے میں اپنے ولی کی ضمانت لیتا ہے تو گویا قرض کو اور بھی مضبوط بناتا ہے۔ بخلاف شخصی ضمانت کے کہ وہ ایک رضا کارانہ کار خیر ہے اور نابالغ (بچہ) کار خیر کا اہل نہیں ہوتا۔

ضامن بننے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ وہ آزاد ہو لیکن یہ شرط ضمانت کے نافذ العمل ہونے کی ہے۔ (ضمانت کے) منعقد ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔ اسی طرح غلام کا ضامن بننا بھی درست ہے لیکن ضمانت پر عمل درآمد آقا کی اجازت یا اس غلام کے آزاد ہونے پر موقوف ہوگا۔ غلام اپنی اس ضمانت کا ذمہ دار جو اس نے غلامی کی حالت میں لی تھی، آزاد ہونے کے بعد ہوگا۔

کسی ضامن کے لئے اپنی ذاتی ملکیت کے ایک تہائی مال سے زیادہ کی ضمانت لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ صحت مند ہو۔ لہٰذا کسی مریض کو یہ حق نہیں ہے کہ ایسے قرضہ کی ضمانت لے جو اس کے ذاتی مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ ہو۔ اگر کسی شخص پر اتنا قرض ہو کہ اس کا تمام مال اس میں کھپ جائے تو اس کا کسی کی ضمانت لینا باطل ہے اور حالت مرض میں کسی مریض کے لئے ہرگز درست نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی وارث کی ضمانت لے یا کسی وارث کو اپنا ضامن بنائے۔ اگرچہ قرض کی مقدار اس کے ایک تہائی مملوکہ مال سے کم ہو۔ غرض ضامن کے لئے بالغ اور ذی عقل ہونے کی شرط تو انعقاد ضمانت کے لئے ہے (کہ اس کے بغیر ضمانت ہو ہی نہیں سکتی) اور ضامن کا آزاد ہونا ضمانت کے نافذ العمل (یا قابل عمل درآمد) ہونے کی شرط ہے اور ایک تہائی ذاتی مال سے زیادہ مقدار کی ضمانت لینے کے لئے صحت مند ہونا شرط ہے۔

دوسری قسم (کی شرائط) کا تعلق اصیل (ضامن پیش کرنے والے) یعنی مقروض سے ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ضمانت کی چیز کو خود یا اپنے نائب کے ذریعہ ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ لہٰذا اگر ایک شخص نے کسی نادار میت کی ضمانت لی تو وہ ضمانت درست نہ ہوگی، کیوں کہ نادار مفلس نہ خود ضمانت کی چیز ادا کر سکتا ہے اور نہ اس کا نائب ورثہ سے ادا

Marfat.com

کرسکتا ہے کیوں کہ وہ نادار ہے۔ ہاں اگر میت نے ترکہ میں مال چھوڑا ہو تو اسی قدر مال کی بابت میت کی طرف سے ضامن بننا درست ہے۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ ضامن اصیل (مقروض) کو جانتا ہو ان جانے شخص کی ضمانت لینا درست نہیں ہے درآنحالیکہ ضمانت کا تعلق کسی مستقبل کے معاملہ سے ہو اس کو "کفالت مضافہ" (یا اضافی ضمانت) کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تم جو مال بھی فروخت کرو گے میں اس کے دام وصول کرنے کا ضامن ہوں۔ یہ ضمانت درست نہ ہوگی۔ ایسی صورت حال اس وقت پیش آتی ہے جب کوئی شخص اپنی اولاد کو کاروبار تجارت سکھانا چاہتا ہو اور لوگوں کو اس سے خریدنے کی طرف مائل کرنے کے لئے اپنے لڑکے سے کہے کہ تم فروخت کیا کرو خواہ قرض ہی ہو۔ دام وصول کرنے کا ذمہ دار میں ہوں۔ ایسی ضمانت درست نہ ہوگی کیوں کہ جن لوگوں کی ضمانت دے رہا ہے وہ ان جانے لوگ ہیں۔

اسی طرح کی ضمانت یوں کہنا بھی ہے کہ اگر کسی نے تم سے کوئی چیز چھین لی تو میں اس کا ضامن (ذمہ دار) ہوں۔ اس قسم کی ضمانت کو کفالت معلقہ بالشرط (یعنی مشروط ضمانت) کہتے ہیں۔ یہ بھی کفالت مضافہ کی مانند ہے کیوں کہ جس کی ضمانت لی گئی وہ اَن جانا ہے۔ غرض کفالت مضافہ یا کفالت معلقہ سے مراد وہ ضمانت ہے جس کا تعلق مستقبل کے معاملہ سے ہو۔ اس کے مقابلہ میں جس کفالت کا تعلق ان معاملات سے ہو جو فی الوقت انجام پا چکے ہوں، ان میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس مقروض کی ضمانت لینی ہے وہ جانا پہچانا ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے کہے کہ میں تمہارے ان تمام واجبات کی ضمانت لیتا ہوں جو لوگوں کے ذمہ تمہارے حق میں ہیں۔ یہ ضمانت درست ہے۔ اور ضامن ان تمام واجبات کا ذمہ دار ہوگا جو ماضی میں بحق قرض خواہ ثابت ہوں اور جن کی تعیین مکفول لہ، یعنی قرض خواہ نے کی ہو کیوں کہ اس بارے میں قرض خواہ کو حق ہے کہ اپنے مقروضوں کی نشان دہی کرے۔

(ضمانت کے لئے) اصیل۔ مکفول عنہ (یا قرض دار) کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ آزاد، بالغ اور عاقل ہو لہٰذا کسی بچے کی طرف سے مالی ضمانت یا اس کی شخصی ضمانت لینا درست ہے، خواہ وہ بچہ صاحب شعور ہو یا نہ ہو اور کاروبار کے لئے اجازت یافتہ ہو یا نہ ہو۔ اگر کسی بچے کی شخصی ضمانت اس کے ولی کی اجازت سے لی گئی ہو تو اس بچے کو اپنے ضامن کے ساتھ حاضر ہونے پر مجبور کیا جائے گا اور کفیل کو حق ہوگا کہ وہ اپنا ادا کردہ مال بچے کے مال میں سے وصول کر لے۔ اگر وہ ضمانت ولی کی اجازت سے نہ ہوئی ہو بلکہ اس بچے کی اجازت سے ہو جسے کاروبار تجارت کا اختیار ہو اور اس پر پابندی عائد نہ ہو تب بھی اس کے ضامن نے جو کچھ بطور ضامن ادا کیا ہے اس کو بچے کے مال سے وصول کرنے کا حق ہے۔ اور شخصی ضمانت کی صورت میں اسے اپنے وکیل کے ساتھ حاضر ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔

تیسری قسم کی شرائط کا تعلق مکفول لہ، یعنی قرض خواہ سے ہے۔ اس کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ جانا پہچانا ہو۔ لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص ایسے شخص کے حق میں ضمانت لے جس کو وہ نہ جانتا ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ عاقل ہو۔ لہٰذا دیوانے یا بے عقل بچے کے لئے کسی کا ضمانت لینا درست نہیں ہے کیوں کہ بقول صحیح مکفول لہ (یعنی قرض خواہ جس کے حق میں ضمانت لی گئی ہے) اس کے قبول کیے بغیر ضمانت کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے لازم ہے کہ وہ قبولیت معاملہ کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بچے کی طرف سے اس کے ولی کا قبول کرنا درست نہیں ہے۔ اندریں باب قرض خواہ کا آزاد ہونا شرط نہیں ہے۔

Marfat.com

چوتھی قسم کا تعلق مکفول بہ سے یعنی اس چیز سے ہے جس کی بابت ضمانت لی گئی ہے خواہ وہ چیز قرض ہو یا کوئی شے یا کوئی شخص۔ قرض کی ضمانت میں دو باتیں شرط ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ قرض صحیح ہو۔ صحیح قرض وہ ہے کہ جب تک وہ ادا نہ کیا جائے یا قرض خواہ مہربانی سے معاف نہ کر دے اس سے نجات نہیں ہوتی۔ اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قرض خواہ سے کوئی عمل ایسا سرزد ہو جو اس قرضہ کے ساقط ہو جانے کا موجب ہو۔ اس کی مثال خاوند کے ساتھ تخلیہ سے پہلے منکوحہ بیوی کا مہر ہے جب کہ وہ برضائے خویش اپنے جوان بیٹے کو بری خواہش کے ساتھ بوسہ لینے کی اجازت دے۔ ایسی صورت میں اگرچہ حقیقتاً وہ اپنے مہر سے دست بردار نہیں ہوتی لیکن اس حرکت نے شرعاً اسے حق مہر سے محروم کر دیا۔ غرض قرض صحیح وہ ہے کہ جب تک ادا نہ کیا جائے یا حقیقتاً یا شرعاً قرض خواہ اس سے بری الذمہ نہ ہو جائے وہ ختم نہیں ہوتا۔ یہی قرض وہ ہے جس کی ضمانت لی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی قسم کے قرض کی ضمانت درست نہیں ہے۔ مثلاً کتابت کا قرض (یعنی وہ رقم جو غلام کو آزادی کے صلہ میں دینا ہے)۔ اس میں مقروض یعنی غلام مکاتب کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے عقد کتابت کو منسوخ کر دے (یعنی رقم کتابت ادا نہ کرے اور بدستور غلام رہنا پسند کرے۔)

اس حکم سے وہ قرض مستثنیٰ ہے جو مشترک ہو۔ اگرچہ وہ قرض صحیح ہے لیکن شرکاء میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے قرض کی ضمانت دے اور اپنے شریک کے قرض کی ضمانت نہ دے چنانچہ مثلاً ایک شخص دو مشترکہ طور پر کام کرنے والے تاجروں سے کوئی مال بیس اشرفی میں قرض خریدے تو ان تاجروں میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ خریدار سے اپنے حصہ کے دام کی بابت ضمانت طلب کرے۔ کیوں کہ اگر مشترکہ تجارت کی صورت میں ایک شریک کے دام کی ضمانت شخصی ہوگی (ضمانت مالی نہ ہوگی)۔ دراصل قرض دام کا کوئی سا حصہ بھی جو ضامن ادا کرے یا اصل (اصل مقروض) ادا کرے اس میں دونوں شرکاء تجارت کا حصہ ہوگا۔ اگر اس ضمانت کو نصف دام کی بلاشرکت ضمانت تصور کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ قرض کو وصول ہونے سے پہلے تقسیم کر لیا گیا ایسا کرنا شرعاً ناجائز ہے کیوں کہ مشترکہ تجارت میں تقسیم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرکا نے شرکت سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنا حساب کتاب الگ کر لیا اور یہ علیحدگی وصول قرض سے پہلے متصور نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ایسا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ مقروض کو اپنی ذمہ داری سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی اجنبی شخص مشترکہ قرض کی ضمانت لے تو معاملہ شراکت باقی رہنے کے باوجود ضمانت درست ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے دو تاجروں سے کوئی مال قرض خریدا اور کوئی تیسرا شخص اس مال کے دام کا ضامن بنا تو یہ ضمانت درست ہوگی اور ضامن جو ادائیگی اس ضمن میں کرے گا وہ اصیل (مقروض) کی جانب سے ادائیگی کی مانند ہوگا۔

اسی طرح وہ نفقہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے جو حاکم شرع نے کسی کی بیوی کا مقرر کیا ہو یا باہمی رضامندی سے قرار پا گیا ہے، کیوں کہ اگرچہ یہ قرض غیر صحیح ہے کہ موت سے یا طلاق کے بعد ساقط ہو جاتا ہے اس قرض کی ضمانت ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ نفقہ حاکم شرع کے حکم سے قرض لے کر نہ دیا گیا ہو۔ ایسا ہو تو وہ قرض صحیح ہے جو ساقط ہونے والا نہیں ہے (لہٰذا اس کی ضمانت بہرحال درست ہے)۔

دوسری شرط (صحت کفالت کی) یہ ہے کہ وہ قرض برقرار یعنی قائم ہو اور ساقط نہ ہوا ہو۔ چنانچہ ایک شخص کا قرض

Marfat.com

اگر کسی محتاج وفات یافتہ پر ہوتو اس کی ضمانت لینا درست نہیں ہے کیوں کہ حالت افلاس میں جو مر جائے اس کے ذمہ کا قرض ساقط ہو جاتا ہے۔

ضمانت کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ قرض کی مقدار معلوم ہو، بلکہ نامعلوم قرض کی ضمانت بھی صحیح ہے۔

قرض صحیح کی مثال میں وہ مال ہے جو قرض لیا گیا ہو اور وہ قیمت جو فروخت شدہ شے کی واجب الادا ہو۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ معاملہ صحیح ہوا ہو۔ اب اگر ایک شخص نے کوئی چیز دوسرے سے خریدی اور اس کے دام ادا نہیں کیے لیکن اس کی ادائیگی کی ضمانت کسی نے اوٹ کر دام ادا کر دیئے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عقد بیع فاسد تھا تو ضامن کو اختیار ہوگا کہ اس نے جو کچھ ادا کیا ہے اس کا مطالبہ فروخت کنندہ سے کرے یا خریدار سے۔ لیکن اگر وہ معاملہ فروخت ضمانت کے وقت تو صحیح تھا بعد میں ایسی شرطوں کا اضافہ کر دیا گیا کہ وہ بیع فاسد ہو گئی تو اس صورت میں ضامن اپنے ادا کردہ مال کا مطالبہ صرف خریدار سے کر سکتا ہے اور خریدار کو مطالبہ کا حق فروخت کنندہ سے ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں فروخت کنندہ نے جو کچھ لیا وہ اس کا حق نہ تھا اس لئے کہ اس وقت وہ عقد فاسد تھا، لہٰذا ضامن کو اس سے مطالبہ درست ہے۔ ثانی الذکر صورت میں فروخت کنندہ نے جو کچھ وصول کیا وہ اس کا حق تھا کیوں کہ اس وقت معاملہ بیع صحیح تھا لہٰذا ضامن اپنا مطالبہ خریدار سے کرے گا، فروخت کنندہ سے نہیں کرے گا۔

اشیائے ضمانت کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ شے مضمون بنفسہ یا مضمون بغیرہ (یعنی وہ چیز بذاتہ قابل ضمانت ہو یا بالواسطہ قابل ضمانت ہو) جس کی تفصیل کفالت کی تعریف میں بتائی گئی ہے۔ اشیاء مضمون بنفسہ میں وہ شے بھی ہے جو خریدار کو دیکھ بھال کرنے کے لئے دی گئی ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کوئی چیز گاہک کو دیکھنے کے لئے دے دی کہ وہ اچھی طرح اس کی دیکھ بھال کر لے اور خریدار اسے لے آیا تا کہ خریدنے سے پہلے اپنے گھر والوں کو دکھا سکے تو ایسی شے کی ضمانت لی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کے دام بتا دیئے گئے ہوں۔ اگر اس کے دام نہیں بتائے تو وہ چیز خریدار کے پاس بطور امانت متصور ہوگی اور ایسی شے ہوگی جس کی ضمانت نہیں ہوتی جیسے امانت، مضاربت اور شراکت کا مال کہ اس کو کسی کے سپرد کیے جانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس کی ضمانت درست نہیں ہے تاہم ایک اور قسم کی چیز ایسی ہے جس کو سپرد تو کیا جا سکتا ہے لیکن وہ امانت ہوتی ہے مثلاً مستعار (مانگے کی) چیز یا کرایہ پر لی ہوئی چیز جو کرایہ دار کے ہاتھ میں ہوتی ہے لیکن ان کی ضمانت لی جا سکتی ہے تاہم اگر وہ تلف ہو جائے تو ضامن اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے کوئی جانور کرایہ پر لیا اور اس کے واپس کرنے کی ضمانت کسی نے دے دی لیکن وہ جانور کرایہ دار کے پاس مر گیا تو ضامن پر اس کی قیمت کا ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اگرچہ نا قابل ضمانت اشیاء کی کفالت بنفسہ درست نہیں ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا لیکن اس شے کے دلا پانے کی ضمانت درست ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کو اس امر کا ضامن بنایا کہ فلاں شخص کے پاس جو اس کی امانت ہے وہ واپس دلا دے گا تو یہ صحیح ہے۔ اسی طرح مستعار دی ہوئی چیز جو کسی کے پاس ہے کی ضمانت ہو سکتی ہے۔

کفالت بالنفس (یا شخصی ضمانت) میں یہ شرط ہے کہ اس شخص کا حاضر کرنا بس میں ہو لہٰذا ایسے شخص کی ضمانت شخصی درست نہیں ہے جو لاپتہ ہو اور اس کا ٹھکانا معلوم نہ ہو، کیوں کہ اسے حاضر کرنا ضامن کے بس میں نہیں ہے۔ اسی طرح اگر

Marfat.com

ایک شخص نے کسی کے ساتھ یہ طے کیا کہ وہ اس کے لئے مکان بنا کر دے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ خود اس کی تعمیر کرے تو اب اس امر کی ضمانت کہ وہ شخص بذات خود اس کی تعمیر کرے گا درست نہیں ہے کیوں کہ ضامن کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ مکان کے خود تعمیر کرنے پر اسے مجبور کر سکے۔ البتہ وہ اس کی شخصی ضمانت لے سکتا ہے کہ عند الطلب وہ تعمیر کا وعدہ کرنے والے کو حاضر کر دے گا۔

منجملہ ان شرائط کے جن کا تعلق امر ضمانت سے ہے ایک یہ بھی ہے کہ وہ امر حد یا قصاص نہ ہو۔ اس کے بارے میں ضمانت درست نہیں ہے کیوں کہ حد یا قصاص کو دوسرے کے حوالہ کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ اس شخص کو جو حد یا قصاص کی شرعی سزاؤں کا مستوجب ہے حاضر کرنے کی شخصی ضمانت لے سکتا ہے۔

ضمانت کی پانچویں شرط کا تعلق الفاظ ضمانت سے ہے۔ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ جن الفاظ میں ضمانت لی گئی ہے ان میں ایسی کوئی شرط نہ لگا دی گئی ہو جو ضمانت سے موافقت نہیں رکھتی۔ مثلاً ایک شخص کسی سے کہے کہ میں آپ کے اس قرض کی ضمانت لیتا ہوں جو فلاں شخص پر ہے بشرطیکہ بارش ہو جائے یا آندھی آ جائے وغیرہ۔ اس قسم کی قید سے ضمانت نہیں ہوتی کیوں کہ اس ضمانت کو ایسی چیز پر موقوف رکھا گیا ہے جس کا وقوع پذیر ہونا یقینی نہیں ہے حالانکہ ضمانت کی غرض یہ ہوتی ہے کہ معاملہ کی توثیق ہو جائے۔ غرض، اس قسم کی شرائط کو کفالت سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ البتہ اگر ضمانت میں اس سے مطابقت رکھنے والی کوئی شرط رکھی جائے تو صحیح ہے۔

ضمانت کے مطابق ہونے والی شرائط میں تین باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے:

پہلی بات یہ ہے کہ اس شرط سے حق دار کے حق کی تائید ہوتی ہو، مثلاً ایک شخص کہے کہ اس فروخت شدہ شے کے بارے میں اگر ثابت ہو جائے کہ یہ فروخت کنندہ کے علاوہ کسی اور کی ہے تو میں اس کا ضامن (ذمہ دار) ہوں گا اس ضمانت میں یہ شرط ہے کہ اگر فروخت شدہ مال بیچنے والے کا ثابت نہ ہو تو ضامن اس کا ذمہ دار ہوگا۔ یہ ضمانت فروخت کنندہ کیلئے مکفول بہ یعنی قیمت مال کا حق لازم کرنے کا موجب ہوئی (یعنی اس امر کی تائید کرتی ہے کہ بیچنے والے نے اپنا مال بیچا ہے، دوسرے کا نہیں)۔ اسی طرح اگر ایک شخص کسی سے کہے کہ آپ نے جو چیز فلاں کے پاس امانت رکھی ہے اگر وہ اس سے پھر جائے تو میں اس کا ضامن یا ذمہ دار ہوں۔ اس ضمانت میں امانت دار کے انکار پر اس کے دام کی ادائیگی کا خود کو ذمہ دار قرار دے کر امانت دار کے واجب الادا ہونے کا سبب (یا موید) قرار دیا گیا ہے (لہٰذا یہ شرط درست ہے)۔ برخلاف اس صورت کے جب کہ ایک شخص کہے کہ تم فلاں راہ سے جاؤ، کوئی درندہ تمہیں کھائے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ یہ ضمانت درست نہیں ہے کیوں کہ درندہ کا فعل ناقابل ضمانت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ شرط ضامن کے لئے بسہولت وصولی قرض کا موجب ہو مثلاً ضامن کا یہ کہنا کہ اگر زید آ جائے تو اس کے اوپر جو قرضہ ہے میں اس کی ادائیگی کا ضامن ہوں۔ اس میں زید کے آ جانے کی جو شرط ہے وہ آنے والے زید سے قرض واجب وصول کرنے کی سہولت کا موجب ہے (لہٰذا یہ شرط صحیح ہے) اس میں یہ شرط ضرور ہے۔ کہ زید، جس کے آنے کی شرط رکھی گئی ہے وہ مکفول لہ قرض خواہ کا مقروض ہو، جیسا کہ اوپر بتایا گیا، یا پھر مضارب (یعنی منافع کا شریک کار) یا غاصب وغیرہ ہو۔ لیکن اگر وہ غیر متعلق شخص ہو مثلاً ضامن کہے کہ اگر عمرو سفر سے واپس آ جائے تو میں آپ کے اس

Marfat.com

قرضہ (کی ادائیگی) کا ذمہ دار ہوں جو زید پر واجب ہے تو یہ ضمانت درست نہ ہوگی کیوں کہ عمرو اس معاملہ میں اجنبی ہے۔ وہ نہ تو مقروض ہے اور نہ اس قرض سے کوئی تعلق ہے لہٰذا ضمانت کے لئے اس کے واپسی سفر کی شرط درست نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہ شرط وصولی قرضہ کا بہانہ ہو، مثلاً (یہ کہنا کہ) اگر زید (مقروض) شہر سے کہیں چلا جائے تو میں ذمہ دار ہوں۔ اس میں زید کا چلا جانا قرض وصول کرنے کے لئے عذر کا موجب ہے (لہٰذا یہ شرط درست ہے)۔

اسی طرح کی ایک شرط جائز یہ بھی ہے کہ ایک شخص کہے کہ اگر فلاں مقروض مر جائے اور ترکہ میں کچھ نہ چھوڑے تو آپ کا جو قرض اس کے ذمہ ہے میں اس کا ضامن ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ضمانت کو کسی شرط سے وابستہ کرنا، اسی حالت میں صحیح ہے جب کہ معاملۂ ضمانت میں یعنی اس کی تائید و توثیق میں خلل واقع نہ ہو۔ پس ضمانت کے لئے ایسی کسی بات کی شرط لگانا جس کا وقوع غیر یقینی ہے درست نہیں ہے۔ اسی طرح وہ صورت ہے جب کہ ضمانت کے لئے ایسے وقت کی قید لگائی جائے جس وقت (کا آنا غیر یقینی ہے اور اس) کی بابت قطعاً لاعلمی ہے مثلاً یوں کہنا کہ اگر آندھی آ گئی یا بارش ہوئی تو میں آپ کے پاس زید کو لانے کی ذمہ داری (یا ضمانت) لیتا ہوں۔ ایسی صورت میں ضمانت تو ہو جائے گی لیکن یہ شرط فضول متصور ہوگی۔ لیکن اگر ضمانت کی شرط میں ایسی کوئی مدت مقرر کی جائے جس کے وقت میں کسی قدر لاعلمی ہو (قطعاً لاعلمی نہ ہو)) مثلاً کہنا کہ میں ضامن ہوں کہ فصل کٹنے یا نوروز کے ایام میں زید کو حاضر خدمت کر دوں گا تو ضمانت درست ہوگی اور ضمانت کے ساتھ یہ تعین وقت بھی صحیح ہے۔

اگر ایک خاص مدت تک کے لئے ضامن رہنے کی شرط لگائی مثلاً کہا کہ میں آج سے ایک ماہ کی مدت کے لئے زید کی شخصی ضمانت یا اس کے ذمہ جو قرض ہے اس کی ضمانت لیتا ہوں تو ایک ماہ کے لئے بالاتفاق اسے ضامن مانا جائے گا۔ لیکن اگر کہا کہ میں ایک ماہ کے لئے آپ کی ضمانت لیتا ہوں اور یہ نہ بتایا کہ کب سے کب تک کے لئے تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ضمانت دائمی متصور ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ وہ صرف اس عرصہ تک کے لئے ضامن ہوگا جو اس نے بتایا اس کے بعد وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ اگر کسی نے کہا کہ میں صرف ایک ماہ تک کے لئے ضامن بن سکتا ہوں اور یہ نہ بتایا کہ کب سے تو اس میں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ ضمانت اول الذکر کی طرح (دائمی) ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ ثانی الذکر کی طرح مقررہ وقت تک کے لئے ہوگی۔

اندریں باب حقیقت یہ ہے کہ الفاظ ضمانت (کے مفہوم) کا انحصار عرف عام پر ہے۔ اگر عام طور پر یہ رواج ہے کہ ان الفاظ سے ضمانت کے لئے ایک خاص مدت کا تعین پیش نظر ہوتا ہے تو اس کا وہی مطلب لیا جائے گا، خواہ یہ بتا دیا گیا ہو کہ کب سے کب تک یا نہ بتایا گیا ہو۔ چنانچہ اگر کہا کہ میں ایک ماہ کے لئے فلاں کی ضمانت لیتا ہوں تو وہ ضمانت صرف اسی مدت تک کے لئے ہوگی، اس کے بعد اس کو ضامن تصور نہ کیا جائے گا۔ ہاں اگر عرف عام کے خلاف کسی اور مفہوم کا کوئی قرینہ موجود ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ جس طرح ضمانت بذات خود درست نہیں ہوتی درآنحالیکہ اس کے لئے نامناسب شرط رکھ دی جائے، اسی طرح ضمانت سے سبکدوشی کو بھی اگر نامناسب شرط پر منحصر رکھا جائے تو درست نہ ہوگی۔ چنانچہ اگر قرض خواہ نے ضامن سے کہا کہ کل کا دن آنے پر آپ ادائیگی قرض کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جائیں گے تو اس کا بری الذمہ ہو جانا درست

Marfat.com

نہ ہوگا۔اور مقروض کا مطالبہ ضامن کے ذمہ (کل کا دن آنے سے) پہلے کی طرح برقرار رہے گا۔اس مسئلہ میں نامناسب شرط کا مطلب ہر ایسی شرط ہے جس سے قرض خواہ کو کوئی فائدہ نہیں ہے جیسا کہ اوپر کی مثال میں۔اور یا اس طرح کہنا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوں تو آپ ضمانت سے بری ہیں یا ایسی ہی شرطیں جن سے عوام ناواقف ہیں۔ہاں سبکدوشی ضمانت کی ایسی شرطیں کرنا جن سے لوگ واقف ہیں اور قرض خواہ کے حق میں مفید ہیں درست ہے۔مثلاً یہ کہنا کہ اگر آپ قرض کا کچھ حصہ ادا کردیں تو بقیہ قرض کی ذمہ داری سے آپ سبکدوش ہو جائیں گے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شرائط ضمانت وکفالت کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم میں وہ شرطیں ہیں جن کا تعلق ضامن سے ہے، وہ چند شرائط ہیں: اوّل یہ کہ ضامن عاقل ہو۔پاگل کی ضمانت درست نہیں ہے۔ہاں ایسے شخص کی ضمانت جس کی عقل نشہ کے استعمال سے جاتی رہی ہو درست ہے۔

دوم یہ کہ ضامن بالغ ہو، بچے کی ضمانت درست نہیں ہے۔

سوم یہ کہ اس شخص کو بے عقلی کی بنا پر نااہل معاملہ قرار نہ دیا گیا ہو۔پس ایسے شخص کی ضمانت صحیح نہ مانی جائے گی جو بے وقوفی کے باعث معاملہ کرنے کے ناقابل قرار دیا گیا ہو۔لیکن اگر مفلسی کے باعث کسی کو نااہل معاملہ سمجھا گیا تو اس کا ضامن بننا درست ہے اسی طرح ایسے شخص کی ضمانت بھی درست ہے جو بے عقل تو ہو لیکن اس کی وجہ سے اسے نااہل قرار نہ دیا گیا ہو۔

چہارم یہ کہ ضامن مرض الموت کا مریض نہ ہو۔ایسے شخص کی ضمانت دو صورتوں میں درست نہ ہوگی:

ایک صورت یہ ہے کہ اس کے ذمہ اس کی تمام املاک کے برابر قرض ہو۔ہاں اگر وہ مقدار قرض سے زیادہ کا مالک ہو تو اس کا ضامن بننا درست ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اسے وفات کے بعد مزید مال کے حاصل ہو جانے کی امید نہ ہو۔اگر یہ علم ہو کہ وہ مرنے کے بعد کسی مال کا حق دار ہو جائے گا۔

تو اتنے ہی مقدار مال کی ضمانت لینا درست ہے۔اور جتنے کی ضمانت لی گئی ہے اسی قدر مال اس کے مال سے وصول کیا جائے گا۔اگر کوئی مریض ضامن مرض سے نجات پا جائے تو اس کی ضمانت تسلیم کی جائے گی۔

پنجم یہ کہ ضامن کو ضمانت اوٹنے پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔جبری ضمانت درست نہیں ہے۔

شرائط ضمانت کی دوسری قسم کا تعلق مضمون لہ (جس کے حق میں ضمانت لی گئی ہے یعنی حق دار (یا قرض خواہ) سے ہے۔اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ شخصی طور پر ضامن کا جانا پہچانا آدمی ہو۔محض اس کے نام کا معلوم ہونا کافی نہیں ہے کیوں کہ اپنے حق کا تقاضا کرنے کے بارے میں سخت گیری اور سہولت پسندی کے لحاظ سے لوگ مختلف طرح کے ہوتے ہیں۔رہا یہ کہ آیا مضمون لہ (قرض خواہ) کے وکیل کی شخصیت سے اچھی طرح واقف ہونا کافی ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بقول معتمد وکیل سے واقفیت ہو تو کافی ہے (یعنی یہ ضروری نہیں کہ خود قرض خواہ سے پوری واقفیت ہو)۔

یاد رہے کہ اس بارے میں قرض خواہ کی رضامندی شرط نہیں ہے کیوں کہ کسی کی ضمانت لینا اس کے قرض کو اوٹ لینا ہے جس سے قرض کی مزید توثیق ہوتی ہے اسی طرح مضمون عنہ (یا مقروض) کا جس کے ذمہ مطالبہ ہے جاننا اور اس کی

Marfat.com

رضا مندی شرط نہیں ہے، جائز ہے کہ ایک شخص کسی وفات یافتہ شخص کے قرضہ کی ضمانت لے جسے وہ نہیں جانتا۔ یہ حکم شخصی ضمانت کے سوا دوسری صورتوں میں ہے، کیوں کہ شخصی ضمانت میں اس شخص سے پوری واقفیت شرط ہے جس کی حاضر ضمانت لی گئی ہے، کیوں کہ اگر ضامن اس کو نہیں جانتا تو اس پر لازم نہیں ہے کہ وہ ضامن کے ساتھ جا کر حاضر ہو جائے تاوقتیکہ اس نے خود اس کو ضامن بننے کے لئے نہ کہا ہو۔

وہ شخص جو (بغیر کہے) رضا کارانہ طور پر خود ضامن بن گیا ہو وہ ضمانت سے دست کش نہیں ہو سکتا۔

صحت ضمانت کی تیسری قسم کا تعلق صیغہ (الفاظ ضمانت) سے ہے۔ جن الفاظ میں کسی کی ضمانت لی جائے ان کے درست ہونے کی دو شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو اوٹ لینے (یا اپنے اوپر لازم کر لینے) کا مفہوم رکھتے ہوں۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ جو قرض آپ کے ذمہ ہے میں اس کا ضامن ہوتا ہوں (یا اس کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں) یا (شخصی ضمانت کی صورت میں) یوں کہے کہ میں فلاں شخص کو آپ کے پاس لے آنے کی ذمہ داری لیتا ہوں وغیرہ' ایسے الفاظ جس کا مطلب یہ ہو کہ ضامن نے اس امر کو اپنے اوپر لازم کر لیا جس کی ذمہ داری لی ہے۔ اگر ایسا لفظ استعمال نہیں کیا جس سے اس ذمہ داری کو قبول کرنا ظاہر ہو' مثلاً یوں کہہ دینا کہ جو مال فلاں شخص سے آپ کو لینا ہے وہ میں ادا کروں گا یا اس شخص کو پیش کر دوں گا جس سے آپ کو اس قدر لینا ہے۔ یہ الفاظ ضمانت کے لئے نہیں بلکہ وعدہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ان الفاظ سے ضمانت لینے کی نیت رہی ہو تو یہ (عبارت) بھی ضمانت متصور ہو گی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ضمانت کسی اور شے پر موقوف یا وقتی نہ ہو چنانچہ اگر یوں کہا کہ کل کا دن آنے پر میں آپ کا ضامن ہو جاؤں گا یا یوں کہا کہ میں فلاں شخص کے مال کی ضمانت سال بھر کے لئے لیتا ہوں یا کسی نے ایک ہفتہ کے لئے کسی کی شخصی ضمانت لی تو یہ درست نہ ہو گا۔ البتہ اگر کسی پر فوری واجب الادا قرض ہے اور ایک شخص نے یہ ضمانت لی کہ مثلاً ایک ماہ کے بعد اسے ادا کر دے گا تو یہ ضمانت درست ہے چنانچہ اگر ایک شخص کا میعادی قرضہ دوسرے پر ہے جس کی میعاد پوری ہو چکی ہے اس کے بعد کسی شخص نے یہ ضمانت لے لی کہ ایک ماہ کے بعد وہ قرض ادا کر دے گا تو یہ ضمانت درست ہو گی اور یہ میعاد ضامن کے حق میں متصور ہو گی' اصیل (مقروض) کے لئے نہ ہو گی یہاں تک کہ اگر اصل قرض دار مر جائے تو ضامن کی متعین کردہ میعاد قرضہ پورا ہونا تسلیم نہ کیا جائے گا۔

اس صورت میں جب کہ قرضہ میعادی ہو اور کوئی شخص اس امر کی ضمانت لے لے کہ وہ فوری طور پر ادا کر دے گا تب بھی ضامن پر لازم نہیں ہے کہ وہ فوراً ادائیگی قرض کر دے' کیوں کہ میعاد اصل مقروض کے حق میں بدستور برقرار ہے جو ضمناً ضامن کے حق میں بھی ہے۔ لہٰذا قرض دار یا قرض خواہ دونوں میں سے کوئی بھی میعاد قرض پوری ہونے سے پہلے ادائیگی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر اصل مقروض وفات پا جائے تو دونوں پر قرض کی فوری ادائیگی واجب ہو جائے گی۔

صحت ضمانت کی چوتھی قسم کی شرائط کا تعلق اس شے سے ہے جس کی بابت ضمانت لی گئی ہے۔ وہ شے مال قرض ہو یا کوئی چیز ہو یا کوئی انسان ہو۔ اگر وہ قرض ہے تو اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ قرض فی الحال لازم ہو یا مآل کار لازم ہو جانے والا ہو۔ قرض لازم فی الحال کی مثال قرضہ کا مال اور بکے ہوئے مال کے دام وغیرہ ہیں۔ اور وہ قرض جو انجام کار

Marfat.com

لازم ہونے والا ہے اس مال کے دام ہیں جو بشرط خیار بکا ہو اور مدت خیار ختم نہ ہوئی ہو۔ یہ دام اگرچہ سردست لازم (واجب الادا) نہیں ہیں لیکن (مدت خیار گزر جانے پر) لازم ہو جاتے ہیں۔ اس دام کی ضمانت بھی صحیح ہے۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ قرض (جس کی ضمانت لی گئی ہے) معلوم ہو۔ لہٰذا ایسے قرض کی ضمانت لینا درست نہیں ہے جس کی نہ مقدار معلوم ہو نہ اس کی جنس اور نہ کیفیت۔ ان امور کی تصریح لازم ہے مثلاً یوں کہنا کہ میں آپ کی ان بیس مصری یا انگریزی وغیرہ اشرفیوں کا ضامن ہوتا ہوں جو زید کے ذمہ ہیں۔ اگر صرف یوں کہا کہ آپ کا جو قرضہ زید پر ہے میں اس کا ضامن ہوں اور کچھ نہ کہا اور یا یہ کہا کہ آپ کو جس قدر زید سے لینا ہے میں اس میں سے دس کا ضامن ہوتا ہوں اور یہ نہ بتایا کہ دس کون سی شے یا بیس اشرفی تو کہہ دیا لیکن اس کی صفت (یعنی مصری یا انگریزی) نہیں بتائی تو یہ ضمانت درست نہ ہوگی۔

اس مسئلہ سے دیت (خون بہا) کے اونٹ (مہیا کرنے کی ضمانت) مستثنیٰ ہے کہ اس کی کیفیت نہ بتائی جائے تب بھی ضمانت درست ہے کیوں کہ (خوں بہا کے) اونٹ کی عمر اور تعداد متعین ہے اور اس کی صفت بیشتر اہل شہر بتا سکتے ہیں لہٰذا اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اشیاے ضمانت کی بابت ان کی تعریف میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ ان کی دو قسمیں ہیں: مضمونہ (قابل ضمانت) اور غیر مضمونہ (ناقابل ضمانت) اشیاء کی ضمانت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس شے کی ضمانت دی گئی ہے اس شے کو اس کے مالک کے پاس لوٹانا واجب ہے۔ لہٰذا کسی شے کی ضمانت کے یہ معنے ہیں کہ اس شے کو مالک کے پاس لوٹا دینے کی ذمہ داری لی گئی ہے۔ لیکن اس امر کی ضمانت کہ اگر وہ شے ضائع ہوگئی تو اس کی مالیت ادا کی جائے گی درست نہیں ہے کیوں کہ ضمانت کے وقت وہ شے تلف شدہ نہیں ہوتی کہ اس کی مالیت کا تعین کیا جا سکتا۔ ہاں وہ اس وقت تلف ہو چکی ہو تو اس کے تلف ہونے کے بعد اس کی مالیت کی ضمانت درست ہے' کیوں کہ اب اس کی مالیت کا تعین کر کے اس کی ذمہ داری ضامن پر عائد کی جا سکتی ہے۔

قابل ضمانت اشیاء کی مثال غصب کی ہوئی (ناجائز طور پر ہتھیائی ہوئی) شے اور مستعار (مانگے کو لی ہوئی) شے ہے۔ ناقابل ضمانت اشیاء کی مثال امانت میں رکھی ہوئی چیز' کسی کے حق میں وصیت کی ہوئی چیز یا کرایہ پر لی ہوئی چیز ہے۔ ان اشیاء کو واپس کرنے کی ضمانت لینا درست نہیں ہے کیوں کہ یہ اشیاء جن کے پاس ہوں' ان کا واپس کرنا واجب نہیں ہے۔ البتہ یہ واجب ہے کہ وہ شخص ان اشیاء اور ان کے مالکوں کے درمیان حائل نہ ہو۔

شخصی ضمانت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس شخص کو حاضر کرنے کی ضمانت لی گئی ہے اس پر کسی آدمی کا مال یا تعزیر کا حق عائد ہوتا ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ضمانت کی چند شرطیں ہیں:

وہ شرط جس کا تعلق ضامن سے ہے یہ ہے کہ ضامن تصرف کا اہل ہو۔ لہٰذا دیوانے یا نابالغ بچے یا بے عقل شخص کا ضامن بننا درست نہیں ہے۔ ہاں مفلس ضامن بن سکتا ہے کیوں کہ ضمانت کسی ذمہ داری کو اوٹ لینے کا نام ہے (جو مفلس تو کر سکتا ہے لیکن پاگل شخص نہیں کر سکتا)۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ ضامن (ضمانت قبول کرنے پر) راضی ہو۔ اگر ضمانت لینے پر جبر کیا جائے تو وہ ضمانت صحیح نہ ہوگی۔

Marfat.com

ضامن کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مضمون لہ یعنی حقدار یا قرض خواہ کو (جس کی وہ ضمانت لے رہا ہے) جانتا پہچانتا ہو۔ نیز یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ مضمون عنہ (جس کی طرف سے ضمانت لے رہا ہے) یعنی جس پر کسی کا حق ہے اس کو جانتا ہو۔ لہٰذا ایسے شخص کی ضمانت لینا جائز ہے جسے وہ نہ جانتا ہو خواہ وہ شخص زندہ ہو یا وفات یافتہ۔

جن شرائط کا تعلق مضمون بہ (ضمانت کی چیز) یعنی قرضہ کا مال ہو یا کوئی شے یا کسی کی ذات سے ہے ان میں سے قرض کی ضمانت کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ قرض اس وقت لازم (واجب الادا) ہو یا مآل کار لازم ہو جانے والا ہو۔ اول الذکر کی مثال لیا ہوا قرض یا خریدے ہوئے مال کے دام ہیں جس میں خیار کی شرط نہ ہو اور ثانی الذکر کی مثال لئے ہوئے مال کے وہ دام ہیں جو مدت خیار ختم ہونے سے پہلے واجب ہیں۔ یہ دام (ایک قرض ہے) جو انجام کار (اختیار واپسی کی مدت ختم ہونے پر) لازم (یا ناقابل تنسیخ) ہو جاتا ہے۔

قرض غیر لازم کی مثال کتابت غلام کا قرضہ ہے (یعنی وہ مقررہ رقم جس کے عوض غلام کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا گیا ہو) یہ قرضہ غیر لازم اس لئے کہلاتا ہے کہ اس معاملہ میں غلام (مکاتب) کو یہ حق ہے کہ وہ چاہے تو آقا کی اس پیشکش کو رد کر دے اور (معاوضہ آزادی کی) رقم دینے سے باز رہے۔

لہٰذا یہ قرضہ نہ فی الحال لازم (واجب الادا) ہے اور نہ مآل کار لازم ہونے والا ہے۔

کسی شے کی ضمانت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ شے (واجب الاعادہ) جس شخص کے پاس ہے وہ اس کی واپسی کا ذمہ دار ہو۔ جیسے غصب کردہ (ناجائز ہتھیائی ہوئی چیز) یا مستعار (مانگے کے طور پر لی ہوئی) چیز۔ ان اشیاء کی ضمانت لینے کا مطلب یہ ہے کہ ضامن اس شے کو بعینہ مالک کے حوالہ کرنے کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے یا اس کے تلف ہو جانے کی صورت میں اس کی مالیت ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ایسی اشیاء جن کا تاوان ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں ہوتی ان کی ضمانت لینا بھی درست نہیں ہے جیسے امانت کی چیز یا کرایہ پر لی ہوئی شے یا مشارکت اور مضاربت کا سرمایہ یا وہ چیز جو کسی درزی یا رنگ ریز وغیرہ کو (سینے یا رنگنے کے لئے) دی گئی ہو۔ (ان کی ضمانت درست نہیں ہے) تاہم اس امر کی ضمانت ہو سکتی ہے کہ ان کے ساتھ بے اعتدالی (ناجائز استعمال یا تحفظ سے بے پروائی) نہ کی جائے گی جیسا کہ اس کی تفصیل اس کی تعریف کے سلسلہ میں بتائی گئی۔

الفاظ ضمانت سے تعلق رکھنے والی شرائط میں یہ ہے کہ جن الفاظ میں ضمانت لی گئی ہے وہ ایسے ہوں جن سے بالعموم ضمانت کا مفہوم نکلتا ہو۔ مثلاً ایک شخص کا یہ کہنا کہ میں ضامن یا کفیل ہوتا ہوں یا (فلاں کا) یہ بار اٹھاتا ہوں یا (اس کی) ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔

الفاظ ضمانت کے ساتھ کسی شرط یا وعدہ کا لگانا بھی درست ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ اگر آپ فلاں شخص کو اس قدر قرض دیں تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں یا یہ کہ میں اس شخص کا ذمہ دار ہوں۔ اسی طرح وقت کی قید کے ساتھ ضمانت لینا بھی درست ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ مہینہ کا آغاز ہونے پر میں فلاں شخص کا ضامن ہوں۔ نیز یہ بھی درست ہے کہ ایک شخص کسی کے ذمہ جو واجب الادا قرض ہے اس کی ضمانت لے کہ اتنے عرصہ میں وہ ادا کر دے گا۔ چنانچہ اگر زید کا عمر پر میعادی قرضہ ہے اور اس کی میعاد ختم ہو چکی ہے اب خالد اس کی ضمانت اس وعدہ پر لے سکتا ہے کہ وہ ایک سال کے بعد یہ قرضہ ادا کر

Marfat.com

کفالت (ضمانت) کے بعض متعلقہ مسائل کا بیان

کفالت کے متعلقہ مسائل بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

دے گا۔ یہ ضمانت درست ہوگی بایں طور کہ اگر مضمون عنہ (جس کی ضمانت لی گئی ہے یعنی مقروض) وفات پا جائے تب بھی میعاد وعدۂ ادائیگی باقی رہے گی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ضمانت کے متعلقہ مسائل بہت سے ہیں، منجملہ ان کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ مضمون علیہ یعنی مقروض جس کی طرف سے ضمانت لی گئی ہے اس کی اجازت کے بغیر ضمانت لی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص کا قرض دوسرے پر ہے اور تیسرے شخص نے مقروض کے کہے بغیر اس کے قرضہ کی ضمانت لے لی تو یہ ضمانت درست ہوگی اور لازم ہوگی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مقروض کی اجازت کے بغیر ضمانت لینا درست نہیں ہے بصورت دیگر مقروض پر اس کی ادائیگی لازم نہ رہے گی۔ اسی طرح ایک شخص اگر کسی کا قرضہ اس کی درخواست کے بغیر ادا کر دے تو درست ہے اور قرض خواہ کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، بشرطیکہ ادا کرنے والے کی غرض مقروض کے ساتھ محض مہربانی اور حسن سلوک ہو۔ لیکن اگر اس قرض کی ادائیگی کا مقصد یہ ہو کہ وہ قرض ادا کر کے مقروض کے سر ہو اور اس کو بدنام کرے اور کسی عداوت کی بنا پر قرض دے کر اذیت پہنچائے تو وہ ادائیگی درست نہ ہوگی۔

یاد رہے کہ اگر ایک شخص کسی کا قرض اسے اذیت دینے کے لئے ادا کر دے تو اب اس کو مقروض سے اپنی ادا کردہ رقم کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کا قرض خرید لے تاکہ مقروض سے مطالبہ کر کے اسے اشتعال دلائے اور اسے بدنام کر کے اپنی عداوت نکالے تو یہ خریداری درست نہیں ہے اور قرض خواہ کو چاہیئے کہ جتنے میں وہ قرضہ فروخت کیا ہے اتنے دام خریدار کو واپس کر دے۔ اگر دام میں سے کچھ ضائع ہو گیا ہے اور وہ دام اشیاء مثلیہ میں سے تھا (یعنی وہ کوئی ایسی شے ہے جس کا مثل دستیاب ہے) تو اسی قدر واپس کرنا لازم ہے اور اگر وہ دام مالیتی اشیاء کی شکل میں تھا اور ہنوز وہ مال واپس نہ کیا گیا تھا کہ قرض خواہ کا انتقال ہو گیا یا شہر سے کہیں باہر چلا گیا تو جس نے وہ قرض خریدا ہے اسے حق نہیں ہے کہ اس کام مطالبہ مقروض سے کرے۔ بلکہ اب اس کام کا ولی جو یہ کام کر سکتا ہے وہ حاکم ہے کہ مقروض سے لے کر خریدار کو وہ رقم دے دے لیکن فروخت کنندہ (یعنی قرض خواہ کو لازم نہیں ہے کہ اپنے قرض کے جو دام اس نے وصول کیے ہیں واپس کرے) سوا اس صورت کے جب کہ اسے یہ علم ہو کہ خریدار نے مقروض کو نقصان پہنچانے اور اسے بدنام کرنے کے لئے وہ قرضہ خریدا تھا۔

اگر اس بات کا اسے علم نہ ہو تو وہ بیع نفاذ پذیر ہوگی اور دام کا واپس کرنا واجب نہ ہوگا۔ اس صورت میں خریدار کسی کو اس کام کا ولی نہیں بنا سکتا بلکہ وہ اس قرضہ کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ قرض مطلقاً فسخ ہو جائے گا خواہ خریدار کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ (اس باب میں) پہلا قول قوی تر ہے۔

مسئلہ: اگر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ اس کا قرض فلاں شخص پر ہے جو موجود نہیں ہے، اور کسی نے کہا کہ میں اس کے قرض کی ضمانت لیتا ہوں، اس کے بعد وہ شخص آ گیا اور قرض سے انکار کیا۔ اور اس کی شہادت وغیرہ بھی نہیں ہے تو یہ ضمانت

Marfat.com

ساقط ہوجائے گی۔ اگر اس شخص نے قرض کا اقرار کرلیا اور وہ ادائے قرض کا مقدور رکھتا ہے تو وہ ضمانت لازم ہوگی اور اگر اس کے لئے ادائیگی دشوار تھی تو ضمانت ساقط ہوجائے گی کیوں کہ اس میں اندیشہ ہے کہ وہ ضامن کا مال کھانے کے لئے دعوے دار سے سازباز کرلے۔

مسئلہ: مضمون (جس کی ضمانت لی گئی ہے مقروض) کے بری ہوجانے سے ضامن بھی بری ہوجاتا ہے لیکن ضامن کے بری ہونے سے مقروض بری الذمہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے اس قرضہ کی ضمانت لے لی جو کسی کے ذمے ہے پھر قرض خواہ اپنے قرض سے دست بردار ہوگیا، مثلاً مقروض کو ہبہ کردیا یا وہ قرض معاف کردیا، یا اس قرض کو کسی اور قرض لازم و برقرار کے (باقاعدہ) حوالہ کردیا تو ضامن بھی بری الذمہ ہوجائے گا۔

اسی طرح کی وہ صورت بھی ہے جب کہ مقروض مال چھوڑ کر وفات پاجائے اور قرض خواہ خود اس کا وارث ہو تو مقروض قرض سے بری الذمہ ہوجائے گا، ساتھ ہی ضامن کی ذمہ داری بھی ختم ہوجائے گی۔ اس کے برخلاف اگر مقروض مفلسی کی حالت میں وفات پاجائے تو اس کی موت سے ضامن کی ذمہ داری ختم نہ ہوگی۔

یہ تمام مثالیں اس بات کی ہیں کہ اگر مضمون عنہ (زیر ضمانت شخص) بری الذمہ ہوجائے تو ضامن بھی بری ہوجائے گا۔ لیکن اگر ضامن ضمانت سے بری الذمہ ہوجائے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زیر ضمانت شخص بری الذمہ نہیں ہوتا۔ اول الذکر کی مثال یہ ہے کہ اگر ضامن قرض ادا کردے تو (ضامن اور زیر ضمانت دونوں کی ذمہ داری ختم ہوجائے گی۔ اب قرض خواہ کو ان میں سے کسی سے کوئی حق مطالبہ کا نہیں رہے گا۔ ثانی الذکر کی مثال یہ ہے کہ اگر قرض خواہ نے اپنا مطالبہ ضامن کو معاف کردیا تو ضامن کی ذمہ داری تو ختم ہوجائے گی لیکن مضمون (زیر ضمانت شخص) کی ذمہ داری ختم نہ ہوگی بلکہ قرض خواہ کا مطالبہ اس پر باقی رہے گا۔

یاد رہے کہ اگر ضامن کو وہ قرضہ ہبہ کردیا جائے تو یہ ہبہ مکمل ہوگا یہاں تک کہ کسی امر مانع ہبہ کے پیش آنے سے پہلے وہ قرض وصول ہوجائے۔

اسی طرح اگر ضمانت میعادی (کسی عرصہ کے لئے) ہو مثلاً ضامن یوں کہے کہ میں فلاں شخص کے قرضے کی ضمانت دو ماہ کے لئے لیتا ہوں کہ اگر اس عرصہ میں وہ مرگیا یا مفلس ہوگیا تو اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی تو ضامن کی ذمہ داری دو ماہ گزرنے کے بعد ختم ہوجائے گی اور اصل مقروض ذمہ سے بری ہوجائے گا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ضمانت ایک مدت مقررہ کے لئے بھی ہوسکتی ہے۔

مسئلہ: قرض خواہ کو بجز ان چار حالتوں کے ضامن سے مطالبہ کا حق نہیں ہے:

پہلی حالت یہ ہے کہ اصل مقروض مفلس ہوجائے۔

دوسری حالت یہ کہ مقروض صاحب مقدور تو ہو لیکن معاملات میں جھگڑالو اور نادہندہ ہو۔ تیسری حالت یہ کہ اصل مقروض لاپتہ ہو اور اس کا کوئی مال بھی نہ ہو جس سے قرض کی ادائیگی کی جاسکے۔ اگر اس کا مال موجود ہو اور قرض خواہ دقت اور دشواری کے بغیر وصول کرسکتا ہو تو اس صورت میں ضامن سے مطالبہ درست نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر زیر ضمانت شخص (مقروض) صاحب مقدور ہے اور موجود ہے تو قرض خواہ کو ضامن سے

مطالبہ نہ کرنا چاہیئے۔ اگر موجود نہ ہو لیکن اس کا مال موجود ہے اور اس سے قرض کی ادائیگی بسہولت ممکن ہے تب بھی قرض خواہ کو ضامن سے مطالبہ نہ کرنا چاہیئے۔

چوتھی حالت یہ ہے کہ قرض خواہ نے یہ شرط لگادی ہو کہ میں اپنا قرضہ دونوں میں سے جو بھی ہاتھ لگ جائے گا، اس سے وصول کرسکوں گا۔ اسی حالت میں قرض خواہ ضامن سے مطالبہ کرسکتا ہے۔ اسی طرح کی شرط یہ بھی ہے کہ قرض خواہ ضامن سے مطالبہ کے لئے خاص حالات کی قید لگادے۔ مثلاً یہ کہ اصل مقروض اگر کھک ہو جائے یا مر جائے وغیرہ۔ (اس باب میں) قابل ترجیح قول یہی ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ قرض خواہ کو بہر حال اختیار ہے کہ ضامن سے مطالبہ کرے یا اصل مقروض سے۔

واضح ہو کہ میعادی قرضہ کی ضمانت میں تین حالتیں پیش آسکتی ہیں:

ایک حالت یہ ہے کہ ضامن وفات پا جائے اور اس قدر ترکہ چھوڑ جائے جو پورے قرض یا اس کے کسی قدر حصہ کے لئے کافی ہو۔ اگر ترکہ سے پورا قرض ادا کیا جاسکتا ہے تو قرض خواہ کو اختیار ہے کہ وہ ضامن کے ترکہ سے اپنا قرض وصول کرے یا اصل مقروض کے پیچھے پڑے۔ اب اگر ضامن کے ترکہ سے قرضہ بیباق ہو گیا تو ضامن کے وارثوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اصل قرض دار سے اپنی ادا کردہ رقم کا مطالبہ کریں، اگرچہ وہ موجود ہو اور اسے قرض کا ادا کرنا آسان ہو۔ ہاں میعاد قرض ختم ہونے پر ضامن کے ورثاء مطالبہ کرسکتے ہیں، کیوں کہ قرض کی فوری ادائیگی (ضامن کی وفات کے بعد) صرف ضامن پر عائد ہوتی ہے، درآنحالیکہ وہ مال دار (صاحب مقدور) رہا ہو۔ اگر ناداری کی حالت میں ضامن کی وفات ہوئی تو قرض دار کو میعاد قرضہ گزرنے سے پہلے اس کے ورثاء سے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ اگر ضامن نے اتنا ترکہ چھوڑا ہو کہ ضمانتی قرضہ کا کچھ حصہ ادا کیا جاسکے تو قرض خواہ اتنا حصہ وصول کرسکتا ہے باقی کے لئے میعاد ختم ہونے تک صبر کرنا چاہیئے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ ضامن مفلس ہو جائے۔ اس صورت میں قرض خواہ کو اختیار ہوگا کہ وہ ضامن کے مال میں سے دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہو کر اپنے حصہ کا حق وصول کرلے، لیکن ضامن کو میعاد قرضہ گزرنے سے پہلے (اپنے مال سے ادا کردہ رقم) کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ مقروض ادائیگی قرض کا مقدور رکھتا ہو لیکن وفات پا جائے تو ایسی صورت میں قرض خواہ کو حق ہے کہ متوفی کے ترکہ میں سے اپنا قرض وصول کرلے، اگرچہ میعاد قرض نہ گزری ہو۔ اگر مقروض حالت افلاس میں مرا تو قرض خواہ کو یہ حق نہیں ہے کہ انقضاے میعاد سے پہلے ضامن سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے، کیوں کہ اصل مقروض کی معیاد قرض ختم ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضامن کی میعاد قرض بھی ختم ہو گئی۔

مسئلہ: ضامن اگر ضمانتی قرضہ ادا کردے اور گواہی سے یا قرض خواہ کے اقرار وغیرہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ قرضہ بیباق ہو گیا تو ضامن کو حق ہے کہ وہ اصل مقروض سے اپنے ادا کردہ قرض کا مطالبہ کرے۔ اگر ادائیگی ثابت نہ ہو تو اسے مقروض سے مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

واضح ہو کہ اگر قرضہ کی چیز ایسی ہے جس کی مالیت لگائی جاسکتی ہے یعنی وہ مالیتی اشیاء میں سے ہے جیسے کپڑا اور

Marfat.com

ضامن نے اس قرض کی ادائیگی اس جیسے کپڑے کی صورت میں کردی ہے جیسا کہ مقروض نے لیا تھا تو ضامن کو حق ہے کہ مقروض سے ویسا ہی کپڑا وصول کرلے۔ لیکن اگر ادائیگی کپڑے کی قیمت کی صورت میں کی گئی ہے تو مقروض کو وہی قیمت ادا کرنا لازمی ہے بشرطیکہ ادا کردہ قیمت کپڑے کے دام سے کم ہو۔ اگر کپڑے سے زیادہ قیمت ادا کی گئی تو مقروض پر لازم ہے کہ ضامن کو اتنا ہی کپڑا دے دے، قیمت نہ دے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ضامن نے وہ کپڑا اپنے پاس سے دیا ہو۔ اگر کسی اور سے قیمتاً کپڑا خرید کر دیا ہے اور اس کی قیمت واجبی بغیر کسی گڑبڑ کے لگائی گئی ہے تو مقروض پر بلا اختلاف لازم ہے کہ وہ قیمت ضامن کو ادا کردے۔ ہاں اگر اس کی خریداری ناواجب یا ناروا نرخ سے کی گئی ہے تو مقروض صرف مثلی قیمت ادا کرنے کا ذمہ دار ہے یعنی وہ واجبی قیمت جو اس جیسے کپڑے کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر مثلاً کوئی کپڑا دس میں خرید کر دیا گیا حالانکہ وہ پانچ کے لائق تھا تو مقروض پانچ ہی ادا کرے گا، دس نہ دے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کفالت سے تعلق رکھنے والے مسائل کی تعداد بہت ہے۔ منجملہ ان کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ ضمانت مقروض کی درخواست کے بغیر بھی ہوسکتی ہے۔ پس اگر کسی شخص نے کارثواب سمجھ کر کسی کا قرضہ اس کے کہے بغیر ہی اوٹ لیا تو اب اسے یہ حق نہیں ہے کہ مقروض سے ادا کردہ قرضہ کا مطالبہ کرے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ ایک شخص کسی اجنبی کے بارے میں ضمانت لے چنانچہ اگر زید نے عمرو سے کہا کہ میں خالد کے ذمہ جو بکر کا قرضہ ہے اس کی ضمانت لیتا ہوں اور یہ قرضہ اس نے ادا کردیا تو یہ ایک کارثواب کیا، اب اسے ادا کردہ قرضہ کے مطالبہ کا حق نہ مقروض سے ہے۔

اور نہ اجنبی شخص خالد سے ہے۔ لیکن اگر قرض دار کی کفالت اس کی درخواست پر کی ہے تو اسے اپنی ادا کردہ رقم کا مطالبہ درست ہوگا۔ لیکن اس کے لئے دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ بوقت ضمانت اس امر کی وضاحت ہوجائے کہ جس مطالبہ کے لئے کوئی شخص ضامن پیش کرتا ہے وہ مطالبہ اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا یعنی مقروض یہ۔ کہے کہ آپ فلاں شخص کے حق میں سو اشرفی کی ضمانت لے لیجے شرط یہ ہے کہ جتنے کی آپ ضمانت لیں گے اس کی ادائیگی مجھ پر لازم ہوگی۔ اس طرح کہنے سے ضامن کو یہ حق ہوجاتا ہے کہ وہ بے جھجک مقروض سے اپنی ادا کردہ رقم کا مطالبہ کرے۔ اور یہی صورت اس طرح کہنے میں ہے کہ فلاں شخص کی سو اشرفیاں جو میرے ذمہ ہیں آپ اس کی ضمانت لے لیجئے یا میری طرف سے آپ ضامن بن جائیے کیوں کہ اس عبارت میں جو الفاظ ''میرے ذمہ'' یا ''میری طرف سے'' ہیں کا مطلب ہی یہ ہے کہ مقروض وہ قرض اپنے ذمہ لیتا ہے جو مقروض کی جانب سے ضامن کو ادا کرنا ہے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس عبارت کے مفہوم کے بارے میں مختلف رائیں ہیں تاہم حقیقت یہی ہے کہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس طرح کہنے سے ضامن کو مقروض سے مطالبہ کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اور جس عبارت میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ مقروض کسی سے یہ کہے کہ فلاں شخص کو ایک سو اشرفی ادا کرنے کی ضمانت لے لیجئے اور یہ الفاظ نہ کہے کہ ''میری طرف سے'' یا یہ نہ بتائے کہ ''جو میرے ذمہ ہیں'' اور یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ جو کچھ آپ ادا کریں گے میں اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوں گا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی ضامن کو مقروض سے مطالبہ کا حق رہے گا، بعض کہتے ہیں کہ یہ حق نہ

Marfat.com

رہے گا بجز اس صورت کے جب کہ اس ضمانت کے لئے مقروض نے ایسے شخص کو کہا ہو جسے اس کی ذات سے وابستگی ہو مثلاً اس کا باپ ہو یا بیوی ہو یا کرایہ دار ہو یا کاروبار میں اس کا مالی شریک ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ضمانت کی درخواست کرنے والا ایسا نابالغ بچہ نہ ہو جسے نا اہل معاملہ قرار دیا گیا ہو لہٰذا اگر ایک بچے نے کسی شخص کو ضمانت لینے کے لئے کہا اور ضامن نے ادائیگی کر دی تو ضامن کو بچے کے مال سے ادا کردہ رقم کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، جیسا کہ سابقاً شرائط ضمانت کے باب میں بتایا گیا۔ ہاں اگر کسی غلام نے ایک شخص کو ضمانت کے لئے کہا تو ضامن کو اس غلام کے آزاد ہونے کے بعد مطالبہ کا حق ہوگا۔

مسئلہ: اگر ضامن قرض کی ادائیگی کر دے تو اصل مقروض قرض سے بری ہو جائے گا اور قرض خواہ کو اصل مقروض سے مطالبہ کا حق نہ رہے گا بلکہ یہ حق اس ضامن کو حاصل ہوگا جس نے قرض ادا کیا ہے۔ قرض ادا ہو جانے سے ضامن تو بری الذمہ ہو جاتا ہے لیکن اصلی مقروض بری الذمہ نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ ضامن کا قرض کسی اور کے ذمہ ہو اور ضامن اپنے مقروض کو اس قرض خواہ کے حوالے کر دے اور شرط یہ ہو کہ آئندہ ضامن بری الذمہ ہوگا۔ ایسی صورت میں ضامن کی ذمہ داری تو ختم ہو جائے گی اور قرض خواہ کو حق ہوگا کہ وہ اس سے مطالبہ کرے جس کے حوالے کیا گیا یا پھر اصل مقروض سے مطالبہ کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ شخص جس کے حوالے ضامن نے کیا مفلس ہو جائے یا قرض سے انکار کر دے اور اس کے خلاف کوئی شہادت موجود نہ ہو۔ لیکن اگر اوٹنے والا ضامن کے قرض کا اقرار کرتا ہے اور مال دار ہے تو اصل مقروض بھی قرض سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اور قرض خواہ کا مطالبہ صرف اوٹنے والے سے ہوگا۔ اسی طرح اگر اصل مقروض قرض ادا کر دے تو مقروض کے بری ہو جانے سے ضامن بھی بری الذمہ ہو جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ قرض خواہ مقروض کا قرضہ معاف کر دے یا ادائے قرض کی میعاد میں توسیع کر دے تو ضامن بھی اس کا تابع ہوگا۔ بشرطیکہ اس لئے ضامن نہ بنایا ہو کہ وہ معیاد کے اندر قرض ادا کر دے گا۔ چنانچہ اگر ضامن نے قرض خواہ سے یہ کہا کہ میں آپ کے قرض واجب الوصول کی ضمانت لیتا ہوں، بشرطیکہ آپ قرض دار کو بری الذمہ کر دیں اور ایسا ہی کیا گیا تو مقروض کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی اور وہ قرض صرف ضامن پر رہے گا کیوں کہ یہ صورت حوالہ (دوسرے پر قرضہ ڈالنے) کی ہو جائے گی، ضمانت نہ رہے گی۔ اگر قرض خواہ وفات پا جائے اور اس کا وارث مقروض ہو تب بھی ضامن کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

اگر قرض خواہ مقروض کو بری الذمہ کر دے اور وہ یہ ہبہ قبول نہ کرے تو مقروض قرض سے بری نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ قرض خواہ کے بری کرنے کو مقروض قبول کر لے۔ رہا یہ کہ آیا اس صورت میں ضامن کی ذمہ داری بھی ختم ہو جائے گی اور قرض اس پر عائد نہ رہے گا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ اگر قرض خواہ ضامن کو بری الذمہ کر دے تو یہ درست ہوگا خواہ ضامن اسے قبول نہ کرے، کیوں کہ ضامن مقروض نہیں ہوتا بلکہ اس سے صرف مطالبہ کا حق ہے اور مطالبہ ختم کرنے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اسے قبول بھی کر لے جیسا کہ ضمانت کی تعریف میں اوپر بتایا گیا۔ نیز ضامن کو بری الذمہ کر دینے سے اصل مقروض کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی اور نہ ضامن کو یہ حق ہے کہ اس کے بعد جس قدر مال کی اس نے ضمانت دی ہے اس کے لئے مقروض سے رجوع کرے۔ یہ حق صرف قرض خواہ کو ہے کہ اصل مقروض سے

تقاضا کرے۔ لیکن اگر قرض خواہ نے وہ قرض ضامن کو صدقہ کر دیا تو اب ضامن کو حق ہے کہ قرض خواہ کی طرف رجوع کرے۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جب کہ قرض خواہ وہ قرض ضامن کو ہبہ کر دے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

مسئلہ: اگر قرض خواہ نے ضامن کو ادائے قرض کی مزید مہلت دے دی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مدت میں یہ توسیع اصل مقروض پر بھی عائد ہوگی چنانچہ میعاد قرضہ پوری ہو جانے پر اگر قرض خواہ نے مثلاً ضامن کو ایک ماہ مزید کی مہلت دے دی تو اب اس عرصہ کے دوران اسے ضامن سے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ لیکن اصل مقروض سے اسے مطالبہ کا حق برقرار ہے، کیوں کہ اس نے مہلت ضامن کو دی ہے اصل مقروض کو نہیں دی۔

مسئلہ: اگر ضامن نے ایک ہزار ادائیگی کی ضمانت لے رکھی ہے ادھر قرض خواہ نے مقروض سے پانچ سو پر فیصلہ کر لیا تو اب ضامن سے بھی صرف پانچ سو کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے ہزار کا نہیں جس کی ضمانت لی تھی۔

اگر ایک شخص نے کھرا مال ادا کرنے کی ضمانت دی ہے اور قرض خواہ کو اس نے گھٹیا مال ادا کیا تو قرض خواہ زیر ضمانت شخص مقروض سے کھرے مال کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ ضمانت کا قاعدہ یہ ہے کہ ضامن ادائے قرض کے بعد اس قرض کا مالک ہو جاتا ہے تو گویا ضامن نے قرض خواہ کی جگہ لے لی جس نے کھرا مال قرض میں دیا تھا لہٰذا اسے کھرے مال کے مطالبہ کا حق ہے اور اگر ضامن نے گھٹیا مال دے کر ہی قرض دار کو راضی کر لیا تب بھی اگر ضامن کھرے مال کا مطالبہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً ایک شخص نے کسی سے عمدہ کپڑا قرض لیا اور اس کی ادائیگی کا کوئی اور شخص ضامن بن گیا اور قرض خواہ اس پر راضی ہو گیا اور ضامن نے گھٹیا کپڑا دے کر قرض خواہ کو راضی کر لیا تو ضامن کو یہ حق ہے کہ وہ مقروض سے عمدہ کپڑے کا مطالبہ کرے جس کی اس نے ضمانت دی تھی کیوں کہ وہ ضامن ادائے قرض کے بعد عمدہ کپڑے کا مالک ہو گیا۔ غرض قرض خواہ اگر ضامن کے ساتھ کچھ رعایت کر دے تو اس رعایت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصل مقروض کو بھی اس رعایت کا مستحق گردانا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرض خواہ کو تو یہ بھی حق ہے کہ وہ مال قرض ضامن کو بخش دے۔ اگر قرض خواہ ضامن کو وہ قرض معاف کر دے تو ضامن اس کا مالک ہو جائے گا اور اصل مقروض پر اسی طرح مال قرض ادا کرنے کا مطالبہ باقی رہے گا۔

اگر قرض دار نے ضامن کے علاوہ کسی اور شخص سے کہا کہ میں نے فلاں شخص سے جو عمدہ کپڑا قرض میں لیا ہے اس کی ادائیگی آپ میری طرف سے کر دیجئے اور اس شخص نے عمدہ کپڑے کی بجائے گھٹیا کپڑا دے کر حساب بے باک کر دیا۔ تو اس شخص کو مقروض سے اس طرح کا گھٹیا کپڑا وصول کرنے کا حق ہے، کیوں کہ (ضمانت کے لئے نہیں بلکہ ادائے قرض کے لئے کسی کو کہا جائے تو وہ ادا کرنے کے بعد ادا کردہ مال کا مالک نہیں بن جاتا جیسا کہ ضامن ہوتا ہے لہٰذا وہ ویسی ہی شے لے سکتا ہے جو اس نے ادا کی ہے۔

مسئلہ: کسی ضامن کو یہ حق نہیں ہے کہ جس شے کی ضمانت لی ہے اسے ادا کرنے سے پہلے قرض دار سے مطالبہ کرے، کیوں کہ جب تک ضامن نے قرض ادا نہ کیا ہو اس قرض پر ضامن کو اختیار نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ ضامن ادائیگی قرض کے واجب ہونے (انقضائے میعاد) سے پہلے ہی مقروض کا قرضہ ادا کر دے۔ مثلاً ایک شخص نے کوئی مکان کرائے پر بایں شرط لیا۔ کہ مہینہ کے خاتمہ پر کرایہ ادا کر دیا جائے گا اور کسی نے اس کی ضمانت لے لی۔ ضامن

نے مہینہ گزرنے سے پہلے ہی) کرایہ ادا کر دیا تو اب ضامن کرایہ دار سے اس کا (فوری) مطالبہ نہیں کر سکتا اس لئے کہ کرایہ یا اجرت کسی پر محض معاملہ کرنے سے واجب نہیں ہو جاتی اور نہ معاملہ کرنے کے بعد ہی مالک اجرت کا حق دار ہو جاتا ہے، جیسا کہ کرایہ داری کے بیان میں بتایا گیا۔ صورت بالا میں ضامن نے جو کچھ دے دیا دراصل قرض خواہ بھی اس کا مالک نہیں ہوا تھا۔

اگر کسی قرضہ دار نے اپنا قرضہ ادا کر دیا لیکن ضامن کو اس کا علم نہ تھا اور اس نے بھی قرض خواہ کو دوسری بار ادائیگی کر دی تو اب اسے اپنے ادا کردہ مال کا مطالبہ اصل قرض دار سے کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ وہ اس سے وصول کرے جس نے دوبارا اپنا حق وصول کیا۔

اس کے برخلاف اگر مقروض پر ادائیگی قرض انقضائے میعاد کے باعث واجب ہو گئی ہو اور اس قرض کا کوئی ضامن نہ ہو لیکن اب ضامن آ جائے اور قرض خواہ اس ضامن کے لئے مدت میں توسیع کر دے تو اس صورت میں کہا جاتا ہے کہ اصل مقروض اور ضامن دونوں کے لئے متصور ہو گی۔

ان دونوں حالتوں کا فرق ظاہر ہے۔ پہلی صورت میں وہ قرض شروع سے ہی ضمانت پر تھا لہٰذا قرض خواہ کو مقروض اور ضامن دونوں سے اپنے مطالبہ کا حق تھا اور اگر ضامن کے حق میں میعاد ادائیگی میں توسیع کر دی گئی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصل مقروض کو بھی یہ مہلت دے دی گئی ہے۔

دوسری حالت میں سرے سے ضمانت ہوئی ہی نہ تھی لہٰذا قرض خواہ کو اس بارے میں (ضامن کو) مہلت دینے کا حق ہی نہ تھا البتہ ادائیگی قرض میں مہلت دے سکتا تھا۔ اگر ادائیگی قرض کے لئے مہلت دی تو یہ مہلت مقروض اور ضامن دونوں کے لئے ہو گی۔ باوجود اس کے اگر قرض خواہ نے یہ شرط لگا دی کہ میں خصوصیت کے ساتھ ضامن کو مہلت دیتا ہوں اصل مقروض کو نہیں دیتا تو اس شرط کی پابندی کی جائے گی اور قرض خواہ کو حق ہو گا کہ اصل مقروض سے جب چاہے ادائیگی قرض کا مطالبہ کرے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ ضامن خود کہے کہ مجھے مہلت دے دیجئے اور اس مہلت کی درخواست خاص اپنے لئے کی ہو۔

مسئلہ: میعادی قرضہ، مقروض یا ضامن کی موت پر واجب الادا ہو جاتا ہے پس اگر ضامن مر جائے اور قرض خواہ اپنا حق اس کے وارثوں سے وصول کر لے تو اب ضامن کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے چکائے ہوئے قرضہ کا مطالبہ اصل قرض خواہ سے کرے۔ البتہ میعاد قرض گزر جانے پر وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اگر مقروض اور ضامن دونوں ہی وفات پا جائیں تو قرض خواہ کو حق ہو گا کہ دونوں میں سے جس کے ترکہ سے چاہے اپنا مطالبہ وصول کر سکتا ہے۔

مسئلہ: اگر ضامن بطور خود قرض خواہ کو جسے ایک ہزار لینا ہے اس بات پر راضی کر لے کہ وہ پانچ سو لے کر باقی قرضہ چھوڑ دے تو یہ مصالحت ان تین حالات میں اصل مقروض اور ضامن دونوں کے حق میں متصور ہو گی:

پہلی حالت یہ ہے کہ ضامن یہ شرط لگا دے کہ اس (تصفیہ) کے بعد دونوں سبکدوش ہو جائیں گے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ ضامن اصل مقروض کے بری الذمہ ہو جانے کی شرط لگا دے اور اپنی ذات کے بارے میں خاموش رہے۔

Marfat.com

تیسری حالت یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو اور ضامن نے کچھ نہ کہا ہو۔

اگر ضامن نے یہ کہا ہو کہ صرف میں بری الذمہ ہو جاؤں گا تو یہ کہنا فسخ ضمانت متصور ہوگا۔ قرض بدستور باقی رہے گا اور قرض خواہ اصل مقروض سے بقیہ پانچ سو کا مطالبہ کر سکتا ہے اور باقی پانچ سو (جو ضامن نے قرض خواہ کو دے وہ قرض خواہ سے واپس لے لے گا)۔

مسئلہ: اگر مقروض نے اپنے ضامن کو اس کے ادا کرنے سے پہلے ہی اپنا قرضہ دے دیا تو اس میں تین صورتوں کا احتمال ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ قرض دار نے اپنا قرض ضامن کو اس خیال سے دے دیا کہ جلد ہی قرض سے سبکدوش ہو جائے۔ مثلاً یہ کہا ہو کہ میرے قرضہ کی رقم جس کی آپ نے ضمانت دی ہے (واجب الادا ہونے سے پہلے ہی) مجھ سے لے لیجئے۔ اس صورت میں ضامن اس رقم کا مالک ہو جائے گا اور اب مقروض کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ واپس لے لے، اگرچہ ضامن نے قرض خواہ کو نہ دی ہو۔ کیوں کہ ضمانت کی تعریف میں بتایا گیا ہے کہ ضمانت ایک قرض ہو جاتا ہے جس کا مطالبہ ضامن مقروض سے اس مدت کے دوران کر سکتا ہے جس میں قرض دار کو وہ قرضہ ادا کرنا ہے۔ اب اگر مقروض نے ضامن کو قبل از وقت (انقضائے میعاد سے پہلے) دے دیا تو ضامن اب اس (رقم) قرض کا مالک مجاز متصور ہوگا۔ چنانچہ اگر وہ اس رقم سے تجارت کرے۔ اور اس سے نفع کمائے تو وہ نفع اس کا حق اور حلال وطیب ہوگا۔ اگر اس کے پاس سے وہ مال تلف ہو جائے تو وہ اس کی تلافی کرے گا اور اس کا ذمہ دار متصور ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے وہ رقم ضامن کو بحیثیت ایک گماشتہ کے دی ہو کہ یہ مال لے کر فلاں شخص کو دے دیجئے جس کے بارے میں آپ نے میری طرف سے ضمانت لی تھی۔ اس صورت میں حقیقت یہ ہے کہ وہ رقم ضامن کے پاس بطور امانت کے ہوگی اور مقروض کو حق ہے کہ اگر قرض خواہ کو اس نے نہیں دی تو اسے پھر واپس لے لے۔ اگر ضامن نے اس رقم کو تجارت میں لگایا اور اس کا نفع کھایا تو وہ حلال نہ ہوگا۔ ایسے شخص پر واجب ہے کہ اس رقم کو صدقہ کر دے۔ یہی حکم اس شخص کے لئے ہے جو غصب شدہ (مال) سے فائدہ اٹھائے۔ اگر وہ مال (اس کے تحفظ میں) کوتاہی کے بغیر تلف ہو جائے تو وہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا کیوں کہ وہ مال اس کے پاس بطور امانت کے تھا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قرض دار نے قرضہ واجب اپنے ضامن کو دے دیا اور یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ بطور گماشتہ کے اسے دیا ہے (کہ قرض خواہ کو دے دے) یا ربار قرض سے جلد سبکدوش ہو جانے کے خیال سے دے دیا ہے تو اس سے سمجھا جائے گا کہ اس نے قرض سے جلد سبکدوش ہو جانے کے لئے دیا ہے۔ اگر قرض دار نے قرض واجب (کی رقم) ضامن کو دیا اور پھر خود ہی قرض خواہ کو بھی ادا کر دیا تو اس نے جو کچھ ضامن کو دیا ہے اسے بہر حال واپس لے سکتا ہے خواہ کسی خیال سے دیا ہو۔

مسئلہ مالیہ (ٹیکس) وغیرہ کے بارے میں ضمانت جائز ہے، خواہ مطالبہ منصفانہ ہو یا ظالمانہ۔ لہٰذا ایک شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی جائداد پر عائد ہونے والا مقررہ سالانہ واجبات یا کوئی اور خراج وغیرہ (مطالبات) کے لئے جو حکومت وصول کرتی ہے تاکہ امن وعافیت یا رفاہ عامہ کے مصارف میں کام آئے یا مثلاً نہریں نکالنے، پل تعمیر کرنے اور

راستوں کی مرمت وغیرہ مصالح عامہ کے لئے وصول کیا جاتا ہے، کسی کو اپنا ضامن بنادے۔ اسی طرح ظالمانہ ٹیکسوں کے لئے بھی جو گزشتہ زمانہ میں آلات پر لگائے جاتے تھے۔ وغیرہ ضامن بنانا جائز ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ظالمانہ ٹکیسوں کی ضمانت درست نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کا قرض کسی اور پر ڈال دیا جائے تو وہ اس کی طرف سے ادا شدہ متصور ہوگا۔ اگر اس ضامن نے (جس نے اس کا قرض اوٹا) اس قرض کو کسی اور کے حوالہ کر دیا اور ضامن اول کو مقروض نے اجازت دے رکھی تھی کہ وہ کسی اور کو ضامن بنا سکتا ہے تب تو اسے حق ہے کہ جو ادا کرے اس کا مطالبہ مقروض سے کرے ورنہ نہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ضمانت کے متعلقہ احکام میں سے ایک بات یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ آپ فلاں شخص کی ضمانت لے لیجئے اور اس نے ایسا ہی کیا تو ضمانت یا کفالت اس پر عائد ہو جائے گی جس نے ضمانت یا کفالت قبول کی۔ کہنے والے پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

مسائل متذکرہ بالا کے علاوہ اور مسائل بھی ہیں جن کا ذکر ضمانت کی شرطوں اور اس کی تعریف کے ضمن میں آچکا ہے۔

Marfat.com

ودیعت (یا امانت) کا بیان

ودیعت کی تعریف

ودیعت (یا امانت) سے مراد از روے لغت وہ شے ہے جو مالک کے علاوہ کسی اور کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اودعتہ مالاً یعنی میں نے فلاں مال اس کے سپرد کر رکھا ہے تا کہ اس کے پاس محفوظ رہے۔ اسی طرح یہ اودعتہ مالاً اس معنے میں بھی بولا جاتا ہے کہ میں نے اس شخص کا فلاں مال اپنے پاس بطور امانت یا حفاظت رکھنا قبول کیا۔ گویا ایک ہی لفظ دو متضاد مفہوموں میں استعمال ہوتا ہے یعنی اپنی چیز کسی کے پاس امانت رکھنا یا کسی کی چیز اپنے پاس امانت رکھنا بایں لحاظ یہ لفظ ''ودیعت'' اسمائے اضداد میں سے ہے (یعنی ایسا اسم جو متضاد مفہوم رکھتا ہو) اس کا استعمال اپنا مال کسی کے پاس محفوظ رکھنا بھی ہے اور کسی کا مال اپنے پاس محفوظ رکھنا بھی۔ اس کا مصدر باب افعال سے اودع۔ الایداع ہے۔ یہ لفظ بمعنی ودیعت مصدر ''ایداع'' کا اسم ہے اور سپرد کردہ شے (مال امانت) کے لیے بولا جاتا ہے۔

اس لفظ کے شرعی معنے از روئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ودیعت کی دو تعریفیں ہیں:

ایک تعریف اس کے معنی مصدری کی رو سے ہے یعنی ''ایداع'' (سپردگی) اور اس تعریف کے لحاظ سے امانت کی چیز اس کے معنی لازمی ہیں۔

دوسری تعریف وہ شے جو امانت رکھی جائے۔

معنی مصدری کی رو سے اس کی تعریف کی دو صورتیں ہیں:

اول (صورت تعریف کی) یہ کہ اس سے مراد (کسی چیز کی) محض حفاظت کے لئے کسی کو وکیل بنا دینا۔ اس صورت میں 'ودیعت' وکیل بنانے کی ایک خاص صورت ہوئی، یعنی حفاظت مال کے لئے کسی کو وکیل بنانا۔ لہٰذا خرید و فروخت، نکاح و طلاق، اور مقدمہ بازی وغیرہ کے لئے وکیل بنانے کو 'ایداع' نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح مال کے علاوہ کوئی اور شے کسی کو سپردگی میں دینا مثلاً لڑکے یا بیوی (کی نگہداشت کے لئے) کسی کے حوالہ کرنے کو ودیعت نہیں کہا جائے گا۔

اسی طرح وہ صورت بھی اس سے نکل گئی جب کہ مال کی محض حفاظت نہیں بلکہ حفاظت کے ساتھ اور امور بھی پیش نظر ہوں۔ اس صورت میں وکیل حفاظت کے ساتھ اس میں تصرف کا بھی مجاز ہوگا۔

دوسری صورت (تعریف کی) یہ ہے کہ کسی شے مملوکہ منقولہ کا محض حق حفاظت مودع بالفتح (یعنی امانت دار) کو

Marfat.com

منتقل کرنا (ودیعت ہے)۔یعنی ایک شے جس کا کوئی مالک ہواور اسے منتقل کیا جانا درست ہو جیسے کوئی جانور یا سامان خانہ اور سونا چاندی جس کا تحفظ اس کے مالک کا کام ہے، وہ یہ کام کسی اور کے سپرد کردے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ محض اس کی حفاظت اس نے اپنی بجائے دوسرے کو منتقل کردی۔اس پر تصرف کا حق منتقل نہیں کیا۔اس تعریف کی رو سے کسی شے کے حقوق ملکیت کا منتقل کرنا مثلاً بیچنے، خریدنے، ہبہ اور صدقہ وغیرہ کرنے اور اسی طرح کے دوسرے معاملات جن میں حقوق ملکیت دوسرے کو منتقل کیے جاتے ہیں، مثلاً رہن رکھنا یا کرایہ پر دینا وغیرہ (ودیعت کے مفہوم سے) خارج ہوگئے۔

اس تعریف میں شے مملوکہ کا جو لفظ آیا ہے اس کے لانے سے بیوی اور اولاد خارج ہوگئے، کیوں کہ ان کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔اور یہ جو کہا کہ وہ شے منتقل کیے جانے کے قابل (اشیائے منقولہ میں سے) ہو اس قید سے مکان اور اراضی (جائداد غیر منقولہ) خارج ہوگئے۔لہٰذا اس کی حفاظت کا کام کسی اور کو سپرد کردینا ودیعت نہیں ہے اگرچہ بعض اصحاب اس کو بھی ودیعت کہتے ہیں اور اس کو تعریف (کے مفہوم) سے خارج کرنا درست نہیں کہتے۔ایسی صورت میں یہ قید تعریف میں شامل کرنا کہ وہ ''شے ایسی ہو جس کا منتقل کیا جانا درست ہے'' غیر ضروری ہوگا۔

اگر ودیعت کی تعریف یہ کی جائے کہ وہ مال امانت ہے تو اس سے مراد مملوکہ چیز کی محض نگہداشت (یا تحفظ) کا کام مودع بفتح دال (امانت دار) کے سپرد کردینا ہوگا اور وہ مملوکہ چیز امانت کی شے کہلائے گی۔اور محض نگہداشت کا کام دوسرے کو منتقل کرنے کی شرط سے وہ امر خارج ہوگیا جو پہلے بتایا گیا ہے (یعنی حق تصرف) نیز اس شرط کے اضافہ میں کہ ''اس شے کا منتقل کرنا صحیح ہو'' جو اختلاف ہے وہ بھی بتایا گیا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ودیعت کے معنے ایداع (سپردگی) کے ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کو اس امر کا اختیار دے دے کہ وہ اس (شے) کی حفاظت کرے۔یہ بات صراحتاً کہی گئی ہو یا دلالتاً (یعنی ہم مفہوم الفاظ یا عمل)۔صراحتاً کہنا تو یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو کہے کہ یہ مال لے کر اپنے پاس میرے لئے حفاظت سے رکھ چھوڑو۔دلالت کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کو کسی غیر موجود شخص کا مال مل گیا اور اس نے وہ مال اپنے پاس رکھ لیا تو یہ مال اس کے پاس بطور امانت کے رہے گا۔یہاں تک کہ اس نے اس مال کو دوبارہ چھوڑ دیا تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔لیکن اگر وہ مال مالک کی موجودگی میں اسے ملا اور مالک نے اسی کے پاس بطور امانت چھوڑ دیا اور اب وہ گم (یا تلف) ہوگیا تو امانت دار اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

اگر ودیعت کے معنے سپرد کردہ شے (یا امانت کی چیز) لئے جائیں تو ودیعت کا مطلب وہ شے ہے جو امانت دار کے پاس رکھی جائے تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے۔ودیعت امانت سے مختلف شے ہے۔ودیعت سے ہر ایسی شے مراد ہے جس کی ضمانت نہیں لی جاسکتی۔اس میں وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کی ضمانت نہیں ہوتی مثلاً مستعار لی ہوئی (مانگے کی) چیز یا کرایہ پر لی ہوئی شے وغیرہ۔امانت میں یہ شرط نہیں ہے کہ امانت دار اسے قبول کرے لیکن ودیعت خاص طور پر نام ہے اس شے کا جو ودیعت دار کے پاس قول وقرار کے ساتھ رکھی جائے خواہ یہ قبولیت صراحتاً ہو یا دلالتاً جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ودیعت کے معنے ''ایداع'' سپردگی کے ہیں۔یہ ایک عقد معاملہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ

ودیعت کے ارکان اوران کی شرائط

ودیعت بمعنی ایداع سپردگی کے لفظ میں چار باتیں شامل ہیں: امانت رکھی ہوئی شے، الفاظ امانت مال امانت مودع بکسر دال امانت گزار اور مودع بفتح دال امانت دار اس کو ودیع یعنی امین بھی کہتے ہیں جو مال امانت کو حفاظت سے رکھے۔ آئندہ اس کو لفظ ودیع ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔

ان ارکان چہارگانہ میں سے ہر ایک کے صحیح ہونے کی شرطیں ہیں جو از روے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

سپردگی میں دی ہوئی شے کی حفاظت کی جائے اور عقد معاملہ سے مراد ایسے الفاظ کا استعمال ہے جس کا مفہوم ہو۔ ''حفاظت کا مطالبہ'' مثلاً زید کا عمر کو یوں کہنا کہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس مال کو اپنی حفاظت میں رکھ لیجئے اور عمر کہے کہ میں نے قبول کیا۔

(لفظ ودیعت) امانت میں رکھی ہوئی شے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کا اطلاق عقد (معاملہ) پر محض ایک شرعی اصطلاح ہے لیکن مال امانت پر اس کا اطلاق شرع اور لغت دونوں اعتبار سے ہوتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ودیعت بمعنی ''ایداع'' (سپردگی) ہو تو اس کا مطلب ایک شے کی حفاظت کے لئے کسی کو بطور اس کے حسن سلوک کے وکیل بنانا ہے اور لفظ ''استیداع'' (طلب ودیعت) کے معنے ہیں یعنی اس شے کی سپردگی کو قبول کر لینا جو محفوظ رکھنے کے لئے کسی کے حوالہ کی گئی ہے۔ پس امانت سپرد کرنے والے کے لئے وہی شرائط ہیں جو وکیل بنانے والے (مؤکل) کے لئے ہیں اور امانت دار کے لئے وہی شرطیں ہیں جو وکیل بننے کے لئے ہیں۔ نیز ودیعت (کے معاملہ) میں ان تمام امور کو ملحوظ رکھنا ہوگا جو وکالت میں ہوتے ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ معاملہ ودیعت کا ایک ہی رکن ہے اور وہ (ایجاب وقبول) ہے کیوں کہ ودیعت سے مراد ایداع سپردگی میں دینا ہے اور یہ ایک عقد (با معاملہ) اور یہی رکن (ایجاب وقبول) ہے جس سے کار ودیعت کا تحقق ہوتا ہے۔ باقی دوسرے امور ودیعت کے ارکان (اجزائے لازمی) میں داخل نہیں ہیں لہٰذا وہ امور شرائط کہلائیں گے نہ کہ رکن۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ودیعت' کی چند شرطیں ہیں۔ بعض شرطوں کا تعلق عین مودعہ (مال امانت) سے ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ شے مالیت رکھتی ہو یا کارآمد ہو۔ خواہ وہ نجس شے ہو جیسے کتا، جس سے شکار یا نگہبانی کا کام لیا جاتا ہے وغیرہ۔ لیکن اگر وہ شے بکار آمد نہ ہو جیسے نمائشی کتا جو کسی کام کا نہیں ہوتا (یہ امانت کے قابل نہیں ہے)۔

بعض شرائط کا تعلق صیغہ (الفاظ معاملہ) سے ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ معاملہ لفظوں میں کیا جائے۔ خواہ وہ الفاظ صریح ہوں یا کنایہ (غیر صریح)۔ صریح الفاظ مثلاً یہ کہنا ہے کہ میں یہ مال آپ کی حفاظت میں دیتا ہوں یا یوں کہا کہ میں ''درخواست کرتا ہوں کہ میرا یہ مال اپنی حفاظت میں رکھ لیں''۔ کنایہ کی مثال یہ ہے کہ مال بہ نیت امانت پیش کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اسے سنبھال لیجئے۔ یاد رہے کہ کنایہ کی صورت میں نیت کا ہونا ضروری ہے، اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ الفاظ امانت، امانت گزار ہی کی طرف سے ہوں بلکہ یہ بھی درست ہے کہ الفاظ امانت دار کی طرف سے کہے گئے ہوں۔ لہٰذا اگر

Marfat.com

'امین' نے کہا کہ آپ اپنا مال میرے پاس امانت رکھ دیجئے اور امانت گزار نے کچھ کہے بغیر وہ مال اس کے سپرد کر دیا تو درست ہے۔ پس اس بارے میں شرط یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کی طرف سے بھی امانت کے الفاظ ادا کیے جائیں۔ پس اگر امانت گزار نے یہ کہا کہ میں یہ جانور بطور ودیعت آپ کے حوالہ کرتا ہوں اور امانت دار نے یہ نہ کہا کہ میں اس بات کو قبول کرتا ہوں لیکن اس جانور کو تحویل میں لے لیتا ہے تو معاملہ ودیعت درست ہو گیا۔ ہاں اگر یہ کہہ دیا کہ میں نہیں منظور کرتا اور اس جانور کو چھوڑ گیا اور وہ ضائع ہو گیا تو وہ اس (کے نقصان) کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

امانت سپار کے لئے یہ امر کافی نہیں ہے کہ مال امانت کو امین کے سامنے چھوڑ کر چلا جائے بلکہ ضروری ہے کہ امین اس مال کو سنبھال لے۔ پس اگر کسی شخص نے ایک کپڑا کسی کے سامنے رکھ کر کہا کہ میں یہ کپڑا آپ کے پاس بطور امانت دیتا ہوں اور امین خاموش رہا اور اسے نہیں اٹھایا تو وہ مال امانت متصور نہ ہوگا۔

اسی قاعدے کے مطابق اگر کوئی شخص حمام میں اپنے کپڑے اتار کر رکھ دیتا ہے تو اس کی ذمہ داری حمامی پر نہیں ہوتی تا آنکہ اس نے یہ نہ کہا ہو کہ میرے اس کپڑے کی حفاظت کرنا اور ساتھ ہی اسے دے دیا ہو یا اس کے لئے کوئی اجرت مقرر کی ہو۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا اور وہ کپڑا ضائع ہو گیا تو حمامی اس کی تلافی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ حمامی ہی کی طرح باڑہ یا مویشی خانہ وغیرہ بھی ہے جو جانوروں کے رکھنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ پس اگر کسی شخص نے اپنا گدھا یا گھوڑا کسی مویشی خانہ کی تحویل میں دے دیا اور مویشی خانہ والے کو اس کی اجرت دے دی اور اس کے سپرد کر دیا اس کے بعد مویشی خانہ والے کی کوتاہی سے وہ ضائع ہو گیا تو وہ اس (کے تاوان) کا ذمہ دار ہوگا۔ لیکن اگر اس نے خاطر خواہ دیکھ بھال رکھی جو بالعموم کرنا چاہیئے اور اس کی پنجری میں وہ جانور کہیں نکل گیا تو اب وہ ذمہ دار نہ ہوگا، اور اس بارے میں اس کی قسم پر اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن اس صورت میں جب کہ مویشی خانہ میں کسی جانور کو داخل کیا لیکن نہ اس کی کوئی اجرت مقرر ہوئی اور نہ مہتمم مویشی خانہ کو وہ جانور سپرد کیا اور وہ جانور ضائع ہو گیا تو یہ نقصان مالک کا ہوگا اور اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ودیعت کی چند شرائط ہیں۔ منجملہ ان شرائط کے جن کا تعلق ایجاب وقبول سے ہے، ایجاب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ یا تو قولی ہو یا فعلی (یعنی ایجاب لفظوں میں ہو یا عمل سے ایجاب کا اظہار ہو)۔ پھر قولی ایجاب یا تو صریح ہوگا یا کنایتاً ہوگا یعنی غیر صریحی۔ قول صریح کی مثال یہ ہے کہ امانت گزار کہے کہ میں نے یہ مال آپ کی امانت میں دیا۔ کنایہ وہ ہے جو صریح کے مقابلہ کا لفظ ہے (یعنی غیر صریح) بایں طور کہ اس لفظ سے ودیعت (یعنی امانت کے طور پر دینے) کے علاوہ اور بھی کوئی مفہوم نکلتا ہو۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ آپ یہ جانور مجھے دے دیجئے اور دوسرا کہے کہ میں نے یہاں لفظ ''مجھے دے دیجئے'' میں ہبہ کا مفہوم بھی ہے اور امانت میں رکھنے کا بھی اور خصوصیت کے ساتھ ہبہ کی نسبت امانت کی حیثیت کم ہی ہے۔ لہٰذا اس کے قابل یقینی معنے وہ ہوں گے جن کو ملحوظ رکھنا ممکن ہو۔

فعلی ایجاب کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص اپنا کپڑا وغیرہ کسی کے پاس رکھ دے اور منہ سے کچھ نہ کہے۔ یہ بھی امانت رکھنا ہے۔ یہ صورت حال از ہر یونیورسٹی کے طلباء میں اکثر وقوع پذیر ہوتی ہے کہ طلبہ اپنا سامان وغیرہ کسی دوسرے برادر طالب علم کے سامنے رکھ کر اپنے کسی کام (قضائے حاجت وغیرہ) کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ بطور امانت ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس (امانت دار) طالب علم نے یہ نہ کہہ دیا ہو کہ میں اسے

نہیں رکھتا کسی اور کے سپرد کردو وغیرہ ایسے الفاظ جس سے ظاہر ہو کہ وہ (امانت رکھنا) نہیں چاہتا۔

ایسی ہی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے آدمی کے ہاتھ اپنی بھیڑ چرواہے کے پاس بھیجی کہ وہ اس کے سپرد کر کے آئے۔ لیکن گلہ بان نے اسے نہ لیا اور اسی فرستادہ کے ساتھ اس بھیڑ کو واپس کر دیا، اب وہ بھیڑ (واپسی میں) ضائع ہوگئی تو کپڑے کے بارے میں جو مسئلہ بیان ہوا اس کے پیش نظر ظاہر ہے، کہ گلہ بان اس (کے ضائع ہونے) کا ذمہ دار نہ ہوگا کیوں کہ اس نے اس کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ بعض اصحاب کی رائے یہی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس صورت میں گلہ بان کو اس (کے تلف ہونے کا) ذمہ دار قرار دیا جائے گا، کیوں کہ گلہ بان کا فرض یہ تھا کہ وہ بھیڑ رکھ لیتا اور وہ واپس ہی کرتا تھا تو اسے بذات خود اس کے مالک کے سپرد کرتا۔ لیکن یہ جو اس نے ایک ایسے گماشتے کے ہاتھ جسے وہ نہیں جانتا تھا اسے واپس کیا تو یہ بلاشک اس کی جانب سے کوتاہی ہوئی، لہٰذا اس پر ذمہ داری عائد ہوگی۔ اس کو کپڑے کا سا مسئلہ نہیں کہنا چاہیئے کیوں کہ صورت سابقہ میں طالب علم نے اپنے ساتھی کے مال امانت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

امین کی جانب سے قبولیت کی بھی یہی صورت ہے کہ کبھی وہ صراحتاً ہوتی ہے جیسے (یہ کہہ دینا کہ) میں قبول کرتا ہوں اور کبھی دلالتاً ہوتی ہے (یعنی ایسا فعل جس سے ظاہر ہو کہ امانت رکھنا قبول کر لیا) جیسے کسی شخص کا امین کے سامنے سامان لا کر رکھ دینا اور (امین کا انکار نہ کرنا) جیسا کہ اوپر کپڑے کے مسئلہ میں بتایا گیا۔ یا مثلاً کسی نے حمام میں جا کر لباس کے محافظ کے سامنے اپنے کپڑے رکھ دیئے تو یہ صورت بھی ودیعت ہی کی ہے۔

اسی طرح یہ بھی ودیعت ہے کہ جانور کا مالک باڑے (مویشی خانہ) والے سے یہ پوچھے کہ میں اپنا جانور کہاں پر باندھ دوں اور باڑے کا مالک بتا دے کہ فلاں جگہ پر۔

اگر ایک شخص نے کسی کے پاس اپنا سامان لا کر رکھ دیا اور اس نے کہا کہ میں یہ امانت رکھنا قبول نہیں کرتا، لیکن مالک اپنے سامان کو چھوڑ کر چلا گیا، اس کے بعد اسی شخص نے جس نے امانت کے قبول کرنے سے انکار کیا تھا اس کو اٹھا کر اپنے گھر میں رکھ لیا تو اس کے اس فعل کو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے وہ مال بطور امانت رکھنا قبول کر لیا اور اب اس پر لازم ہوگا کہ اس کی حفاظت کرے۔ اگر ایک شخص نے اپنی کتاب کچھ لوگوں کے سامنے لا کر رکھ دی اور وہ سب لوگ کتاب کو چھوڑ کر چلے گئے اور وہ ضائع ہوگئی تو وہ سب اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ لیکن اگر ایک شخص وہاں رہ گیا اور وہ شخص بھی ان کے جانے کے بعد چلا گیا تو اب یہی ایک شخص تنہا ذمہ دار متصور ہوگا کیوں کہ اخیر میں یہی ایک شخص تھا جس پر حفاظت واجب تھی۔

اگر ایک شخص نے اپنا جانور کسی کی قیام گاہ میں داخل کر دیا اور اس نے وہ جانور نکال دیا اور ضائع ہو گیا تو مالک مکان پر اس کی ذمہ داری نہ ہوگی، کیوں کہ اس جانور کا گھر میں داخل کرنا مکان کے لئے نقصان دہ تھا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ اس شخص نے اپنا جانور وہاں داخل کیا جہاں مالک اپنے جانور باندھتا ہے۔ (اصطبل وغیرہ) اور مالک نے اس جانور کو وہاں سے نکال دیا تو اب اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی، کیوں کہ اس جگہ جانور کے داخل کرنے سے مکان کو کوئی ضرر نہ تھا۔

شرائط ودیعت میں سے ایک یہ ہے کہ امانت کا مال ایسا ہو جس کو قابو میں رکھا جا سکے، لہٰذا اگر کسی شخص نے اپنے

Marfat.com

امانت کی شرعی حیثیت اوراس کے ضمنی امور کا بیان

امانت اصولاً امر مباح ہے یعنی انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مملوکہ اشیاء کی حفاظت خود کرے یا ایسے شخص کے ذریعہ سے کرے جو اس کا تحفظ کر سکتا ہو۔ کبھی مال امانت کسی کے سپرد کرنا واجب ہوتا ہے مثلاً اس صورت میں جب کہ صاحب مال کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر اس نے اپنے پاس رکھا تو وہ مال تلف یا ضائع ہو جائے گا اور اسے کوئی ایسا امانت دار بھی مل جائے جو اس کے مال کی حفاظت کر سکے تو ایسی حالت میں واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال کو کسی کے پاس بطور امانت رکھ دے۔ ادھر امانت رکھنے والے پر بھی واجب ہو جاتا ہے کہ مال امانت کو اپنے پاس رکھنا قبول کر لے۔ بہر حال مال کا تحفظ واجب ہے اور مال کو ضائع کرنے سے باز رکھنے کے بارے میں متعدد نصوص میں صراحت آئی ہے۔ پس اگر کسی کو اپنے مال کے چوری ہو جانے یا ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ کسی امانت دار کے گھر امانت کے طور پر رکھ دے۔

اڑتے ہوئے پرندے کو کسی کی امانت میں دینا چاہا تو یہ امانت درست نہ ہوگی۔

ایک شرط یہ ہے کہ ودیع (امین) مکلّف انسان ہو (یعنی وہ شخص جو احکام شریعت کا پابند ہو) لہٰذا اگر کسی بچے کے پاس امانت رکھا اور بچے سے وہ مال امانت ضائع ہو گیا تو وہ بچہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا کیوں کہ اس مال کی حفاظت اس پر واجب نہ تھی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ بتایا جا چکا ہے کو ودیعت کی دو تعریفیں ہیں۔ ایک تعریف اس بنیاد پر ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی وکالت ہے۔ اس لحاظ سے مودع بکسر دال (امانت گزار) کے لئے وہی شرائط ہوں گی جو مؤکل کے لئے ہیں یعنی یہ کہ وہ بالغ، عاقل اور (رشید سمجھ دار) ہو۔ اور ودیع امین کے لئے وہی شرطیں ہیں جو وکیل بننے کے لئے ہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ امین کے لئے محض صاحب تمیز (باشعور) ہونا کافی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بالغ بھی ہو بعض کہتے ہیں کہ صرف اتنی بات کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ امین بالغ بھی ہو جیسا کہ وکالت کے باب میں بتایا گیا۔

دوسری تعریف اس بنیاد پر ہے کہ ودیعت وکالت کی کوئی قسم نہیں ہے، کیوں کہ ودیعت میں ایک شخص کی مملوکہ اشیاء کی محض حفاظت کا حق امانت دار کو منتقل کیا جاتا ہے۔ اس تعریف کی رو سے امانت کی شرط میں اس کا رامانت کے جائز ہونے کا لحاظ رکھا جائے گا مثلاً یہ شرط کہ امانت گزار کو امانت رکھنے کی ضرورت ہو اور امین ایسا شخص ہو جس کی بابت یہ توقع ہو کہ وہ مال امانت کو مامون و محفوظ رکھ سکے گا۔ پس امانت گزار اور امین میں یہ شرط پائی جائے تب ہی امانت رکھنا جائز ہوگا۔ لہٰذا ایک بچے کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اپنی ایسی شے جس کے ضائع یا برباد ہو جانے کا اندیشہ ہو ایسے شخص کے پاس امانت رکھ دے جس کی بابت توقع ہو کہ وہ اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔

مال امانت کی ذمہ داری کے لحاظ سے یعنی بایں لحاظ کہ اگر امین اس کی حفاظت میں کوتاہی کرے یا بے اعتدالی سے

Marfat.com

یہ معاملہ بھی وکالت کی طرح فریقین کی طرف سے جائز ہے۔اور فریقین میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ جب چاہے اس معاملہ کو ختم کر دے۔اس میں امانت دار پر لازم ہوتا ہے کہ مال امانت کی حفاظت اپنے مال کی طرح کرے۔اگر اس کے باوجود وہ مال گم یا تلف ہو جائے تو امین اس کا تاوان دار نہ ہوگا۔اگر امانت گزار اس طرح کی ذمہ داری امانت دار پر عائد کرے تو وہ شرط باطل ہوگی اور امین کی ذمہ داری محض اس صورت میں ہوگی جب کہ اس نے مال کی حفاظت میں کوتاہی کی ہو یا اس کے استعمال میں بے اعتدالی برتی ہو۔اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

کام لے تو (جبر نقصان) کا ذمہ دار ہوگا۔

لیکن یہ شرط ہے کہ امانت گزار اور امانت دار دونوں میں سے ہر ایک غیر مجور علیہ ہو (یعنی اسے نااہل معاملہ قرار نہ دیا گیا ہو)۔

متذکرہ بالا وہ شرائط ہیں جو ودیعت کی دونوں تعریفوں کی رو سے امانت گزار اور امانت دار کے لئے درکار ہیں۔

اب رہا صیغہ (یعنی الفاظ امانت) اس بارے میں مالکیہ نے یہ شرط نہیں رکھی کہ معاملہ امانت میں الفاظ استعمال کیے جائیں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنا مال دوسرے کے سامنے لا کر رکھ دیا اور (امین) خاموش رہا تو مال کی حفاظت اس پر لازم ہوگئی، کیوں کہ اس کی خاموشی ظاہر کرتی ہے کہ اس مال کو اپنے پاس بطور امانت رکھنا قبول کر لیا۔البتہ اگر اس نے اس مال کو لینے سے انکار کر دیا (تو اور بات ہے۔)

حنابلہ کہتے ہیں کہ معاملہ ودیعت میں وہ باتیں شرط ہیں جو وکالت کے معاملہ میں شرط ہیں، یعنی بالغ ہونا، سمجھ دار ہونا اور عاقل ہونا۔اور مال امانت کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ شرعی حیثیت سے کوئی معتبر شے ہو، لہٰذا شراب کو یا ایسے کتے کو جس کا مارا ہوا حلال نہیں ہے (یعنی وہ شکار کے لئے سدھایا ہوا نہیں ہے) امانت رکھنا درست نہیں ہے۔البتہ ایسے کتے کو جس کا شکار حلال ہے جیسے سدھائے ہوئے شکاری کتے ہوتے ہیں بطور امانت رکھنا درست ہے۔

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ امانت دار چند صورتوں میں مال امانت کے ضائع ہونے کا ذمہ دار ہوگا:

ایک صورت یہ ہے کہ امانت دار مال امانت کسی اجنبی شخص کو بغرض حفاظت دے دے اور اس اجنبی کے پاس وہ مال ضائع یا تلف ہو جائے تو اس حال میں پہلا امانتی اس کا ذمہ دار ہوگا۔لیکن اگر اس نے ایسا کسی مجبوری سے کیا تھا مثلاً اس کے گھر میں جہاں یہ مال امانت تھا آگ لگ گئی اور اس اندیشہ سے کہ مبادا وہ مال جل جائے اسے اپنے پڑوسی کے مکان میں منتقل کر دیا اور یہاں وہ تلف ہو گیا تو اس کا تاوان عائد نہ ہوگا، بلکہ ایسی افتاد کے پیش آجانے پر تو واجب ہوتا ہے کہ مال امانت کو منتقل کیا جائے تاکہ جلنے سے بچ رہے۔یہاں تک کہ اگر امین منتقل کرنے پر قادر ہونے کے باوجود وہ مال وہیں پر چھوڑ دے اور وہاں جل کر رہ جائے تو وہ اس (کے جبر نقصان) کا ذمہ دار ہوگا۔

اگر آگ بجھ جانے پر امانت دار نے اس مال امانت کو واپس نہ لیا اور اسے وہیں رہنے دیا اور وہاں پر تلف ہو گیا تو کہا جاتا ہے کہ امانت دار ذمہ دار ہوگا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نہ ہوگا۔

بایں خیال کہ امانت دار پر لازم ہے کہ مال امانت کو اپنے کنبہ کے ایسے اشخاص کے پاس رکھے جس کے ساتھ بالعموم وہ رہائش رکھتا ہو اگر چہ سر دست وہ اس کے پاس نہ رہتا ہو۔ یا پھر ایسے کے پاس رکھے جس کا خرچ برچ اٹھاتا ہو، لہٰذا جائز ہے کہ مال امانت اپنی اولاد یا بیوی کے پاس رکھے۔ اسی طرح جائز ہے کہ اپنے والدین کے پاس رکھے، اگر چہ ان کو اس کے عیال میں شمار نہیں کیا جاتا، کیوں کہ کسی کا اپنے ماں باپ کے پاس رہائش رکھنا درست ہے۔ اب اگر مال امانت اپنی اولاد وغیرہ کے پاس، جن کے ساتھ رہتا ہے، رکھ دیا اور اس کے پاس وہ مال ضائع ہو گیا تو امانت دار اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، کیوں کہ وہ مال ایسے شخص کے پاس رکھا گیا جس کے پاس بغرض حفاظت رکھنا درست تھا۔ تاہم اس میں یہ شرط ضرور ہے کہ اس کی اولاد وغیرہ مال امانت کی حفاظت کر سکنے کے قابل ہوں۔ اور یہ بھی چاہے کہ وہ دیانت دار مشہور ہوں۔ اور اولاد کی صورت میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ صاحب تمیز ہوں۔

اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو پہلا امانت دار ہی مال امانت (کے جبر نقصان) کا ذمہ دار گردانا جائے گا بشرطیکہ یہ دو شرطیں پائی جائیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے علاوہ جس کے پاس مال امانت رکھنے سے منع کیا گیا امانت دار کی اور بھی اولاد ہوں۔ چنانچہ اگر مثلاً کسی کے دو لڑکے ہیں اور امانت گزار نے ان میں سے کسی ایک کے پاس اپنا مال امانت رکھنے سے منع کیا اور اس ممانعت پر عمل نہ کرتے ہوئے امین نے اسی اولاد کے پاس مال امانت کو رکھا تو بصورت تلف مال کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی، بشرطیکہ یہ ممکن تھا کہ اپنے دوسرے فرزند کے پاس رکھتا۔ اگر اس کے صرف ایک ہی لڑکا ہے اور اسے ناگزیر طور پر اسی کے پاس مال امانت رکھنا پڑا تو اس پر ذمہ داری نہ ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مال جس کے پاس رکھنے سے منع کیا گیا ہے وہ ایسا مال ہو جس کے تحفظ کی وہ شخص اہلیت نہ رکھتا ہو۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کے پاس اپنا گھوڑا امانت رکھا اور اسے منع کر دیا کہ وہ اپنی بیوی کے تحفظ میں نہ دے لیکن امانت دار کے کنبہ میں بیوی کے سوا اور کوئی نہیں ہے ناچار اس نے بغرض تحفظ اسی کے سپرد کر دیا اور وہ گھوڑا ضائع (یا گم) ہو گیا تو امین اس کا ذمہ دار ہوگا کیوں کہ گو اس کے کنبہ میں بیوی کے سوا اور کوئی نہ تھا (جس کے وہ سپرد کرتا) لیکن گھوڑے کی حفاظت کا کام ایک عورت کے سپرد کرنا صحیح نہ تھا، لہٰذا اس کے تلف ہونے کی ذمہ داری بہر حال امانت دار پر عائد ہوگی۔ اس کے برخلاف ایک شخص نے جواہرات کی ایک لڑی کسی کے پاس امانت رکھی اور منع کیا کہ اسے اپنی بیوی کے پاس نہ رکھنا، اور اس کے کنبہ میں بیوی کے علاوہ اور کوئی نہیں ناچار اس نے وہ لڑی بیوی ہی کے پاس بغرض حفاظت رکھ دی جس طرح کہ وہ اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس مال (کے جبر نقصان) کی ذمہ داری اس پر نہ ہوگی، کیوں کہ لامحالہ حفاظت مال کے لئے اسے اپنی بیوی ہی کے پاس رکھنا تھا۔ اس بارے میں خادم کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ اگر گھوڑے کے مالک نے امانت دار کو خادم کے پاس رکھنے سے منع کیا تھا اور اس کے پاس خادم کے سوا کوئی اور نہ تھا جو اس کی حفاظت کرتا اور ناچار اس نے فہمائش کے خلاف کیا تو وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ لیکن اگر جواہرات کی لڑی کو خادم کے پاس رکھنے سے منع کیا گیا تھا لہٰذا خادم ہی کے پاس رکھا تو (بصورت تلف) اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی کیوں کہ جواہرات کی لڑی کا خادم کے پاس رکھنا ہی درست نہ تھا۔

Marfat.com

امانت دار کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کا مال اپنی اولاد کے سوا ایسے شخص کے پاس رکھے جو خود امین کے مال کا نگران ہو۔ مثلاً اس کا وکیل یا شریک کاروبار جس کے ساتھ شرکت مفاوضہ یا شرکت عنان ہو (یہ مالی اشتراک کے ساتھ کاروبار کی قسمیں ہیں)۔

یاد رہے کہ اگر کسی امانت دار نے کسی اور کو مال امانت کا امین بنایا تو اس امین پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ چنانچہ اگر مثلاً ایک شخص نے اپنا گھوڑا کسی کو بطور امانت سونپا اور وہ امین کسی اور شخص کی سپرداری میں دے کر واپس آ گیا، اس کے بعد وہ گھوڑا ہلاک ہو گیا تو پہلا امانت دار ہی اس کا ذمہ دار ہوگا اور دوسرے پر کوئی مطالبہ عائد نہ ہوگا۔ لیکن اگر امین وہ گھوڑا دوسرے شخص کے سپرد کر کے ہنوز واپس نہ مڑا تھا اور وہ ہلاک ہو گیا تو اس صورت میں (دونوں میں سے) کوئی بھی ذمہ دار نہ ہوگا۔ کیوں کہ وہ گھوڑا اس کے سامنے ہی ہلاک ہوا جس کا وہ امانت دار تھا۔ لہٰذا اس پر کوئی تاوان عائد نہ ہوگا۔

اگر گھوڑے کا مالک یہ دعویٰ کرے کہ اس کا گھوڑا دوسرے شخص کی تحویل میں ہلاک ہوا اور امانت دار کہے کہ اس شخص نے مجھے واپس کر دیا تھا اور یہ میرے پاس ہلاک ہوا تو اس کی یہ بات بغیر گواہ پیش کیے تسلیم نہ کی جائے گی کیوں کہ امانت کے گھوڑے کا کسی اور شخص کی سپردگی میں دینا اس کی ذمہ داری کو قبول کرنے کا اعتراف کرنا ہے۔ اور اب اس سے بری الذمہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کو تسلیم نہ کیا جائے گا تا آنکہ وہ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں شہادت نہ پیش کرے۔

منجملہ ان امور کے جن سے امانت دار پر مال امانت کا تاوان عائد ہوتا ہے یہ بھی ہے کہ وہ مال ودیعت کو اپنے یا کسی اور کے مال میں شامل کر دے اور اس کی اجازت مالک سے نہ لی ہو۔ اس کی چار صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ مال امانت کو ہم جنس (اسی جیسے مال) کے ساتھ اکھٹا رکھنے کے لئے ملا دیا جائے جیسے امانت کی گندم کو دوسری گندم میں شامل کر دیا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مال امانت کو ہم جنس شے کے ساتھ اس طرح ملا دیا جائے کہ وہ مل کر ایک ہی شے بن جائے مثلاً عرق گلاب کو عرق گلاب میں یا گھی کو گھی میں ملا دیا جائے۔ ان صورتوں میں حکم یہ ہے کہ مال امانت کے مالک کو ان دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہوگا:

پہلی بات یہ ہے کہ اس مال کی دوسرے مال کے ساتھ آمیزش کو مال امانت کا نقصان تصور کیا جائے۔ ایسی صورت میں امانت دار (جبر نقصان کا) ذمہ دار ہوگا اور اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مال امانت کو (تلف شدہ نہیں بلکہ) موجود قرار دیا جائے۔ ایسی صورت میں اس مال کی تقسیم کر کے جس قدر مال مالک کا حصہ ہے وہ وصول کرے۔ اس صورت میں گو مال امانت کا پورا پورا حق ادا نہیں ہوا لیکن اس کے معنے یہی ہیں کہ اس طرح تقسیم کرنے سے اسے گویا اپنا حق مل گیا کیوں کہ ناپ تول کی چیز کو الگ الگ کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اسے تقسیم کر لیا جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مال امانت کو مختلف جنس کی چیزوں میں اس طرح خلط ملط کر دیا جائے کہ دونوں کو جدا کرنا دشوار ہو جیسے گندم کو جو کہ ساتھ ملایا جائے کہ گندم کو جو سے علیحدہ کرنا اگرچہ ناممکن نہیں ہے لیکن اس میں بڑی دقت اور محنت

Marfat.com

درکار ہوگی۔ایسی صورت میں مال امانت کا ملانا مال کا تلف کرنا تصور کیا جائے گا اور امانت دار کو اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا اور قصوروار بھی۔اور جب تاوان دار ہوا تو اس مال امانت کا وہ مالک ہو جائے گا۔تاہم جب تک تاوان ادا نہ کر دے مال امانت کو اپنے کام میں نہیں لاسکتا۔ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار اصل مالک (امانت گزار) کے لئے نہیں ہے۔

یاد رہے کہ جب مالک امانت دار کو بری الذمہ کر دے تو پھر مال امانت یا قرض پر اس کا حق جاتا رہتا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مال امانت کو اس سے مختلف جنس کی کسی ایسی چیز میں ملا دیا جائے کہ دونوں کا جدا جدا کر لینا دشوار نہ ہو۔مثلاً اخروٹ اور بادام کو باہم خلط ملط کر دینا۔ایسی صورت میں مال امانت کو محفوظ تصور کیا جائے گا اور امانت گذار کی ملکیت برقرار رہے گی۔

اس صورت میں جب کہ امانت دار مالک مال کی اجازت سے مال امانت کو اپنے یا کسی اور کے مال میں شامل کر دے تو اب دونوں اس مال کے مشترکہ مالک قرار پائیں گے۔مشترکہ ملکیت کے مسائل بیان مشارکت کے آغاز میں بتائے جا چکے ہیں۔یہی صورت اس حال میں بھی پیدا ہو جائے گی جب کہ دونوں مال بے اختیاری میں باہم خلط ملط ہو جائیں مثلاً امانتی گندم کی ڈھیری ڈھے پڑے اور دوسری ڈھیری میں شامل ہو جائے (تب بھی دونوں کے مالک مشترکہ قرار پائیں گے)۔

منجملہ ان حالات کے جن میں امانت دار پر تاوان واجب ہوتا ہے امانت دار کا وفات پا جانا ہے، درآنحالیکہ وہ امانت جو اس کے پاس تھی اسے نہ بتایا ہو۔ایسا امانت دار جس کے پاس رکھے ہوئے مال امانت کا علم نہ ہو، وفات پا جائے تو امانت کا مال اس کے ترکہ پر قرض متصور ہوگا، لیکن اس کے لئے دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ امانت کے مال کی شناخت نہ ہو سکے اور اس کی وفات کے بعد اس کے ترکہ میں سے مال امانت نہ نکلے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ متوفی کے وارثوں میں سے بھی کسی کو (امانت کی بابت) علم نہ ہو۔

اگر امانت دار (متوفی) نے اپنے وارثوں میں سے کسی کو اس مال امانت کی بابت آگاہ کیا تھا اور موت سے پہلے کسی کے دریافت کرنے پر اس نے بتا دیا ہو کہ فلاں شخص اس مال امانت کو جانتا ہے تو اب اس پر تاوان نہ رہے گا اور وہ وارث جسے مال کی بابت علم ہے امانت دار متوفی کی بجائے ذمہ دار متصور ہوگا۔

اگر صاحب مال نے اس بات سے کہ متوفی کے فلاں وارث کو اس کی بابت علم ہے انکار کیا اور اس نے کہا کہ امانت دار نے مرتے دم تک مال امانت کا کسی سے ذکر نہیں کیا تو لازم ہے کہ وارث مال امانت کی بابت دریافت کرے۔ اگر وہ اس کی تفصیل بتا دے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔اگر وارث یہ کہے کہ امانت دار نے مال امانت کو اپنی زندگی ہی میں واپس دے دیا تھا تو بلا شہادت پیش کیے اس کو تسلیم نہ کیا جائے گا۔تاہم اگر یہ ثابت ہو جائے کہ امانت دار نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ وہ مال امانت واپس کر چکا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی۔اگر وارث کہے مال امانت امین کے پاس موجود اور معلوم تھا لیکن اس کی وفات کے بعد غائب ہو گیا اور مالک مال اس کے برخلاف یہ کہے کہ اس مال کا کسی کو علم

Marfat.com

نہ تھا تو اس کی بات مان لی جائے گی اور وارث کا بیان تسلیم نہ کیا جائے گا کیوں کہ مال امانت متوفی کا ترکہ ہو گیا اب اس بارے میں وارثوں کا قول بغیر شہادت کے نہ مانا جائے گا۔

منجملہ ان امور کے جن سے امانت دار پر مال امانت کا تاوان واجب ہوتا ہے یہ بھی ہے کہ امانت دار مال امانت میں تصرف کرے اور بے اعتدالی سے کام لے، مثلاً کوئی جانور اسے بطور امانت سپرد کیا گیا اور اس پر اس نے سواری کی جس سے وہ جانور مر گیا تو امانت دار اس کا تاوان دے گا، کیوں کہ اس کا استعمال کرنا بیجا کام تھا۔ لیکن اگر وہ جانور بغیر استعمال کیے ہی (اپنی موت) مر گیا تو اس کی ذمہ داری امانت دار پر نہ ہوگی۔

اگر (امانت دار نے) ایک بار استعمال کیا اور پھر (اس جانور) کو کام میں نہیں لایا لیکن ارادہ یہی تھا کہ اسے کام میں لائے لیکن وہ چوری ہو گیا تو اس کا تاوان دار ہوگا۔ ہاں اگر آئندہ استعمال کرنے کا ارادہ نہ تھا تو پہلی بار جو زیادتی ہوئی تھی اس کو غیر مؤثر مانا جائے گا اور (اب اگر جانور تلف ہو جائے تو) تاوان عائد نہ ہوگا۔

اسی طرح ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو کپڑا امانت کے طور پر دیا اور اس نے وہ کپڑا دن کو پہنا اور رات کو اتار دیا اور ارادہ یہ تھا کہ اگلے دن پھر اسے پہنے گا، لیکن رات کو وہ کپڑا چوری ہو گیا تو اس کا تاوان دینا ہوگا کیوں کہ اس نے پہننے کی جو زیادتی کی تھی وہ جاری متصور ہوگی۔ ہاں اگر اگلے روز پھر پہننے کا ارادہ نہ تھا اور آئندہ اس کے استعمال نہ کرنے کا پختہ ارادہ تھا تو وہ (پہلی بار کی) زیادتی ختم متصور ہوگی اور تاوان عائد نہ ہوگا۔ تاہم اگر اس کے استعمال کرنے سے کپڑے میں نقص ہو گیا ہو تو بہر حال (امانت دار) اس کے جبر نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

مندرجہ بالا مسئلہ سے یہ معلوم ہوا کہ امانت دار مال امانت کے ساتھ کوئی زیادتی کرے اور باز آ جائے تو زیادتی کے الزام سے بری ہو جائے گا، تاہم تاوان سے بریت اسی صورت میں ہوگی جب کہ ایسی شہادت موجود ہو کہ اس نے دوبارہ زیادتی نہیں کی۔

اگر ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کے لئے کوئی جانور خریدے؛ اس نے خریدا اور اس پر سواری کی، پھر سواری ترک کر دی اس کے بعد جانور مر گیا تو اس پر تاوان نہ ہوگا۔ اسی طرح کسی کو کپڑا خریدنے کے لئے وکیل بنایا گیا اور اس نے خرید کر اسے پہن لیا لیکن پھر نہیں پہنا تو تاوان دار نہ ہوگا۔

یہی حال مضارب کا ہے (یعنی وہ شخص جو کسی کے مال سے کاروبار کرے اور نفع کے ایک حصہ میں اسے شریک کرے)۔ اگر ایسا شخص اس مال کو جس کا استعمال کرنا درست ہے استعمال کیا لیکن پھر باز رہا تو تاوان دار نہ ہوگا۔ یہی حال شریک مفاوضہ اور شریک عنان کا ہے جس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔

اس حکم سے عاریتاً یا کرایہ پر کوئی شے لینے والا مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کا جانور عاریتاً سواری کے لئے لیا اور پھر یہ ارادہ کیا کہ اسے مالک کو واپس نہ کروں گا پھر اس پر نادم ہوا لیکن وہ جانور چل رہا تھا اور اسی حال میں مر گیا تو وہ اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا اور اس ندامت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ جانور کھڑا تھا اور عاریتاً لینے والے نے واپس نہ کرنے کا جو ارادہ کیا تھا وہ ترک کر دیا ہے تو وہ پھر امین متصور ہوگا۔ اسی طرح جانور کو کرایہ پر لینے والا اگر یہ ارادہ کرے کہ وہ اسے مالک کو واپس نہ کرے گا لیکن پھر یہ ارادہ ترک کر دیا تو اگر وہ جانور حالت رفتار میں ہے تو اس ترک ارادہ

Marfat.com

سے کچھ فائدہ نہیں ہے، ہاں اگر وہ کھڑا ہوا ہے تو یہ ارادہ مفید ہوگا (یعنی بصورت تلف اس کا تاوان نہ دینا پڑے گا)۔

اگر کوئی جانور مقررہ مسافت تک جانے کے لئے کرایہ پر لیا اور اس سے تجاوز کر کے اور دور گیا لیکن پھر وہیں واپس آ گیا تو وہ بری الذمہ نہ ہوگا۔

منجملہ ایسی باتوں کے جن سے امانت دار پر تاوان واجب ہوتا ہے مال امانت کے واپس کرنے سے منکر ہو جانا ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کوئی مال کسی کے پاس امانت رکھا تھا اور اس کی واپسی کا اس نے مطالبہ کیا امانت دار نے دینے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ وہ چوری ہو گیا تو امانت دار اس کا تاوان دار ہوگا اور ملزم قرار دیا جائے گا، حتیٰ کہ اگر وہ اپنے انکار سے پھر جائے اور دوسری بار (مال امانت کا) اقرار کر لے تب بھی (تاوان دینا ہوگا) لیکن اس کے ذمہ تاوان واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ اس نے مالک کے مطالبہ پر (مال امانت کے دینے سے) انکار کیا ہو۔ لیکن اگر مطالبہ سے پہلے ہی یا اس مال کی بابت مالک مال کے کچھ دریافت کرنے پر اس نے انکار کیا تو اس انکار سے وہ مال کے امین ہونے کی حیثیت سے خارج نہ سمجھا جائے گا اور (بصورت تلف) اس کا تاوان نہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ امانت کی چیز مال منقولہ ہو اور انکار کے وقت اس نے وہ مال اس جگہ سے جہاں رکھا تھا اور جگہ منتقل کر دیا ہو۔ اگر اس وقت تک اس نے منتقل نہیں کیا تھا اور مال امانت ضائع ہو گیا تو امانت دار ذمہ دار نہ ہوگا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر امانت کی چیز مال منقولہ میں سے تھی اور مطالبہ کے بعد اس نے دینے سے انکار کیا تو (بصورت تلف) اس کا تاوان دار ہوگا اگرچہ اس وقت اس مال کو وہاں سے منتقل نہ کیا ہو کیوں کہ مالک مال کے مطالبہ پر معاملہ امانت منسوخ ہو گیا اور اب امانت دار پر اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی نہ رہی اور اب وہ مال دوسرے کے قبضہ میں مالک کی اجازت کے بغیر ہے (تو بصورت تلف) اس پر تاوان عائد ہوگا۔ یہ ایک معقول وجہ ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ امانت دار نے اس مال کے دینے سے انکار کے بعد پھر مالک کے حوالہ نہ کر دیا ہو۔ اگر یہ صورت ہوئی کہ امانت دار اس مال کو مالک کے پاس لایا اور اس کے سپرد کر کے اس کا قبضہ مالک کو دے دیا اور مالک مال نے پھر اسے دوبارہ اسی کو واپسی کر دیا اور اب تلف ہوا تو وہ تاوان دار نہ ہوگا کیوں کہ اب یہ (وہی امانت نہیں بلکہ) نئی امانت ہے۔

منجملہ ان امور کے جن سے امانت دار پر تاوان واجب ہوتا ہے مال امانت کو لے کر سفر کرنا ہے۔ سفر میں لیجانے کی وجہ سے بصورت تلف تاوان واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ مالک (امانت گزارنے) اس مال کو لے کر سفر کرنے سے منع کیا ہو۔ اگر سفر سے منع کیا تھا اور اس کے برخلاف اس نے دریائی سفر اختیار کیا اور کشتی ڈوب گئی تو امانت دار پر تاوان کے عائد کیے جانے میں کوئی جھگڑا نہیں؛ ہاں اگر خشکی کا سفر کیا اور وہ سفر ضروری تھا اور وہ اپنے ساتھ اپنے کنبہ کو بھی لے کر گیا اور مال امانت تلف ہو گیا تب تو ذمہ دار نہ ہوگا۔ لیکن اگر امانت دار نے تنہا سفر کیا تو ذمہ دار ہوگا۔ لیکن دراں حالیکہ مالک مال نے امین کو سفر سے منع نہیں کیا اور امین مال امانت کو لے کر ایسے خطرناک سفر پر گیا جس میں مال امانت کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا تو بصورت تلف وہ ادائے تاوان کا ذمہ دار ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ امانت دار حسب ذیل صورتوں میں مال امانت کا تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا:

ایک صورت یہ ہے کہ اس کے ہاتھ سے امانت کی چیز پر کوئی بھاری شے گر پڑے اور اس کو توڑ پھوڑ دے یا ناکارہ کردے۔ اگرچہ یہ شے غلطی سے بلا ارادہ گری ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کے پاس مثلاً شیشہ کا برتن امانت رکھا اور اس کے اوپر لوہے کی کوئی چیز جس سے امانت دار کوئی شغل کر رہا تھا گر پڑا اور وہ شیشہ کا برتن ٹوٹ گیا تو اس کا تاوان دینا ہو گا، اگرچہ قصداً اس نے لوہے کو نہیں پھینکا۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ کسی نے اپنا مال جو اس کے پاس رکھا ہے وہ امانت (بغرض سلامتی) رکھا ہے جس کی حفاظت اس پر واجب تھی اور اس بارے میں اسے محتاط رہنا چاہیئے تھا لہٰذا قصداً اس نے ایسا کیا ہو یا بے احتیاطی سے ہو گیا ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس سامان کو بلا ضرورت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں وہ ٹوٹ گیا یا ضائع ہو گیا۔ ایسی حالت میں بھی امانت (دار جبر نقصان کا) ذمہ دار ہوگا۔ ہاں اگر ایسی کوئی ضرورت آن پڑی ہو کہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا پڑا اور اس میں وہ سامان ٹوٹ پھوٹ گیا تو تاوان عائد نہ ہوگا بشرطیکہ احتیاط کرنے میں کوتاہی نہ کی گئی ہو یعنی وہ سامان اسی طرح منتقل کیا گیا ہو جس طرح اس جیسی اشیاء کے منتقل کرنے کا عام طریقہ ہے۔ یعنی اگر وہ چیز اونٹ پر لاد کر لیجانے کی ہے اور امین گدھے پر لے گیا، یا وہ چیز مزدوروں کے کندھے پر لیجائی جا سکتی ہے، مثلاً آئینہ اور اسے اونٹ پر لاد دیا اور وہ ٹوٹ گیا تو اس کا تاوان دینا ہوگا کیوں کہ اس کی حفاظت میں بے احتیاطی کی گئی۔

موجبات تاوان میں سے ایک امر مال امانت کو دوسرے کے مال کے ساتھ شامل کر دینا ہے۔ اس صورت میں تاوان ان شرطوں پر عائد ہوگا:

پہلی شرط یہ ہے کہ (دوسرے مال میں شامل ہونے کے بعد) دونوں میں امتیاز کرنا ممکن نہ رہے یا دشوار ہو، مثلاً (امانت کے) گھی میں تیل یا روغن زیتون ملا دیا جائے تو تیل کا گھی سے جدا کرنا ممکن نہ ہوگا اور روغن زیتون سے جو جمتا نہیں ہے اس گھی کو علیحدہ کرنا دشوار ہے۔ کیوں کہ گھی کو جم جانے کے بعد تیل میں سے علیحدہ کر لینا ممکن ہے لیکن جب اس میں خلط ملط ہو جائے تو ممکن نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ امر بھی دشوار ہے کہ گندم کو لوہے کے ساتھ ملا کر پھر گندم کو علیحدہ نکال لیا جائے؛ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے لیکن مشکل ہے۔

مال امانت کو اس طرح گڈمڈ کرنے سے تاوان واجب ہو جاتا ہے؛ اگرچہ مال امانت ضائع نہیں ہوتا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب تک مال امانت ضائع نہ ہو جائے تاوان واجب نہیں ہوتا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مال امانت جنس اور صفت میں اس مال کی مانند نہ ہو جس کے ساتھ ملایا گیا۔ لیکن اگر وہ مال جنس اور صفت میں مال امانت ہی جیسا ہو مثلاً پاکستانی یا صعیدی (یعنی بعلی) گندم کو اسی جیسی گندم میں ملا دیا تو امانت دار پر تاوان لازم نہ ہوگا، بشرطیکہ ان دونوں کے باہم اکھٹا کر دینے میں حفاظت یا مصلحت ہو۔ ہاں بغیر کسی وجہ کے اگر باہم ملایا اور پھر وہ تلف یا ضائع ہو جائے تو تاوان واجب ہوگا کیوں کہ ممکن ہے کہ اگر اس کو ملایا نہ جاتا (بلکہ دونوں مال علیحدہ علیحدہ ہوتے) تو شاید بچ رہتا۔

اگر ملاوٹ کے بعد گندم کا کچھ حصہ تلف ہو گیا تو اس ملی جلی شے کو حصہ کے مطابق تقسیم کر لیا جائے گا۔ چنانچہ اگر مثلاً

Marfat.com

مال امانت آٹھ بوری تھا اور جس گندم کے ساتھ اسے ملایا وہ بھی اتنی ہی تھی تو ملی جلی گندم اس حصہ کے مطابق نصفا نصف تقسیم کر لی جائے گی۔ اور اگر مال امانت تین بوری تھا اور دوسری گندم چھ بوری تو اس گندم کو تہائیوں میں تقسیم کیا جائے گا (یعنی ایک تہائی امانت گزار کو اور دو تہائی امانت دار کو)۔

موجبات تاوان میں سے ایک امر یہ ہے کہ امانت دار مال امانت کو استعمال میں لائے۔ مثلاً ایک شخص نے کوئی جانور کسی کے پاس امانت رکھا اور امانت دار نے مالک کی اجازت کے بغیر اسے سواری یا بار برداری کے لئے استعمال کیا اور وہ تلف ہو گیا تو امانت دار اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا اور ملزم گردانا جائے گا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی کہ جانور کے اعضا ناکارہ ہو جائیں، مثلاً یہ کہ ایک شخص اس پر سوار ہو کر اتنے لمبے فاصلہ کو طے کرے جس کے طے کرنے میں بالعموم جانور رہ جاتے (ہلاک ہو جاتے) ہیں تو اس کا تاوان دینا ہوگا، خواہ اس جانور کا ہلکان ہو جانا اس کو استعمال کرنے کی وجہ سے ہو یا کسی آسمانی سبب سے۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ یہ معلوم نہ ہو کہ اتنی دور کا فاصلہ طے کرنے میں اکثر جانور رہ جاتے ہیں یا نہیں رہ جاتے یا دونوں باتوں کا احتمال ہو۔ البتہ اگر اتنا فاصلہ طے کیا جس میں بالعموم جانور ہلکان نہیں ہوتے (اور پھر بھی وہ جانور ہلکان ہو گیا) تو تاوان عائد نہ ہوگا خواہ اس جانور کا ہلکان ہونا کسی آسمانی سبب سے ہوا ہو یا اس سے کام لینے کے باعث ہوا ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کام لینے کے باعث جانور ہلکان ہو جائے تو اس کا تاوان دینا ہوگا اگرچہ وہ فاصلہ اتنا ہو کہ اس کے طے کرنے سے اکثر صورتوں میں جانور کا نقصان نہیں ہوتا۔

اگر امانت دار اس مال کو اپنے کام میں لانے کے بعد صحیح سالم وہاں پر واپس لے آئے جہاں اس کے سپرد کیا گیا تھا اور اس کے بعد وہ وہاں پر ہلاک ہو جائے تو امانت دار پر کوئی تاوان نہ ہوگا۔ تاہم مالک کو حق ہے کہ اس کام کی اجرت کا مطالبہ کرے بشرطیکہ وہ کام ایسا ہو جس کی اجرت ہوا کرتی ہے۔

اگر اس امر پر نزاع پیدا ہو کہ امانت گزار کہے کہ اس جانور سے کام لیا گیا اس لئے ناکارہ ہو گیا اور امانت دار کہے کہ ایسا نہیں ہے تو امانت گزار کی بات مان لی جائے گی' کیوں کہ ایسی صورت میں اسی کا کہنا قابل تسلیم ہوگا۔

واجبات تاوان میں ایک امر یہ ہے کہ امانت دار مال امانت کو لے کر سفر کرے اور بدوران سفر وہ مال ضائع ہو جائے تو اسی کا تاوان ہوگا بشرطیکہ یہ دو باتیں پائی جائیں:

ایک بات یہ کہ امانت دار مال امانت کو (جانے سے پہلے) اس کے مالک کے سپرد کر سکتا ہو یا کوئی اور امانت دار دستیاب ہو جس کے پاس وہ مال امانت کو رکھ سکتا۔ اگر مالک مال کو واپس کرنے سے کسی وجہ سے معذوری ہو مثلاً مالک مال موجود نہ ہو اور کوئی دوسرا امانت دار نہ ملتا ہو کہ سفر پر جانے سے پہلے وہ مال اس کے پاس رکھ سکے (ناچار سفر میں ساتھ لے جانا پڑا) تو ایسی صورت میں (بصورت تلف) اس پر تاوان نہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ مال امانت کو اس کی اپنی جگہ پر واپس نہ لا سکا ہو۔ اگر سفر سے اس مال کو واپس لے آیا اور آنے کے بعد تلف ہوا تو اس کا تاوان دار نہ ہوگا' کیوں کہ تاوان جب واجب ہوتا ہے کہ اس شرط کی مخالفت کے باعث مال امانت تلف ہو' محض سفر کرنے سے تاوان واجب نہیں ہوتا جیسا کہ اوپر مال امانت سے فائدہ اٹھانے کے بیان میں بتایا گیا۔ پس اگر امانت دار نے بتایا کہ وہ اس مال کو لے کر سفر میں گیا تھا پھر واپس آ گیا اور وہ صحیح سالم رہا لیکن واپس آنے کے

Marfat.com

بعد وہ ضائع ہوا تو اس کی یہ بات تسلیم کی جائے گی اور اس کے لئے شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔

تاوان اس صورت میں بھی واجب ہوتا ہے کہ امانت دار مال امانت کو اسی جگہ جہاں وہ سپرد کیا گیا تھا یا کسی اور جگہ بھول جائے اور وہاں سے وہ ضائع ہو جائے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کو مال بطور امانت سپرد کیا اور وہ مال اس نے کسی گڑھے میں رکھ دیا' پھر وہ جگہ یاد نہ رہی جہاں اسے گاڑا تھا اور اتنے عرصہ تک پتہ نہ چلا کہ وہ تلف ہو گیا تو اس کا تاوان دینا ہوگا۔ اگر مال امانت کو اس جگہ کے علاوہ جہاں پہلے رکھا تھا کسی اور جگہ رکھ کر بھول گیا' مثلاً ایک شخص نے کسی کو کچھ رقم دی کہ اس کے لئے فلاں سامان کسی دوسرے شہر سے خرید لائے۔ امانت دار نے وہ رقم اپنے جانور پر کسی تھیلے میں رکھ دی اور کسی ضرورت سے نیچے اتر آیا اور مال کے گم ہونے کے اندیشے سے اسے اپنے ساتھ لیتا آیا اور اپنا کام کرنے کے بعد کھڑا ہو گیا اور وہ مال وہیں بھول آیا' پھر یاد آیا اور اب یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ مال (سواری سے اتر کر) کہاں رکھا تھا' ایسی صورت میں (مال امانت کا) تاوان دار ہوگا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ تاوان نہ ہوگا۔

اسی طرح (اگر ایک شخص) مال امانت کو لئے ہوئے حمام میں گیا اور وہاں وہ مال ضائع ہو گیا تو وہ تاوان دار ہوگا بشرطیکہ یہ دو باتیں ہوں: ایک یہ کہ اسے کوئی دیانت دار دستیاب نہ ہوا ہو کہ حمام میں جانے سے پہلے وہ مال امانت اس کے پاس رکھ دیتا۔ دوسرے یہ کہ مالک مال بوقت سپردگی مال یہ جانتا ہو کہ امانت دار حمام یا حوض غسل میں جانے والا ہے۔ اگر اسے یہ علم تھا تو امانت دار پر ذمہ داری نہ ہوگی سوا اس صورت کے جب کہ یہ قاعدہ ہو کہ جب تک کوئی شخص پہلے اپنا مال اسباب جو اس کے پاس ہے کسی تحویل دار کے سپرد نہ کر دے حمام وغیرہ میں نہ جائے گا۔ اگر ایسا دستور ہے اور (امانت دار نے اس کی خلاف ورزی کی) تو جبر نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اس بارے میں بازار کے اندر جانے کا معاملہ بھی حمام یا حوض وغیرہ میں جانے کے برابر ہے۔

تاوان واجب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امانت دار' مال امانت کو' مالک مال کی اجازت کے بغیر کسی اور امین کے پاس رکھ دے۔ اگر ایسا کیا اور مال تلف یا ناکارہ ہو گیا تو تاوان دینا ہوگا درآنحالیکہ یہ دو شرطیں پائی جائیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مال ایسے شخص کے پاس رکھا جائے جس کو وہ نہ جانتا ہو۔ اگر وہ اپنی بیوی یا لونڈی یا ایسے شخص کے پاس رکھا جسے اس نے اس کام کے لئے ملازم رکھا ہو' یا اپنے بیٹے کے پاس رکھا تو (بصورت تلف) تاوان عائد نہ ہوگا جب کہ وہ ان ہی لوگوں کے پاس رکھنے کا دستور ہو' بایں جہت کہ امانت دار عرصہ دراز سے ان کے ساتھ رہتا ہے اور ان پر بھروسا ہے۔ لیکن اگر بیوی نئی ہو یا لونڈی' ملازم بھی نئے ہوں اور ان کی دیانت داری کا حال معلوم نہ ہو اور (ان کے پاس رکھنے سے) مال امانت ان کے پاس ضائع ہو گیا' تو وہ بھی ایسا ہی ہے جیسے کسی اجنبی کو مال امانت سپرد کر دینا۔

اگر مال امانت کسی اجنبی کی تحویل میں دیا اور صحیح سلامت اس سے واپس آ گیا اور پھر امین کے پاس ضائع ہوا تو تاوان دار نہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مال امانت کو بغیر کسی سبب کے ایک اجنبی کے سپرد کیا گیا ہو۔ اگر اجنبی کی تحویل میں دینے کا کوئی عذر تھا تو (بصورت تلف) اس پر تاوان نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر مال امانت گھر میں تھا اور اس کی کوئی دیوار گر گئی جس سے چوری کا اندیشہ لاحق ہو گیا اور یہ بھی ممکن نہ ہوا کہ مال امانت اس کے مالک کو واپس کیا جا سکتا مثلاً وہ شخص وہاں موجود نہ ہو یا

Marfat.com

جیل میں ہونا چار وہ مال اس نے کسی اور امانت دار کے پاس رکھ دیا تو بصورت ضیاع وتلف اس پر تاوان عائد نہ ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ اس گھر میں آگ لگ جائے جہاں وہ مال امانت رکھا ہے یا امانت دار کو کسی طرف کا سفر در پیش آجائے اور یہ ممکن نہ ہو کہ وہ مال اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے اور نا چار کسی اجنبی ہی کے پاس رکھنا پڑے تو امانت دار (اس کے جبر نقصان کا) ذمہ دار نہ ہوگا۔ لیکن اس معذوری کا ثبوت مہیا کرنا لازم ہوگا۔ اگر امانت دار نے یہ بتایا کہ اس نے وہ مال گھر کے گر جانے یا سفر در پیش آجانے کی وجہ سے دوسری جگہ رکھ دیا تھا اور اس کی تصدیق میں وہ کوئی ثبوت (یا گواہ) نہ پیش کر سکا تو اس کا یہ بیان تسلیم نہ کیا جائے گا اس لئے ضروری ہے کہ ایسی شہادت موجود ہو جس سے اس کی یہ معذوری یا یہ ثبوت کو پہنچ جائے۔ اس کا گواہوں سے یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ آپ یہ گواہی دے دیجئے کہ میں نے وہ مال فلاں شخص کے پاس اس لئے امانت رکھا تھا کہ گھر کی دیوار گر گئی تھی تاوقتیکہ گواہ نے اس دیوار کا گرنا نہ دیکھا ہو۔ واضح ہو کہ (دوسری جگہ مال امانت منتقل کرنے کی) معذوری جاتی رہے تو امانت دار پر لازم ہے کہ وہ مال واپس لے لے۔ اگر واپس نہ لیا اور مال ضائع ہو گیا تو اس پر تاوان ہوگا۔ لیکن اگر وہ معذوری سفر کی تھی تو مال امانت کا واپس لینا ضروری نہیں ہے، بجز اس صورت کے جب کہ روانگی کے وقت ہی سے یہ ارادہ رہا ہو کہ اسی جگہ پھر واپس آنا ہے۔ اگر وہاں سے ترک اقامت کر کے کسی دوسرے شہر میں رہائش کی نیت سے کہ پھر وہاں سے واپس آنا نہیں ہے جانا ہوا یا کوئی ارادہ نہ رہا لیکن کچھ عرصہ کے بعد واپس آ گیا تو اب اس مال کی واپسی ضروری نہیں ہے۔ تاہم مستحب یہی ہے کہ مال امانت پھر اپنے پاس لے لے۔ نیز دوسرے امانت دار پر بھی یہ واجب نہیں ہے کہ وہ پہلی صورت کے علاوہ یعنی جب کہ امانت دار واپسی کا ارادہ کر کے گیا ہو مال امانت واپس کر دے۔ بصورت دیگر واجب ہے کہ مال امانت (سابقہ امین کو) واپس کر دیا جائے۔

اگر واپسی از سفر کی نیت کے بارے میں یہ نزاع پیدا ہو یعنی امین سابق کہے کہ میں واپسی کے ارادہ سے سفر میں گیا تھا اور امین ثانی کہے کہ اس نے واپس نہ آنے کا ارادہ کیا تھا تو اس صورت میں اس سفر کی نوعیت پر غور کیا جائے گا۔ اگر اس جگہ کا سفر بیشتر واپسی کے ارادہ سے کیا جاتا ہے تو امین اول کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اگر وہ سفر بیشتر واپس نہ آنے کی نیت سے ہوتا ہے یا اس سفر میں دونوں باتوں کا یکساں احتمال ہو تو امین ثانی کے حق میں فیصلہ ہوگا اور مال کا تاوان امین ثانی پر عائد ہوگا۔ امین اول بری الذمہ متصور ہوگا۔

موجبات تاوان میں سے یہ بھی ہے کہ امانت دار مال امانت کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر واپس بھیجے اور واپس لے جانے والے سے وہ مال ضائع یا تلف ہو جائے تو اس کا تاوان دار ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ امانت دار خود مال امانت کو لے کر مالک کے پاس جا رہا ہو اور راستے میں وہ مال ہلاک یا تلف ہو جائے تب بھی امانت دار ذمہ دار ہوگا۔

واضح ہو کہ اس بارے میں امور مالیہ کا وصی (جسے کسی مالی معاملہ کی وصیت کی گئی ہو) بھی امانت دار کی طرح ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کو اپنے مال کے بارے میں کچھ وصیت کی اور مالک مال وفات پا گیا اور وصی نے وارثوں کی اجازت کے بغیر وہ مال ان کے پاس بھیجا یا خود ہی وہ مال لے کر ان کی طرف روانہ ہوا اور (راستے میں) وہ مال ضائع یا تلف ہو گیا تو بقول راجح وصی اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا، بعض اصحاب کہتے ہیں کہ نہ ہوگا، بعض کہتے ہیں کہ اگر خطرے

کے وقت وہ مال لے کر سفر کیا تو تاوان واجب ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔

موجبات تاوان میں سے ایک امر یہ ہے کہ مال امانت مویشی وغیرہ ہو اور امانت دار نے مالک کی اجازت کے بغیر بچہ مویشی کی خاطر اس پر سانڈ یا نر جانور چھوڑ دیا جس سے وہ مر گیا یا مادین گیا بھن ہوگئی اور بچہ کی پیدائش میں مر گئی تو امانت دار اس کا تاوان دار ہوگا۔ ہاں اگر مالک نے اس کی اجازت دے دی تھی تو تاوان عائد نہ ہوگا۔ لیکن چرواہا جو گائے وغیرہ چراتا ہے اس نے مادین گائے وغیرہ پر جسے وہ چراتا ہے سانڈ چھوڑا تا کہ اس سے بچہ پیدا ہو۔ لیکن وہ مادین مر گئی تو چرواہا اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ درآنحالیکہ یہ معلوم ہے کہ چرواہے ایسا کیا ہی کرتے ہیں تا کہ مادین جانور کے گیا بھن ہونے کی مدت ختم نہ ہو جائے اور اس سے جو فائدہ حاصل ہونا ہے وہ ضائع نہ ہو جائے۔ اس حالت میں یہ تصور کیا جائے گا کہ چرواہے کو ایسا کرنے کی اجازت تسلیم کر لی گئی ہے۔ لیکن اگر عام دستور اس کے برعکس ہے یا مالک نے یہ شرط لگا دی تھی کہ چرواہا ایسا نہ کرے گا (اور اس نے اس شرط کے خلاف کیا) تو ظاہر ہے کہ وہ تاوان دار ہوگا۔

موجبات تاوان میں سے ایک امر یہ ہے کہ امانت دار سرے سے مال امانت ہی کا انکار کر دے اور مالک سے کہے کہ آپ نے میرے پاس کوئی چیز امانت نہیں رکھی تھی تو اس مسئلہ کی چار صورتیں ہوں گی:

پہلی صورت یہ ہے کہ امانت دار اپنے انکار پر جما رہے اور مالک مال کوئی گواہ ثبوت نہ پیش کر سکے۔ ایسی صورت میں امانت دار پر کچھ عائد نہ ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ امانت دار نے پہلے انکار کیا ہو، پھر اقرار کر لیا ہو لیکن یہ کہا کہ وہ مال ضائع ہو گیا اور اس کی شہادت پیش نہ کر سکا تو اس صورت میں وہ تاوان دار ہوگا۔ اور اقرار کچھ سود مند نہ ہوگا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ امانت رکھے جانے ہی سے انکار کیا اور پھر اقرار کیا لیکن یہ بتایا کہ میں نے وہ مال امانت مالک کو واپس کر دیا تھا اور اس کی شہادت بھی پیش کر دی۔ ایسی صورت میں اختلاف رائے ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ امانت دار کی پیش کردہ شہادت قبول نہ کی جائے گی کیوں کہ اس نے خود اپنے بیان کو جھٹلایا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ قبول کر لی جائے گی۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ امانت دار مال امانت کے رکھے جانے سے انکار کرے اور مال کا مالک اس کے رکھے جانے کا گواہ پیش کرے۔ اس کے بعد امانت دار کہے کہ میں نے وہ مال واپس کر دیا تھا اور وہ بھی واپس کرنے کی شہادت پیش کر دے۔ ایسی صورت میں وہی فیصلہ کیا جائے گا جو تیسری صورت میں کیا گیا یعنی اس بارے میں اس قول کو ترجیح دی جائے گی کہ امانت دار کی پیش کردہ شہادت دونوں حالتوں میں نہ مانی جائے، کیوں کہ وہ ایک بار انکار کر چکا تھا۔

موجبات تاوان میں سے امانت دار کا وفات پا جانا ہے، درآنحالیکہ متوفی نے امانت کے بارے میں کچھ نہ بتایا ہو اور نہ اس کے ترکہ میں سے مال امانت برآمد ہوا ہو۔ ایسی صورت میں مالک مال (امانت گزار) کو حق ہے کہ اسی جیسا مال یا اس مال کی قیمت متوفی کے ترکہ سے وصول کر لے۔ اگر اس ترکہ پر قرضہ ہو تو اسے حق ہوگا کہ اپنے مال امانت کے حصے کے مطابق دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ مال امانت کا رکھا جانا امین کی وفات سے پہلے ہی اس کے اقرار سے ثابت ہو۔ ایسی

Marfat.com

صورت میں صاحب مال کو امانت دار کی وفات کے اتنے عرصہ بعد جس کو طویل مدت دس سال گزر گئی ہو مطالبہ کا حق نہ رہے گا۔ دس سال گزرنے کے بعد مطالبہ کا حق اس لئے نہ رہے گا کہ بہت ممکن ہے کہ اس نے امین کی وفات سے پہلے اپنا مال امانت وصول کر لیا ہو ورنہ اتنے عرصہ کیوں خاموش رہا؟

دوسری صوت یہ ہے کہ امانت کے رکھے جانے کے ثبوت میں ایسی شہادت موجود ہو جس میں اس امر کی توثیق کی گئی ہو کہ امانت رکھنے کے وقت امانت گزار مال امانت لے کر امین کے پاس آیا تھا تا کہ وہ اس کو بہ حفاظت رکھے۔ ایسی صورت میں مال امانت کی موجودگی تسلیم کی جائے گی، خواہ کتنی ہی مدت گزر گئی ہو۔ یہ فیصلہ اس صورت میں ہے جب کہ امانت دار نے اپنی وفات سے پہلے نہ مال امانت کا ذکر کیا ہو اور نہ اس کے ترکہ میں سے وہ مال نکلا ہو۔ لیکن اگر متوفی نے اس مال کو بتا دیا ہو اور اس کی نشان دہی کر دی تھی کہ فلاں جگہ جو مال رکھا ہے وہ فلاں شخص کی امانت ہے تو متوفی (حق امانت داری) سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اب اگر وہ مال اس جگہ پر جس کی نشان دہی کی گئی تھی مل جائے تو مالک اسے لے لے گا۔ اگر وہاں سے نہ ملے تو مالک کا مال ضائع شدہ متصور ہوگا اور اسے کسی مطالبہ کا حق نہ ہوگا، کیوں کہ امانت دار مال امانت کا محافظ ہوتا ہے اور جو کچھ وہ کہے اس کی تصدیق کی جائے گی۔ پس اگر اس نے بتایا کہ وہ مال فلاں جگہ پر ہے تو اس کا یہ کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں اسے تلف نہیں کیا اور نہ اسے اپنے صرف میں لایا اور یہ اسی جگہ سے چوری ہو گیا لہٰذا اس کی ذمہ داری اس پر نہ رہی۔ اگر اس نے یہ بات نہیں بتائی تھی تو یہ خیال کیا جائے گا کہ اس نے وہ مال بطور قرض لے لیا اور اپنے صرف میں لایا لہٰذا تاوان واجب ہوا۔

اگر ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ میرا مال امانت فلاں متوفی کے پاس تھا اور اس کا امانت رکھنا شہادت سے یا متوفی کے (قبل از وفات) اقرار سے ثابت نہیں ہے لیکن اس مال امانت پر خود متوفی کی قلم سے یہ تحریر لکھی ہوئی ہے کہ یہ مال فلاں شخص کا ہے تو صاحب مال کو اس کے لینے کا حق ہے بشرطیکہ دلائل سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ تحریر فی الواقع متوفی کی ہے۔

موجبات تاوان میں سے ایک امر یہ ہے کہ امانت گزار کسی ایسے ظالم سے بچنا چاہتا ہو جو اس کے مال کی قرقی کرانا چاہتا ہو اور عین اس ظالمانہ قرقی کے وقت اس کا مال امانت لے کر اس کے پاس پہنچ جائے اور وہ ظالم اس مال پر قابض ہو جائے تو اس حال میں امانت دار اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا، کیوں کہ (بحیثیت امین) اسے لازم تھا کہ اس مال کو ظالم سے چھپا لیتا اور اس کی حفاظت کرتا۔ لیکن اگر امانت دار کو یہ اندیشہ تھا کہ اس مال کا پتہ ظالم کو چل جائے گا اور اس کی قرقی کرا لے گا تو ایسی حالت میں کہا جاتا ہے کہ وہ مال مالک کے پاس پہنچا دینا جائز ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔

منجملہ ایسے امور کے جس سے مال کا تاوان ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے کسی فرستادہ کے ہاتھ مال امانت کو مالک کے پاس بھیجنا اور اس کا راہ میں تلف ہو جانا ہے۔ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ فرستادہ تحفظ مال کا ضامن بن گیا ہو خواہ یہ فرستادہ امانت گزار کی طرف سے (مال لینے کو) آیا ہو یا امانت دار نے اپنی طرف سے بھیجا ہو۔ اس فرستادہ پر صرف کا ایک صورت میں تاوان عائد ہوگا، اور وہ صورت یہ ہے کہ اس مال امانت کو اٹھا لیا ہو اور اسے لے کر روانہ ہوا لیکن امانت گزار کی بستی تک پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا گیا اور اس

Marfat.com

کے ترکہ میں وہ مال نہیں نکلا ایسی صورت میں اس فرستادہ کے ترکہ میں سے مال امانت وصول کرلیا جائے گا۔ پھر اگر وہ فرستادہ مالک مال کی طرف سے آیا تھا تو مال اس کے سپرد کرنے کے بعد امانت دار اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ ہاں اگر امانت دار نے اپنی طرف سے بھیجا تھا تو ذمہ دار ہوگا اور اس پر لازم ہوگا کہ مالک مال کو تاوان دے اور اپنا مال فرستادہ کے ترکہ سے وصول کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ امانت دار نے وہ مال اپنی ذمہ داری پر بھیجا ہو کہ امانت دار نے اپنے ایک فرستادہ کے ہاتھ وہ مال امانت مالک کے پاس بھیجا اور لے جانے والا امانت گزار کے شہر میں پہنچنے کے ساتھ ہی وفات پا گیا اور مال امانت اس کے پاس سے برآمد نہ ہوا اور مالک مال نے بتایا کہ اس کا مال امانت اس کے پاس نہیں پہنچا تو اس امانت دار پر اس کا تاوان عائد ہوگا، کیوں کہ مال امانت جب تک مالک یا مالک کے فرستادہ کے پاس بموجب شہادت یا اقرار کے نہ پہنچ جائے وہ بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ مال مالک کے پاس پہنچ کر ضائع ہو جائے تو فرستادہ اور امانت دار دونوں بری الذمہ ہو جائیں گے درآنحالیکہ امانت دار نے اس مال کو امانت دار کے فرستادہ کے ہاتھ بھیجا ہو اور وہ اسے لے کر اس بستی میں آ گیا ہو جہاں مالک مال رہتا ہے اور وہاں پہنچ کر وہ مال ضائع ہوا تو یہ مالک مال کا نقصان قرار دیا جائے گا کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ اس فرستادہ نے جسے مالک مال نے اپنا مال امانت لانے کے لئے بھیجا تھا، مرنے سے پہلے وہ مال لا کر اسے دے دیا ہو اور کسی کو گواہ نہ بنایا ہو۔ اگر فرستادہ اور مالک مال کے درمیان یہ نزاع پیدا ہو جائے کہ فرستادہ کہے کہ اس نے مال لا کر دے دیا ہے اور جس کے پاس وہ مال بھیجا گیا وہ کہے ہرگز نہیں دیا اور فرستادہ کوئی ثبوت نہ دے سکے تو امانت دار ذمہ دار ہوگا۔ ہاں اگر امانت دار نے مال امانت اس فرستادہ کو گواہ کے سامنے دیا ہے تو امانت دار بری الذمہ ہو جائے گا اور تاوان فرستادہ پر عائد ہوگا، درآنحالیکہ وہ واپسی کا ثبوت مہیا نہ کر سکے۔

امانت دار پر تاوان کے موجبات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مال امانت کو مالک کے علاوہ کسی اور شخص کے سپرد کر دے اور وہ شخص کہے کہ وہ مال ضائع یا تلف ہو گیا۔ اور امانت دار یہ کہے کہ میں نے یہ مال خود مالک کے کہنے یا بالواسطہ پیغام کی بنا پر دیا تھا؛ اس کا کہنا یہ ہے کہ مالک نے خود کہا تھا کہ فلاں شخص کو میرا مال امانت دے دو یا یہ کہ اس نے میرے پاس گماشتہ یا فرستادہ یا مکتوب بھیجا تھا لیکن وہ اس کی قلم سے نہ تھا اس میں کہا گیا تھا کہ فلاں شخص کو مال دے دو۔ مالک مال کا کہنا یہ ہے کہ نہ تو میں نے خود اور نہ کسی اور ذریعہ سے یہ کہا تھا کہ میرا مال امانت کسی غیر کو دے دیا جائے۔ ایسی صورت میں اگر امانت دار اپنے دعوے کا ثبوت نہ پیش کر سکے تو مالک مال سے کہا جائے گا کہ وہ حلف اٹھائے۔ اگر وہ حلف اٹھا لے تو امانت دار پر تاوان عائد ہوگا۔ اگر وہ حلف نہ اٹھائے تو امانت دار سے حلف لیا جائے گا اور اسے بری الذمہ قرار دیا جائے گا۔

اب اگر امانت دار کا دعویٰ یہ ہو کہ اس نے خود مالک کے بالمشافہہ کہنے سے اس شخص کو مال دیا تھا تو اسے اس شخص سے مطالبہ کا حق نہیں رہا جب کہ اس نے تحفظ مال امانت کی ذمہ داری لے رکھی ہو کیوں کہ امانت دار نے یہ اعتراف کر لیا ہے کہ وہ مال امانت اس کے مالک نے اس شخص کو دے دینے کے لئے کہا تھا اور اب اس سے انکار اس شخص پر ظلم ہے۔ لہٰذا

Marfat.com

امانت دار کا اس سے مطالبہ بھی ظلم ہے۔ لیکن اگر امانت دار کا کہنا یہ ہے کہ اس نے وہ مال کسی گماشتہ کے کہنے یا ایسی تحریر کی بنا پر اس شخص کو دیا تھا جو مالک کے ہاتھ کی نہ تھی تو اب اسے حق ہے کہ وہ مال امانت کا اس شخص سے مطالبہ کرے درآنحالیکہ وہ مال اس کے پاس موجود ہو یا اس کی غلطی سے تلف ہو گیا ہو۔ لیکن اگر کسی اور سبب سے تلف ہوا ہو تو بقول معتمد اس شخص سے مطالبہ کا حق نہ رہے گا۔ اگر امانت دار مالک مال کے خلاف ایسی شہادت پیش کر سکے کہ اس نے واقعی اس شخص کو مال امانت دے دینے کے لئے کہا تھا تو امانت دار کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی اور مالک مال کو اس شخص سے مطالبہ کا حق ہوگا جس نے وہ مال لیا بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی وہ مال امانت اسے مل گیا تھا یا اس کے پاس موجود ہو اور ضائع نہ ہوا ہو۔ اگر یہ ثابت نہ ہو کہ مال اس کے سپرد کر دیا گیا تھا تو نہ اس شخص سے مطالبہ کا حق رہے گا اور نہ امانت دار سے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ امانت دار امین (محافظ) ہوتا ہے ضامن (جبر نقصان کا ذمہ دار) نہیں ہوتا۔ تاہم بعض حالات کے درپیش ہونے کی صورت میں وہ ضامن جاتا ہے، خواہ مال امانت اجرت پر رکھا گیا ہو یا بغیر اجرت کے۔

واضح ہو کہ دس صورتیں ایسی ہیں جن میں امانت دار مال امانت کا ضامن متصور ہوتا ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ مال امانت کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا ایک گھر سے دوسرے گھر میں جہاں اس کی حفاظت اور سلامتی کا امکان کم ہے بغیر کسی ضرورت کے منتقل کیا جائے۔ اس دوران اگر مال امانت ضائع یا تلف ہو جائے تو امانت دار پر اس کی ذمہ داری ہوگئی اگرچہ امانت گزار نے اسے ایسا کرنے سے منع نہ کیا ہو سوا اس صورت کے جب کہ یہ منتقلی غلطی سے ہوگئی ہو۔ بایں طور کہ اس نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ مال اپنا ہی ہے۔ نیز منتقلی کے دوران اسے استعمال میں نہ لایا گیا ہو۔ اگر ایسی جگہ منتقل کیا جو ویسی ہی محفوظ ہے جہاں وہ مال تھا یا حفاظت اور سلامتی کے اعتبار سے اس سے بھی اچھی جگہ ہو اور وہاں آکر وہ مال تلف یا ضائع ہو جائے تو امانت دار اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اسی طرح کسی رہائش گاہ کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں یا ایک کوٹھری سے دوسری کوٹھری میں منتقل کیا تو امانت دار بصورت نقصان ذمہ دار نہ ہوگا اگرچہ وہ جگہ پہلی جگہ سے کم محفوظ ہو۔ تاہم اگر امانت گزار نے مال امانت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے سے منع کیا ہو اور امانت دار نے اس کی مخالفت کی تو بصورت تلف اس کا تاوان دار ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ امانت دار نے وہ مال کسی اور کی حفاظت میں دے دیا ہو قطع نظر اس کے کہ وہ دوسرا شخص کوئی اجنبی ہو یا امانت دار کا بیٹا ہو یا بیوی یا نوکر وغیرہ۔ حاکم شرع کے نزدیک امانت دار کو مالک کی اجازت کے بغیر کسی اور جگہ مال امانت کے رکھنے کا حق نہیں ہے۔ اگر ایسا کیا اور مال ضائع یا تلف ہو گیا تو وہ تاوان دار ہوگا۔ اس لئے کہ امانت گزار نے خاص اس شخص کو اپنا امانت دار چنا تھا، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کسی اور کو امین بنانے پر راضی نہ تھا۔ البتہ امانت دار کو یہ حق ہے نگہبان سے اس کی حفاظت میں مدد لے یا کسی ملازم سے امانت کے جانور کو چارہ پانی وغیرہ دینے پر عام قاعدہ کے مطابق مقرر کرے۔

امانت دار اگر مال امانت کسی اور کے سپرد کر دے تو بصورت تلف تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔ اس کے لئے دو شرطیں ہیں:

Marfat.com

پہلی شرط یہ ہے کہ امانت دار نے مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کیا ہو۔ اگر مالک نے اجازت دے دی ہے تو اس مال کے ضائع یا تلف ہونے پر تاوان دار نہ ہوگا، کیوں کہ مالک کی اجازت کی صورت میں دوسرا شخص بھی امین متصور ہوگا۔ تاہم امین سابق امانت داری کے فرض سے بری الذمہ نہ ہوگا۔ سوا اس کے کہ مالک نے اس کی صراحت کر دی ہو یا اس کے طرز عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہو کہ مالک نے اب دوسرے شخص ہی کو اپنا امانت دار مان لیا ہے۔ اگر مالک اس امر کی صراحت کر دے کہ اس کا مال دونوں کی حفاظت میں رہے گا تو یہی امر قرار پا جائے گا اور ان دونوں پر لازم ہوگا کہ وہ مال ایسی جگہ پر رکھا جائے جو دونوں کی ملکیت ہو یا دونوں نے مشترکہ کرایہ پر یا عاریتاً اسے لے رکھا ہو۔ اور دونوں کو اس جگہ پر دخل ہو۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر باہمی رضامندی سے اس مال کی حفاظت کا ذمہ دار قرار دیا جائے تب بھی دونوں ہی ذمہ دار متصور ہوں گے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ امانت دار نے وہ مال امانت بغیر کسی معذوری کے دوسرے کو سپرد کر دیا ہو۔ اگر یہ منتقلی کسی ناچاری کے باعث ہوئی تو بصورت تلف امانت دار کی ذمہ داری نہ ہوگی۔

ایسی مجبوریاں جن سے امانت دار کے لئے یہ روا ہو جاتا ہے کہ وہ مال امانت کسی کے سپرد کر دے یہ ہیں مثلاً سفر در پیش ہو جائے یا خطرناک مرض لاحق ہو جائے یا آگ لگ جائے اور اس کا شعلہ وہاں پہنچ رہا ہو جہاں مال امانت ہے یا سیلاب مال امانت والی جگہ کو ڈھا دے وغیرہ بشرطیکہ امانت دار کے پاس کوئی اور جگہ نہ ہو جہاں وہ مال امانت کو منتقل کر سکتا۔ اس صورت میں یہ بھی شرط ہے کہ امانت دار پہلے تو یہی کوشش کرے کہ مال امانت کو اس کے مالک یا مالک کے وکیل کے پاس پہنچا دے۔ اگر یہ نہ مل سکیں۔ مثلاً سفر میں چلے گئے ہوں یا قید میں ہوں تو واجب ہے کہ امین وہ امانت قاضی (حاکم شرعیہ عدلیہ) کی تحویل میں دے دے اور تب قاضی کو لازم ہے کہ وہ مال اپنی تحویل میں رکھ لے۔ امانت دار کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مال امانت کے مارے اپنے سفر کو التواء میں ڈال دے کیوں کہ اس میں جو نقصان ہے وہ ظاہر ہے۔

اگر مال امانت کا واپس کر دینا ممکن نہ ہوا مثلاً اسے ناگہانی موت آ گئی یا اچانک دھوکے سے قتل کر دیا گیا یا مال امانت کو لے کر سفر کرنا پڑا کیوں کہ مذکورہ اشخاص تک وہ مال نہ پہنچا سکا تو ایسے حالات میں بصورت تلف اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

تیسری صورت مال امانت کا تاوان واجب ہونے کی یہ ہے کہ امانت دار مال امانت کو مالک یا اس کے وکیل یا قاضی امین کے سپرد کر سکتا ہو لیکن ان کے سپرد نہ کرے بلکہ اس مال کو لے کر سفر کرے اور وہ ضائع ہو جائے تو جبر نقصان کی ذمہ داری امانت دار پر ہوگی، کیوں کہ اس نے ایک محفوظ مقام سے کم محفوظ مقام پر منتقل کر کے مال امانت کو معرض تلف میں ڈالا ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی تاوان دار ہوگا کہ مال امانت کو کسی جگہ دفن کر دیا ہو اور کسی محافظ کو اس کا پتہ نہیں دیا کہ وہ اس کی دیکھ بھال رکھتا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مالک اپنے مال امانت کا مطالبہ کرے اور امین اسے دینے سے انکار کر دے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اب اسے امانت دار متصور نہ کیا جائے گا لہٰذا اس کی تحویل میں جو مال ہے اس کا ذمہ دار ہوگا۔ البتہ اگر اس نے کسی خاص مصلحت سے انکار کیا ہو مثلاً مالک مال کو کسی ظالم کی شرارت سے بچانا مقصود تھا یا مالک کی موجودگی میں کسی اجنبی نے

Marfat.com

اس کا مطالبہ کیا اور امانت دار نے مصلحتاً دینے سے انکار کر دیا تو اس صورت میں اس کے انکار کو تحفظ مال کے بارے میں اس کی مزید احتیاط پر محمول کیا جائے گا کہ وہ مالک کے سوا سب سے اسے چھپانا چاہتا ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ امانت دار وفات پا جائے لیکن وفات کے وقت مال امانت کی بابت اس نے کوئی وصیت نہ کی ہو۔ مال امانت کی بابت وصیت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قاضی حاکم شرع یا بصورت دیگر امین قاضی کے روبرو امانت دار اس مال کی پوری کیفیت بتا دے تا کہ اگر وہ مال وہاں پر موجود نہ ہو تو اس کی شناخت کی جا سکے۔ اگر مال موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ کر کے اس کی تعین کر دی جائے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دے کہ یہ مال فوراً سرکاری تحویل میں دے دیا جائے۔ امانت دار حالت سفر میں ہو تو محض اس وصیت سے کام نہ چلے گا تا آنکہ اس کو قاضی یا امین قاضی کے فوراً سپرد نہ کر دیا جائے۔

اگر امانت دار نے اپنے خطرناک مرض کے دوران مالک کو اس کا مال واپس نہ کیا جیسا کہ اوپر بتایا گیا اور یا واپسی کا ارادہ ہی نہ کیا اور یا مالک یا اس کے وکیل یا قاضی کے حوالہ کرنے سے معذور رہا اور وصیت بھی کوئی نہ کی اور وہ مال تلف ہو گیا تو اس کے ترکہ سے تاوان کی ادائیگی اس پر عائد ہو گی کیوں کہ متوفی نے مال امانت پر وارثوں کو قبضہ دے کر مال امانت کو معرض تلف میں ڈالا ہے۔ بقول معتمد اس باب میں وصیت کی شہادت طلب کرنا واجب نہیں ہے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ امانت دار اس مال امانت کو اسی طرح پڑا رہنے دے اور ایسی اشیاء سے جو اسے نقصان پہنچانے والی ہوں اسے نہ بچائے۔ مثلاً اونی کپڑے اور جانماز وغیرہ کو دھوپ یا ہوا وغیرہ دکھانا چھوڑ دیئے۔ اور امین پر واجب ہے کہ ایسی اشیاء کا اگر استعمال کرے تو اسے محفوظ رکھے۔ اور اگر مال امانت کوئی جانور ہے تو اسے چارہ پانی دے۔ مالک نے اگر اس کا چارہ دے دیا ہو تو وہ اسے دے ورنہ اس سے یا اس کے مختار کار سے طلب کرے۔ اگر وہ نہ ہوں تو قاضی حاکم اسلام سے اس کے چارہ کی رقم کا تعین کرا لے تا کہ (بعد میں) مالک سے مطالبہ کیا جا سکے۔ اور امانت دار کو حق ہو گا کہ وہ حیوان مال امانت کو کرایہ پر چلائے تا کہ خرچ خوراک حاصل کرے یا اس کا کچھ حصہ فروخت کر دے تا کہ حتی المقدور اس کے لئے چارہ حاصل کر سکے۔ اگر ان میں سے کوئی امر اس کو دشوار ہو تو اس جانور کو اپنے پاس سے چارہ دے اور اس پر جو خرچ کیا ہو اس کا گواہ بنا لے تا کہ مالک سے اس کا مطالبہ کیا جا سکے۔

اگر جانور تخمہ بدہضمی کے مرض میں مبتلا ہو اور اس کے مالک نے منع کیا ہو کہ جب تک یہ ٹھیک نہ ہو جائے اسے کچھ کھانے کے لئے نہ دیا جائے لیکن امانت دار نے اسے کھلا دیا اور ایسا اس نے دانستہ کیا اور اس کے مرض کی نوعیت سے آگاہ تھا تو جبر نقصان کا ذمہ دار ہو گا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ امانت دار بہر حال ذمہ دار ہو گا مرض سے واقف ہو یا نہ ہو۔ اگر مالک نے تندرست جانور کو کھلانے پلانے یا کپڑے کو نقصان پہنچانے والے کپڑوں سے محفوظ رکھنے سے منع کر دیا اور مال امانت تلف ہو گیا تو امانت دار ذمہ دار نہ ہو گا، تاہم جانور کو بھوکا مارنے کا گناہ ہو گا۔

ساتویں صورت یہ ہے کہ امانت دار بغیر کسی عذر کے مال امانت کی واپسی سے انکار کر دے۔ پس اگر مالک نے اپنا مال مانگا اور امین نے بلاوجہ دینے میں تاخیر کی اور اس دوران وہ مال تلف ہو گیا تو نقصان کا ذمہ دار ہو گا لیکن اگر اس مال کی واپسی میں بوجہ کسی معذوری کے تاخیر کی مثلاً نماز پڑھنے یا کھانے میں لگ گیا تو ذمہ دار نہ ہو گا۔

Marfat.com

واضح ہو کہ مال کی واپسی میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ مال اور اس کے مالک کے درمیان کوئی رکاوٹ موجود ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مال کو مالک کے پاس نہ پہنچانا تاخیر ہے کیوں کہ یہ کام امانت دار پر لازم نہیں ہے۔

آٹھویں صورت یہ ہے کہ امانت دار مال امانت کو غیر محفوظ جگہ پر رکھے یا کہیں رکھ کر بھول جائے یا جہاں پر وہ مال رکھا ہے اس کی نشاندہی کسی ظالم کو کر دے یا اس کی تحویل میں دے دے، خواہ مجبوراً اُسے ایسا کرنا پڑا ہو۔ ان تمام صورتوں میں امانت دار بہر حال ذمہ دار ہوگا۔ ہاں وہ اس ظالم کے خلاف چارہ جوئی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی ظالم نے اس کے ہاتھ سے زبردستی مال چھین لیا ہو بغیر اس کے کہ اس نے مال کی بابت اسے کچھ بتایا ہو ایسی صورت میں امانت دار کو ذمہ دار نہ گردانا جائے گا۔ اسی طرح اگر امانت دار نے کسی ظالم کو یہ بتا دیا کہ میرے پاس مال ہے لیکن وہ خاص جگہ نہیں بتائی جہاں وہ مال ہے تو اب اس کا بتانا حرام ہے۔ اگر اس کے لئے اسے قسم کھانی پڑے تو چاہیئے کہ اگر بات کا چھپانا جانتا ہو اور ممکن ہو تو اصل مقصد کو چھپا کر قسم کھالے اسے توریہ کہتے ہیں۔ بصورت دیگر جھوٹی قسم کھائے اور اس کا کفارہ دے دے درآنحالیکہ اللہ کی قسم کھائی ہو۔ لیکن اگر طلاق پڑنے یا آزاد کرنے کی شرط کے ساتھ قسم کھائی ہے تو وہ حانث (قسم توڑنے والا) متصور ہوگا۔

نویں صورت یہ ہے کہ امانت دار مال امانت کو استعمال میں لائے اور وہ تلف ہو جائے تو تاوان دار ہوگا مثلاً مال امانت ایسا کپڑا ہے جو پہنے جانے کے قابل نہیں ہے اور اس نے پہن لیا، یا ایسا جانور ہے جو سواری کے لائق نہیں ہے اور اس پر سواری کی۔ ہاں اگر وہ جانور سرکش ہے اور سواری کے قابل ہے تو اس پر سوار ہونے سے نقصان ہو تو وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

دسویں صورت یہ ہے کہ امانت دار کو جو بات امانت گزار نے کہی ہو وہ اس کے خلاف کرے (اس طرح نقصان ہوا تو تاوان دینا ہوگا)۔ سوا اس صورت کے جب کہ خلاف کرنے میں مال امانت کے تحفظ کا زیادہ امکان ہو۔ چنانچہ اگر مالک نے کہا کہ اس صندوق کو جانور پر نہ لادنا لیکن اسے لادا گیا اور جو کچھ اس میں تھا وہ ٹوٹ پھوٹ گیا تو اس کی ذمہ داری امین پر ہوگی۔ اسی طرح اگر مالک نے کہا کہ اس پر تم نہ سونا لیکن وہ اسی پر سویا اور جو کچھ اس میں تھا وہ ٹوٹ پھوٹ گیا تو تاوان دار ہوگا۔ لیکن اگر سونے سے کچھ نقصان نہیں ہوا لیکن بعد میں وہ چوری ہو گیا تو اس کی ذمہ داری امین پر عائد نہ ہوگی کیوں کہ جس بات کی اس نے خلاف ورزی کی تھی اس سے یہ نقصان نہیں ہوا۔

اگر مالک مال نے قفل لگانے سے منع کیا تھا لیکن امین نے قفل لگا دیا تو بصورت نقصان اس پر تاوان عائد نہ ہوگا، کیوں کہ یہ کام تو اس نے مزید احتیاط کے پیش نظر کیا تھا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ امانت دار مال امانت کے نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا جب تک کہ زیادتی سے کام نہ لے، بایں طور کہ اس مال کو اپنے تصرف میں لائے یا اس کی حفاظت میں بے احتیاطی کی جائے جس سے وہ تلف یا ضائع ہو جائے۔ یہ چند امور ایسے ہیں جو امانت دار کو مال امانت کے نقصان کا ذمہ دار بنا دیتے ہیں:

ایک یہ کہ امانت دار اس مال کو ایسی جگہ رکھے جہاں بالعموم ویسے مال کو محفوظ خیال نہیں کیا جاتا۔ مثلاً جواہرات کی لڑی یا ہار کو ایسے صندوق میں رکھ دیا جائے جس میں قفل لگا ہوا نہ ہو۔ اب اگر وہ ہار چوری ہو جائے تو تاوان لازم ہوگا کیوں کہ اس کی حفاظت میں کوتاہی کی گئی ہے اگر کوئی چیز ایسی جگہ رکھی جہاں اس جیسی اشیاء کو محفوظ سمجھا جاتا ہے مثلاً تجوری، پھر

Marfat.com

وہاں سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کر دیا جہاں اس جیسی اشیاء کی حفاظت تو کی جا سکتی ہے لیکن وہاں محفوظ اور سالم رکھنے کا امکان پہلی جگہ سے کم ہے تب بھی اس پر ذمہ داری عائد نہ ہوگی کیوں کہ اس جیسی چیز کی حفاظت کے لئے جو واجب تھا وہ کیا گیا۔ (یہ دوسری بات ہے کہ ضرورت سے زیادہ حفاظت نہ کی گئی ہو)۔

اگر مالک مال نے اپنی امانت کو محفوظ رکھنے کے لئے کوئی خاص جگہ متعین کر دی تھی تو اسی جگہ اس مال کو رکھنا واجب ہے یا پھر اسی جیسی یا اس سے زیادہ محفوظ اور قابل اطمینان جگہ پر رکھے۔ اگر امانت دار نے اس سے کم محفوظ مقام پر رکھا اور مال تلف ہو گیا تو وہ ذمہ دار ہوگا۔ اگر وہ مال اسی جگہ پر رکھا جو پہلے سے مالک مال نے مقرر کر دی تھی تو وہاں سے بلا ضرورت اس مال کو کہیں اور منتقل کرنا حرام ہے۔ اگر ایسا کیا اور مال تلف ہو گیا تو اس کا تاوان دینا ہوگا، خواہ وہ جگہ جہاں پر وہ مال منتقل کیا گیا ہے پہلی جگہ سے زیادہ محفوظ ہو۔ لیکن اگر اس جگہ سے مال امانت کو آگ لگنے، غرقاب ہونے یا مکان کے منہدم ہونے کے خوف سے منتقل کیا لیکن وہ مال ضائع ہو گیا تو وہ تاوان دار نہ ہوگا، بلکہ ایسی صورت میں تو لازم ہو جاتا ہے کہ خطرہ کی جگہ سے نکال لیا جائے۔ البتہ یہ لازم ہے کہ اسی جیسی محفوظ جگہ یا ممکن ہو تو اس سے بھی زیادہ محفوظ جگہ پر رکھے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو بہر حال اس کی ذمہ داری وہیں تک ہے۔ جہاں تک اس کے بس میں ہو یعنی اس پر تاوان عائد نہ ہوگا۔ ہاں اگر امانت دار نے مال امانت کو اسی جگہ پر چھوڑ دیا جو مالک نے بتائی تھی اور وہاں وہ مال تلف ہو گیا تو امانت دار پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ خواہ مال کا نقصان اس امر کے پیش آجانے کے باعث ہوا ہو جس کا اندیشہ تھا یا کسی اور سبب سے ہوا ہو، کیوں کہ یہ صورت حفاظت مال کے بارے میں کوتاہی کی ہے۔

اگر مالک مال نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس مال کو کسی بھی اندیشے یا کسی اور سبب سے منتقل نہ کرنا اور اس کے بموجب عمل کیا گیا اور مال تلف ہو گیا تو اب امانت دار ذمہ دار نہیں ہے۔ تاہم اگر مالک کے کہنے کے خلاف وہاں سے مال امانت کو ان خطرات کے پیش نظر نکال لیا تو وہ تاوان کا ذمہ دار نہ ہوگا، کیوں کہ اس نے یہ دوسرا کام مال کی حفاظت کے خیال سے کیا تھا اور پہلی صورت میں اس نے مالک مال کے کہنے کی تعمیل کی تھی لہٰذا دونوں صورتوں میں اس پر تاوان کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

تاوان مال امانت کا ایک موجب یہ ہے کہ امانت دار مال کی حفاظت میں کوتاہی کرے۔ پس اگر مال امانت کوئی جانور ہے تو امانت دار پر واجب ہے کہ اس کو چارہ پانی دے، سوا اس صورت کے جب کہ مالک نے ایسا کرنے سے منع کیا ہو۔ اگر اس نے ایسا کیا تو جبر نقصان کا وہ ذمہ دار نہ ہوگا لیکن جانور کو بھوکا مارنے کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا۔ امانت دار کو چاہیئے کہ مالک یا اس کے وکیل سے چارہ کا مطالبہ کرے یا پھر انھیں واپس کر دے۔ اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہو تو یہ معاملہ حاکم کے سامنے پیش کرے تا کہ اس کے چارہ وغیرہ کے اخراجات ان کے مال سے وصول کر لئے جائیں۔ بشرطیکہ مالک صاحب مال ہو؛ بصورت دیگر حسب تقاضائے مصلحت، جانور کے فروخت کرنے یا اسے کرایہ پر دینے یا اس کے عوض قرض لینے کا حکم حاصل کیا جائے تا کہ اس جانور پر خرچ کیا جا سکے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ امانت دار کو حکم دیا جائے کہ وہ بطور خود اپنا مال اس جانور پر خرچ کرے اور جو خرچ آیا ہو اس کا مطالبہ مالک سے کرے۔

مال امانت کے تاوان کا ایک اور موجب یہ ہے کہ امین، مال امانت کو کسی اجنبی شخص کی تحویل میں دے دے کہ وہ

Marfat.com

اپنے پاس حفاظت سے رکھے۔ اگر اس میں وہ مال ضائع ہو جائے تو امین ذمہ دار ہوگا۔ لیکن اگر ایسے شخص کے سپرد کیا جو دستور کے مطابق خود امین کے مال کی حفاظت کرتا ہے۔ مثلاً بیوی، اولاد، خادم، خزانچی یا مختار کار تو بصورت تلف اس پر تاوان عائد نہ ہوگا۔ البتہ اپنے شریک کاروبار یا مالک مال کے شریک کے سپرد کیا اور تلف ہو تو ادائے تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔ مالک مال کو حق ہوگا کہ وہ امین اول سے تلف شدہ مال امانت کا مطالبہ کرے، کیوں کہ اس نے مال امانت کسی اور کے سپرد کرنے اور اس کی حفاظت سے ہاتھ اٹھا لینے کے باعث خود کو تاوان کا ذمہ دار بنا لیا اور دوسرے امین سے بھی مطالبہ کا حق اس لئے ہے کہ اس نے جو مال سنبھالا ہے اس کے سنبھالنے کا اسے حق نہیں تھا۔ اب اگر امین ثانی کو یہ معلوم ہے کہ وہ مال امانت ہے اور امانت دار کو اسے واپس کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے اور مالک مال نے مال امانت کا معاوضہ اس پر ڈال دیا تو ایسی صورت میں امین ثانی کو امین اول سے کسی مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ اور اگر اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شخص اس مالک کا امانت دار ہے اور مالک نے اس کے معاوضہ کا ذمہ دار اسے قرار دے دیا تو اس صورت میں امین ثانی جو کچھ مالک کو دے گا وہ امین اول سے وصول کرے گا کیوں کہ مال معاوضہ مال امانت سے مختلف چیز ہے۔ امانت دار کو یہ حق ہے کہ مال امانت کی نقل وحمل میں یا اس کے لئے باقاعدہ چارہ پانی وغیرہ مہیا کرنے میں کسی اجنبی شخص سے مدد حاصل کرے۔ اگر اس میں مال امانت کو نقصان پہنچے تو امانت دار پر تاوان نہ ہوگا۔

تاوان کا ایک اور موجب یہ ہے کہ امانت دار مالک کے منع کرنے کے باوجود مال امانت کو لے کر سفر کرے اور وہ مال ضائع ہو جائے۔ ہاں اگر سفر مجبوری کا ہو تو اور بات ہے۔ مثلاً دشمن کے حملہ یا سیلاب یا آگ لگ جانے وغیرہ کے باعث جلاوطن ہونا پڑا ہو۔ ایسی صورت میں اگر مال امانت کو وہیں چھوڑ دیا اور اسے ساتھ لے کر روانہ نہ ہوا اور وہ ضائع ہو گیا تو امین تاوان دار ہوگا۔

اگر امانت دار سفر کا ارادہ کرے اور اپنے پاس رکھنے میں مال امانت کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو لازم ہے کہ اس کے مالک کو واپس کر دے۔ اگر مالک موجود نہ ہو تو ایسے شخص کے قبضہ میں دے دے جو مالک کے دوسرے مال کی حفاظت کرتا ہو، مثلاً اس کی بیوی ہو یا خزانچی ہو یا اس کا کوئی وکیل ہو امانت دار مال امانت کو لے کر سفر کر سکتا ہے اگرچہ مالک شہر میں موجود ہو، بشرطیکہ نقصان مال کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور مالک نے منع نہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں امانت دار کو اختیار ہے کہ امانت کا مال ساتھ لے جائے یا مذکورہ اشخاص کے سپرد کر جائے۔

تاوان کا ایک اور سبب یہ ہے کہ امانت دار مال امانت کو ایسے وقت میں اس کے مالک کے پاس واپسی کے لئے لائے جب کہ کوئی ظالم اس مال کے ہتھیانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ یا اسے کسی ظالم کے حوالہ کرنے کی کوشش میں ہو یا کسی چور کو اس کا پتہ بتا دے جو اسے چرا لے جائے ایسی صورتوں میں امانت دار کو تاوان دینا ہوگا۔ ایک اور سبب یہ ہے کہ امین وفات پا جائے اور مال امانت کی بابت اس نے کسی کو کچھ نہ بتایا ہو۔

ان حالات میں جب کہ امانت دار مرض موت میں مبتلا ہو جائے تو لازم ہے کہ مال امانت اس کے مالک یا اس کے مختار کار کے سپرد کرے۔ اگر وہ نہ ہوں تو دیانت دار حاکم کی تحویل میں دے دے۔ اگر یہ امر دشوار ہو تو کسی معتبر شخص کی سپرداری میں دے دے یا دفن کرنے میں کوئی حرج نہ ہو تو اسے دفن کر دے اور وہاں کے رہنے والے کسی معتبر شخص کو اس جگہ

Marfat.com

سے آگاہ کردے جہاں دفن کیا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا تو اس کے تاوان کا بار اس کے ترکہ پر ڈالا جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ سفر کا ارادہ ہو اور اس مال کو ساتھ لے کر جانے میں اندیشہ تلف ہو۔

تاوان کا ایک اور سبب یہ ہے کہ امانت دار مال امانت کو اپنے کام میں لائے۔ مثلاً مال امانت کوئی جانور ہے اور امانت دار ذاتی مقصد کے لئے اس پر سواری کرے۔ لیکن اگر چارہ کی اجرت کے طور پر اس کی سواری کی تو (بصورت تلف) تاوان نہ ہوگا۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ امانت دار امانت کے لباس کو ذاتی مصلحت کے لئے نہ کہ کپڑے کی مصلحت کے لئے استعمال میں لائے۔ اگر امانت کے کپڑے کو اس لئے پہنا کہ اونی کپڑا جامہ خور کیڑے سے محفوظ رہے تو بصورت تلف وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

ایک اور سبب یہ ہے کہ امانت دار مال امانت سے مکر جائے پھر اقرار کر لے، کیوں کہ انکار کرنے کے بعد اقرار کرنا خیانت (بد دیانتی) کے الزام سے اسے بری نہیں کر سکتا، لہٰذا اگر وہ مال جاتا رہے تو اس کا تاوان لازم ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مالک مال نے یا کسی ایسے شخص نے جیسے مال امانت کی واپسی کا مطالبہ کرنے کا مجاز ہے جیسے وکیل مال امانت طلب کیا اور امانت دار نے نہ دیا اور اس کے انکار کے بعد وہ مال تلف ہو گیا تو اس کا تاوان دار ہوگا۔

ایک اور سبب یہ ہے کہ امانت دار مال امانت کو اپنے یا کسی اور کے مال میں اس طرح شامل کر دے کہ دونوں میں امتیاز نہ ہو سکے مثلاً امانت کے روغن زیتون کو اپنے روغن زیتون میں یا امانت کے گھی کو اسی جیسے گھی میں شامل کر دے در آنحالیکہ مالک نے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی ہو تو یہ امر امانت داری کو ختم کر دے گا اور امانت دار جبر نقصان کا ذمہ دار ہو گا اور معاً اس کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر امانت دار کے علاوہ کسی اور شخص نے بلا اجازت مال امانت کے ساتھ اور مال گڈمڈ کر دیا تو اس شخص پر تاوان عائد ہوگا، امانت دار پر نہ ہوگا، کیوں کہ یہ زیادتی اس شخص نے کی ہے۔ اگر مالک امانت دار کو بری کر دے تو وہ بھی بری الذمہ ہو جائے گا۔

اگر مال امانت کو ایسی شے سے ملا دیا گیا کہ دونوں میں امتیاز محال نہ ہو مثلاً گندم کو جو یا مسور میں ملایا تو امانت دار پر تاوان نہ ہوگا۔

اگر انجانے میں مال امانت کی آمیزش ایسی شے سے ہو گئی کہ دونوں کا جدا جدا کرنا ممکن نہیں تو ایسی صورت میں امانت دار پر تاوان نہ ہوگا لیکن اس شے میں دونوں باہم شریک متصور ہوں گے۔

Marfat.com

عاریت (عارضی طور پر لی ہوئی اشیاء) کا بیان

عاریت کی تعریف

لفظ عاریت میں 'یا' پر تشدید ہے اور کبھی بلا تشدید بھی بولا جاتا ہے۔ لغت کی رو سے اس کے متعدد معنے ہیں۔

ایک معنے یہ کہ عاریت اس شے کو کہتے ہیں جو لوگوں کے درمیان آتی جاتی یا پھرتی رہے۔ چنانچہ کتاب کے لئے ''مستعار'' کا لفظ بولتے ہیں بایں معنے کہ وہ لوگوں میں عاریتاً آتی جاتی رہتی ہے (یعنی پھرتی رہتی ہے)۔ عاریۃ ہی جیسا ایک اور لفظ عارہ بفتح رائے غیر مشددہ، بروزن ناقہ ہے جس کی جمع عواری بتشدید را ہے اور بغیر تشدید بھی مستعمل ہے۔ اسی طرح یہ لفظ مصدر تعاور سے بھی نکلتا ہے جس کے معنے تداول یعنی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانے کے ہیں۔ لفظ عاریۃ سے فعل ''اعتور یا تعور یا تعاور الشی تعاوراً'' آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ''اعتوروا الشئ'' یا ''تعوروا الشی'' یا ''تعاوروا الشئ'' یعنی اس چیز کو باہم ایک دوسرے کے ہاتھ میں پھراتے رہو (یا عاریتاً لیتے دیتے رہو)۔

دوسرے معنے ہیں وہ شے جو جائے اور جلدی سے آجائے۔ چنانچہ بولتے ہیں اعارہ الشی (یعنی اسے فلاں چیز اس نے عارضی طور پر دی) یا 'اعارہ منہ' (یعنی اس سے عارضی طور پر لی) اسی بنا پر کہتے ہیں عارہ یعورہ یعنی لیا اور گیا۔ غرض عاریۃ کا مفہوم کسی شے کا جانا اور آنا ہے۔ یہ معنے پہلے معنے کے قریب قریب ہیں۔ بنابریں لفظ عاریۃ عار سے بنا ہے، غرض جس کے معنے ہیں گیا اور جلدی سے آگیا، اور یہ مفہوم بھی معنی اول سے خارج نہیں ہیں کیوں کہ اس میں تداول کا مفہوم ہے۔

تیسرے معنے ہیں کہ عاریۃ نام ہے اس شے مقصود کا جو لینے والے کے پیش نظر ہے۔ ایسی صورت میں یہ لفظ مصدر عراہ یعرو عروا سے نکلا ہے جس کے معنے قصد کرنے کے ہیں کیوں کہ عاریتاً لی ہوئی چیز لینے والے کا مقصد مدعا ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ لفظ عاریۃ جو مصدر تعاور بمعنی تداول سے مشتق ہے وہ اصل میں ''عوریۃ'' بفتح اول و ثانی و بہ تشدید یا بروزن فعلیۃ ہے۔ اس میں مادہ کے تین حرفوں میں سے پہلا حرف (جسے فاے کلمہ) کہتے ہیں عین ہے اور دوسرا حرف (جیسے عین کلمہ کہتے ہیں) 'واؤ' ہے اور تیسرا حرف (جسے) 'لام کلمہ' کہتے ہیں) را

Marfat.com

ہے چونکہ 'واؤ' متحرک ہے اور اس سے پہلے حرف پر زبر ہے اس لئے بقاعدہ تعلیل اس 'واؤ' کو الف سے بدل دیا اور اس طرح عوریۃ سے عاریۃ بن گیا اور اس لفظ کا الف حروف اصلیہ اصل مادہ کے (حروف) میں سے ہو گیا کیونکہ وہ واؤ سے بدل کر آیا ہے۔ جو عین کلمہ مادہ کا دوسرا حرف ہے یہی تفصیل اس صورت میں ہو گی جب کہ لفظ عاریۃ کو مصدر عاریعور سے جس میں جانے اور آنے کے معنے ہیں مشق مانا جائے لیکن اگر اس کو مصدر ''عراہ یعروہ'' سے جس میں قصد کا مفہوم ہے مشتق مانا جائے اور لفظ عاریت کی 'یا' پر تشدید ہو تو اس کی اصل 'عاروۃ' دو واؤ کے ساتھ فاعولۃ کے وزن پر ہو گی۔ چونکہ اس میں دو واو پیہم آئے اس لئے بقاعدۂ تعلیل ایک 'واؤ' کو 'یا' سے بدل دیا اور اب وہ عاروۃ ہو گیا۔ اس میں 'واؤ' اور 'یا' دو حرف علت اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے پہلا حرف واو ساکن ہے لہٰذا اس 'واؤ' کو بہ قاعدہ تعلیل یا سے بدل کر دوسری یا میں مدغم کر دیا اور اس طرح عاریۃ بہ تشدید بن گیا۔ اگر لفظ عاریۃ کو بلا تشدید مانا جائے تو اس کی اصل عاروۃ ہو گی جس میں 'واؤ' اور 'یا' دو حرف علت جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک ساکن ہے لہٰذا اس میں بھی تعلیل کی گئی لیکن دونوں حالتوں میں لفظ عاریۃ کا حرف الف حرف اصلی نہیں بلکہ حرف زائد مانا جائے گا کیوں کہ عین فائے کلمہ یعنی مادہ کا پہلا حرف اور را عین کلمہ یعنی مادہ کا دوسرا حرف ہو گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حرف الف کو حرف اصلی قرار دیا جائے بایں طور کہ کلمہ کے حرف آگے پیچھے کر دیے جائیں یعنی عین کلمہ' (یعنی مادے کے دوسرے حرف) 'را' کو 'لام کلمہ' (یعنی مادے کے تیسرے حرف) 'واؤ' کے بعد رکھا جائے اور 'عاریۃ' کی اصل 'عوریۃ' ہر وزن فعلیۃ قرار دی جائے نہ کہ عاروۃ۔ ایسی صورت میں 'فاء کلمہ' (یعنی مادہ کا پہلا حرف) 'عین ہو گا اور 'لام کلمہ' (یعنی مادہ کا تیسرا حرف) 'واؤ' اور عین کلمہ (یعنی مادہ کا دوسرا حرف) 'را' ہو گا۔ اب چونکہ 'واؤ' جو لام کلمہ (یعنی مادہ کا تیسرا حرف) ہے وہ متحرک ہے اور اس سے پہلے حرف پر زبر ہے لہٰذا (بقاعدہ تعلیل) اسے 'الف' سے بدل دیا۔

واضح ہو کہ لفظ عاریۃ کے معنے اور اس کی بناوٹ کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ لفظ عاریۃ عار سے نسبت کر کے بنا ہے، کیوں کہ جو چیز کسی خواہش مند کو براہ عنایت دی گئی اسے واپس لیتے ہوئے حجاب آتا ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہ خیال دو طرح سے غلط ہے۔ ایک تو عارضی طور پر دی ہوئی شے کا واپس لینا شرم کی بات نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت ﷺ ایسا نہ کرتے حالانکہ یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ایسا کیا۔ دوسرے یہ کہ لفظ عار ''یائی'' ہے یعنی اس میں حرف علت یا آتی ہے لیکن لفظ عاریہ واوی ہے یعنی اس میں حرف علت واو آتا ہے چنانچہ اہل زبان یتعیرون (یا کے

Marfat.com

ساتھ) بولتے ہیں (یعنی لوگ باہم مانگے کی چیز لیتے دیتے ہیں) یتعا ورون (واوٗ کے ساتھ) نہیں بولتے۔ یہ سچ ہے کہ لوگ یتعیر ون العواری بولا کرتے ہیں یعنی لوگ عواری کا لین دین کرتے ہیں۔ اس میں لفظ عواری عاریۃ کی جمع ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ لیکن یہ قول کمزور ہے کیوں کہ بعض اوقات واو کی بجائے یا کا استعمال مجازی طور پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یتعیر ون العواری جو گفتگو میں آتا ہے وہ ساخت کے اعتبار سے حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

اب رہا فقہا کی اصطلاح میں عاریۃ کا مفہوم سو اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ 'عاریت' کی تعریف اس جہت سے بھی کی جاتی ہے کہ وہ مصدر ہے اور اس جہت سے بھی کہ وہ اسم ہے عاریتاً لی ہوئی شے کا۔

پہلی جہت کی رو سے کہا جائے گا کہ 'عاریت' (کسی شے کے) نفع (فائدہ) کا کسی کو 'وقتی طور پر' بغیر کسی معاوضہ کے مالک بنا دینا ہے۔ پس اگر ایک شخص نے کسی کو اپنے جانور سے استفادہ کا مالک بنا دیا کہ وہ اتنے دنوں تک بغیر کسی کرایہ کے سوار ہو سکتا ہے یا اپنا اونٹ دیا کہ اناج کی ڈھیری اٹھا کر لے جائے یا ہل دیا کہ اتنے عرصہ تک وہ اپنی زمین میں قلبہ رانی کرے وغیرہ تو یہی عارضی طور پر مالک بنانا ہے اب خواہ یہ لمبے عرصہ کے لئے ہو یا کچھ عرصہ کے لئے۔ پس اس تعریف میں کسی کو عمر بھر کے لئے منفعت شے کا مالک بنا دینا داخل ہے۔ اس کو 'عاریت عمری' بضم عین وسکون میم کہتے ہیں۔ اسی طرح اس تعریف میں اخدام (خدمت کے لئے لینا) بھی داخل ہے یعنی مستعیر (لینے والے کا) تمام عمر کے لئے خادم کی خدمات کا مالک ہونا۔ اس میں استفادہ شے کو مخصوص یا محدود کر دینا (جسے وقف کہتے ہیں) نہیں آتا۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ عاریت میں ایک مقررہ وقت کا تعین درست ہے یا یہ تعریف ہو کہ عاریت اس شے کو کہتے ہیں جو مانگے کو لی جائے یعنی ایسی قابل استفادہ چیز جسے ایک خاص عرصہ تک فائدہ اٹھانے کے لئے بغیر معاوضہ کے کسی کو مالک بنا دیا جائے۔ ان دونوں تعریفوں پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ ان تعریفوں کے تحت کچھ ایسی چیزیں آجاتی ہیں جو بعض صورتوں میں عاریت میں داخل نہیں ہیں، مثلاً ''منفعت کی وراثت''۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی زمین یا مکان یا سامان خانہ کو مقررہ عرصہ کے لئے کرایہ پر لیا اور اس عرصہ تک فائدہ اٹھانے سے پہلے وفات پا گیا تو اس حالت میں اس کی منفعت بلا کسی معاوضہ کے متوفی کے ورثا میں منتقل ہو جائے گی۔ اندریں صورت عاریت کی تعریف اس پر منطبق ہوتی ہے کیوں کہ یہ بھی بغیر کسی معاوضہ کے منفعت کا مالک بننا ہے۔ یا بغیر کسی معاوضہ کے مال کو ملکیت میں دینا ہے حالانکہ وہ مال عاریت (مانگے کی چیز) نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عاریت تو ایسی شے ہے جس کا مطلق کوئی معاوضہ نہیں ہوتا لیکن اس صورت میں متوفی نے مکان کی منفعت کے عوض میں کرایہ دے کر اسے حاصل کیا تھا۔ لہٰذا یہ صورت پہلے ہی معاوضہ لے کر کرایہ دار کو مالک بنانے کی ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ مکان ورثاء سے معاوضہ لئے بغیر انھیں منتقل ہو گیا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عاریت یہ ہیکہ کسی کو مفت کسی شے کی منفعت کا مالک بنا دیا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں

Marfat.com

عاریت کی شرعی حیثیت، اس کے ارکان اور شرائط کا بیان

عاریت یعنی عارضی طور پر کسی چیز کا دینا بذات خود ایک نیکی کا کام اور انسانیت کا تقاضا ہے، کیوں کہ انسان باہمی اعانت کا محتاج ہے۔ پس یہ ایک امر مستحب ہوا۔

بعض اوقات یہ ایک امر واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو سخت گرمی اور تپتے میدان میں سایہ یا چھولداری کی حاجت ہے جس پر اس کی زندگی کا انحصار ہے یا بیماری سے بچنا موقوف ہے تو ایسی حالت میں جس کے پاس کوئی سائبان ہے اس پر واجب ہے کہ وہ سائبان اسے عاریتاً دے دے۔

بعض اوقات یہ عاریت حرام ہو جاتی ہے مثلاً کسی کے پاس جواں عمر لونڈی یا خادمہ ہے اور کوئی شخص اس امر کا طلب گار ہے کہ اس کے ساتھ تخلیہ کا موقع ملے یا اس پر قابو پا سکے تو ایسی صورت میں اسے اس شخص کے حوالہ کر دینا حلال نہیں ہے اور صحیحین بخاری و مسلم سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت

مالک بنانا نہیں بلکہ اباحت (اجازت دینا) ہے۔ لیکن یہ خیال دو وجہ سے غلط ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ عاریت کا معاملہ لفظ تملیک (مالک بنا دینے سے) منعقد ہوتا ہے اگر اس کے لئے لفظ اباحت (اجازت) استعمال کیا جائے تو وہ عاریتاً دینا نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس لفظ (اجازت) کو استعارہ کے طور پر تملیک (مالک بنانے) کے معنوں میں استعمال کیا جائے تو درست ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عاریتاً لینے والے کو حق ہے کہ اس مانگے کی چیز کو عاریتاً کسی اور کے حوالہ کر دے درآنحالیکہ اسے استعمال کرنے والوں کے مختلف ہونے سے اس کا استعمال سخت یا ہلکا ہونے کی حیثیت سے مختلف نہ ہو۔ اگر عاریت کا مطلب محض اجازت ہوتا تو لینے والے کو یہ حق نہ ہوتا کہ وہ کسی اور کو عاریتاً دے دے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ 'عاریت' ایسے شخص کا جو مہربانی کرنے کی اہلیت رکھتا ہو کسی کو اپنی چیز سے جائز فائدہ اٹھانے کی اجازت دینا ہے بشرطیکہ وہ چیز تلف نہ ہو اور دینے والے کو واپس کی جا سکے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص جانور یا کتابوں یا کپڑوں کا مالک ہے جس کا استعمال جائز ہے اور وہ شخص کسی کو براہ مہربانی دینے کا مجاز ہے اور عاریتاً دوسرے کو دے دے تو درست ہے۔ اور اس سے لینے والے کو فائدہ اٹھانا جائز ہے درآنحالیکہ وہ چیز باقی رہے تاکہ دینے والے کو واپس کی جا سکے۔ اگر اس کے لئے کوئی مدت مقرر کر دی گئی ہے تو اسے 'عاریت مقیدہ' کہتے ہیں (یعنی مقررہ مدت کے لئے دینا) اگر کوئی مدت مقررہ نہ کی گئی ہو تو اسے 'عاریت مطلقہ' کہتے ہیں (یعنی غیر مقرر لئے دینا)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عاریت کہتے ہیں اس شے کی منفعت کے مالک سے عارضی طور پر مانگ لی جائے تاکہ ایک مقررہ مدت تک یا بلا تعین مدت بغ سے فائدہ اٹھایا جائے۔

عاریت کا لفظ مجازاً، اعارت' (یعنی عارضہ معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اعارت کے معنے ہیں ایک چیز کو کسی سے معاوضہ لئے بغیر اس کے لئے مبارہ اس سے استفادہ کر سکے۔ لفظ اباحت (یا اجازت)

Marfat.com

ابوطلحہ سے ایک گھوڑا عاریتاً لیا اور آپ اس پر سوار ہوئے۔ اور معرکہ حنین کے وقت صفوان ابن امیہ سے ایک زرہ مانگی۔ صفوان نے پوچھا ''اے محمد آپ چھینی ہوئی لینا چاہتے ہیں یا عاریتاً فرمایا بل عاریۃ مضمونۃ (یعنی میں عاریتاً لینا چاہتا ہوں جس کی واپسی کا ذمہ دار ہوں گا۔)

تمام مسلمانوں کا عاریت کے امر شرعی ہونے پر اجماع ہے کیوں کہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت آتا ہے ''وتعاونو اعلی البر والتقویٰ ولا تعاونو اعلی الاثم والعدوان (یعنی نیکی اور پرہیز گاری کی باتوں میں تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور سرکشی کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

غرض اس میں شک نہیں کہ بنی نوع انسان کا ایک دوسرے کی حاجت روائی اور باہمی حسن سلوک ان نیکیوں میں سے ہے جن سے باہمی تعلقات مستحکم ہوتے ہیں۔ باہمی الفت بڑھتی اور دوستی پختہ ہو جاتی ہے۔ ایسے امور شریعت اسلامیہ کی نگاہ میں نہایت ہی پسندیدہ ہیں۔

عاریت کے ارکان اجزائے لازمی چار ہیں۔ (۱)

معیر: کوئی شے عاریتاً دینے والا۔

مستعیر: خواہش مند جو وہ شے لے۔

معار: وہ شے جو عاریتاً عنایت کی جائے۔

صیغہ: الفاظ عاریت۔

کے معنے ہیں کسی اور کی مملوکہ شے کو اپنی حاجت روائی کے لئے استعمال کرنا۔ لہٰذا اس سے وہاں تک استفادہ درست ہے جہاں تک کہ واجب ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عاریت کا ایک ہی رکن ہے یعنی 'ایجاب وقبول' لہٰذا عاریت کے معاملہ میں ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ اس میں تملیک ہوتی ہے اور وہ ایجاب وقبول کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس میں زبان سے کہنا ضروری نہیں بلکہ شے مطلوبہ کا لین دین کافی ہے یعنی دینے والا خواہش مند کو وہ چیز مطلوبہ دے دے اور وہ اسے لے لے اور دونوں یہ جانتے ہوں کہ یہ لین دین عاریتاً ہے۔ عاریتاً دینے کے لئے ان الفاظ کا استعمال کرنا درست ہے کہ میں تم کو یہ شے عاریتاً دیتا ہوں۔ میں اپنی زمین کی پیداوار سے تمہیں خوراک دے رہا ہوں۔ میں یہ کپڑا تم کو ازراہ عنایت دے رہا ہوں۔ لو میں نے اس جانور پر تمہیں سوار کر دیا۔ (یہ الفاظ عاریت کے لئے ہیں) بشرطیکہ الفاظ ''ازراہ عنایت دے یا سواری کرنے'' کے جو استعمال ہوئے۔ ان سے ہبہ کرنا مراد نہ ہو۔ اسی طرح یہ کہنا بھی عاریتاً دینا ہے کہ میں ایک ماہ کے لئے یہ گھر بلا کرایہ تم کو دے رہا ہوں۔ یا یہ کہ ہم دونوں کی زندگی بھر تم میرے گھر میں رہائش کر سکتے ہو۔

Marfat.com

ان جملہ ارکان کے لئے از روئے مسالک مختلفہ چند شرائط ہیں۔ (۱)

۱۔شافعیہ کہتے ہیں کہ عاریتاً دینے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اس کا اہل مجاز ہو اور ایسا شخص وہ ہو سکتا ہے جس میں یہ امور پائے جائیں:

ایک تو یہ ہے کہ وہ بالغ ہو لہٰذا بچہ عاریتاً کوئی چیز دے تو وہ درست نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ وہ عاقل ہو۔ فاتر العقل مجنون کو حق نہیں ہے کہ وہ کوئی شے عاریتاً دے۔

تیسرے یہ کہ وہ شخص اپنی بے عقلی یا مفلسی کے باعث نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو۔ غرض جو شخص (معاملہ) کا نااہل قرار دیا جائے وہ کسی کو کچھ بھی عاریتاً دینے کا مجاز نہیں ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا کسی بچے یا نااہل معاملہ کے لئے یہ جائز ہے یا ناجائز کہ خود اپنے آپ کو عاریتاً (عارضی طور پر) کسی کے حوالہ کر دے مثلاً یہ کہ کسی کی خدمت بلا معاوضہ انجام دینے کے لئے خود کو پیش کر دے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا دو شرطوں سے جائز ہے:

ایک تو یہ ہے کہ وہ کام جو اسے انجام دینا ہے وہ کار مفت ہو جس کی کوئی اجرت بالعموم نہیں ہوتی۔ اگر وہ کام ایسا ہے جس کی اجرت ہوا کرتی ہے تو بچے یا بے عقل نااہل معاملہ کا وہ کام مفت انجام دینے کے لئے خود کو پیش کرنا درست نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ کام ایسا پیشہ ورانہ کام نہ ہو جو اس کا ذریعہ معاش ہے مثلاً ایک ترکھان کا لڑکا ہے اور اس نے کسی کا صندوق مفت بنانے یا رہٹ تیار کرنے کے لئے اپنی خدمت پیش کی یا لوہار کا لڑکا مفت قفل بنانے کے لئے یا درزی کا لڑکا مفت کپڑا سینے کے لئے اپنی خدمت پیش کرے تو اس قسم کی پیشکش جائز نہیں ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر ایک شخص کسی کے بچے سے کہے کہ ذرا میرا یہ کام کر دے اور وہ کام ایسا ہے جس کی اجرت نہیں ہوا کرتی مثلاً پڑوسی کا لڑکا ہے اور اس کو کسی چیز کے لانے کی تکلیف دی جائے تو درست ہے ورنہ نہیں۔

وہ شخص جسے مفلسی کے باعث نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو وہ خود کو خدمت کے لئے پیش کر دے تو جائز ہے بشرطیکہ وہ کام اس کے حصول معاش کے کاموں میں حارج نہ ہو۔ اس کے لئے یہ بھی درست ہے کہ وہ اپنی غیر منقولہ املاک میں سے کسی کو کچھ عاریتاً دے دے۔ مثلاً ایک دن کے لئے اپنا مکان دے دے۔

چوتھا امر معیر (عاریتاً دینے والے کے لئے) یہ ضروری ہے کہ دینے والا اس منفعت کا مالک ہو جسے وہ کسی کو دینا چاہتا ہے۔ اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا مالک بھی ہو کیوں کہ مانگے کے طور پر جو چیز دی جاتی ہے وہ صرف منفعت ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے حق میں ایک چیز سے فائدہ حاصل کرنے کی وصیت کی گئی ہے اور وہ شخص وہ مفاد کسی کو عاریتاً دے دے تو درست ہے۔ اسی طرح ایک شے جو کسی کے لئے وقف کی گئی ہو وہ شے بھی مہتمم اوقاف کی اجازت سے عاریتاً دی جا سکتی ہے کیوں کہ یہ اصحاب اگرچہ اصل شے کے مالک نہیں ہے مگر اس شے کے مفاد کے مالک ہیں جسے خواہش مند کو عاریتاً دیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اس سے منتفع ہو سکے۔ لیکن وہ شخص جو نہ اس چیز کا مالک ہو اور نہ اس کے مفاد کا مالک ہو جیسے 'مستعیر' (عاریتاً کوئی شے لینے والا) وہ مانگے کو لی ہوئی چیز کسی کو عاریتاً دے تو درست نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر مثلاً ایک شخص نے کسی کا جانور مانگے کو لیا تو وہ جانور کسی کو عاریتاً دینا درست نہیں ہے۔ ہاں مالک کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے۔ اگر مالک اجازت دے دے تو اس چیز کے دونوں ہی ذمہ دار ہوں گے۔ اگر وہ چیز دوسرے شخص کے پاس تلف ہو گئی تو اس کا

Marfat.com

تاوان اسی پر ہوگا۔ سوا اس صورت کے جب کہ ضامن اول سے یہ شرط نہ ٹھہری ہو کہ وہ جسے عاریتاً دینا چاہتا ہے اس کا نام بتا دے یا تعین کر دے چنانچہ اگر مستعیر نے یوں کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں یہ چیز زید کو عاریتاً دے دوں تو اس صورت میں پہلا شخص مستعیر لینے والا قرار نہ پائے گا بلکہ اس کی حیثیت ایک وکیل کی سی ہوگی اور وہ تاوان سے بری الذمہ ہوگا۔

مندرجہ بالا شرائط معیر کے متعلق ہیں جو (کوئی شے) عاریتاً دیتا ہے۔ مستعیر (مانگے کی چیز لینے والے) میں دو باتیں ہونی چاہئیں:

ایک تو یہ کہ وہ شخص متعین ہو، بلا تعین کسی کو عاریتاً دینا درست نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے بیٹھنے کے لئے ایک فرش بچھا دیا کہ اس پر کوئی بھی بیٹھے تو یہ کسی کو عاریتاً دینا نہ ہوگا بلکہ یہ محض مباح کرنا (یا اجازت دینا ہے)۔ اسی طرح اگر کسی نے زید و عمرو دو اصحاب سے کہا کہ میں اپنا یہ گھوڑا تم میں سے ایک کو عاریتاً دے دیتا ہوں اور یہ نہ بتایا کہ زید یا عمرو میں سے کسے دیا ہے (تو درست نہیں ہے)۔

دوسری بات یہ ہے کہ عاریتاً لینے والا اس شے کا استعمال جانتا ہو لہٰذا یہ درست نہ ہوگا کہ ایک شخص اپنا گھوڑا کسی بچے یا دیوانے کو عاریتاً دے دے۔ ہاں اگر ولی کے ساتھ بات طے ہوئی ہو (تو درست ہے) تاہم بے عقل کے بارے میں قابل ترجیح یہ ہے کہ وہ خود ہی عاریت کی چیز کو قبول کر سکتا ہے ولی کی قبولیت پر انحصار نہ ہوگا۔

معار (عاریت میں دی ہوئی چیز) کے متعلق بھی چند شرائط ہیں: ایک یہ کہ اس چیز سے فوری طور پر یا بعد میں فائدہ اٹھنا ممکن ہو۔ ایسی شے کی مثال جس سے بعد میں فائدہ اٹھانا ممکن ہو کوئی چھوٹا سا بچھیرا یا بچھڑا ہے کہ اس کو عاریت مطلقہ، یعنی بلا قید مدت یا عاریت مقیدہ یعنی مقررہ مدت کے لئے اس کے دوران اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو عاریتاً دینا درست ہے۔ لیکن ایسی چیز جس سے کچھ بھی فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو جیسے ناکارہ بیمار جانور، تو اس کو عاریتاً دینا صحیح نہیں ہے۔ اور نفع یا فائدہ سے مراد ہر ایسا امر ہے جس سے عاریتاً لینے والا مستفید ہو۔

منفعت یا نفع کی دو قسمیں ہیں: ایک منفعت محض جس کا کوئی خارجی یا مادی وجود نہیں ہوتا جیسے کسی گھر کی سکونت یا جانور کی سواری یا شامیانہ کا سایہ وغیرہ۔ دوسری قسم خارجی یا مادی منفعت جو عاریت کی چیز سے حاصل کی جائے مثلاً بکری کا دودھ اور درخت کا پھل۔ پس اگر کوئی بکری عاریتاً لی کہ اس کا دودھ یا اس کی نسل حاصل کی جائے یا درخت لیا کہ اس سے پھل حاصل کرے تو اس کا عاریتاً لینا۔ درست ہوگا، حالانکہ دودھ ایک مستقل شے ہے جو مانگے کے بطور لی ہوئی بکری سے یا پھل مستقل شے ہے جو عاریت کے درخت سے حاصل ہوتا ہے۔ غرض بکری کا دودھ یا نسل کے لئے اور درخت کا پھل کی خاطر عاریتاً لینا درست ہے۔ اسی طرح کی اور چیزوں کا بھی لینا بقول معتمد درست ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ عاریتاً لی ہوئی شے سے دودھ یا نسل یا پھل کی منفعت عاریت کی چیز کے طور پر نہیں ہوتی بلکہ یہ بطریق اباحت (اجازت) کے ہوتا ہے اور بکری یا درخت کا عاریتاً دینا اس شے کے حاصل کرنے کا واسطہ ہے جس کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اس نالی کو جو دوسرے کی زمین میں ہے عاریتاً لے تاکہ اپنی زمین تک پانی لے جا سکے۔ ایسی صورت میں وہ پانی جس کا وہ مالک ہے اس نالی کے بغیر اپنی زمین میں نہیں لے جا سکتا گویا (اس صورت میں) پانی کے لے جانے کا جو ذریعہ ہے وہی منفعت ہے جسے عاریتاً لی ہوئی نالی کے ذریعہ سے حاصل کیا گیا۔ اس صورت میں لفظ عاریت استعمال کیا

Marfat.com

جائے یا اباحت کوئی فرق نہیں پڑتا۔

عاریتاً دی ہوئی شے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مباح (جائز) ہو۔ ایسی شے کا عاریتاً دینا حرام ہے جس کی منفعت حرام ہو، مثلاً جواں سال خادمہ جس کی موجودگی میں نفس کا بچانا دشوار ہو، درآنحالیکہ خدمت کے لئے اس کے ساتھ خلوت میں رہنا ہوتا ہو یا اس پر ناجائز نظر پڑتی ہو۔ ہاں اگر وہ خادمہ ایک نابالغ بچی ہے جس سے نفسانی خواہشات کو تحریک نہ ہو یا بھونڈی صورت کی ہو یا اسے صرف ننھے بچوں کی خدمت کے لئے ہو اور باپ کا اس سے واسطہ نہ پڑتا ہو تو اسے عاریتاً دینا درست ہے اور ایسی اشیاء میں جن کا استعمال حرام ہے نغمہ و موسیقی سارنگی ستار وغیرہ ناجائز ساز داخل ہیں۔ ہاں جو حرام نہیں ہیں مثلاً ڈھول اور شطرنج سوان کا عاریتاً لین دین جائز ہے، اسی طرح کرایہ پر لینا بھی جائز ہے۔ اور کسی حربی (برسرپیکار دشمن) کو ہتھیار کا عاریتاً دینا جس سے وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کام لے سکے حرام ہے۔

(عاریت کی چیز کے متعلق) تیسری شرط یہ ہے کہ لینے والا اس چیز کو اس طرح استعمال کرے کہ اصل شے باقی رہے۔ اگر وہ شے استعمال سے تلف ہونے والی ہو تو اسے عاریتاً دینا درست نہیں ہے کیوں کہ اس سے عاریت کا جو حقیقی مفہوم ہے وہ جاتا رہتا ہے۔ عاریت ایسی چیز کی ہوتی ہے جس سے فائدہ اٹھایا جا سکے لیکن وہ چیز باقی رہے تاکہ اس کے مالک کو واپس کی جا سکے لہٰذا اشیائے خوردنی کو عاریتاً دینا درست نہیں ہے کیوں کہ وہ شے (استعمال کرنے) کھانے سے ختم ہو جاتی ہے۔

اب رہا صیغہ (الفاظ عاریت) اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ایسے الفاظ ہوں جن سے ظاہر ہو کہ فلاں شے سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے، خواہ یہ الفاظ عاریتاً لینے والے کے ہوں، مثلاً وہ یوں کہے کہ مجھے فلاں چیز عاریتاً دے دیجئے یا وہ الفاظ دینے والے کے ہوں، مثلاً وہ کہے کہ میں فلاں چیز عاریتاً دے رہا ہوں۔ غرض دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے یہ لفظ ادا ہونا چاہیے۔ دوسرے کی طرف سے اس کا ادا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس کا عمل کافی ہے۔ اس پر فوری عمل درآمد بھی شرط نہیں ہے۔ پس اگر کسی نے کہا کہ میں نے آپ کو اپنا جانور عاریتاً دے دیا حالانکہ فوری طور پر اسے نہیں دیا تب بھی اسے عاریتاً دینا درست مانا جائے گا۔ اور اس بارے میں اگر کنایتاً (یا اشارۃً) بھی عاریتاً دینے کی نیت سے کہا تو وہ بھی صراحت ہی کے برابر ہے۔ یہی حال گونگے کے اشارہ کا ہے جس سے اس کا مقصد سمجھ میں آجائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ معاملہ عاریت کی چند شرطیں ہیں جن میں سے بعض کا تعلق عاریتاً (کوئی چیز) دینے اور لینے والے سے ہے۔ ان کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عاقل ہوں لہٰذا مجنون کوئی چیز عاریتاً دے تو وہ درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ ممیز (باشعور) ہوں لہٰذا ناسمجھ بچہ کا کوئی چیز عاریتاً دینا درست نہیں ہے۔ تاہم بالغ ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا ایسا نابالغ جسے تصرف (لین دین) کی اجازت ہو عاریتاً کوئی چیز دے تو درست ہے۔

بعض شرائط کا تعلق عاریت کی چیز سے ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ چیز ایسی ہو کہ اس کو تلف کیے بغیر اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اگر بنیادی طور پر اس شے سے استفادہ ممکن نہ ہو جیسے کوئی مریض جانور ہے تو اسے عاریتاً دینا درست نہ ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ کسی چیز سے فائدہ اٹھایا جا سکے لیکن اسے تلف کر کے جیسے اشیاء خوردنی یا موم بتی کہ جب تک اسے جلایا نہ جائے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا (عاریتاً لین دین درست نہیں)۔ عاریتی چیز کے

Marfat.com

لئے یہ شرط بھی ہے کہ خواہش منداس کو حاصل کر لے، اگر اس نے نہیں لیا تو عاریت نہ ہوئی۔

باقی رہیں وہ شرطیں جن کا تعلق صیغہ الفاظ عاریۃ سے ہے، ان کا ذکر ارکان عاریت کے بیان میں آچکا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عاریت کی چند شرطیں ہیں۔ بعض کا تعلق معیر (دینے والے) سے ہے، بعض کا مستعیر (لینے والے) سے اور بعض کا مستعار (مانگے کی چیز) سے ہے۔

عاریتاً دینے والے میں چند باتیں ہونا چاہئیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ جو چیز مانگے کو دی جائے تو اس کی منفعت کا مالک ہو، خواہ اس حیثیت سے کہ وہ اس کا مالک ہے یا اسے کرایہ پر لے رکھا ہو یا عاریتاً لی ہوئی شے ہو۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ دینے والا اس چیز کا مالک ہو، صرف اس کی منفعت کا مالک ہونا شرط ہے، مالک ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ اگر مثلاً کسی نے ایک گھر کرایہ پر لیا اور وہ کسی اور کو عاریتاً دے دے تو درست ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے خود کوئی چیز مانگے کو لے رکھی ہے اور دوسرے کو عاریتاً دے دی تو درست ہے بشرطیکہ معیر (دینے والے) نے کسی اور کو دینے سے صاف طور پر یا ضمنی صراحت کے ساتھ منع نہ کر دیا ہو۔ ضمنی ممانعت کی مثال (دینے والے) کا یہ کہنا ہے کہ اگر تمہارا باپ یا بھائی (بیچ میں پڑا) نہ ہوتا تو میں تم کو یہ چیز عاریتاً نہ دیتا۔ اس طرح کہنے میں ضمناً یہ مفہوم نکلتا ہے کہ وہ صرف اسی شخص کو عاریتاً دینا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں لینے والے کے لئے ٹھیک نہیں ہے کہ وہ کسی اور کو وہ چیز عاریتاً دے دے۔ اب اگر کوئی شخص ایسی چیز جو ذرائع بالا میں سے کسی ذریعہ سے اس کی ملک میں نہ ہو تو اسے عاریتاً دینا فضول متصور ہوگا اور سرے سے درست نہ ہوگا کیوں کہ لینے والے سے اس نے بغیر کسی معاوضہ کے اس چیز کو حاصل کیا ہے۔ یہی حکم اس ہبہ، وقف اور دوسری اشیاء کا ہے جو کوئی غیر متعلقہ شخص نکالے۔ لیکن اگر اس چیز کو معاوضہ لے کر دیا ہو مثلاً ایک شخص نے پرائے مال کو مالک کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا تو یہ فروخت مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ اگر مالک نے اجازت دے دی تو وہ فروخت مان لی جائے گی۔

معیر کے بارے میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ کم عمری، بے عقلی یا غلامی کے باعث نااہل معاملہ نہ قرار دیا گیا ہو۔ چنانچہ کسی بچے یا بے عقل یا غلام کا، اگرچہ اسے امور تجارت کی انجام دہی کی اجازت ہو، عاریتاً کوئی شے دینا درست نہیں ہے کیوں کہ ایسے غلام کو جو تجارت کی اجازت ہے وہ یہ ہے کہ وہ قیمتاً کوئی شے فروخت کر سکتا ہے عاریتاً بلا معاوضہ نہیں دے سکتا۔ ہاں اگر گاہکوں کو کھینچنے کے لئے کوئی چیز عاریتاً دے دے تو درست ہے۔ اسے زبائن کہتے ہیں (یعنی گاہکوں کو توڑ کر اپنی طرف لانا)۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ صرف معیر (عاریتاً دینے والا) ہی کسی شے کی منفعت کا مالک ہو کوئی اور شخص وہ فائدہ نہ اٹھا سکتا ہو۔ ایسے شخص اور (عام) مالک منفعت میں فرق یہ ہے کہ مالک منفعت وہ ہے جسے شارع نے کسی شے سے استفادہ کا حق دیا ہو اور یہ بھی اسے حق ہو کہ وہ اپنی بجائے کسی اور کو استفادہ کا حق دے دے جیسے کسی شے کا مالک یا کرایہ دار یا عاریتاً لینے والا کہ ان میں سے ہر ایک کو حق ہے کہ اس طرح حاصل کی ہوئی چیز کسی کو کرایہ پر دے یا بخش دے یا عاریتاً دے اور یا خود ہی اس سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن وہ شخص جو نفع کا مخصوص مالک بنایا گیا ہے شارع علیہ السلام نے اسے پابند کر دیا ہے کہ صرف وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسے وقف شدہ مکانوں کی ہے جو محض مجاوروں یا مسافروں وغیرہ کے

فائدہ کی خاطر وقف کیے گئے ہوں۔ایسی صورت میں اگر ایک شخص کو مثلاً بحیثیت ایک مجاور کے اس میں محض رہائش کا حق ہے تو استفادہ کا یہ حق صرف اسی شخص کو ہے لہٰذا وہ کسی دوسرے کو نہ عاریتاً دینے کا مجاز ہے نہ ہبہ وغیرہ کر سکتا ہے۔ہاں یہ جائز ہے کہ وہ کسی اور کو مفت یا کسی کرایہ پر ایک مقررہ عرصہ یا ہمیشہ کے لئے استفادہ کا حق دے کر خود دست بردار ہو جائے۔

اس سلسلہ میں ایک اور مسئلہ آتا ہے جسے ''ملک خلو'' کہتے ہیں۔یہ بھی ملک منفعت کی ایک قسم ہے۔خلو اس نفع کو کہتے ہیں جو ایک رقم دینے والے کو اس رقم کے عوض حاصل ہوتا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً ایک وقف شدہ منہدم مکان کسی گوشہ میں واقع ہے یا کوئی کھلی زمین وقف ہے جس پر کوئی تعمیر نہیں ہے اور وقف کی کوئی ایسی آمدنی بھی نہیں ہے کہ اس کی تعمیر پر خرچ کی جائے۔اب کوئی شخص اس زمین کو ٹھیک (آباد) کرنے یا مسمار شدہ مکان کی تعمیر کے لئے ایک خاص رقم بصیغہ وقف دیتا ہے اور شرط یہ ہے کہ وہ پورے سال کا کرایہ جسے حکر کہتے ہیں اکٹھا ادا کرے گا اور اس رقم کے عوض جو اس پر صرف ہوئی ہے اس تعمیر سے فائدہ اٹھائے گا۔اس فائدہ کو خلو کہتے ہیں۔اب اگر اس وقف شدہ جگہ کا کرایہ تعمیر کے بعد مثلاً دس ہے اور تعمیر کنندہ سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ منجملہ دس کے تین حکر وہ ادا کر دے گا اور باقی سات اس مصارف میں محسوب ہوں گے جو اس نے کیے ہیں تو یہ درست ہے۔اور وہ شخص جس نے تعمیر پر رقم لگائی اس جگہ کی منفعت کا مالک متصور ہوگا اور جائز ہوگا کہ وہ شخص اس منفعت کو عاریتاً کسی کو دے دے یا اسے ہبہ کر دے یا یہ کہ خود اپنے لئے مخصوص کر لے جو اس کی وفات کے بعد اس کے ورثا کو منتقل ہو جائے وغیرہ۔

اسی طرح کا ایک خلو آج کل مصر میں رائج ہے کہ ایک شخص کوئی مکان عام شہری دستور کے مطابق کرایہ پر لیتا ہے، پھر وہ چاہتا ہے کہ کسی اور سے ایک رقم لے کر اس کے لئے خالی کر دے اسے آج کل پگڑی پر لینا کہتے ہیں یہ عام لوگوں کے دستور کے مطابق جائز ہے۔

مستعیر (عاریتاً لینے والے) کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شخص اس امر کا اہل ہو کہ براہ مہربانی کوئی چیز اسے عاریتاً دی جا سکے۔ایسے شخص کو جو اس عاریتی شے کا اہل نہ ہو عاریتاً دینا درست نہیں ہے۔مثلاً کسی کافر کو کلام پاک عاریتاً دینا نہ چاہیے کیوں کہ اس کے ساتھ یہ مہربانی درست نہیں ہے۔

عاریتی چیز کی بابت یہ شرط ہے کہ وہ کوئی منفعت بخش مادی شے ہو اور یہ کہ اس کا استعمال جائز ہو، گو اس کی خرید و فروخت جائز نہ ہو جیسے شکاری کتا یا قربانی کی کھال کہ اس کا استعمال تو جائز ہے گو فروخت کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا ان اشیاء کا عاریتاً لین دین روا ہے۔

کسی لونڈی کو عاریتاً ایسے شخص کے حوالہ کرنا جس کی جانب سے اطمینان نہ ہو درست نہیں ہے۔اور ایسی چیز کا دینا جس کو تلف کیے بغیر استعمال میں نہ لایا جا سکے جیسے اشیائے خوردنی یا نقدی عاریتاً دینا نہ کہیں گے بلکہ وہ قرض ہوگا اگرچہ بطور عاریت کہہ کر دی گئی ہو کیوں کہ عاریتاً دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس چیز سے فائدہ اٹھا کر اس کے مالک کو واپس کر دی جائے۔

Marfat.com

عاریت کے اقسام اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان

عاریت کی چند قسمیں ہیں اور ہر ایک کے متعلقہ مسائل مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

اب رہا صیغہ (الفاظ عاریت) اس میں ہر وہ بات داخل ہے جس سے کسی کو بلا معاوضہ منفعت حاصل کرنے کا مالک بنانا مفہوم ہوتا ہو جیسے (کسی کا) یہ کہنا کہ مجھے (فلاں چیز) عاریتاً دے دیجئے اور وہ (دینے والا) کہے میں نے تم کو عاریتاً دے دی یا مجھے عاریتاً دے دیجئے کے جواب میں ہاں یا (اچھا) کہا یا پھر (عاریتاً لین دین) عمل یا اشارہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ عاریتی شے کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ ایسی ہو جس سے فائدہ اٹھایا جائے مگر وہ شے باقی رہے جیسے گھر، کپڑا اور مویشی وغیرہ۔ ایسی شے کو عاریتاً دینا درست نہیں ہے جس سے بغیر تلف کیے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے جیسے کھانے پینے کی چیزیں وغیرہ۔ اگر کسی نے ایسی چیز عاریتاً کہہ کر دی تو اس کا مقصد اس سے اس امر کی اجازت دینا ہے کہ وہ اس چیز کو تلف یا ختم کر کے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

معیر (عاریتاً دینے والے) کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اس مہربانی کا اہل ہو لہٰذا ایسا شخص جسے نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو، کوئی شے عاریتاً دے تو درست نہیں ہے۔ اسی طرح مہتمم اوقاف مال وقف سے یا کوئی ولی یتیم مال یتیم سے کوئی چیز عاریتاً دے تو وہ ٹھیک نہیں ہے۔

مستعیر (لینے والے کے لئے) یہ شرط ہے کہ وہ عاریت کی چیز لینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ بنابریں کسی کافر کو قرآن شریف عاریتاً دینا درست نہیں ہے کیوں کہ وہ اس کے قبول کرنے کا اہل نہیں ہے۔

رہ گیا صیغہ (الفاظ ایجاب وقبول) اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس میں الفاظ استعمال کیے جائیں بلکہ قول و فعل میں سے ہر ایسا امر جس سے عاریتی شے کے لین دین کی رضامندی کا اظہار ہوتا ہو کیوں کہ یہ (محض) اباحت (یا اجازت) ہے کوئی معاہدہ نہیں ہے لہٰذا اگر یوں کہا کہ میں آپ کو فلاں چیز سے فائدہ اٹھانے یا (کام نکالنے) کی اجازت دیتا ہوں تو یہ بھی اسی طرح عاریت ہے جیسے یوں کہنا کہ میں آپ کو (فلاں چیز) عاریتاً دیتا ہوں۔ اسی طرح اگر کسی نے درخواست کی کہ (فلاں چیز) مجھے عاریتاً دے دیجئے اور وہ شے اس کو دے دی گئی وغیرہ (تو یہ بھی عاریتاً دینا ہی متصور ہو گا)۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عاریت کی چار قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں وقت اور فائدہ کی کوئی پابندی (یا تعین) نہ ہو مثلاً دینے والا کہے کہ میں نے اپنا مکان یا جانور آپ کو عاریتاً دیا، اور یہ نہ بتایا کہ کتنے عرصہ کے لئے اور نہ یہ کہ جانور سے کیا کام لیا جائے گا۔

عاریت کی اس قسم میں لینے والے کو حق ہے کہ وہ عاریتی شے سے بلا کسی شرط یا پابندی کے یعنی (جب تک اور جتنا چاہے) فائدہ اٹھائے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اس شے سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے مدت اور فائدہ کی مقدار بتا دی جائے مثلاً یوں کہیں

Marfat.com

کہ میں اپنا گھر آپ کو ایک ماہ کے لئے عاریتاً دیتا ہوں کہ اس دوران آپ اس میں اپنا سامان رکھ سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں لینے والے کے لئے ایک ماہ سے زائد تک اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا اور نہ اس میں اپنا سامان رکھنے کے علاوہ اور کسی کام میں لانے کا حق ہے۔ ہاں اسے یہ حق ہے کہ جس مقصد کے لئے اسے اجازت دی گئی ہے اس سے بہتر طریقہ سے اسے کام میں لائے۔ مثلاً یہ کہ لوہا اور پتھر رکھنے کی اجازت تھی اور اس نے کپڑا رکھا (تو بہتر استعمال ہوا)۔

تیسری قسم یہ ہے کہ مال عاریت سے فائدہ اٹھانے کے لئے وقت مقرر کر دیا گیا ہو، (مثلاً یوں کہنا) کہ میں آپ کو یہ جانور تین دن کے لئے عاریتاً دیتا ہوں، لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس جانور سے کیا کام لیا جائے؟

چوتھی قسم یہ ہے کہ صرف فائدہ کی نوعیت بتائی جائے اور وقت کا تعین نہ ہو۔

ان دونوں صورتوں میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن ان تمام صورتوں میں عاریتاً دینے کا معاملہ لازمی (اٹل) نہیں ہوتا یعنی مالک کو اختیار ہوتا ہے کہ جب چاہے اپنی چیز واپس لے لے بشرطیکہ اس کی واپسی میں مستعیر (لینے والے) کو ضرر نہ پہنچے۔ ایسی صورت میں عاریت کی یہ حیثیت ختم ہو جائے گی اور مانگے کو دی ہوئی شے لینے والے کے پاس مناسب اجرت پر دی ہوئی شے متصور ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو اپنی دیوار عاریتاً دی کہ وہ اس پر اپنی چھت کا شہتیر رکھ لے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور عمارت تیار ہوگئی تو اب دیوار والے کو یہ حق نہیں ہے کہ اس حالت میں اپنی دیوار واپس لے لے۔ اس کے لئے مستعیر کو اپنی چھت ڈھانی پڑے گی اور اسے نقصان ہوگا۔ لہٰذا وہ دیوار اس کے پاس رہے گی، ہاں اس دیوار کا مثلی کرایہ اگر اس جیسی صورت میں کچھ ہوا کرتا ہے تو ادا کرنا پڑے گا۔

اسی طرح کی مثال یہ ہے کہ کسی کو گھوڑا ایک خاص مقام تک جانے کے لئے عاریتاً دیا گیا تو دینے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی واپسی کا مطالبہ ایسی جگہ پر کرے جہاں پہنچ کر اپنی سواری لے کر مستعیر کو واپس آنا ممکن نہ ہو تو وہ گھوڑا مستعیر ہی کے پاس رہے گا لیکن (اس وقت سے) اس کی اجرت مثل واجب الادا ہوگی۔

اسی طرح ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص کو زمین بغرض زراعت عاریتاً دی گئی تو اب دینے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ پیداوار حاصل کرنے سے پہلے اسے واپس لے۔ ہاں اس جیسی زمین کا جو کرایہ (اس مدت کے لئے) ہوتا ہے وہ لے سکتا ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنے مکان کی دیوار عاریتاً دی اور لینے والے نے اس پر اپنی چھت کا شہتیر رکھ دیا۔ اس کے بعد دینے والے نے وہ مکان فروخت کر دیا تو خریدار کو حق ہوگا کہ اس دیوار کی واپسی کا مطالبہ کرے اور وہ چھت ہٹانا پڑے گی۔ ہاں اگر فروخت کنندہ نے فروخت کے وقت اس کے واپس نہ لئے جانے کی شرط رکھ دی تھی تو اس کے مطابق عمل ہو گا۔

اس مسئلہ میں وارث کے لئے بھی وہی حکم ہے جو خریدار کے لئے ہے۔ لیکن وارث کو عاریتاً دی ہوئی دیوار کے واپس لینے کا بہر صورت حق ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے عاریتاً لی ہوئی دیوار پر اپنا شہتیر رکھ کر عمارت بنالی اس کے بعد عاریتاً دینے والا وفات پا گیا تو اس کے وارث کو بہر صورت اس دیوار کے واپس لینے کا حق ہے اگرچہ مستعیر خود بھی وارثوں میں سے ہو۔ ہاں اگر ترکہ کی تقسیم ہوا اور وہ دیوار مستعیر کے حصہ میں آجائے تو (اور بات) ہے۔

Marfat.com

اگر کسی نے عاریتاً لی ہوئی زمین پر عمارت بنالی یا اس میں درخت لگالیا تو درست ہے لیکن مالک کا یہ حق برقرار رہے گا کہ جس وقت چاہے اپنی زمین واپس لے لے کیوں کہ یہ قاعدہ طے شدہ ہے کہ کسی چیز کو عاریتاً دینے کا معاملہ لازم (اٹل) نہیں ہوتا۔

اب جاننا چاہیے کہ اگر وہ زمین معینہ عرصہ کے لئے دی گئی اور مالک نے اس عرصہ کے ختم ہونے سے پہلے ہی واپسی کا مطالبہ کیا تو اسے حق ہے کہ لینے والے کو عمارت کے ہٹالینے اور درخت کے کاٹ لینے کے لئے کہے لیکن اس گھاٹے کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہوگا جو مکان یا درخت کے ہٹانے سے ہوگا۔ بایں طور کہ لگے ہوئے درخت کی قیمت کا اندازہ اس عرصہ کا لگایا جائے گا جو عاریت سے استفادہ کے لئے رکھی گئی تھی۔ چنانچہ اگر واپسی کے مطالبہ کے وقت درخت کی قیمت چار تھی اور اگر اتنی مدت لگا رہتا جس مدت کے لئے زمین عاریتاً دی گئی تھی تو اس کی قیمت دس ہو جاتی تو مالک پر لازم ہے کہ باقی چھ جو اس وقت کی متوقع قیمت سے کم ہیں مستعیر کو ادا کرے۔ اگر مالک نے مدت مقررہ گزرنے کے بعد اپنی زمین کی واپسی کا مطالبہ کیا تو مالک اپنی زمین واپس لے سکتا ہے۔ اس کے ذمہ کچھ واجب نہ ہوگا۔ مستعیر کو چاہیے کہ وہ اپنا درخت کاٹ لے اور عمارت ہٹادے لیکن اسطرح کہ زمین مستعار کو کچھ نقصان نہ پہنچے۔ اگر (لینے والے نے) اس زمین پر پھل دار درخت لگا رکھے ہیں، عاریت کی میعاد گزر گئی اور مالک نے اپنی زمین کے واپس کرنے کا مطالبہ کر دیا لیکن درختوں کا اکھاڑنا زمین کے لئے نقصان دہ تھا۔ تو مسیعر کو کہا جائے گا کہ وہ درختوں کو نہ کاٹے اور زمین پر لگا رہنے دے، ہاں وہ درختوں کی وہ قیمت طلب کر سکتا ہے جو اس وقت کاٹنے کے بعد فروخت کرنے سے ملتی۔ یہ قیمت مستعیر کا حق ہوگا اور وہ درخت زمین والے کی ملکیت ہو جائیں گے۔

اسی طرح کی یہ صورت بھی ہے کہ مستعیر نے عاریتاً لی ہوئی زمین پر مکان بنالیا، ادھر عاریت کی مدت ختم ہوگئی اور اس مکان کے ڈھانے سے زمین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو مستعیر کو کہا جائے گا کہ عمارت بغیر ڈھائے قائم رہنے دے ہاں ڈھائے ہوئے مکان (ملبہ) کی قیمت کا حق اسے ہوگا اور مکان زمین والے کا ہوگا۔ اگر وہ زمین بطور عاریت مطلقہ دی گئی تھی (جس میں) وقت یا فائدہ کی تعیین نہیں ہوتی) اور مالک نے واپسی زمین کا مطالبہ کر دیا تو اس صورت میں مستعیر کو اختیار ہوگا کہ درخت یا عمارت کی قیمت وصول کرے۔ ادائے قیمت کے بعد وہ درخت یا مکان مالک زمین کی ملکیت ہو جائے گا۔ یا پھر مستعیر چاہے تو ان کو کاٹ لے یا ڈھادے اور لکڑی یا ملبہ اٹھالے جائے۔ اگر (درخت کا) اکھاڑنا یا (مکان کا) ڈھانا زمین کے لئے نقصان دہ ہو تو ایسی صورت میں مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ مستعیر کو کہے کہ زمین پر اس کا جو درخت یا مکان ہے وہ ہٹالے۔ اس کا کوئی معاوضہ وہ نہ دے گا۔ اور زمین کو اس سے جو نقصان پہنچا ہے وہ خود برداشت کرے گا۔ اور یا پھر درخت اور عمارت کو باقی رہنے دے اور اس کی وہ قیمت ادا کر دے جو کٹے ہوئے درخت یا منہدم شدہ عمارت کی ہوتی ہو، صحیح سالم کی قیمت نہیں۔

اگر کوئی زمین کھیتی کرنے کے لئے عاریتاً دی گئی ہے تو فصل کٹنے سے پہلے اس کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں ہے، خواہ عاریت کے لئے مدت مقرر کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔ لیکن اس صورت میں مالک کو حق ہوگا کہ (اس مدت کا) کرایہ زمین مثلی (یعنی جو اس کا بالعموم ہوا کرتا ہے) وصول کر لے۔ مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بیج اور کاشت کے اخراجات ادا کر کے

کھیتی کا مالک بن جائے، درآنحالیکہ ہنوز کھیت اگا نہ ہو کیوں کہ کھیت کا اگنے سے پہلے سودا کرنا باطل ہے۔ ہاں اگر کھیتی اگ آئی ہے تو بقول مختار ایسا کرنا جائز ہے۔ اگر مستعیر اس زمین کا کرایہ مثل دینے پر رضامند نہ ہو اور یا (اپنے لگائے ہوئے) درخت کو کاٹ لینے سے انکار کرے، جب تک کہ مالک زمین وہ تمام خرچ ادا نہ کرے جو اس پر آیا ہے، تو اس صورت میں کہا جاتا ہے کہ مستعیر کو ایسا کرنے کا حق ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عاریت کی دو قسمیں ہیں: عاریت مطلقہ (یعنی بغیر کسی شرط کے عاریتاً کوئی چیز دینا) اور عاریت موقتہ جو مقررہ عرصے اور متعین کام کے لئے ہو۔ تاہم عاریت کا معاملہ لازم (یعنی اٹل اور ناقابل تنسیخ) نہیں ہوتا یعنی مستعیر کو حق ہوگا کہ جب چاہے (بلا لحاظ تعین وقت) عاریتی شے اس کے مالک کو واپس کر دے کیوں کہ عاریتی شے کی منفعت ایک دم سے بیک وقت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ اس کا مالک متصور ہو بلکہ منفعت کی تکمیل رفتہ رفتہ ہوتی ہے۔ جہاں تک کام ہوتا جاتا ہے مستعیر اسے حاصل کرتا جاتا ہے اور جو کام نہیں ہوتا وہ اس منفعت کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا اس شے کے مالک کو حق ہے کہ اس چیز کو واپس لے لے جیسے ہبہ شدہ شے جب کہ (موہوب لہ کے) قبضہ میں نہ آئی ہو۔ البتہ اگر عاریتی شے کے واپس لینے میں مستعیر کو ضرر کا اندیشہ ہو تو (واپسی کا حق نہ ہوگا) مثلاً ایک شخص نے کسی کو اپنی کشتی عاریتاً دی تا کہ وہ اس پر اپنا سامان بار کر کے لے جائے تو کشتی والے کو یہ حق نہیں ہے کہ سمندر کے بیچ میں اس کی واپسی کا مطالبہ کر بیٹھے جہاں اس کشتی کے سوا اور کوئی بندوبست نہیں ہو سکتا۔ ہاں ساحل پر لگ جانے کے بعد واپس لے سکتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنی دیوار عاریتاً دی کہ لینے والا اس پر اپنی چھت کا شہتیر رکھ لے تو اب مالک دیوار کو یہ حق نہیں ہے کہ جب مستعیر اس پر اپنی عمارت کی چھت بنا لے تو اسے واپسی کا مطالبہ کرے کیوں کہ اس میں مستعیر کا نقصان ہے۔ ہاں اگر وہ چھت از خود گر پڑے تو اب مستعیر کو دوبارہ اس دیوار پر چھت بنانے کا حق نہ ہوگا، اس کے لئے مالک کی اجازت ضروری ہے۔ تاہم اگر ایسی مجبوری ہو کہ اس دیوار کا سہارا لئے بغیر چھت نہ بن سکتی ہو تو ایسی صورت میں وہ عاریت لازم (ناقابل تنسیخ) ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر ایک شخص نے اپنی زمین کھیتی کے لئے کسی کو عاریتاً دی تو اس کی واپسی کا مطالبہ درست نہ ہوگا جب تک کہ فصل نہ کاٹ لی جائے۔ اگر معیر (جس نے عاریتاً وہ زمین دی ہے) چاہے کہ کھیتی کی لاگت دے کر اس کا مالک بن جائے اور اپنی دی ہوئی زمین واپس لے لے تو اس کی یہ بات تسلیم نہ کی جائے گی تاوقتیکہ مستعیر اس پر راضی نہ ہو۔ ہاں دینے والے کو یہ حق ہے کہ اس زمین کا مثلی کرایہ مطالبہ واپسی کے وقت سے کھیتی کے کاٹے جانے تک کے عرصہ کا وصول کر لے درآنحالیکہ مطالبہ کے وقت پیداوار کا کاٹ لینا ممکن ہو۔ اس کے علاوہ اس قسم کا اور کوئی مطالبہ نہیں ہو سکتا جس کا ذکر کشتی یا دیوار کے کرایہ وغیرہ کے باب میں اوپر کیا گیا۔

اگر کسی کو عاریتاً زمین دی گئی کہ اس میں کوئی درخت لگائے یا کوٹھا تعمیر کرے تو اس میں دیکھنا ہوگا کہ آیا (عاریتاً دیتے وقت) مالک زمین نے لینے والے پر یہ پابندی عائد کر دی تھی کہ اتنے عرصہ میں یا یہ کہ جب مالک واپسی کا مطالبہ کرے اسے اپنا لگایا ہوا درخت اکھاڑنا ہوگا اور جو تعمیر کی ہے اسے ڈھانا پڑے گا یا ایسی کوئی شرط نہ تھی۔ اگر ایسی شرط تھی تو لینے والے کو اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا اور مالک زمین کو حق ہوگا کہ میعاد مقرر گزرنے پر یا واپسی زمین کے وقت درخت

Marfat.com

کاٹ لینے اور تعمیر گرا دینے کا مطالبہ کرے اور مستعیر کو یہ حق نہ ہوگا کہ درخت یا عمارت کی قیمت جو کاٹے جانے یا ڈھائے جانے کے بعد کم ہوگئی ہے اس کمی کا مطالبہ کرے، کیوں کہ فریقین نے جو شرطیں طے کی ہیں وہ اس کے پابند ہوں گے۔ اور مستعیر پر لازم ہے کہ درخت کو اکھاڑنے یا عمارت کو منہدم کرنے میں جو گڑھا پڑ گیا ہے اسے پر کرے، بجز اس کے کہ اس کے علاوہ کوئی اور شرط عاریتاً لینے سے پہلے طے ہوگئی ہو (تو اسی کے بموجب عمل ہوگا)۔

اگر کوئی زمین بلا کسی شرط کے عاریتاً دی گئی اور لینے والے نے اس میں درخت لگا لیا یا عمارت بنالی اس کے بعد مالک مکان نے اپنی زمین کا مطالبہ کیا تو لینے والے پر اس درخت کا اکھاڑ لینا یا تعمیر کا ڈھانا لازم نہ ہوگا سوا اس صورت کے جب کہ معیر (مالک زمین) اس کمی کو پورا کرنے کی ذمہ داری لے جو درخت کے کاٹنے یا عمارت کے گرانے کے بعد ان کی قیمتوں میں ہوئی۔ اور اگر معیر عمارت یا درخت کے اس جبر نقصان کی ذمہ داری قبول کرے تو مستعیر کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو ہٹا لے اور درخت کاٹنے یا مکان کے گرانے کا خرچ مستعیر کے ذمہ ہوگا اور مالک زمین کو حق ہوگا کہ وہ اس درخت یا عمارت کی قیمت دے کر اس کی ملکیت حاصل کر لے خواہ مستعیر اس پر راضی نہ ہو۔ اس کے برعکس مستعیر کو یہ حق نہیں ہے کہ مالک زمین کی رضامندی کے بغیر زمین کی قیمت دے کر اسے لے لے درآنحالیکہ مالک زمین جبر نقصان یا خریداری پر راضی ہو۔ اگر مالک زمین جبر نقصان سے انکار کرے اور اس درخت یا مکان کو لینے سے بھی انکار کرے تو اسے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی حالت میں مستعیر کو حق ہو جائے گا کہ وہ اس زمین کو خریدنے کے لئے مالک سے زمین کی فروخت کا مطالبہ کرے۔ اگر نہ مستعیر خریداری پر راضی ہو اور نہ مالک جبر نقصان پر تو درخت ہو یا عمارت انھیں اسی طرح قائم رکھا جائے یہاں تک کہ فریقین کسی بات پر متفق ہو جائیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عاریت کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم عاریت بہ تعین وقت، مثلاً دینے والا کہے کہ میں یہ گھر آپ کو ایک ماہ یا ایک سال کے لئے عاریتاً دیتا ہوں۔

دوسری قسم عاریت متعین منفعت مثلاً یوں کہا جائے کہ میں اپنا یہ بیل عاریتاً دیتا ہوں کہ آپ اس کے ذریعہ ایک بوری گندم پیس لیں یا ایک فدان (ایک ایکڑ) زمین میں قلبہ رانی کر لیں۔ یا (یوں کہا کہ) میں یہ اونٹ آپ کو دیتا ہوں کہ آپ اپنا کھلیان اس پر لاد سکیں وغیرہ۔ اس قسم کی عاریت صرف اس محدود کام کے لئے ہوگی جس کام کے لئے مانگے کی چیز عاریتاً لی گئی ہو۔

تیسری قسم عاریت مطالقہ (بلا شرط) ہے جس میں نہ وقت کی پابندی ہو نہ کام کی، مثلاً یوں کہا جائے کہ میں آپ کو یہ زمین، جانور، مکان یا کپڑا عاریتاً دیتا ہوں۔

ابتدائی دونوں مقید قسموں کی عاریت میں جو پابندی لگائی گئی ہے۔ وہ اخیر تک قائم رہے گی اور مالک کو اس مدت کے ختم ہونے تک اور وہ کام پورا ہونے سے پہلے عاریتی چیز کے واپس لینے کا حق نہ ہوگا۔ چنانچہ یہ درست نہیں ہے کہ ایک شخص کسی کو ایک ایکڑ زمین میں قلبہ رانی کے لئے بیل دے اور پھر ایک ایکڑ میں جوتائی سے پہلے اس کو واپس لے لے وغیرہ۔

عاریت مطلقہ میں مالک زمین کو حق ہوتا ہے کہ جب چاہے اپنی زمین واپس لے لے بشرطیکہ مستعیر کو اس کی واپسی

میں نقصان نہ ہو۔ پس اگر ایک شخص نے کسی کو بطور عاریت مطلقہ (بلا شرط) کوئی زمین عاریتاً دی تو اسے حق ہے کہ اس زمین پر کھیتی کرنے سے پہلے خواہ وہ کھیتی مطالبہ واپسی کے بعد کی گئی ہو، جب چاہے کہ اپنی زمین واپسی لے سکتا ہے۔ ہاں اگر مالک مستعیر کو بہ تفصیل آئندہ معاوضہ ادا کر دے (تو کھیتی ہونے کے بعد بھی واپس لے سکتا ہے)۔ اگر معاوضہ ادا نہ کرے تو زمین کا واپس لینا درست نہیں ہے تا آنکہ ایسے معاملات میں عام دستور کے مطابق جو میعاد ہوتی ہے وہ نہ گزر جائے۔ یاد رہے کہ عادت (یا عام دستور) کا لحاظ (بقول راجح) اسی طرح رکھا جاتا ہے جیسے شرط کا۔

معاوضہ سے مراد وہ لاگت ہے (جو تعمیر میں) سامان اور کارکنوں کی مزدوری پر آئی ہو۔ درآنحالیکہ وہ سامان مستعیر کا مملوکہ ہو۔ اگر وہ سامان خریدا گیا ہے تو مالک زمین جتنے میں وہ سامان خریدا گیا ہے اتنے دام اور مزدوروں کی اجرت وغیرہ دیگر اخراجات ادا کرے گا۔ بشرطیکہ غیر واجبی طور پر گراں قیمت میں نہ خریدا گیا ہو۔ اگر ناجائز گراں دام میں خریدا گیا ہے تو مالک زمین صرف مالیت ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح تمام اخراجات واقعی ادا کرے گا بشرطیکہ وہ عمارت نئی ہو اور استعمال میں نہ آئی ہو اور اس میں کوئی خرابی نہ پیدا ہوئی ہو۔ لیکن اگر اسے تعمیر ہوئے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے تو اس کی وہ قیمت ادا کی جائے گی جو واپسی کے وقت لگائی جائے۔

اگر زمین ایک خاص عرصہ کے لئے عاریتاً مقید بہ زمان کے طور پر لی گئی ہو یا مفید بزمانہ نہ ہو لیکن اس کا عام دستور کے مطابق ایک وقت ہوتا ہے اور وہ وقت گزر گیا ہو تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ وہ لینے والے کو عمارت کے گرانے، درخت کو اکھاڑنے اور زمین کو مثل سابق ہموار کرنے کے لئے کہے اور یا پھر اس کی قیمت منہدم (مکان) اور کٹے ہوئے (پیڑ) کی حالت میں جو قیمت لگائی جائے اس میں سے گرانے، کاٹنے اور زمین کو ہموار کرنے کا خرچ نکال کر ادا کر دے درآنحالیکہ یہ خرچ مستعیر نے نہ برداشت کیا ہو۔ اگر یہ (اوپری) اخراجات مستعیر نے برداشت کیے ہوں تو اس کو قیمت میں محسوب نہ کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عاریت کی دو قسمیں ہیں: عاریت مطلقہ (غیر مشروط) اور عاریت میعادی (یعنی خاص عرصہ کے لئے)۔ یہ ایک معاہدہ ہے جو فریقین کی جانب سے جائز ہے (لازم یا اٹل نہیں ہے) لہٰذا مستعیر جب چاہے عاریتی شے کو واپس کر دے اور مالک کے لئے بھی جائز ہے کہ جب چاہے واپس لے سکے البتہ چند صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں پابندی لازم ہو جاتی ہے۔

منجملہ ان کے ایک صورت یہ ہے کہ کسی کو ایک کشتی عاریتاً دی جائے کہ لینے والا اس پر اپنا سامان ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک لے جا سکے۔ ایسی صورت میں کشتی کے مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ منجدھار میں جب کہ اس پر سامان لدا ہوا ہے کشتی کو واپس لے۔ ہاں کنارے پر لگنے سے پہلے وہ واپسی کے مطالبہ کو پیش کر سکتا ہے اور مطالبہ کے وقت سے کنارے پر پہنچنے تک کے عرصہ کا مثلی کرایہ (یعنی جو اس جیسی کشتی کا بالعموم ہوا کرتا ہے) لے سکتا ہے۔

ایک اور صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو سترہ (یا اوٹ یعنی نماز کے آگے کھڑی کرنے کے لئے کوئی چیز) دے تو اب جائز نہیں ہے کہ نماز ختم ہونے سے پہلے اسے واپس لے۔

ایک اور صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو زمین زراعت کرنے کے لئے عاریتاً دی۔ تو اب جائز نہیں ہے کہ فصل کاٹنے

Marfat.com

سے پہلے اسے واپس لیا جائے۔

اگر کوئی زمین تعمیر مکان یا درخت لگانے کے لئے عاریتاً دی تو اس کی دو صورتیں ہوں گی: پہلی صورت یہ ہے کہ مکان یا درخت کے لئے زمین کو دیتے وقت یہ شرط تھی کہ جب اس زمین کی واپسی کے لئے کہا جائے تو اس نے جو درخت لگایا ہے اسے اکھاڑنا اور مکان ہٹانا پڑے گا تو لینے والے پر اس شرط کی پابندی لازم ہوگی۔ نیز اگر زمین کو ہموار کرنے کی بھی شرط تھی تو اسے بھی پورا کرنا ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ اگر لینے والا ان کے ہٹانے سے انکار کرے تو دینے والے کو حق ہے کہ وہ خود ان کو ہٹا دے۔ اگر اس پر کچھ خرچ کرنا پڑے تو قاضی (یا حاکم شرع) سے منظوری لے کر خرچ کرے۔ اگر قاضی نہ ہو تو اس خرچ کا مطالبہ کرنے کے لئے جو خرچ کیا ہے اس کا گواہ بنالے تا کہ زمین لینے والے سے وصول کیا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زمین تو تعمیر مکان یا درخت لگانے کے لئے ہی دی مگر ایسی کوئی شرط نہ تھی کہ واپسی کے وقت درخت کو اکھاڑنا یا مکان کو گرانا ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر لینے والے نے مالک کی درخواست پر درخت اکھاڑ لیا اور مکان گرا دیا تب تو خیر ٹھیک ہو گیا۔ اس صورت میں بھی زمین کو ہموار کر کے دینا لینے والے پر لازم ہے گو مالک زمین نے اس کی شرط نہ لگائی ہو، کیوں کہ یہ سب کام لینے والے نے اپنے اختیار سے کیا ہے۔ اگر لینے والا اکھاڑنے۔ اور ڈھانے سے انکار کرے تو اسے مجبور نہ کیا جائے گا البتہ مالک زمین کو ان تین باتوں میں سے جو بات چاہے اس کا حق ہوگا:

ایک تو یہ کہ اس کی زمین پر مستعیر نے جو عمارت بنائی یا درخت لگایا ہے اسے باقاعدہ مستقل ایجاب وقبول کے ساتھ خود خرید لے۔ ایسی صورت میں وہ عمارت اور درخت کا مالک ہو جائے گا۔

تیسری یہ کہ مالک زمین درخت کو خود اکھاڑ لے اور عمارت ڈھا دے۔ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ منہدم شدہ مکان کے ملبہ اور کٹے ہوئے درخت کی لکڑی کی مالیت (اصل حالت سے) جس قدر کم ہوئی ہے اس کمی کو مالک زمین پورا کرے یعنی اگر درخت اور عمارت کی قیمت سالم رہنے کی صورت میں دس تھی اور کاٹنے اور منہدم ہو جانے کے بعد صرف تین میں فروخت ہوا تو مالک زمین بقیہ سات مع کاٹنے اور ڈھانے کی اجرت کے ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ رہا ملبہ کے اٹھانے کا خرچ وہ قطعی طور پر مالک کے ذمہ ہوگا۔

چوتھی یہ کہ درخت وغیرہ کو قائم رکھا جائے اور کرایہ پر دے اور چونکہ اس کی مدت مقرر نہیں تھی اس لئے وہ مستقل کرایہ پر رہے گا۔ اگر مالک نے (یہ صورت یعنی) کرایہ پر لینا منظور کر لیا تو مستعیر کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ اس درخت کو اکھاڑ کر اس کی بجائے کوئی دوسرا درخت وہاں لگا دے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ کرایہ داری برقرار رکھی جائے۔ اگر کرایہ کے تعین میں فریقین متفق نہ ہوں تو کرایہ مثلی تجویز کر دیا جائے گا۔

اگر مالک زمین ان تین باتوں میں سے کسی پر تیار نہ ہو اور مستعیر بھی ان کو ہٹانے (یا اکھاڑنے) سے انکار کرے تو درخت یا مکان کو اسی حال میں رہنے دیا جائے گا یہاں تک کہ دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر لے اور درخت باقی رہے گا جب تک کہ خود ہی ختم نہ ہو جائے۔ فریقین کو اختیار ہوگا کہ اپنے اپنے مفاد کی دیکھ بھال کے لئے اس جگہ جا سکیں بشرطیکہ ان کے وہاں آنے جانے سے کسی کو ضرر نہ پہنچے۔ ایسی حالت میں مالک زمین کو کرایہ زمین کا حق ہوگا۔

Marfat.com

عاریت میں کون کون سی چیزیں آتی ہیں اور کون سی نہیں آتیں؟

شریعت اسلامیہ کی رو سے کسی چیز کو عاریتاً لینے والا اس کا امانت دار ہوتا ہے، کیوں کہ عاریتاً لین دین کو ایک امر شرعی قرار دیے جانے کی غرض یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے کام آئیں اور باہم الفت پیدا ہو۔ اور اس کے معنے سوا اس کے اور کچھ نہیں ہیں کہ ہر فرد بنی نوع خاص کر عاریتاً لینے والا اپنے بھائی کے مال کا خیال رکھے، جس نے محض مہربانی کے طور پر وہ چیز اسے دی۔ لہٰذا اس کی اس عنایت کی قدر اور اس کے حسن سلوک کا اعتراف کرنا چاہیے اور اس چیز کے مالک کے احسان اور کرم فرمائی کو فراموش نہ کرے۔ ایسا کیا تو اس کے مال کی بے قدری کی اور جہاں تک فائدہ اٹھانے کی اس نے اجازت دی ہے اس میں خیانت کی تو اسے ایذا دی۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ ایک خونخوار بھیڑیا ہے اسے افراد نوع انسانی میں سمجھنا ہی

مالک زمین کو ان تین باتوں میں سے کسی کے اختیار کرنے کا جو حق دیا گیا ہے اس میں ان تین شرطوں کا لحاظ رکھنا ہوگا:

پہلی شرط یہ ہے کہ اس درخت کے کاٹنے یا مکان کے ڈھانے سے قیمت کم ہو جائے۔ اگر کاٹنے یا ڈھانے سے قیمت کے کم نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے تو اس میں مستعیر کا کوئی نقصان نہیں اور جب مستعیر کو کوئی نقصان ہی نہ ہو تو مالک کو اپنی چیز پر قابض ہو جانے کا حق ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عاریتاً دینے اور لینے والے دونوں باہم اس زمین کے مشترکہ مالک نہ ہوں۔ اگر دونوں اس میں شریک ہوں تو درخت اور مکان دونوں کو مثلی کرایہ پر باقی رکھنا امر طے شدہ قرار پائے گا۔ اس صورت میں ضروری نہ ہوگا کہ (مالک زمین) قیمت کی کمی ادا کر کے اس درخت کو کاٹ لے کیوں کہ زمین مشترکہ ہے اور ایک مالک کو دوسرے کی رضا مندی کے بغیر فروخت کرنے کا حق نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس درخت کا مالک کوئی اور نہ ہو اور یا یہ خیال ہو کہ اور کوئی اس تمام درخت میں شریک ہے در آنحالیکہ اس میں لگے ہوئے پھل تیاری پر آ گئے ہوں، ایسی حالت میں مالک کو اتنے عرصہ تک انتظار کرنا ہوگا کہ اس کے پھل اتار لئے جائیں۔ اس کے بعد اسے (ان تین میں سے کسی بات کا) اختیار ہوگا:

اگر مالک اپنی زمین کو وقف کر دے تو مہتمم وقف ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی سی بات اختیار کر سکتا ہے، لیکن قیمت دے کر اسے خرید لینے کا اختیار نہ ہوگا۔ البتہ اگر ایسا کرنے میں وقف کے لئے مصلحت ہو تو یہ بھی کر سکتا ہے۔

اگر مستعیر اس زمین کی اپنی عمارت یا اس کے اپنے درخت کو وقف کر دے تب بھی مالک کو یہ اختیار حاصل رہے گا لیکن قیمت لے کر وہ فروخت نہیں کر سکتا کیوں کہ مال وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ ہاں وہ اس کو خرید سکتا ہے بشرطیکہ مقصد

Marfat.com

درست نہیں۔انسانوں میں باہمی تعاون اور خیر خواہی کا ہونا ضروری ہے۔

ان امور کے پیش نظر مستعیر عاریتاً کوئی چیز لینے والے میں دیانت داری اور اس چیز سے دلبستگی لازمی ہوگی۔پس اگر وہ شے تلف ہو جائے تو لینے والا اس کا تاوان دار نہ ہوگا کیوں کہ اس کی حیثیت مالک کی سی ہو جاتی ہے۔لیکن اگر لینے والا اس چیز کی پروانہ کرے اور اس کی بے قدری روا رکھے اور وہ ضائع یا تلف ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی اور جن صورتوں میں یہ ذمہ داری عائد ہوگی، از روئے مسالک مختلفہ وہ صورتیں تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

وقف کو اس سے فائدہ پہنچے۔

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک اس چیز (عاریتی) کے ساتھ بے اعتدالی (یا زیادتی) نہ کی جائے مستعیر پر اس کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔پس اگر ایک شخص نے کسی کو اپنا جانور عاریتاً دیا اور اس پر کوئی ناروا سختی نہیں کی گئی اور نہ اس کی حفاظت میں کوتاہی ہوئی اور نہ اس پر ظلم ہوا اور وہ جانور مر گیا تو یہ نقصان مالک کا ہوا، مستعیر کو کچھ دینا نہ پڑے گا۔

اگر جانور کو عاریتاً دیتے وقت اس کے جبر نقصان کی شرط لگا دی گئی تھی تو یہ شرط فضول ہوگی اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔تاہم چند امور ایسے ہیں جس میں عاریتی شے کا تاوان مستعیر پر لازم ہوگا:

منجملہ ان امور کے ایک یہ ہے کہ اس شے کا حق دار کوئی اور شخص ہو (عاریتاً دینے والا نہ ہو)۔چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے کے مملوکہ جانو کو پکڑ کر کسی کو عاریتاً دے دیا اور وہ اس کے پاس ہلاک ہو گیا تو وہ لینے والا اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا کیوں کہ اس جانور کے اصل مالک نے اسے نہیں دیا تھا لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی قیمت ادا کرے اور اسے دینے والے سے مطالبہ کا حق نہیں ہے کیوں کہ معیر نے کار خیر کے طور پر دیا تھا اور مستعیر سے کچھ لیا نہیں تھا۔البتہ جانور کے مالک کو حق ہے کہ جس نے وہ جانور عاریتاً دیا اس کو ذمہ دار ٹھہرائے۔اسے مستعیر سے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

ایک اور امر یہ ہے کہ مستعیر (لینے والا) عاریتی شے کو کرایہ پر چڑھا دے یا گروی رکھ دے۔چنانچہ ایک شخص نے کوئی جانور کسی کو خاص جگہ تک جانے کے لئے عاریتاً دیا اور لینے والے نے اسے کسی اور کو کرایہ پر دے دیا اور کرایہ دار کے پاس وہ جانور ہلاک ہو گیا تو اس کا تنہا تاوان دار مستعیر ہوگا (جس نے عاریتاً لیا تھا) اور وہ کرایہ دار سے مطالبہ نہیں کر سکتا اور نہ اسے یہ حق ہے کہ اس کے کرایہ سے فائدہ اٹھائے بلکہ لازم ہے کہ (وصول شدہ کرایہ) صدقہ کر دے۔ہاں مالک کو یہ حق ہے کہ وہ کرایہ دار پر اس کا تاوان عائد کرے اور کرایہ دار اس سے مطالبہ کر سکتا ہے جس نے اسے دیا تھا۔درآنحالیکہ اسے یہ علم نہ رہا ہو کہ یہ جانور اس کے پاس عاریتاً تھا۔لیکن اگر اسے یہ معلوم تھا کہ وہ جانور عاریتی تھا تو جو کچھ اس نے ادا کیا وہ ضائع ہوا۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ عاریتاً لئے ہوئے جانور کو رہن رکھا اور مرتہن کے پاس ہلاک ہو گیا تو معیر (مالک) کو حق ہے کہ اس کا تاوان لینے والے سے وصول کرے اور وہ اس کی ذمہ داری مرتہن پر ڈال سکتا ہے۔اگر مرتہن اس کی قیمت ادا کر دے تو یہ قیمت اس کی ضائع شدہ متصور ہوگی۔وہ مستعیر سے اس قرض کے علاوہ اور کچھ مطالبہ نہیں کر

سکتا۔ جو اس نے رہن شدہ جانور پر اسے دیا تھا۔

ایک اور امر (مستوجب تاوان) یہ ہے کہ ایک شخص عاریتاً لی ہوئی چیز کسی اور کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر عاریتاً دے دے۔ درآنحالیکہ وہ چیز ایسی ہو کہ مختلف اشخاص کے استعمال کرنے سے اس پر مختلف اثر ہوتا ہو۔

چنانچہ اگر کسی کو جانور سواری کے لئے دیا گیا تو لینے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس جانور کو مالک کی اجازت کے بغیر کسی اور کو دے دے۔ کیوں کہ جانور پر مختلف اشخاص کے استعمال کرنے سے مختلف اثر ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی موٹا آدمی سوار ہو جس کا بوجھ اٹھانے کی اس میں قوت نہیں ہے یا کوئی دبلا پتلا آدمی سوار ہو جس کی سواری سے اسے تکلیف نہ ہو۔ اسی طرح کوئی شخص اسے آہستگی اور نرمی سے چلائے یا کوئی سختی اور بے رحمی سے وغیرہ۔ اب اگر ایک شخص بایں گمان اپنا جانور کسی کو عاریتاً دیتا ہے کہ وہ اسے نرمی اور خوش اسلوبی سے استعمال کرے گا تو لینے والے کو جائز نہیں ہے کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر وہ جانور کسی اور کو عاریتاً دے دے۔ یہی حال کپڑے کا ہے کہ مختلف اشخاص کے استعمال سے اس کی حالت مختلف ہو جاتی ہے۔ اگر (عاریتا) لینے والے نے (وہ کپڑا) کسی اور کو عاریتاً دے دیا اور وہ پھٹ گیا (یا ضائع ہو گیا) تو مستعیر اول اس کا تاوان دے گا۔ ہاں اگر مالک نے واضح طور پر اس کی اجازت دے دی تھی، مثلاً لینے والے نے یہ درخواست کی کہ یہ جانور مجھے عاریتاً دے دیجئے کہ میں خود اس پر سوار ہوں یا جسے چاہوں عاریتاً دے دوں یا یہ کہا کہ یہ کپڑا مجھے عاریتاً دے دیجئے میں پہنوں یا جسے چاہوں اسے عاریتاً پہننے کو دوں گا۔ ایسی صورتوں میں لینے والا کسی اور کو عاریتاً دینے کا حق رکھتا ہے اور اگر تلف ہو جائے تو اس پر تاوان نہ ہوگا۔

اگر ایک شخص نے اپنا کوئی جانور کسی کو اس شرط پر عاریتاً دے دیا کہ وہ اس پر خود سوار ہو یا جسے چاہے یا جس طرح چاہے بلا شرط کسی اور کو سواری کے لئے دے دے، اس کے بعد لینے والا اس پر پہلی بار سوار ہوا تو اب اسے یہ حق نہ ہوگا کہ کسی اور کو سواری کے لئے دے دے۔ نیز اگر اس نے (خود سوار ہونے کی بجائے) کسی اور کو سواری کے لئے دیا۔ اور وہ شخص اس پر ایک بار سوار ہوا تو اب وہ (عاریتاً لینے والا) اسے خود اپنے (استعمال میں نہیں لا سکتا۔ غرض اس جانور کو پہلی بار جس نے بھی اور جس طرح بھی استعمال کیا وہی طے شدہ استعمال قرار پائے گا۔ اس کے بعد اس سے ہٹ کر کسی دوسرے کا اسے استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

ایسی ہی صورت حال یہ ہے کہ ایک شخص نے اگر اپنا جانور کسی کو عاریتاً دیا کہ وہ اس پر سواری کرے یا اپنا سامان لادے تو لینے والے نے ان دونوں میں سے جو کام پہلے کیا وہی طے شدہ کام قرار پائے گا۔ اب کوئی دوسرا کام اس سے لینا جائز نہیں ہے۔

یہ تمام احکام اس صورت کے ہیں جب کہ عاریتی شے ایسی ہو کہ مختلف استعمال کرنے والوں کا اس پر مختلف اثر ہوتا ہو۔ لیکن اگر وہ شے ایسی ہے کہ مختلف لوگوں کے استعمال سے اس پر مختلف اثر نہ ہوتا ہو۔ مثلاً کوئی مشینی آلہ جس سے زمین کی کاشت ہوتی ہے اپنے ایسے پڑوسی کو عاریتاً دیا جس کی تمام زمین اور دائرہ عمل بہر طور یکساں ہے اور وہاں استعمال میں لانے سے اس آلہ کے خراب ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو لینے والے کو حق ہے کہ وہ آلہ مالک کی اجازت کے بغیر کسی اور کو عاریتاً دے دے۔ اگر وہ آلہ ضائع ہو جائے تو مستعیر کو ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے گا۔

Marfat.com

اگر دینے والے نے عاریتی دی ہوئی شے کے استعمال کے لئے کوئی خاص کام مقرر کر دیا تھا اور لینے والے نے اسے مقررہ کام کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال کیا اور وہ شے ضائع ہوگئی تو دیکھنا ہوگا اگر لینے والے نے اس شرط کی مخالفت بد نیتی سے کی تو تاوان دینا ہوگا ورنہ نہیں۔ مثلاً معیر نے کوئی جانور اس لئے دیا تھا کہ اس پر نمک کی بوری لادی جائے اور لینے والے نے اس پر جو لادا اور وہ جانور مر گیا تو لینے والا تاوان کا ذمہ دار نہ ہوگا کیوں کہ ظاہر ہے کو جو کا لادنا بہ نسبت نمک کے ہلکا کام ہے اور جانور کے لئے نسبتاً آسان ہے اسی طرح اس صورت میں بھی وہ تاوان دار نہ ہوگا جب کہ اس پر لادی جانے والی شے کا وزن خواہ وہ کوئی بھی شے ہو نمک کی بوری کے برابر ہو۔ (اس سے بد نیتی ظاہر نہیں ہوتی)۔ لیکن اگر اس پر (نمک کی بجائے) لوہے کی بوری لادی جس کا وزن نمک سے زیادہ ہوتا ہے اور جانور مر جائے تو وہ تاوان دار ہوگا۔

ایک اور امر مستوجب تاوان یہ ہے کہ کوئی چیز ایک خاص عرصہ کے لئے عاریتاً دی گئی، وہ وقت گزر گیا اور ہنوز مستعیر اسے واپس نہ کرنے پایا تھا کہ اس کے پاس تلف ہوگئی، تو اس کا تاوان دینا ہوگا۔ وہ یہ عذر نہیں کر سکتا کہ اس چیز کا مالک واپس لے کر نہیں گیا، کیوں کہ واپسی کا بار لینے والے کے ذمہ ہوتا ہے۔ پس وقت ختم ہوتے ہی اس پر واجب تھا کہ واپس کر دیتا بصورت دیگر نقصان کا ذمہ دار ہے۔ اس کے برخلاف اگر ایک شخص نے کوئی سامان رہن رکھنے کے لئے عاریتاً لیا تو اس کے واپس لانے کی ذمہ داری مالک پر ہے۔ ایسی صورت میں عاریتاً لینے والا اس کے تاوان کا ذمہ دار نہ ہوگا، کیوں کہ اس چیز کے رہن رکھنے سے مالک کو فائدہ ہے کہ مرتہن پر اس چیز کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہاں اس چیز کی قیمت کا مطالبہ کرے۔

ایک اور امر مستوجب تاوان یہ ہے کہ عاریتی دی گئی شے ایک خاص مدت کے لئے ہو اور لینے والا میعاد گزر جانے کے بعد پہلے اسے روک رکھے اور پھر کسی شخص کے ہمراہ اسے مالک کے پاس بھیجے اور وہ تلف ہو جائے تو مستعیر اس کا تاوان دار ہوگا، کیوں کہ اس نے میعاد گزر جانے کے بعد جو اسے روک رکھا تو زیادتی کی اور اس لئے (جبر نقصان کا) ذمہ دار ہو گیا۔ ہاں اگر مدت گزرنے سے پہلے اسے واپس ارسال کیا تو ذمہ دار نہ ہوگا، کیوں کہ مدت گزرنے سے پہلے وہ چیز مستعیر کی تھی اور مستعیر کو بقول مختار یہ حق ہے کہ وہ چیز کسی کی سپردگی میں دے دے۔ اب اگر اس نے کسی اجنبی کو دیا تو وہ اس اجنبی کے سپرد میں بطور امانت رہی۔ اور چونکہ مستعیر کو اس کا حق تھا لہٰذا وہ (بصورت تلف) ذمہ دار نہ ہوگا، لیکن میعاد امانت گزرنے کے بعد مستعیر کی حیثیت عاریت دار کی بجائے امانت دار کی سی ہوگی اور امانت دار کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی اور کو سپرد کر دے۔ لہٰذا اگر وہ چیز کسی اور کو دی اور وہ تلف ہوگئی تو ادائے تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عاریتی شے کو مدت گزرنے سے پہلے کسی اور شخص کے ساتھ (مالک کے پاس) ارسال کیا تو (بصورت تلف) ذمہ دار نہ ہوگا، خواہ وہ دوسرا شخص کوئی اجنبی ہو یا ملازم ہو یا کوئی اور ہو کیوں کہ اگر مستعیر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بعض حالات میں عاریتی شے کسی اور کو عاریتاً دے دے تو کسی کی سپردگی میں دینے کا حق بدرجہ اولی اسے حاصل ہے۔ لیکن عاریت کی میعاد گزر جانے کے بعد وہ بہر حال (جبر نقصان کا) ذمہ دار ہوگا، خواہ کسی ناواقف کے ہاتھ بھیجنے میں (تلف ہوئی ہو) یا کسی مزدور یا خادم کے ہاتھ بھیجنے میں۔

Marfat.com

ایک امر مستوجب تاوان یہ ہے کہ مانگے کا ہار سونے کا لے کر ایک ایسے بچے کو پہنا دیا جسے اپنے لباس تک کا ہوش نہیں ہے اور وہ ہار چوری ہو گیا تو اس کا تاوان ہوگا کیوں کہ مستعیر کا یہ کام زیادتی (یا بے اعتدالی) قرار پائے گا۔

ایک امر یہ ہے کہ مانگے کی چیز کو سامنے رکھ لے اور سو جائے اور وہ چیز ضائع ہو جائے تو تاوان دینا ہوگا کیوں کہ یہ حفاظت میں کوتاہی ہے۔ ہاں اگر اسے بیٹھے بیٹھے اونگھ آ گئی اور وہ چیز جاتی رہی تو تاوان نہ ہوگا کیوں کہ اس کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی نہیں کی گئی۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح امانت دار یہ دعویٰ کرے کہ اس نے مال امانت مالک کو پہنچا دیا ہے اور اس کے لئے قسم کھالے تو اس کی بات مان لی جائے گی اسی طرح تحویل دار اگر کہے کہ جو چیز اس کی سپردگی میں تھی وہ اس نے واپس کر دی ہے، یا مستعیر کہے کہ جو چیز مانگے کو لی تھی وہ واپسی دے دی ہے اور قسم کھالیں تو ان کا کہنا تسلیم کیا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عاریتاً لی ہوئی چیز (دو طرح کی ہوتی ہے)۔ یا تو وہ ایسی چیز ہوگی جسے چھپا کر رکھنا ممکن ہو جیسے کپڑا زیور وغیرہ جسے صندوق یا دراز وغیرہ میں رکھنا ممکن ہو، انھیں سربستہ اشیاء کہا جاتا ہے جس کا چھپا کر رکھنا ممکن ہو۔ یا پھر وہ ایسی چیز ہوگی جسے چھپا کر نہیں رکھا کرتے جیسے سامان خانہ اور یا جانور خواہ چھوٹا سا جانور ہو، مثلاً پرندہ کہ ایسی اشیاء ہیں کہ انھیں چھپا کر نہیں رکھا کرتے۔ ان کو کھلی اشیاء کہتے ہیں یعنی وہ اشیاء جن کو بالعموم نظر سے مخفی یا چھپا کر نہیں رکھا جا سکتا۔ اب اگر عاریتی شے ایسی ہے جیسے چھپا کر رکھنا ممکن ہو تو بصورت تلف مستعیر اس کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا، ہاں اگر ایسی شہادت (ثبوت) مہیا ہو جائے کہ اس چیز کی حفاظت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی لیکن نہ جانے کس طرح جاتی رہی تو اور بات ہے۔ اگر ایسی شہادت مہیا نہ ہو سکے تو صرف اسی صورت میں تاوان اس کے ذمہ ہوگا جب کہ چوری آگ لگنے یا ٹوٹ پھوٹ جانے سے وہ چیز ضائع ہو گئی ہو۔ لیکن اگر کوئی معمولی سی خرابی ہوئی ہے تو صرف اتنا ہی تاوان دینا ہوگا جتنا نقصان ہوا ہے۔ ہاں اگر زیادہ خرابی ہوئی ہو تو پوری چیز کا تاوان دینا ہوگا۔

اگر مستعیر نے یہ شرط لگا دی کہ میں کسی نقصان کا ذمہ دار نہ ہوں گا، تو آیا ایسی شرط کا لگانا درست ہوگا یا نہ ہوگا۔ اس بارے میں اختلاف ہے اور امر قابل ترجیح یہ ہے کہ اس کی یہ شرط تسلیم نہ کی جائے گی اور وہ چیز جو ضائع یا خراب ہوئی ہے اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا، اگرچہ اس نے شروع ہی میں اپنے بری الذمہ ہونے کی شرط لگا دی ہو اور مستعیر (تلف شدہ) مانگے کی چیز کی وہ قیمت بھرے گا جو اس کے تلف ہونے والے دن تھی، بشرطیکہ گواہی دینے والوں نے اس چیز کو اس روز دیکھا ہو۔ اگر شہادت دینے والوں کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے اس چیز کو پانچ روز بیشتر دیکھا تھا اور اس تاریخ کو اس کی قیمت دس تھی تو دس ہی واجب الادا ہوں گے۔ لیکن اگر کسی نے اس شے کو نہیں دیکھا اور نہ اسے یہ علم ہے کہ کسی روز وہ جاتی رہی تو ایسی صورت میں مستعیر اس چیز کی وہ قیمت ادا کرے گا جو عاریتاً لینے والے دن تھی۔ پس اگر لینے والے دن اس کی قیمت دس تھی اور جس روز اس کے ضائع ہونے کا اظہار کیا آٹھ تھی تو مستعیر کو دس دینے ہوں گے۔ اگر عاریتاً لینے کے وقت اس کی قیمت آٹھ تھی تو دونوں میں سے جو مقدار زیادہ ہے۔ اسی قدر ادا کرنا ہوگا کیوں کہ اگر مدت عاریت کے دوران جس میں عاریتی شے کو استعمال کرنے کی مستعیر کو اجازت حاصل تھی اس کے استعمال سے قیمت میں کمی نہیں ہوئی تو اسے پوری قیمت ادا کرنا ہوگی۔ اس کے استعمال سے قیمت کم ہو گئی تو جس قدر کم ہوئی ہے اسے نکال کر جو قیمت ہوتی ہے وہی واجب

Marfat.com

الاداہوگی، کیوں کہ مستعیر کواستعمال کی اجازت دی گئی تھی لہٰذاوہ اس کا حق ہوگیا۔

اگر عاریتاً لی ہوئی شے ایسی ہے کہ اسے چھپا کر رکھنا ممکن نہیں ہے (بصورت تلف) مستعیر اس کے تاوان کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اگر دینے والے نے ایسی کوئی شرط لگا بھی دی تھی تو وہ فضول ہے، اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن مستعیر اسی صورت میں بری الذمہ ہوگا جب کہ عاریت کی چیز کو اسی طرح استعمال کیا ہو جس طرح مالک نے اجازت دی تھی یا اس سے ہلکا یا اتنا ہی استعمال کیا ہو۔ چنانچہ اگر مثلاً کسی کو ایک جانور عاریتاً دیا گیا اور اس پر ایک بوری گندم لاد کر مصر (شہر) سے پل خیریہ تک لیجانے کی اجازت دی اور بالکل وہی بوری لادی لیکن جانور ہار کر رہ گیا تو مستعیر اس کے تاوان کا ذمہ دار نہ ہو گا۔ نیز اگر اتنی ہی بھاری بوری مسور کی لادی یا اس سے ہلکی بوری مثلاً جو کی لادی گئی۔ تو بدرجہ اولی ان حالات میں (جبر نقصان) کی ذمہ داری اس پر نہ ہوگی۔ البتہ اگر اس بوجھ سے زیادہ لادا جس کی اجازت دی گئی تھی۔ مثلاً گندم کی بجائے پتھر یا نمک لاد دیا اور جانور رہ گیا تو اس کا تاوان ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی جانور کرایہ پر اس شرط کے ساتھ لیا کہ اس سے باربرداری کا کام یا سواری کا کام لیا جائے گا اور اسے لے کر کسی دوسرے کو کرایہ پر دے دیا اور اسے اسی طرح استعمال کیا جس طرح طے ہوا تھا اور جانور رہ گیا تو وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس جانور سے طے شدہ کام سے زیادہ بھاری کام لیا تو مستعیر جبر نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عاریتاً لی ہوئی شے اگر بالکل تلف ہو جائے یا کسی طرح ضائع ہو جائے تو لینے والا اس کے تاوان کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ سوا اس صورت کے جب کہ عاریتاً لی ہوئی چیز کو اس طرح استعمال کیا ہو جس کی اجازت اسے حاصل نہ تھی چنانچہ اگر کسی نے ایک جانور عاریتاً لیا اور اس پر بری طرح سے مال لاد کر ظلم کے ساتھ ہنکاتا رہا یہاں تک کہ وہ کسی گڑھے میں گر کر مر گیا تو اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔ کیوں کہ اس کی موت اس طرح استعمال کرنے سے واقع ہوئی جس کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن اگر جس طرح اس سے کام لینے کو مالک نے کہا تھا اس طرح کام لینے سے مر گیا مثلاً اتنا ہی بوجھ لادا گیا جتنا لادنے کی مالک نے اجازت دی تھی یعنی اس کے برابر یا اس سے کم لادا گیا اور وہ جانور ہلاک ہو گیا تو مستعیر کو ذمہ دار نہ ٹھرایا جائے گا۔ ہاں اجازت کے خلاف کسی اور طرح کام لینے سے ہلاک ہو گیا تو اس کا تاوان ہوگا، مثلاً بیل بازار کے کام کے لئے عاریتاً لیا اور وہ ندی میں گر کر ہلاک ہوا تو اس کا تاوان ہوگا کیوں کہ اس نے بیل سے ایسی جگہ کام لیا جس کی اجازت نہیں تھی۔

اگر کسی نے ایک کپڑا اپنے پہننے کے لئے عاریۃً لیا اور استعمال میں لانے سے وہ گل گیا تو اس کا تاوان نہ ہوگا۔ لیکن اگر اسے پہن کر سویا اور پسینے سے وہ تر ہو گیا (اور خراب ہو گیا) تو تاوان دینا ہوگا، کیوں کہ اسے پہن کر سونے کی اجازت نہیں تھی۔

اگر اس بات میں نزاع ہو کہ کپڑا اسی طرح استعمال کرنے سے ضائع ہوا جس طرح استعمال کی اجازت تھی۔ یا اسی طرح استعمال سے نہیں ضائع ہوا۔ (بلکہ غلط استعمال سے ہوا) تو بقول معتمد مستعیر (عاریۃً لینے والے) کی بات مانی جائے گی بشرطیکہ قسم کھا کر کہے کیوں کہ بنیادی چیز اس کا بری الذمہ ہونا ہے۔

(یاد رہے کہ) تاوان جب ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز مستعیر کے پاس ہی تلف ہوئی ہو بلکہ بقول

Marfat.com

معتمد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مالک کے پاس تلف ہو اور تاوان کا ذمہ دار مستعیر ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سے درخواست کی کہ میرا سامان آپ اپنے جانور پر رکھ لیجئے درآنحالیکہ وہ جانور سفر میں ہے اور اس پر کچھ لدا ہوا نہیں ہے اور مالک اس بات کو مان لے اور دونوں ساتھ جا رہے ہوں تو وہ جانور (سامان والے کا) عاریتاً لیا ہوا متصور ہوگا۔ اگر اس جانور پر چلانے میں سختی کی گئی اور تکان سے مر گیا تو مستعیر اس کا تاوان دار ہوگا لیکن اگر بوجھ بھاری ہونے کی وجہ سے مرا تو مستعیر پر ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

اگر کسی نے کوئی شے عاریتاً اس شرط پر لی کہ وہ کسی نقصان کا ذمہ دار نہ ہوگا تو بقول معتمد یہ معاملہ فاسد قرار پائے گا۔

واضح ہو کہ تاوان کی ادائیگی (تلف شدہ شے) کی قیمت کی صورت میں ہوگی اسی جیسی شے کی صورت میں نہیں، اگرچہ وہ شے مثلی ہو (یعنی اس کی مثل دستیاب ہو) جیسے لکڑی یا پتھر۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مثلی اشیاء کا تاوان اس کی مثل اشیاء کی شکل میں ہوگا لیکن اس کی حیثیت وہ ملحوظ رکھی جائے گی جو تلف ہونے کے وقت تھی۔ یعنی اگر وہ شے اسی طرح استعمال کی گئی جس کی اجازت تھی اور بوجہ استعمال اس کی قیمت (تلف ہونے سے) پہلے ہی کم ہوگئی ہے تو مستعیر اس کمی کے پورا کرنے کا ذمہ دار نہ ہوگا کیوں کہ مالک نے اس سے منفعت حاصل کرنے کی جو اجازت دے رکھی تھی مستعیر اس کا حق دار تھا ہاں اس کی جان کا مالک نہیں تھا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عاریت کی شے جس وقت مستعیر کے ہاتھ میں آجائے تو بہر حال وہ اس چیز کا ذمہ دار ہو جاتا ہے خواہ اس کے استعمال میں بے احتیاطی کرے یا نہ کرے اور خواہ اس کی حفاظت میں کوتاہی سرزد ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو پس اگر ایک شخص نے کوئی جانور کسی کو عاریتاً دیا اور اس کے پاس اگر وہ ضائع ہوگیا تو اس روز اس جانور کی جو قیمت تھی مستعیر اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر وہ شے مثلی تھی اور ضائع ہوگئی تو اس کے تاوان میں اس کی مثل اتنا ہی ادا کرنا پڑے گا۔

اگر لینے والے نے ذمہ داری نہ لینے کی شرط کی تو یہ شرط فاسد ہے اور اس پر عمل نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ وقف شدہ علمی کتابیں تاوان سے مستثنیٰ ہیں۔ پس اگر کسی نے کوئی وقف شدہ کتاب لی اور بغیر کسی بے اعتدالی یا بے پروائی کے وہ تلف ہوگئی تو اس کے تاوان کا مطالبہ نہ ہوگا، کیوں کہ عاریتاً لینے والا بھی ضمناً ان میں سے ہے جن کے لئے وہ کتاب وقف کی گئی تھی اور وہ کتاب بے اعتدالی یا بے پروائی کی وجہ سے تلف نہیں ہوئی لہٰذا اس پر تاوان نہ ڈالا جائے گا۔

اگر مانگے کی چیز استعمال کرنے یا زیادہ پرانی ہو جانے کے باعث تلف ہو جائے تو لینے والا ذمہ دار نہ ہوگا کیوں کہ کسی چیز کے مناسب طور پر استعمال کرنے کی اجازت دینا اس شے کو ختم کرنے کی اجازت دینا ہے (یعنی جو چیز استعمال میں آئے گی وہ ختم ہو ہی جائے گی۔)

واضح ہو کہ عاریت دینے کی یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی منفعت کا تعین کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی چیز بطور عاریت مطلقہ (غیر مشروط طور پر) دی تو لینے والا اسے اسی طرح استعمال کرے گا جس طرح وہ لوگوں کے استعمال میں بالعموم آتی ہے۔ اگر عام استعمال کے علاوہ کسی اور طرح اسے استعمال کیا مثلاً ایک شخص نے ایک لباس کسی کو عاریتاً دیا اور اس شخص نے اسے دھوپ میں چھولداری کی طرح استعمال کیا اور اس طرح استعمال میں لانے سے اس کی قیمت میں کمی ہو

Marfat.com

گئی تو اس کے جبر نقصان کا وہ ذمہ دار ہوگا۔

مستعیر کو یہ حق نہیں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر عاریتاً لی ہوئی چیز کسی اور کو عاریتاً دے دے یا اسے کرایہ پر چڑھا دے۔ اگر ایسا کیا اور وہ چیز دوسرے شخص کے پاس تلف ہوگئی تو مالک دونوں میں سے جسے چاہے ادائیگی تاوان کا ذمہ دار ٹھہرا دے۔ پھر وہ (ذمہ دار) دوسرے سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

اگر عاریتاً لینے والے نے عاریت کی چیز کو مالک کی اجازت سے کرایہ پر دے دیا تو کرایہ کا حق دار مالک ہوگا۔

Marfat.com

ہبہ (عطیہ) کا بیان

ہبہ کی تعریف

شریعت اسلامیہ کی نظر میں ہر ایسا امر مرغوب جس سے لوگوں کے دل باہم جڑیں، ان میں محبت پیدا ہو اور باہم روابط الفت استوار ہوں۔ اس عمل کی اہمیت انسانی تقاضوں کے مطابق نوع کی ہوتی ہے۔ اگر کوئی امر ایسا ہے جو انسانی زندگی کی لابدیات میں سے ہو تو اس پر عمل پیرا ہونا ہر فرد پر لازم ہے۔ مثلاً مال کی زکاۃ جسے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر فرض کر دیا ہے: **والذین فی اموالھم حق لسائل و المحروم** (یعنی ان کے مال میں سوالی اور نادار کا ایک مقررہ حق ہے) کیوں کہ اس دنیوی زندگی میں انسانی معاشرہ میں ایسے اشخاص کا وجود ضرور ہوتا ہے جو ذرائع حیات کے طریقوں پر عمل پیرا ہونے اور اپنی ضروری خوراک حاصل کرنے سے عاجز ہوں۔ ایسی صورت میں ابنائے نوع پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ اس حالت سے انھیں نجات دلائی جائے تا کہ گرسنگی اور برہنگی سے چھٹکارا پائیں۔

یہ تو فرض ہے ہی اس کے علاوہ بھی جس قدر مال انھیں عطا کیا جائے یا ان پر خرچ کیا جائے وہ سب مستحب کار ثواب ہے کیوں کہ اس سے آپس میں الفت و محبت پیدا ہوتی ہے۔ اسی بناء پر ہبہ کرنا یا دادو دہش بھی کار ثواب ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **تھادو اتحابوا** (یعنی آپس میں تحفوں کا تبادلہ کرتے رہو تا کہ باہم محبت پیدا ہو پس جس نے اس مقصد سے کچھ ہبہ کیا کہ باہم محبت پیدا ہو اور اسلامی اخوت کے روابط مستحکم ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**انما المومنون اخوۃ**'' (یعنی مسلمان سب بھائی بھائی ہیں) اور جس شخص کا یہ ارادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر عمل کیا جائے اس شخص کو نیت کے مطابق ہبہ کرنے کا ثواب ملے گا۔

اگر مال ہبہ کرنے کا گھٹیا مقصد ہو جو خدا اور رسول کے نزدیک ناپسندیدہ ہے تو اس کو اس کی نیت کے مطابق سزا دی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''**انما الاعمال بالنیات**'' (یعنی عمل کا انحصار نیت پر ہے)۔

ہبہ کے لغوی معنے کسی پر مہربانی کرنا ہے گو اس میں کوئی مالی فائدہ نہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے '' **فھب لی من لدنک ولیا**'' (یعنی خدایا مجھے تو اپنی طرف سے کوئی نائب عطا فرما)۔ اس لفظ کے وہ معنے جو فقہا

Marfat.com

نے لئے ہیں از روئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ فوری طور پر تملیک شے بلا شرط معاوضہ ہبہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص جو کسی عین (شے) کا مسلمہ طور پر مالک ہے وہ اس شے کا مالک کسی اور کو بنا دے بغیر اس کے کہ مالک بنانے یا عطا کرنے کے معاوضہ میں موہوب لہ سے (جسے عطا کیا ہے) کچھ وصول کرے تو درست ہے تاہم ہبہ کرنے والے کو حق ہے کہ وہ ہبہ کرنے کے لئے کچھ معاوضہ کی شرط لگا دے۔ اس کو ہبہ بشرط عوض کہتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ہبہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے یہ کہ وہ بلا معاوضہ ہی ہو بلکہ یہ شرط لگانا جائز ہے۔ کہ معاوضہ کی شرط کے بغیر وہ ہبہ نہ کرے گا۔ مثلاً مالک یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر تم ایک اشرفی دو تو میں یہ مکان تمہیں ہبہ کر دوں۔

اس تعریف میں لفظ ''تملیک'' ایک ''جنس'' ہے جس میں فروخت کرنا اور ہبہ (عطا) کرنا وغیرہ شامل ہیں (جنس وہ چیز ہے جس کی بہت سی قسمیں ہوں۔ چنانچہ عطا کرنا اور فروخت کرنا دونوں میں تملیک ہوتی ہے) اور لفظ شے بطور (فصل کے ہے فصل کہتے ہیں جنس کی قسموں کو) تعریف میں اس لفظ کے شامل کرنے سے منفعت کی تملیک جو اجارہ اور عاریت وغیرہ میں ہوتی ہے خارج ہو گئی (یعنی ہبہ میں کسی چیز کی تملیک ہوتی ہے محض منفعت کی تملیک نہیں ہوتی)۔ لیکن اس لفظ سے مقروض کے علاوہ کسی اور کو اپنا قرض (واجب الوصول) ہبہ کرنا خارج نہ ہوگا حالانکہ قرض کو عین (یا شے) نہیں کہا جاتا۔ پس اگر ایک شخص کی سو اشرفی کسی پر قرض ہے اور اس نے اپنا قرض کسی اور کو ہبہ کر دیا کہ وہ اس شخص (مقروض) سے وصول کر لے تو یہ ہبہ درست ہے کیوں کہ موہوب لہ (جسے قرض ہبہ کیا گیا) بطور گماشتہ مالک کے پہلے سو اشرفیاں وصول کرے گا پھر وہ اس رقم کا مالک ہو جائے گا کیوں کہ یہ رقم اسے ہبہ کی گئی ہے۔ البتہ پہلے وصول کرنے کے لئے نہ کہا جائے تو ہبہ درست نہ ہوگا اور ہبہ نہیں ہوتا جب تک قبضہ حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اگر ہبہ کرنے والا موہوب لہ کے قابض ہونے سے پہلے ہبہ سے رجوع کر لے تو ہبہ باطل ہو جائے گا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ قرض کو اگرچہ ''شے'' سے تعبیر نہیں کیا جاتا لیکن انجام کار وہ ''شے'' بن جاتا ہے۔ اگر قرض کو وصول کرنے کے لئے کہا جائے اور وہ شخص بہ حیثیت نائب کے اسے وصول کر لے تو اس کے بعد وہ (وصول شدہ رقم) ایک شے بن جاتی ہے وہ قرض نہیں رہتا، لہٰذا اس کا ہبہ کرنا درست ہے۔ پس عین (یا شے) سے مراد یہ ہے کہ وہ سر دست شے ہو یا انجام کار وہ شے بن جائے (تو اس کا ہبہ کرنا درست ہے)۔ لیکن اگر خود مقروض کو قرضہ ہبہ کیا گیا تو حقیقی معنوں میں وہ ہبہ نہ کہلائے گا بلکہ یہاں ہبہ کا لفظ قرض سے سبکدوش کرنے کے لئے مجازاً استعمال ہوا ہے۔

تعریف میں الفاظ ''بلا شرط معاوضہ'' بھی 'فصل' ہے جس سے معاملہ بیع وغیرہ جس میں معاوضہ کی شرط ہو خارج ہو گیا، لیکن صدقہ اس میں داخل ہے کیوں کہ وہ بھی تملیک بلا معاوضہ ہے۔

بعض اصحاب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں پر ہبہ کی جو تعریف کی گئی وہ عمومی نوعیت کی ہے اور ایسی تعریفوں میں یہ جائز ہے۔ اور بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ صدقہ میں یہ امر ملحوظ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے لیکن ہبہ میں موہوب لہ کی خوشنودی پیش نظر ہوتی ہے۔ اللہ کی رضا پیش نظر ہو یا نہ ہو جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔ پس اگر تعریف میں اس (فرق) کو پیش نظر رکھا جائے تو بہتر ہے۔

تعریف میں لفظ ''فوری طور پر'' بھی 'فصل' ہے کہ اس سے وصیت کی تملیک خارج ہوگئی کیوں کہ بلا معاوضہ تملیک تو وصیت میں بھی ہوتی لیکن مستقبل میں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہبہ یہ ہے کہ کسی شے کا دوسرے شخص کو بلا معاوضہ مالک بنا دیا جائے جس کا مقصد اس شخص (موہوب لہ) کی خوشنودی (یا پاس خاطر) ہو۔ اسے ہدیہ (یا پیشکش) کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص جو کسی چیز کا مسلمہ طور پر مالک ہو اسے تملیک کا حق ہے کہ وہ کسی اور کو اس کے پاس خاطر سے اس چیز کا مالک بنا دے قطع نظر اس سے کہ ثواب آخرت پیش نظر ہو۔ اس تملیک کا نام ہبہ ہے۔

اس تعریف میں لفظ تملیک ''جنس'' ہے جس میں ہبہ بیع وغیرہ شامل ہیں (کیوں کہ سب میں تملیک ہوتی ہے) اور 'لفظ شے' 'فصل' ہے جس کے شامل کرنے سے منفعت کی تملیک خارج ہوگئی جیسا کہ عاریتاً دینے یا وقف کرنے میں ہوتا ہے (کہ اس میں تملیک 'شے' نہیں بلکہ تملیک منفعت ہوتی ہے)۔

تعریف میں لفظ بلا معاوضہ بھی فصل ہے جس سے بیع وغیرہ معاملات جس میں (تملیک کے لئے) معاوضہ کی شرط ہوتی ہے خارج ہو گئے۔

تعریف میں موہوب لہ کی خوشنودی یا پاس خاطر کا لفظ بھی فصل ہے جس سے صدقہ (یا خیرات) نکل گیا کیوں کہ صدقہ محض اللہ کے لئے یا بقول راجح اللہ اور کسی شخص دونوں کی خوشنودی کے لئے ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صدقہ میں صرف اللہ کی خوشنودی پیش نظر ہوتی ہے، اس شخص کی خوشنودی سے قطع نظر جسے صدقہ دیا جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ صدقہ کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے۔ ایک معنی عام ہے جو ہدیہ، ہبہ اور خیرات سب کو شامل ہے۔ دوسرا معنی ہبہ کے لئے مخصوص ہے جیسے ہبہ ذات الارکان کہتے ہیں یعنی رکنوں والا ہبہ معنی عام کی رو سے ہبہ نام ہے اپنی زندگی میں رضا کارانہ تملیک کا۔

اس تعریف میں لفظ 'تملیک' سے وہ صورتیں نکل گئیں جن میں کسی کو مالک نہیں بنایا جاتا مثلاً عاریتاً دینا یا مہمانداری کرنا یا وقف کرنا۔ کیوں کہ اس میں (استعمال شے کی) اجازت ہوتی ہے تملیک نہیں ہوتی۔ اور لفظ رضا کارانہ سے تملیک قہری (لابدی ملکیت) خارج ہوگئی جو معاملہ بیع سے حاصل ہوتی ہے۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا زکواۃ نذرانہ اور کفارہ میں بھی بیع کی طرح تملیک قہری ہوتی ہے یا ان میں سرے سے تملیک ہوتی ہی نہیں بلکہ ایسا ہے جیسے قرض ادا کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان صورتوں میں مستحقوں کے حقوق ملکیت قبل اس کے کہ انھیں دیا جائے قرار پا جاتے ہیں چنانچہ جب فالتو مال پر ایک سال گزر جائے تو زکوۃ کے حق داروں کا حق مکلف انسان (یا پابند شرع) کے ذمہ قرار پا جاتا ہے اور اس کا ادا کرنا ذمہ داری کو پورا کرنا ہے کوئی نئی تملیک نہیں ہے۔ یہی حال اشیائے نذر و کفارہ کا ہے۔۔

تعریف میں ''اپنی زندگی میں'' کی جو قید ہے اس سے وصیت کی صورت نکل گئی۔ پس وہ شخص جو اپنی زندگی میں رضا کارانہ طور پر بغیر کسی معاوضہ کے اپنے مال کا مالک دوسرے کو بنا دے تو اسے صدقہ کرنے والا ہدیہ دینے والا یا ہبہ کرنے والا کہا جاتا ہے۔ لیکن معنی خاص جو صرف ہبہ کے لئے مخصوص ہیں وہ یہ ہیں کہ ہبہ زندگی میں رضا کارانہ تملیک کا نام ہے جو نہ تو توقیر کے لئے ہو نہ ثواب کی خاطر اور نہ دفع احتیاج کے لئے ہو اور اس میں ایجاب و قبول کو دخل ہوتا ہے۔

Marfat.com

اس تعریف میں جو کہا گیا ہے کہ توقیر کے لئے نہ ہو اس سے ہدیہ (یا نذرانہ) خارج ہو گیا کیوں کہ اس سے مقصد اس شخص کی توقیر ہوتی ہے جسے ہدیہ دیا جائے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ ثواب کی خاطر یا دفع احتیاج کے لئے نہ ہو اس سے صدقہ خارج ہو گیا کیوں کہ اس میں ثواب آخرت یا محتاج کی حاجت روائی مدنظر ہوتی ہے۔ اسی طرح ایجاب وقبول کا لفظ ہے کہ صدقہ اور ہدیہ میں ایجاب وقبول کی شرط نہیں ہوتی اور اس معنی کی رو سے لفظ ہبہ مطلق بولا جائے تو اس کا یہی مقصد ہوتا ہے۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ صدقہ کہتے ہیں زندگی میں رضا کارانہ تملیک کو جس کی غرض ثواب یا محتاج کی حاجت روائی ہو۔ ہبہ اور ہدیہ کے یہی معنے ہیں اور ہدیہ بھی رضا کارانہ تملیک ہے جس کی غرض توقیر وغیرہ ہے اور اسے بھی ہبہ کہا جاتا ہے لہٰذا ہر صدقہ اور ہر ہدیہ ہبہ ہے لیکن (ہبہ بمعنی خاص) نہ تو صدقہ ہے نہ ہدیہ۔ چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نہ صدقہ دوں گا نہ ہدیہ لیکن اس خاص مفہوم کے اعتبار سے (جس میں صدقہ اور ہدیہ نہیں آتے) ہبہ کیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹی۔ اس کے برعکس اگر قسم کھائی کہ میں ہبہ نہیں کروں گا اور پھر صدقہ کیا یا ہدیہ دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور ایک صورت میں یہ تینوں جمع ہو جائیں گے جب کہ کوئی چیز اظہار توقیر کے لئے اور ثواب آخرت کے لئے عطا کی اور اس میں ایجاب وقبول بھی ہوا تو اسے ہبہ اور صدقہ اور ہدیہ کہیں گے۔ لیکن اگر ثواب یا توقیر کا مقصد پیش نظر نہ ہو اور ایجاب وقبول کے ساتھ ہو تو اس کا واحد مفہوم ہدیہ ہوگا۔

واضح ہو کہ صدقہ اور ہدیہ (کے مفہوم کو) ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ تعظیماً عطا کرنے کو ہدیہ اور ہبہ کہتے ہیں، اسی طرح ثواب کی نیت سے عطا کرنا بھی ہے (جسے صدقہ کہتے ہیں۔)

حنابلہ کہتے ہیں کہ ہبہ یہ ہے کہ ایک شخص جسے اپنے مال پر تصرف کا حق ہے وہ اپنی زندگی میں اپنی چیز کا جس کی بابت اسے علم ہو یا معلوم نہ ہو اور جاننا دشوار ہو کسی کو بغیر معاوضہ کے مالک بنا دے، درآنحالیکہ وہ شے موجود ہو اور اس کے عطا کرنے کا اسے مقدور ہو اور اس کا دینا واجب نہ ہو۔

اس تعریف میں جو آیا ہے کہ وہ شخص جسے اپنے مال پر تصرف کا حق ہے وہ کسی کو مالک بنائے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس مال کا مالک ہو وہی کسی اور کو عطا کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ مالک تصرف کی اہلیت رکھتا ہو یعنی مکلف (بالغ، پابند احکام) اور رشید (سمجھ دار) ہو۔

لفظ مال میں منقولہ اور غیر منقولہ دونوں طرح کی املاک شامل ہیں اور ان کا ہبہ کرنا درست ہے۔

تعریف میں یہ جو کہا گیا کہ اس چیز کی بابت مالک کو علم ہو یا معلوم نہ ہو اور جاننا دشوار ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہبہ کرتا ہے وہ اس چیز کی بابت علم رکھتا ہو۔ اگر اس کی خبر اسے نہیں ہے تو ہبہ کرنا درست نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس کا جاننا (یا پہچاننا) دشوار ہو مثلاً ایک شخص کی گندم پڑوسی کی گندم میں مل جل گئی تو جائز ہے ان میں سے ایک شخص اپنے ساتھی کو اپنی گندم بخش دے۔

اس شے کے موجود ہونے کی قید سے ایسی چیز خارج ہو گئی جو ہنوز موجود نہیں ہے۔ پس کسی گائے کے بچے کا جو ہنوز اس کے پیٹ میں نہیں ہے پہلے ہی سے ہبہ کرنا (درست نہیں۔)

ہبہ کے ارکان اور ہر ایک کی شرائط کا بیان

ہبہ کے ارکان اجزائے لازمی تین ہیں: ''عاقد'' یعنی ہبہ کرنے والا اور موہوب لہ جس کے حق میں ہبہ کیا جائے۔ ''موہوب'' جو چیز ہبہ کی جائے یعنی مال ہبہ اور ''صیغہ'' الفاظ ہبہ۔ ان ارکان میں سے ہر ایک کی شرطیں ہیں جو از روئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

سپرد کرنے کا مقدور ہونے کی قید سے ایسی چیز نکل گئی ہے جس کا عطا کرنا بس میں نہیں ہے جیسے اڑتا ہوا پرندہ کہ اسے ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

تعریف میں جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ اس کا دینا واجب نہ ہو، ایسا مال خارج ہو گیا جو واجب الادا ہے جیسے زکوٰۃ کا مال اور منت اور کفارے کا مال کہ اس کو ہبہ نہیں کیا جا سکتا۔

''اپنی زندگی میں'' کی قید سے وصیت کا مال خارج ہو گیا کیوں کہ اس پر لینے والے کا موت کے بعد قبضہ ہو سکتا ہے، (حالانکہ ہبہ کے لئے قبضہ ضروری ہے)۔

''بلا معاوضہ'' کی قید سے بیع وغیرہ کے معاملات خارج ہو گئے۔

واضح ہو کہ ہبہ ہدیہ صدقہ یا عطیہ یہ تمام الفاظ ایک ہی معنے رکھتے ہیں۔ البتہ نیت (یا ارادہ) کے ساتھ اس کا مفہوم بدلتا رہتا ہے چنانچہ اگر ثواب آخرت کی نیت ہو تو وہ صدقہ ہے اور اظہار توقیر کے لئے یا دوستی اور نیکی کے عوض میں ہو تو ہدیہ ہے اور اگر (ان میں سے) کوئی مقصد پیش نظر نہ ہو تو وہ ہبہ اور عطیہ ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ہبہ کا صرف ایک رکن ہے یعنی صیغہ (یا الفاظ ہبہ)۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ ایجاب و قبول دونوں رکن ہیں یا صرف ایجاب رکن ہے اور قبول رکن نہیں ہے یعنی اگر ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنا گھر فلاں شخص کو ہبہ کیا تو کیا یہ ہبہ درست ہو گیا اگرچہ اس نے قبول نہ کیا ہو جس کے حق میں ہبہ ہوا؟ حنفیہ میں سے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ محض ایجاب (یعنی واہب کے کہہ دینے سے) ہبہ ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھالی کہ میں اپنے مال میں سے کوئی چیز ہبہ نہ کروں گا، پھر اس نے ہبہ کیا لیکن موہوب لہ نے اسے قبول نہ کیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر محض ایجاب سے (بغیر قبول کیے) ہبہ درست نہ ہوتا تو قسم نہ ٹوٹتی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ (ہبہ میں) قبول لازمی ہے خواہ قبول کرنا لفظاً ہو یا عملاً (یعنی قبولیت کا اظہار الفاظ سے کیا جائے یا عمل سے) اس کے بغیر ہبہ درست نہ ہوگا۔ اور اس سے قسم کا ٹوٹنا اس بنا پر ہے کہ قسم کھانے والے کا یہ کہنا کہ میں بخدا ہبہ نہ کروں گا کا مقصد یہ ہے کہ بخشش کا اظہار نہ ہو گا اور اب چونکہ اس نے بخشش کا اظہار کر دیا۔ لہٰذا حانث ہو گیا۔ (یعنی قسم توڑ دی) کیونکہ اس کی بخشش کا اظہار تو ہو گیا اگرچہ وہ ہبہ نہیں ہوا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی مال زمین پر ڈال دیا کہ جو شخص اسے اٹھالے وہ اسی کا ہو جائے گا تو ایسا کرنا درست ہے اور یہ ہبہ ہو جائے گا۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ایجاب و قبول کا الفاظ میں ہونا ضروری نہیں ہے چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنے دو بیٹوں سے کہا کہ میں یہ جانور تم دونوں میں سے ایک کو ہبہ کرتا ہوں جو شخص اس کو پکڑ لے یہ اسی کا ہے اور ان میں سے ایک نے پکڑ

Marfat.com

لیا تو ہبہ ہو گیا۔

ہبہ کا انعقاد لین دین سے بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر یہ مشہور ہے کہ دو اشخاص میں سے ایک نے دوسرے کو اپنا جانور ہبہ کر دیا ہے اور بغیر کچھ کہے مالک نے وہ جانور دوسرے کے حوالے کر دیا اور اس نے خاموشی سے لے لیا، ایجاب و قبول نہیں ہوا (صرف لینا دینا) ہوا تو ہبہ درست ہو گیا۔

بقول حنفیہ شرائط ہبہ کی چند قسمیں ہیں:

ایک قسم کا تعلق رکن مذکور (ایجاب وقبول) سے ہے اور ایک قسم کا تعلق موہوب (ہبہ شدہ شے) یعنی مال ہبہ سے ہے اور ایک قسم کا تعلق واہب (ہبہ کرنے والے) سے ہے۔

جس شرط کا تعلق رکن سے ہے وہ یہ ہے کہ ہبہ کسی شرط پر منحصر نہ ہو یعنی (سر دست) وہ ہبہ واقع نہ ہو مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ میں یہ گھر تمہیں اس وقت سے کہ تمہارا بھائی سفر سے آ جائے یا یہ کہ اگر بارش ہو گئی تو میں نے یہ جانور تمہیں ہبہ کر دیا وغیرہ (اس طرح کہنے سے ہبہ نہ ہوگا) کیوں کہ سفر سے واپسی اور بارش کا نزول امور مشتبہ میں سے ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ ہبہ کرنے کے لئے وقت مقرر کیا جائے۔ مثلاً یوں کہیں کہ میں نے آئندہ کل سے یا آغاز ماہ سے یہ چیز تمہیں ہبہ کر دی وغیرہ۔

یوں کہنا بھی اسی میں شامل ہے کہ میرا گھر تمہارے لئے رقبیٰ ہے رقبیٰ کے معنے یہ ہیں کہ اگر میں مر گیا تو یہ مکان تمہارا ہو جائے گا اور اگر تم مر گئے تو میرا ہی رہے گا۔ یہ ہبہ مالک نے موت پر منحصر رکھا ہے۔ اس میں احتمال ہے کہ وہ خود موہوب لہ سے پہلے فوت ہو جائے یا بعد میں فوت ہو۔ پس یہ ہبہ ایک غیر یقینی امر پر منحصر رکھا گیا ہے، لہٰذا صحیح نہیں ہے۔ اور جب ہبہ صحیح نہ ہو تو وہ عاریت کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس کو رقبیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ فریقین ایک دوسرے کی موت کے منتظر ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ہبہ تو ہو جائے گا لیکن شرط لغو متصور ہوگی۔

ہر ایسی بات سے جس میں تملیک رقبہ (یعنی کسی شے کا مالک بنانے) کا مفہوم ہو ہبہ منعقد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ میں نے یہ گھر تم کو ہبہ کیا یا بخش دیا (بمعنی عطا کیا) یا عطا کر دیا یا یہ کہ یہ غلہ میں نے تمہاری خوراک بنا دیا (سب کا ایک ہی مفہوم ہبہ ہے)، اور اسی طرح جزو بول کر کل مراد لیا جائے مثلاً اس جانور کی گردن تمہارے ہاتھ میں دے دی (بھی ہبہ ہے)۔ اگر ایسی بات کہی جائے جس سے (کسی چیز کی تملیک نہیں) بلکہ منفعت کی تملیک کا مفہوم نکلتا ہو تو وہ (ہبہ نہیں بلکہ) عاریت ہے جیسے یہ کہنا کہ میں یہ گھر تمہیں عاریتاً دے رہا ہوں۔ یا اس زمین کو میں نے تمہاری غذا بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ زمین کو خوراک نہیں بنایا جاتا لہٰذا یہ عبارت زمین کو عاریتاً دینے پر دلالت کرتی ہے تملیک پر نہیں۔

اگر ایسا لفظ استعمال کیا گیا جس میں دونوں مفہوم کا احتمال ہو تو کہنے والے کی نیت دیکھی جائے گی۔ مثلاً یوں کہا کہ لو میں نے اس جانور پر تمہیں سوار کر دیا یا یہ مکان عمر بھر کو تمہارے لئے کر دیا۔ اس مقام پر یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ مکان عاریتاً خاص عرصہ کے لئے دیا اور یہ بھی کہ ہمیشہ کے لئے دے دیا (یعنی جیسا ارادہ ہوگا اسی پر عمل کیا جائے گا)۔

اگر یوں کہا کہ فلاں شے میں نے اپنی یا تمہاری زندگی تک کے لئے تمہاری کر دی تو اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مقصد اس شے کی منفعت دینے سے ہو یا خود اس شے کے دے دینے کا ارادہ ہو۔ اگر وہ چیز موہوب لہ کو دے دی گئی اور

Marfat.com

نیت ہبہ کی تھی تو وہ ہبہ ہوگئی ورنہ عاریت ہوگی۔

اگر یہ کہا کہ میں نے تم کو اس مکان یا اس کپڑے کا مالک بنادیا تو یہ ہبہ نہ ہوگا تا آنکہ کوئی قرینہ اس کے ہبہ کرنے کا موجود نہ ہو کیوں کہ تملیک کا لفظ بیع، ہبہ اور وصیت پر بھی صادق آتا ہے۔ تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ ہبہ ہے۔

اگر یوں کہا کہ میں نے یہ باغ اپنے بیٹے کے نام کردیا اور یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ باغ اس کا کردیا تو کہا جاتا ہے کہ یہ ہبہ ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ہبہ نہ ہوگا۔ بظاہر اسے ہبہ ہی سمجھنا چاہے کیوں کہ عرف عام میں اس طرح کہنے سے ہبہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی بجائے اگر یوں کہا کہ میں نے یہ باغ اپنے فلاں بیٹے کے نام لگایا ہے اور یہ نہیں کہا کہ میں نے فلاں کا کردیا تو یہ ہبہ ہوجائے گا کیوں کہ بالعموم ان الفاظ سے ہبہ ہونا سمجھا جاتا ہے۔

واہب (ہبہ کرنے والے) سے متعلق بھی چند شرطیں ہیں، منجملہ ان کے یہ کہ وہ آزاد ہو؛ غلام ہبہ کرے تو درست نہ ہوگا۔

یہ کہ عاقل ہو اور اسے نااہل معاملہ نہ قرار دیا گیا ہو، لہٰذا جنون زدہ اور نااہل معاملہ قرار دیا گیا شخص ہبہ کرے تو درست نہ ہوگا۔

یہ کہ وہ بالغ ہو، چھوٹی عمر کا بچہ ہو تو ہبہ صحیح نہ ہوگا اور یہ کہ وہ شخص ہبہ کی ہوئی شے کا مالک ہو۔ جس شے کا مالک نہ ہو اسے ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔ موہوب لہ (جس کے حق میں ہبہ ہو) کے لئے یہ شرط نہیں ہے لہٰذا نابالغ بچے وغیرہ کے حق میں ہبہ کرنا صحیح ہے۔

واضح ہو کہ اگر ہبہ کرنے والا کسی بچہ کی پرورش کرتا ہو، جیسے باپ کی عدم موجودگی میں اس کا بھائی یا چچا اسے پال رہا ہو (اور وہ کچھ ہبہ کرے) تو محض الفاظ ایجاب سے ہبہ کی تکمیل ہوجائے گی۔ لیکن اگر اس بچے کو کوئی اجنبی شخص کچھ ہبہ کرے تو اس ہبہ کی تکمیل نہ ہوگی جب تک کہ اس بچے کا ولی مال ہبہ کا قبضہ نہ حاصل کرلے۔ ولی میں چار اشخاص ہیں: اول باپ، پھر باپ نے جسے ولی بنادیا وہ، پھر دادا، اس کے بعد دادا نے جسے ولی بنایا ہو وہ۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو ہبہ کی تکمیل جب ہوگی کہ اس بچے کا پالنے والا مثلاً چچا، ماں یا کوئی اجنبی شخص ہبہ شدہ شے پر قبضہ کرلے۔ اگر بچہ صاحب شعور ہے تو ہبہ کی تکمیل خود اس کے قبضہ کرنے سے ہوگی، اگرچہ اس کا باپ موجود ہو کیوں کہ یہ اس (بچے) کی بھلائی کے لئے ہے۔

وہ شرطیں جن کا تعلق موہوب (ہبہ والی شے) سے ہے وہ بھی چند ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ شے ہبہ کے وقت موجود ہو۔ لہٰذا جو چیز ہبہ کے وقت موجود نہیں ہے اسے ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔ مثلاً آئندہ موسم میں لگنے والے باغ کے پھل کا ہبہ کرنا یا بھیڑ بکریوں کے آئندہ حمل میں پیدا ہونے والے بچوں کا ہبہ کرنا۔ اسی میں وہ طریقہ بھی ہے جو عوام میں رائج ہے کہ آئندہ بکری یا گائے کا جو بچہ ہوگا وہ ولی (نگران) یا مسجد کا ہوگا۔ یہ ہبہ باطل ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ اس بکری کے پیٹ میں جو بچہ ہے، یا اس کے تھن میں جو دودھ ہے وہ میں ہبہ کرتا ہوں تو یہ ہبہ باطل ہوگا۔ اسی طرح یوں کہنا کہ اس دودھ سے جو مکھن نکلے یا اس تلی سے جو تیل نکلے یا اس گندم کا جو آٹا ہو یہ تمام صورتیں ہبہ کی درست نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یوں کہا کہ فلاں چیز جب بھی دستیاب ہوجائے میں تم کو اس کا مالک (ابھی سے)

Marfat.com

بنائے دیتا ہوں، تب بھی ہبہ درست نہ ہوگا کیوں کہ غیر موجود شے کا ہبہ کسی حال میں درست نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ شے موجود ہے گو (علیحدہ نہ ہو بلکہ) کسی دوسری شے سے وابستہ ہو تو ہبہ درست ہے، مثلاً اون جو بھیڑ کے جسم پر ہے اگر اسے ہبہ کیا اور اس کے بعد اسے کاٹ کر دیا تو درست ہے اور لازم النفاذ ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ ہبہ ہونے والی چیز مالیت رکھتی ہو، لہٰذا ایسی شے کا ہبہ کرنا جو سرے سے مال ہی نہیں کہلاتا درست نہیں ہے۔ مثلاً مردار، خون اور سور یا حدود حرم کا مارا ہوا شکار وغیرہ۔ اسی طرح ایسے مال کا ہبہ کرنا بھی درست نہیں ہے جس کی شریعت کی نظر میں کوئی قیمت نہ ہو جیسے شراب۔

ایک شرط یہ ہے کہ ہبہ شدہ چیز پر موہوب لہ کا قبضہ ہو جائے۔ یہ شرط ہبہ کے نافذ ہونے اور اس کی ملکیت ثابت ہونے کی ہے، لہٰذا جب تک اس چیز پر قبضہ نہ ہو نہ اسے ہبہ مانا جائے گا اور نہ (موہوب لہ) اس کا مالک متصور ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ ہبہ کی جانے والی قابل تقسیم چیز مشترکہ شے نہ ہو چنانچہ اگر کسی نے نصف مکان بغیر تقسیم کیے ہبہ کیا تو یہ درست نہ ہوگا، لہٰذا لازم ہے کہ اگر ایک شخص نصف مکان کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو پہلے اس کو تقسیم کر لے۔ اگر تقسیم کرنا دشوار ہو تو نصف مکان (پہلے) مقررہ قیمت پر فروخت کر دے اور وہ رقم ہبہ کر کے اس کی قیمت ادا کر دی جائے۔ تاہم اگر وہ ایسی شے ہو جس کی تقسیم نہ ہو سکے جیسے حمام یا بخاری (آتشیں) آلات وغیرہ تو مشترکہ حیثیت ہی میں اس کا ہبہ کرنا درست ہوگا بشرطیکہ ہبہ شدہ شے کا اندازہ کیا جا سکے کہ (نصف کس قدر ہوگا)۔

اگر قابل تقسیم شے کو مشترکہ صورت میں ہبہ کیا اور تقسیم کرنے سے پہلے قبضہ دے دیا تو موہوب لہ کے قبضہ میں آنے پر بھی وہ اس کا مالک نہ ہوگا اور اگر اس میں تصرف کیا تو وہ تصرف ناجائزہ ہوگا اور اس شے کا اسے ذمہ دار قرار دیا جائے گا اور اس کی ملکیت اصل مالک کو حاصل رہے گی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر اسے قبضہ حاصل ہو جائے تو وہ مالک ہو جائے گا کیوں کہ یہ شکل ہبہ فاسد کی ہے اور ہبہ فاسد میں قبضہ کرنے سے ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔ بہر حال اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ ایسی صورت میں (موہوب لہ کا) قبضہ ہو جانے کے بعد بھی مالک کو اس کے واپس لینے کا حق ہے اور مالک کے بعد اس کے وارث کو یہ حق ہے۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ مشترکہ چیز کو تقسیم سے پہلے ہبہ کیا جائے تو اس شے پر قبضہ ہونے سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔

ایک شرط یہ ہے کہ ہبہ شدہ شے سے واہب کو پھر کوئی غرض نہ ہو، لہٰذا اگر کسی نے اپنے بیٹے کو باغ ہبہ کیا اور شرط یہ رکھی کہ اس میں جو پھل ہیں وہ ہبہ کرنے والے کے ہوں گے تو یہ درست نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی مکان ہبہ کیا اور واہب کا سامان اس میں موجود ہے تو یہ درست نہ ہوگا بلکہ لازم ہے کہ اپنا سامان نکال کر پھر ہبہ کرے۔

ایک شرط یہ ہے کہ واہب ہبہ شدہ شے کا مالک ہو، لہٰذا اشیائے مباح کا ہبہ کرنا (جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا) جائز نہیں ہے جیسے پانی یا گھاس (خودرو) کا ہبہ کرنا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی دوسرے کی مملوکہ شے کو اس کی اجازت کے بغیر ہبہ کر دیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہبہ کرنے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اہل تبرع ہو (یعنی کارثواب کرنے کا اہل ہو)۔
اہل تبرع وہ ہے جس میں یہ تین باتیں پائی جائیں:
اول یہ کہ وہ بے عقلی یا کم سنی کے باعث نااہل معاملہ قرار نہ دیا گیا ہو، لہٰذا بے عقل اور نااہل تصرف کا ہبہ کرنا سرے سے باطل ہے۔
دوم یہ کہ وہ شخص اتنا مقروض نہ ہو کہ اس کا تمام مال مع مال ہبہ کے قرض واجب الادا کے برابر ہو۔ گو ایسے شخص کا کوئی شے ہبہ کرنا درست ہوگا لیکن وہ قرض خواہ کی اجازت پر منحصر رہے گا۔ اگر وہ اجازت دے دے تو ہبہ ہو جائے گا۔ لیکن یہ شرط ہبہ کے نافذ العمل ہونے کی ہے۔
سوم یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا شخص پاگل یا نشہ میں نہ ہو۔ ایسے شخص کا ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔
چہارم یہ کہ مرتد نہ ہو (یعنی مذہب اسلام سے برگشتہ نہ ہو) اس کا ہبہ کرنا بھی درست نہیں ہے۔
پنجم یہ کہ شادی شدہ عورت نہ ہو جو اپنے مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ ہبہ کرنا چاہتی ہو۔ ایسی عورت نے اگر اپنے مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ ہبہ کر دیا تو ہبہ درست ہے لیکن خاوند کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ ہاں وہ اپنا ایک تہائی یا اس سے کم مال ہبہ کرے تو درست ہے اور خاوند کی اجازت کے بغیر بھی نافذ العمل ہوگا۔ یہ شرط بھی ہبہ کے نافذ العمل ہونے کی ہے۔
ششم یہ کہ ہبہ کرنے والا شخص مرض موت میں مبتلا نہ ہو
، درآنحالیکہ اپنے ایک تہائی مال سے زیادہ حصہ ہبہ کرنا چاہتا ہو۔ پس اگر کسی مریض نے اپنے مال کا ایک تہائی حصہ سے زیادہ ہبہ کر دیا تو اس ہبہ کا نفاذ اس کے وارث کی اجازت پر موقوف ہوگا۔
ہبہ شدہ شے کے لئے بھی چند شرطیں ہیں، منجملہ ان کے یہ کہ وہ شے مملوکہ ہو لہٰذا ایسی چیز جس کی ملکیت کسی کو حاصل نہ ہو اگر ہبہ کرے تو درست نہیں ہے، مثلاً وہ کتا جس کا مارا شکار کھانے کی اجازت نہیں ہے (کسی کی ملکیت نہیں ہوتا) اس کا ہبہ کرنا ایسا ہے جیسے کسی دوسرے شخص کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر ہبہ کرنا۔ کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کی مملوکہ شے ہبہ کر دی۔ تو وہ ہبہ نہ ہوگا، بخلاف اس کے اگر کسی غیر کی چیز فروخت کر دی تو وہ فروخت صحیح ہوگی لیکن مالک کی اجازت پر منحصر رہے گی۔
واضح ہو کہ وقف کرنے، صدقہ کرنے، اور آزاد کرنے کی مثال بھی ہبہ کی سی ہے کہ ان امور میں سے جو امر بھی بے تعلق شخص، جو مالک نہیں ہے انجام دے وہ باطل ہوگا، اگرچہ مالک اس کی اجازت دے دے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ امور بیع کی مانند ہیں کہ اگر مالک اجازت دے دے تو اس پر عمل درآمد ہوگا، کیوں کہ مالک کی اجازت سے جو کام ہو وہ درحقیقت خود مالک کا انجام دینا ہے۔
ایک شرط یہ ہے کہ ہبہ شدہ شے ایسی ہو جسے شرعاً ایک شخص کی ملکیت سے دوسرے کی ملکیت میں منتقل کیا جا سکے، چنانچہ امور زوجیت کی انجام دہی کا حق کسی کو ہبہ نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ یہ تمتع شرعاً ممنوع ہے۔ یہی حال ام ولد کا ہے (یعنی وہ لونڈی جس کے بطن سے آقا کی اولاد پیدا ہو گئی ہو) کہ اسے بھی ہبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور قربانی کی کھال ہبہ ہو سکتی ہے،

Marfat.com

کیوں کہ اس کی فروخت درست نہیں ہے یعنی اس کی ملکیت فروخت کر کے منتقل نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اسے ہدیہ کرنا یا ثواب کے لئے دینا درست ہے، لہٰذا اسے ہبہ کیا جا سکتا ہے۔

ہبہ کی شے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ واہب کو اس کی پوری معلومات حاصل ہوں لہٰذا ایسی چیز جس کی مقدار معلوم نہ ہو ہبہ کر دی جائے تو جائز ہے اگر چہ اسے تھوڑا خیال کیا گیا ہو لیکن وہ زیادہ نکلے۔ اگر ایک شخص نے اپنے چچا سے ملنے والا ورثہ کسی کو ہبہ کر دیا اور یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کس قدر ہے، خیال یہ تھا کہ وہ تھوڑا سا ہوگا، لیکن پتہ چلا کہ وہ زیادہ ہے تب بھی ہبہ درست ہے۔ ایسی ہی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے جو کچھ جیب میں ہے وہ ہبہ کر دیا۔ خیال یہ تھا کہ جیب میں دس قرش (سکہ کا نام) ہوں گے لیکن اس میں سے دو ایک اشرفیاں نکلیں تو ہبہ درست ہے اور بقول مشہور (اس ہبہ شدہ رقم کو) واپس لینا درست نہیں ہے۔

ہبہ کے لئے ہر ایسا قول یا عمل جس سے تملیک کا مفہوم نکلتا ہو صیغہ (ہبہ کا لفظ) ہے۔ ہبہ کے الفاظ صریح ہوں یا نہ ہوں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صریح کی مثال یہ کہنا ہے کہ میں نے تم کو فلاں چیز کا مالک بنا دیا۔ غیر صریح لفظ کی مثال یوں کہنا ہے کہ یہ گھر تم لے لو۔ ان الفاظ سے تملیک کا مفہوم نکلتا ہے صراحت نہیں ہے۔ عملاً ہبہ کی مثال یہ ہے کہ کسی کے ماں یا باپ اپنی اولاد کو خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی اور کم عمر ہو یا بڑی عمر کی ہو کوئی چیز دیں مثلاً باپ نے اپنے کسی بیٹے کے لئے سونے کی گھڑی یا ہیرے کی انگوٹھی یا سونے کے ملمع کا زیور خریدا یا اپنی بیٹی کے لئے سونے یا ہنسلی یا ہیرے کے کنگن یا گلے کا ہار وغیرہ خریدا تو یہ چیزیں اولاد کے لئے ہبہ شمار ہوں گی اگر باپ وفات پا جائے تو وارثوں کو ان چیزوں کے بارے میں جھگڑنے کا حق نہیں ہے۔ اس معاملہ میں ماں کا عمل بھی ایسا ہی ہے جیسے باپ کا اور واہب سے اس بارے میں شہادت پیش کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ان خرید شدہ زیورات کو ماں باپ کی زندگی میں اولاد نے استعمال کیا تو قیاس کیا جائے گا کہ یہ چیزیں ان کو دے دی گئی ہیں۔ البتہ اگر ہبہ کرنے والے باپ یا ماں نے یہ وضاحت کر دی ہو کہ زیور اولاد کو صرف اس لئے دے گئے ہیں کہ وہ اسے پہنیں ان کا مالک نہیں بنایا گیا، ایسی صورت میں وہ اشیاء اولاد کی متصور نہ ہوں گی۔

بیوی کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ اگر خاوند نے اس کے لئے کوئی زیور خریدا اور وہ اس نے پہن لیا تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کے خریدنے کی غرض محض بیوی کا سنگھار تھا اسے دینے کے لئے نہیں خریدا گیا۔ البتہ اگر خاوند یہ اقرار کرے کہ اس نے بیوی کو مالک بنا دیا ہے تو وہ مالک ہو جائے گی یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ بیوی خاوند کے گھر میں ہو لیکن یہ جو رواج ہے کہ دلہن ابھی اپنے گھر میں ہے اور دلہن کے لئے سامان چڑھاوا یا ساچق، بری وغیرہ اس کے باپ کے گھر بھیجا جاتا ہے، اگر اس کی بابت یہ بتا دیا جائے کہ یہ سامان عاریتاً دیا جا رہا ہے تو وہ ویسا ہی متصور ہوگا۔ اور اگر اسے ہدیہ (یا تحفہ) کہا گیا ہے تو وہ ہبہ ہوگا اور اگر کچھ نہیں کہا تب بھی اسے ہدیہ ہی شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر باپ نے اپنے بیٹے کی سواری کے لئے گھوڑا خریدا یا پڑھنے کے لئے کتابیں خرید دیں یا لگانے کے لئے ہتھیار خریدے یا پہننے کے لئے قیمتی لباس خریدا تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو زیور کا ہے۔

اگر (باپ نے) بیٹے سے یوں کہا کہ اس سفید زمین پر مکان بنا لو تا کہ تمہارے لئے ایک گھر ہو جائے یا یوں کہا

Marfat.com

کہ (میری) یہ خالی زمین میرے بیٹے کا گھر ہے تو اس طرح کہنے سے (وہ زمین) ہبہ نہ ہوگی کیوں کہ عام طور پر باپ کی ملکیت کو بیٹے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے (حالانکہ وہ بیٹے کی ملکیت نہیں ہوتی) نیز باپ کا بیٹے کو مکان بنانے کے لئے کہنا تملیک کو متقاضی نہیں ہے، کیوں کہ یہ اسی طرح کا کہنا ہے جیسے عورت اپنے خاوند سے کہے کہ اس خالی زمین پر مکان بنالو کہ یہ تمہارا ہی مکان ہے۔ لیکن اگر کوئی اجنبی شخص کسی کو اس طرح کہے تو اس صورت میں اسے تملیک پر محمول کیا جائے گا۔

اگر (ان صورتوں میں) بیٹے یا بیوی نے خالی زمین پر اپنے خرچ سے مکان بنالیا اور وہ باپ یا خاوند مر گیا تو بنانے والے نے جو کچھ بنایا ہے اس کے ملبہ کی قیمت کا وہ حق دار ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں وہ زمین عاریتاً دی ہوئی شے متصور ہوگی اور باپ یا بیوی (جو معیر کی حیثیت میں ہیں) کی وفات پر عاریت ختم ہوگئی۔

اگر مالک نے کہا کہ میں نے یہ مکان فلاں شخص کو ہبہ کر دیا اور اس شخص نے قبول کر لیا تو وہ اس مکان کا مالک ہو جائے گا، اور اب ہبہ کرنے والے کو اس کا واپس لینا درست ہوگا۔ انکار کرے تو دینے پر مجبور کیا جائے گا، خواہ اس کے لئے حاکم سے چارہ جوئی کرنی پڑے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ہبہ کی تکمیل کے لئے قبضہ کرنا اور قابو میں لانا شرط ہے۔ اگر ہبہ شدہ شے پر قبضہ نہیں ہوا تو وہ ہبہ نافذ نہ ہوگا، گو ہبہ درست ہے۔

ایجاب کے بعد قبول کرنے میں تاخیر جائز ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے ایک گھر ہبہ کیا اور لینے والے نے اسے قبول کرنے میں تاخیر کی اور بعد میں قبول کیا تو وہ ہبہ ہو گیا۔

اور عمری کا طریقہ (یعنی عمر بھر کے لئے عطا کرنا) ہبہ نہیں ہے بلکہ یہ دینے یا لینے والے کی زندگی بھر کے لئے بلا معاوضہ اس شے کی منفعت کا مالک بنا دینا ہے۔ لفظ عمری (بضم عین وسکون میم) کے معنے تاحین حیات کے ہیں اور جب یہ لفظ بغیر کسی قید کے بولا جائے تو اس سے عطا کرنے والے کی عمر مراد ہوگا۔ لیکن اگر یہ کہنا کہ میرا یہ گھر تمہاری عمر بھر تک کے لئے تمہارا ہے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ میں یہ گھر تم کو اس لئے دیتا ہوں کہ جب تک تمہاری حیات ہے اس سے منتفع ہوتے رہو۔

ہبہ عمری ایک کار ثواب ہے کیوں کہ یہ احسان کرنا ہے۔ اگر اس کا کچھ معاوضہ لیا جائے تو یہ اجارہ فاسد (ناقص کرایہ داری) ہوگا کیوں کہ زمانہ حیات معلوم نہیں کتنا ہو۔ پس کرایہ داری کا زمانہ بھی نامعلوم رہا۔ اندریں صورت یہ ایسا ہی ہے کہ زید کو اس کی عمر بھر کے لئے کوئی چیز وقف کر دی جائے۔ یہ صورت دائمی وقف یا کچھ عرصہ مقررہ کے لئے وقف کرنے سے جداگانہ ہے۔

عمری میں لفظ ''اعمار'' کے استعمال کی شرط نہیں ہے، بلکہ ہر ایسی عبارت جس کا مطلب یہ ہو کہ ایک شخص کو اس کی عمر بھر کے لئے کسی شے سے استفادہ کا حق دیا گیا، عمری ہے مثلاً ایک شخص کا یہ کہنا کہ میں اپنا گھر یا اپنا سامان یا اپنا گھوڑا یا اپنا ہتھیار عاریتاً تمہیں دیتا یا عطا کرتا ہوں یا اس میں آباد کرتا ہوں وغیرہ۔ لیکن اگر عطا کرتا ہوں کہا تو اس صورت میں کوئی قرینہ ایسا ہونا چاہیے جس سے اعمار (عمری کرنا) ظاہر ہوتا ہو تو وہ عمری ہو جائے گا۔ مثلاً یوں کہا کہ میں نے اپنے گھر میں رہنے یا اپنی زمین سے غلہ حاصل کرنے کا حق تمہاری عمر بھر کے لئے تمہیں عطا کیا۔ اگر یوں نہ کہا تو یہ ہبہ ہوگا (عمری نہ ہو

Marfat.com

گا)۔پس اگر وہ شخص وفات پا گیا جسے وہ حق عطا کیا گیا تو عطا کرنے والا دوبارہ اس گھر کا مالک ہو جائے گا اور اگر وہ وفات پا جائے تو اس کے وارث کو مل جائے گا۔

ہبہ رقبیٰ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ اگر میں تم سے پہلے مر جاؤں تو میرا یہ مکان تم اپنے مکان میں شامل کر لینا اور اگر تم مجھ سے پہلے مر گئے تو تمہارے مکان کو میں اپنے مکان میں شامل کر لوں گا۔ایسا کرنا ایک عمل باطل ہے۔اگر ایسا کوئی معاملہ کیا جائے اور فریقین میں سے کسی کو موت سے پہلے (یہ مسئلہ) معلوم ہو جائے تو یہ معاملہ منسوخ ہو جائے گا اور اگر موت کے بعد ہوا تو مکان وارثوں کی ملکیت ہو جائے گا اور جو معاملہ ہوا ہے اس کی پروانہ کی جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ واہب کے متعلق چند شرائط ہیں، منجملہ ان کے یہ کہ وہ حقیقی یا حکمی طور پر (ہبہ کی چیز) کا مالک ہو۔حکمی ملکیت (یعنی ایسی ملکیت جس کو مالک ہونے کے برابر مانا گیا ہو) کی مثال منت کے جانور کی اون کا مالک ہونا ہے کہ اگر چہ یہ اون نذر کی چیز ہونے کے باعث ملکیت سے باہر ہوتی ہے لیکن خود منت ماننے والے کے لئے مخصوص ہوتی ہے ،لہٰذا (اسے مالک کے برابر تصور کیا جاتا ہے اور) ہبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔اسی طرح پستان کا دودھ سوکن کو ہبہ کرنا (درست) ہے کیوں کہ عورت اس کی حکماً مالک تصور کی جاتی ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ اسے اپنے مال میں تصرف کا کلی اختیار ہو، لہٰذا ایسا شخص جو کم سنی بے عقلی یا جنون کے باعث نااہل معاملہ قرار دیا جائے کوئی چیز ہبہ کرے تو ہبہ درست نہ ہوگا۔

علاوہ شرائط بالا کے وہ شرائط بھی ہیں جن کا ذکر بیع کے بیان میں کیا گیا۔

موہوب لہ سے تعلق رکھنے والی شرط یہ ہے کہ اسے تملک کا اختیار ہو (یعنی وہ مالک بننے کی صلاحیت رکھتا ہو) یہاں سوال یہ ہے کہ آیا (اس کے لئے) محض صاحب تمیز (یا باشعور) ہونا کافی ہے کہ ایک بالغ شخص نے ایک صاحب شعور بچے کو کچھ بطور تحفہ دیا اور اس نے اسے لے لیا تو آیا وہ ہبہ درست ہو گیا اور وہ بچہ اس شے کا مالک ہو گیا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صغیر سن بچہ اس تحفہ کو قبول کر لینے سے اس کا مالک تو نہ ہوگا لیکن اسے دے دینا حرام بھی نہیں ہے۔ہاں اگر قرینہ سے یہ بات معلوم ہو کہ اس بچہ کا ولی یہ پسند نہ کرتا ہو۔کہ مبادا وہ بچہ (ہر ایک چیز لے لینے کے باعث) خساست اور ندیدہ پن کا عادی ہو جائے ،ایسی صورت میں اس کے ولی کی اجازت کے بغیر اسے کچھ دینا منع ہے۔

جو شخص نااہل معاملہ ہو اسے کوئی چیز ہبہ کی جائے تو درست ہے کو اس کا ولی (نگران حال) لے سکتا ہے یا ولی نہ ہو تو حاکم وصول کر لے اور ولی پر لازم ہے کہ جو چیز نااہل معاملہ کو ہبہ کی جائے وہ اسے قبول کرے۔اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے ولی بننے کی ذمہ داری سے ہٹا دیا جائے گا، خواہ وہ وصی ہو یا سرپرست ہو۔لیکن باپ اور دادا کو (بحیثیت ولی ہبہ) قبول نہ کرنے کی بنا پر معزول نہیں کیا جا سکتا۔

یاد رہے کہ ہبہ شدہ شے کا مالک ہونے کے لئے (اس شے پر) قبضہ حاصل ہونا ضروری ہے۔

اگر باپ یا دادا اپنے بچے کو کچھ دیں تو وہ بچہ اس کا مالک متصور نہ ہوگا یہاں تک باپ یا دادا (بحیثیت ولی) اسے قبول کرے۔اور (اس صورت میں) قبول کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دے۔

اگر ہبہ کرنے والا یا جسے کوئی شے ہبہ کی گئی اس چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے وفات پا جائے تو وہ ہبہ منسوخ نہ ہوگا اور

Marfat.com

متوفی کا وارث اس کا قائم مقام متصور ہوگا۔

صیغہ ہبہ (یعنی طریقہ یا الفاظ ہبہ) کے لئے وہی شرائط ہیں جو بیع کے بارے میں پہلے بتائی جا چکی ہیں، منجملہ ان کے ایک شرط یہ ہے کہ بقول معتمد قبول وایجاب شے کے مطابق ہو۔ چنانچہ اگر کسی شخص کو دو بھیڑیں ہبہ کی گئیں اور اس شخص نے صرف ایک بھیڑ قبول کی تو ہبہ درست نہ ہوگا کیوں کہ جو چیز قبول کی گئی وہ دی گئی شے کے مطابق نہیں ہے۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ قبولیت حرف ایجاب کے فوراً بعد ہو جائے، اگر غیر متعلقہ بات درمیان میں آئے تو دونوں میں فیصلہ نہ مانا جائے گا۔ پس اگر کہا کہ میں نے فلاں چیز تمہیں ہبہ کی اور اس پر تم کو قبضہ کرنے کا اختیار دے دیا اور لینے والے نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو یہ الفاظ کہ ''تم کو قبضہ کا اختیار دیا'' کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیوں کہ یہ الفاظ معاملہ سے تعلق رکھتے ہیں (غیر متعلق نہیں ہیں)۔

ایک شرط یہ ہے کہ معاملہ کو کسی اور شے پر معلق (یا منحصر) نہ رکھا جائے لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ مکان میں نے تم کو دیا (یا ہبہ کیا) بشرطیکہ فلاں شخص آ جائے، یا یوں کہا کہ یہ مکان ہبہ کرتا ہوں لیکن اگلے ماہ کے آغاز سے۔

اسی طرح اگر یہ کہا کہ میں ہبہ کیا بشرطیکہ ضرورت پڑی تو واپس لے لوں گا تو یہ ہبہ درست نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ ہبہ عمری یا ہبہ رقبیٰ صحیح ہے۔ عمری کی مثال یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا کہے کہ میں نے یہ مکان تم کو ہبہ عمری کے طور پر دیا یعنی تمہاری حین حیات یہ مکان تمہارا ہے، تمہارے بعد یہ پھر میرا ہو جائے گا۔ اور ہبہ رقبیٰ یہ ہے کہ دینے والا کہے کہ میں نے یہ مکان بطور ہبہ رقبیٰ تم کو دیا یا یوں کہا کہ بترقب مرگ اپنا یہ مکان میں نے تمہارا کر دیا یعنی تمہارے بعد یہ مکان پھر میرا ہو جائے گا، ہاں اگر میں پہلے مر گیا تو یہ تمہارا ہوگا۔ اس طرح کہنے سے وہ مکان ہبہ ہو جائے گا اور یہ شرط لغو ہو گی اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

(یاد رہے) کہ ہبہ شدہ چیز پر ملکیت حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ ہبہ کرنے والے کی اجازت سے اس پر قبضہ حاصل نہ ہو جائے۔ اگر اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کر لیا بایں طور کہ ہبہ شدہ شے کو سنبھال لیا تو (بصورت تلف) اس کا توان دار ہوگا۔

اگر ہبہ کرنے والے نے قبضہ کی اجازت دے دی اور ہنوز لینے والے نے اس پر قبضہ نہ کیا تھا کہ (واہب نے) اجازت واپس لے لی تو یہ اجازت باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر (قبضہ منتقل ہونے سے پہلے) فریقین میں سے کسی کی وفات ہو گئی تب بھی وہ اجازت باطل ہو جائے گی۔

(ہبہ شدہ مال پر) قبضہ کرنے کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ واہب شے موہوب کو موہوب لہ کے سامنے رکھ دے، اس کے لئے اجازت دینا ضروری ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ واہب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ تصرف کرنے کا مجاز ہو لہٰذا بے عقل، صغیر سن، غلام وغیرہ ہبہ کریں تو وہ درست نہ ہوگا (کیوں کہ وہ تصرف کے مجاز نہیں ہیں)۔ یہی حال دوسری بخششوں کا ہے۔ صغیر سن (بچہ) یا بے عقل اگر اپنے ولی کی اجازت سے بھی ہبہ کرے تو درست نہیں ہے ہاں غلام اگر اپنے آقا کی اجازت سے ہبہ کرے تو جائز ہے۔

موہوب لہ (یعنی جسے ہبہ کیا جائے) کی بابت شرط یہ ہے کہ وہ تصرف کا اہل ہو لہٰذا صغیر سن بچہ اگر ہبہ کو قبول کرے

Marfat.com

تو درست نہ ہوگا، اگر چہ وہ ذی شعور ہو۔ اسی طرح اس کا قبضہ کرنا بھی درست نہیں ہے۔ یہی حکم مجنون کا بھی ہے کہ ان دونوں کی طرف سے ان کا ولی ہبہ قبول کرسکتا ہے باپ بطور ولی کے اس کا قائم مقام ہوگا۔ اگر کوئی ولی یا وصی نہ ہو تو حاکم ان کی طرف سے (ہبہ) کو قبول کرے گا یا پھر وہ شخص جسے حاکم اپنی بجائے مقرر کرے۔ اور اگر کوئی ولی ان کا نہ ہو تو ان کی طرف سے کوئی وصی یا قریبی رشتہ دار وصول کرسکتا ہے۔

شے موہوبہ کے لئے یہ شرط ہے کہ ہبہ کرنے والا اس چیز کو جانتا ہو اگر معلوم نہ ہو (کہ کیا ہبہ کر رہا ہے) تو وہ ہبہ درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس کا تعین دشوار ہو تو ہبہ ہوسکتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ (اسی قاعدے کے تحت) جانور کے پیٹ کے بچے اور تھن کے دودھ اور جسم کی اون کو ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔ اگر بھیڑ کا مالک اجازت دے کہ اون کاٹ لو یا دودھ دھولو تو (یہ ہبہ نہیں بلکہ) اباحت (یعنی محض اجازت) متصور ہوگی۔ اسی طرح تلی یا زیتون کا تیل نکالے بغیر ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔

ہبہ ہونے والی شے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ موجود ہو، لہٰذا غیر موجود شے کو ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے درخت میں پھل لگنے سے پہلے ہی ان کو بیچ دینا۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ ہبہ کرنے والا شے موہوب کے سپرد کر دینے پر قادر ہو، لہٰذا بھاگے ہوئے غلام یا اڑتے جانور وغیرہ کا ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ وہ چیز ایسی ہو جس کی بیع جائز ہو۔ پس ایسی شے جس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ شکاری کتے کو جس کا مارا شکار کھانا جائز ہے اور ایسی نجاست کو جس سے نفع اٹھانا روا ہے ہبہ کرنا درست ہے۔

اب رہا صیغہ (یعنی الفاظ یا طریق ہبہ) اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے لئے ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن سے بالعموم ہبہ مراد ہو۔ مثلاً یہ کہنا کہ میں نے ہبہ کیا فلاں چیز کو یا تمہیں اس کا مالک بنا دیا وغیرہ۔ یا پھر ایسا عمل ہو (جس سے ہبہ ظاہر ہوتا ہو) مثلاً بیٹی کے لئے جہیز مہیا کرنا۔ یہ ہبہ بالفعل (یعنی فوری طور پر واجب النفاذ) ہے۔

ہبہ کا کسی شرط آئندہ پر منحصر کرنا بھی صحیح ہے مثلاً یہ کہنا کہ میں نے اگلے ماہ کے آغاز سے یہ شے تمہیں ہبہ کر دی۔

اگر ہبہ کو موت کی شرط پر موقوف رکھا مثلاً یوں کہا کہ اگر میں مر گیا تو تمہارے لئے فلاں شے ہبہ ہوگئی تو یہ وصیت ہے ہبہ نہیں ہے۔ ہبہ کے لئے وقت کا تعین کرنا درست نہیں ہے مثلاً یوں کہنا کہ میں نے یہ لباس ایک ماہ کے لئے تمہیں ہبہ کر دیا۔

واضح ہو کہ اس شرط سے ہبہ عمری اور ہبہ رقبیٰ مستثنیٰ ہیں کیوں کہ یہ دونوں ہبہ کی صورتیں جائز ہیں۔ ان کی تفصیل اس سے پہلے ذکر کیے گئے مسالک کے بیان میں بتا دی گئی ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

یہ سوال کہ آیا ہبہ کی بات چیت طے ہو جانے سے ہبہ درست ہو جاتا ہے اور جس کو ہبہ کیا گیا ہے وہ ہبہ شدہ شے کا مالک ہو جاتا ہے یا اس پر قبضہ ہونا ضروری ہے؟

اس بارے میں دو رائیں ہیں اور دونوں میں بہتر یہی ہے کہ جب تک قبضہ نہ ہو موہوب لہ اس شے کا مالک نہیں ہے۔ اگر قبضہ حاصل کرنے سے پہلے موہوب لہ نے اس میں تصرف کیا (یا کام میں لانا شروع کر دیا) تو اس کا یہ تصرف

قرض (واجب الوصول) کے ہبہ کر دینے کا بیان

اگر ایک شخص کا قرض کسی پر ہے اور وہ قرض اس نے مقروض کو یا کسی اور کو ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ جائز نہ ہوگا۔ اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

نافذ العمل نہ ہوگا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جس کے ذمہ قرض ہے اسے اس قرض کا ہبہ کر دینا جائز ہے، لہٰذا یوں کہنا کہ میں نے اپنا وہ قرضہ جو تم سے واجب الوصول ہے تمہیں ہبہ کر دیا تو یہ درست ہے لیکن یہ حقیقی معنوں میں ہبہ نہ ہوگا، کیوں کہ ہبہ کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ کوئی عین (چیز)؛ ہو قرض نہ ہو (قرض کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا)۔ پس یہ (لفظ ہبہ) قرض سے سبکدوش کرنے کے معنوں میں بطور مجاز کے ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

ہبہ کرنے والے کے یہ کہنے سے کہ میں نے اپنا قرضہ تمہیں ہبہ کیا (موہوب لہ) کو قرض سے بالکل سبکدوشی ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے مقروض کا قبول کرنا شرط نہیں ہے۔ ہاں مقروض نے قبول نہ کیا اور ہبہ رد کر دیا تو ہبہ رد ہو جائے گا اور بقول مختار قرض باقی رہے گا۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ مقروض کا اپنا معاملہ ہو۔ لیکن اگر ایک شخص کسی اور کا ضامن ہے اور قرض خواہ اس قرض کو ہبہ کر دے جس کا وہ شخص ضامن ہے تو وہ ہبہ (قرض دار کے) قبول کرنے پر درست ہوگا۔ اگر قرض دار اس مہربانی سے اعراض کرے تو اس کا اعراض کرنا درست ہوگا۔

اگر قرض خواہ نے ضامن کو اس کی ضمانت سے بری الذمہ کر دیا تو اس کے قبول نہ کرنے پر بھی وہ مکمل طور پر بری الذمہ ہو جائے گا۔ یعنی اگر وہ ضمانت سے بری ہونا قبول نہ کرے تو اس کا انکار تسلیم نہ کیا جائے گا کیوں کہ اگر قرض خواہ کو اس کی ضمانت درکار نہیں ہے تو اسے (ضامن بننے پر) مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اگر قرض خواہ اصلی نے (مقروض کو) ادائیگی قرض سے بری کر دیا یا وہ قرضہ اسے ہبہ (یا معاف) کر دیا اور مقروض نے اسے قبول کر لیا تو مقروض اور اس کا ضامن دونوں بری الذمہ ہوں گے۔

اگر ایک شخص کا قرضہ کسی پر ہے اور مقروض وفات پا گیا اور قرض خواہ اپنا قرضہ متوفی کے وارث کو ہبہ کر دے تو یہ درست ہے۔ اگر وارث اس ہبہ کو رد کر دے تو وہ رد ہو جائے گا۔ اگر وہ قرضہ کسی بھی وارث کو ہبہ کیا تو وہ تمام ورثاء کے حق میں ہوگا لیکن اگر صرف ایک ہی وارث کو سبکدوش قرار دیا تو صرف اس کے حصہ کا قرضہ معاف ہوگا۔

ان تمام مسائل کا تعلق اس صورت میں ہے جب کہ قرضہ اسے ہبہ کیا جائے جس پر قرض ہے۔

کسی شخص کے ذمہ کا قرض کسی اجنبی (غیر متعلق شخص) کو ہبہ کر دینا بھی درست ہے اور ہبہ کی تعریف میں یہ بات بتا دی گئی ہے کہ قرض کو ہبہ کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ قرض خواہ موہوب لہ کو کہے کہ پہلے وہ اس کی طرف سے بحیثیت (اس کے نائب کے) قرض وصول کرے، وصول کرنے کے بعد وصول شدہ قرضہ ایک عین مستقل شے بن جائے گا، اب وہ اسے خود (بطور ایک ہبہ شدہ شے) کے لے سکتا ہے۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ قرض خواہ اپنا قرض مقروض کو بھی ہبہ کر سکتا ہے اور کسی اور کو بھی۔ اگر مقروض کو ہبہ کیا جائے جس پر قرض ہے تو یہ قرض سے سبکدوش کرنا ہے اور سبکدوش کرنے کے لئے بقول راجح 'قبولیت' ضروری ہے کیوں کہ ہبہ میں ملکیت کی منتقلی ہوتی ہے (جس کے لئے ایجاب وقبول لازم ہے) اگر مقروض (یہ ہبہ) منظور نہ کرے تو قرضہ کا ہبہ صحیح نہ ہو گا بعض اصحاب کہتے ہیں کہ قرض کا ہبہ کرنا قرض کو معاف کرنا ہے، ملک کا منتقل کرنا نہیں ہے، لہٰذا اس میں قبولیت کی حاجت نہیں ہے۔ لیکن اگر اپنا قرضہ مقروض کے علاوہ کسی اور کو ہبہ کیا جائے تو ہبہ درست ہو گا بشرطیکہ یہ تین شرطیں پائی جائیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ ہبہ کرتے وقت تین گواہ بنا لیئے جائیں۔ اس ہبہ کے لئے گواہ کی گواہی شرط ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر قرض کی کوئی دستاویز (تحریری ثبوت یا تمسک) ہو تو وہ موھوب لہ کو دے دی جائے۔ اس دوسری شرط کے بارے میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط ہے اور بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ یہ ہبہ کے مکمل ہونے کی شرط ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ موہوب لہ اور مقروض اگر (شہر میں) ہوں تو بوقت ہبہ دونوں موقع پر موجود ہوں۔ ہاں اگر باہر گئے ہوں تو انھیں طلب کرنا شرط نہیں ہے۔ اب یہ سوال کہ مقروض موجود ہو تو دونوں کا جمع کیا جانا ہبہ کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے یا ہبہ کی تکمیل کے لئے سو اس باب میں قابل ترجیح بات یہی ہے کہ یہ شرط ہبہ کی تکمیل کے لئے ہے۔

اگر ایک شخص کی سو اشرفیاں کسی پر قرض ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ قرضہ کی رقم مثلاً اپنے بھائی کے حق میں ہبہ کر دے تو اس کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہبہ کے لئے گواہ بنا لے اور پھر اپنے بھائی اور مقروض اگر دستیاب ہوں تو دونوں کو جمع کرے اور پھر وہ قرض اس کے حوالہ کر دے (یعنی اس قرضہ کی وصولیابی بھائی پر ڈال دے) اور اگر اس قرضہ کے متعلق کوئی دستاویز (یا تمسک) اس کے پاس ہے تو اپنے بھائی کے حوالہ کر دے۔ اس طرح کرنے سے متفقہ طور پر ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اگر مقروض کی طلبی دشوار ہو اور قرض کی دستاویز بھی نہیں ہے تو گواہی کا ہونا اور قبولیت صحت ہبہ کے لئے کافی ہے۔ اب رہا یہ کہ اگر مقروض دستیاب ہو اور واہب اور موہوب لہ اکٹھے نہ ہو سکیں اور یا قرض کی دستاویز موجود ہو اور وہ موہوب لہ کو نہیں دی گئی تو ہبہ درست ہو گا یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے، اس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔

اگر مقروض نے یہ جاننے کے بعد بھی کہ قرضہ ہبہ ہو چکا ہے، واہب کو قرضہ کی ادائیگی کر دی تو واہب اس امر کا ذمہ دار ہو گا کہ موہوب لہ کو (وہ ہبہ شدہ قرضہ) دے دے۔ یہی مثال قرض کے رہن رکھنے کی ہے کہ اس میں شہادت ضروری ہے۔

قرض کو رہن رکھنے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی شے محمد سے بیس اشرفی میں خریدی اور خریدار کا حامد پر اتنا ہی یا اس سے کم وبیش قرض ہے، اور اس نے اپنے خرید کردہ مال کی قیمت کے عوض اس قرض کو محمد کے پاس رہن رکھ دیا۔ ایسی صورت میں اس پر لازم ہو گا کہ وہ اس امر کا گواہ بنا لے کہ اس نے اپنا وہ قرضہ جو خالد سے واجب الوصول ہے محمد کے پاس رہن رکھ دیا ہے۔ اگر قرضہ کی کوئی دستاویز ہے تو وہ دستاویز بھی محمد کے حوالے کر دے اور چاہے کہ محمد اور مقروض دونوں اسی طرح اکٹھے ہوں جیسا کہ ہبہ کے بیان میں بتایا گیا۔

Marfat.com

ہبہ شدہ شے کو واپس لینے کا بیان

واضح ہو کہ ہبہ کرنے والے کو ہبہ کے واپس لینے کا حق نہیں رہتا بجز ان صورتوں کے جن کی تفصیل مسالک مختلفہ میں کی گئی ہے۔ (۱)

شافعیہ کہتے ہیں کہ قرضہ کا مقروض کو ہبہ کر دینا اسے قرضہ سے سبکدوش کرنا (یا قرضہ معاف کر دینا) ہے۔ اس کے لئے قبول کرنے کی شرط نہیں ہے۔ لیکن اگر مقروض کے علاوہ کسی کو ہبہ کیا تو اس صورتمیں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ ہبہ صحیح ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ باطل ہے۔ تاہم قابلِ اعتماد دوسری بات ہے کیوں کہ قرض جب تک اسے قرض کہا جائے کسی کے حوالے کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر وہ وصول ہو جائے تو وہ قرض نہ رہے گا بلکہ عین (یا اصل زر) متصور ہو گا۔ ہاں قرض کو فروخت کر دینا بقول معتمد صحیح ہے۔ پس اگر ایک شخص کا قرض کسی پر واجب ہے اور وہ اسے کسی قیمت پر فروخت کر دے تو درست ہے اور وہ قرضہ اس قیمت کے عوض متصور ہوگا۔ ایسا کرنے سے فروخت شدہ شے کا حصول یقینی ہو جاتا ہے اور اس قسم کا تعین درست ہے۔ بخلاف ہبہ کے کہ اس کے معاوضہ میں کوئی چیز نہیں ہوتی لہٰذا ہبہ شدہ شے کے وصول کرنے کو لازم بنانا درست نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قرضہ (واجب الوصول) کا اس شخص کو ہبہ کر دینا درست ہے جس پر قرضہ ہے۔ اب ہبہ کر دیا یا قرض سے سبکدوش کر دیا (یعنی قرضہ معاف کر دیا) یا اس کے ذمہ سے قرضہ اتار دیا یا اس قرضہ کو چھوڑ دیا (وصول نہ کیا) یا اس شخص (مقروض کو) اس کا مالک بنا دیا یا اسے صدقہ کر دیا یہ سب کچھ صحیح ہے۔ خواہ قرض کی (کیفیت یا مقدار) معلوم ہو یا نہ ہو۔ لیکن ہبہ اس امر کا متقاضی ہوتا ہے کہ اس چیز کی (جو ہبہ کی گئی ہے) تعیین کر دی جائے اور اس صورت میں (جب کہ وہ قرض ہے) تعیین نہیں ہو سکتی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ہبہ کرنے والا اپنی ہبہ کردہ شے کو موہوب لہ کا قبضہ ہو جانے پر بھی واپس لے سکتا ہے۔ لیکن ہبہ کی شے کو واپس لینا ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس کا قبضہ ہونے سے پہلے ہی واپس لے لے کیوں کہ موہوب لہ کا قبضہ ہونے سے پہلے ہبہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔

یاد رہے کہ ہبہ کے بعد شے موہوب لہ کا واپس لینا بقول راجح مکروہ تحریمی (حرام) ہے ورنہ مکروہ تنزیہی تو ہے ہی ہبہ کرنے والا اپنا حق واپسی ساقط کر دے تب بھی واپس لے لینا درست ہے، کیوں کہ حق رجوع اسکے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا تاہم سات امور ایسے ہیں جن سے حق واپسی جاتا رہتا ہے۔

پہلا امر یہ ہے کہ ہبہ شدہ شے کے وجود میں کچھ اضافہ ہو گیا ہو (اسے زیادت متصلہ کہتے ہیں) مثلاً کوئی دبلی بھیڑ ہبہ کی گئی اور موہوب لہ نے اسے خوب چرایا چگایا اور وہ فربہ ہو گئی تو ایسی صورت میں واہب کو واپس لینے کا حق نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر دوبارہ ویسی ہی دبلی ہو جائے جیسی کہ تھی تب بھی وہ واپس نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح اگر کسی جانور کا بچہ کسی کو ہدیتاً دیا اور لینے والے کے پاس بڑا ہو گیا، یا کسی کو ان پڑھ غلام ہبہ کیا اور لینے والے کے پاس آ کر اس نے علم حاصل کر لیا، یا کوئی بے رنگ کپڑا تھا جسے موہوب لہ نے رنگوا لیا یا سلوا لیا (یہ سب صورتیں اضافت متصلہ کی ہیں) لیکن اگر کوئی بکری ہبہ کی

Marfat.com

اور موہوب لہ کے پاس آ کر وہ گیا بھن ہوگئی اور اس کے باعث اس کی مالیت میں اضافہ ہوگیا تو اس کا واپس لینا ممنوع ہے ورنہ نہیں۔

اسی طرح اگر کسی کو خالی زمین عطا کی گئی اور اس میں لینے والے نے مکان بنالیا یا درخت لگائے اور اس مکان اور درخت کی وجہ سے اس تمام زمین کی مالیت مجموعی طور پر بڑھ گئی تو ساری زمین کا واپس لینا منع ہے۔ اگر زمین کی مالیت صرف اس حصہ زمین کی بڑھی جس میں مکان وقف ہے تو صرف اس حصہ کی واپسی ممنوع ہے۔ ہاں اگر بعد میں وہ مکان ڈھا دیا جائے یا درخت کاٹ لیا جائے تو واہب کو پھر واپسی کا حق ہو جائے گا، کیوں کہ ذات ہبہ شدہ شے میں کچھ نہیں بڑھا جیسا کہ دبلے جانور کے فربہ ہونے میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی چیز جس کی مالیت دس ہے اور ہبہ کے بعد اس کا نرخ بڑھ گیا تو یہ امر مانع واپسی نہیں ہے۔ لیکن اگر موہوب لہ اس شے کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے گیا جہاں پر لانے سے اس کا نرخ زیادہ ہوگیا تو واہب کو واپسی کا حق نہ رہے گا کیوں کہ یہ زیادتی موہوب لہ کے عمل یا اس کے اوپر خرچ کرنے سے ہوئی ہے۔ (لہٰذا یہ اضافہ متصلہ نہیں ہے) بعض اصحاب کہتے ہیں کہ (اس صورت میں بھی) رجوع کا حق رہتا ہے۔

اگر زیادتی منفصلہ ہو (یعنی اضافہ اس شے کے وجود سے وابستہ نہ ہو) تو صرف اصل شے کا واپس لینا ممنوع نہیں ہے۔ چنانچہ اگر مثلاً گائے ہبہ کی اور اس سے بچہ پیدا ہوگیا تو واہب گائے کو واپس لے سکتا ہے بچہ کو نہیں لے سکتا۔ رہا یہ سوال کہ اگر بچے والی گائے کو ساتھ رکھنا ضروری ہو تو کیا وہ گائے پھر بھی واپس لی جا سکتی ہے یا انتظار کرنا چاہیے اس بارے میں دو رائیں ہیں (یعنی کچھ کہتے ہیں کہ واپسی کا حق ہے اور کچھ کہتے ہیں انتظار کرنا چاہیے)۔

درختوں سے جو پھل اترتا ہے وہ بھی زیادت منفصلہ میں سے ہے، لہٰذا اگر کسی کو ایک باغ عطا کیا اور اس کے (درختوں) میں پھل آ گئے تو واہب کو محض باغ کے واپس لینے کا حق ہے، پھل موہوب لہ کا ہے۔

دوسرا امر مانع رجوع یہ ہے کہ (مال ہبہ شدہ پر) قبضہ ہو جانے کے بعد (یعنی تکمیل ہبہ کے بعد) فریقین میں سے کسی کو موت آ جائے۔ پس اگر ایک شخص نے اپنا گھر اپنے بھائی کو ہبہ کر دیا اور موہوب لہ (بھائی) کا انتقال ہوگیا تو واہب کا رجوع کا حق نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر ہبہ کرنے والا وفات پا جائے تو اس کے ورثاء کو (ہبہ کی ہوئی چیز) واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

تیسرا امر (مانع رجوع) یہ ہے کہ وہ ہبہ بالعوض ہو۔ چنانچہ اگر کسی کو مکان اس شرط پر ہبہ کیا گیا کہ وہ اس کا کچھ معاوضہ ادا کرے تو ایسا کرنا درست ہے لیکن یہ ہبہ واپس لینا منع ہے۔ اس کی تفصیل معاوضہ میں ہبہ کرنے کے بیان میں آ رہی ہے۔

واضح ہو کہ (کسی شے کے) ملکیت سے خارج ہو جانے کی شرط یہ ہے کہ وہ مکمل طور پر اور ہر لحاظ سے خارج ہو۔ اگر کوئی شائبہ ملکیت کا باقی رہا تو رجوع کا حق ساقط نہ ہوگا۔ مثلاً ایک بکری ہبہ کی گئی اور پھر اسے ذبح کر کے گوشت بنالیا تو ہبہ کرنے والے کو واپسی کا حق ہے (جیسا کہ پہلے تھا) اور گوشت لے سکتا ہے کیوں کہ وہ بکری مکمل طور پر اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی۔

پانچواں امر (مانع رجوع) زوجیت ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کوئی شے ہبہ کی تو اب اسے واپس لینا درست نہیں

Marfat.com

ہے۔لیکن اگر شادی سے پہلے کچھ ہبہ کیا تھا اور بعد میں شادی ہوئی تو اسے واپس لینا درست ہے۔

چھٹا امر رشتہ داری ہے کہ اگر کوئی شے اپنے قریبی رشتہ دار کو اگرچہ وہ ذمی ہو (یعنی وہ غیر مسلم رعایا جو اسلامی حکومت کے زیر تحفظ رہتا ہو) یا مستامن ہو (یعنی وہ غیر مسلم جو اسلامی حکومت میں پناہ لے) ہبہ کیا تو اسکی واپسی درست نہیں ہے۔پس اگر کسی نے اپنے باپ، بیٹے، بھائی، چچا یا کسی اور صلبی رشتہ دار کو کچھ ہبہ کیا تو اس کی واپسی کا حق ساقط ہو جائے گا، ہاں اگر دودھ یا شادی کے رشتہ دار کو ہبہ کیا تو رجوع کا حق رہے گا۔

ساتواں امر ہبہ شدہ شے کا ضائع ہو جانا ہے اور یہ ظاہر ہے (کیوں کہ اس صورت میں واپسی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا)۔اس بارے میں اگر موہوب لہ اس شے کے تلف ہو جانے کا دعویٰ کرے تو بغیر قسم کھائے اس کی بات مان لی جائے گی۔

اگر ہبہ کرنے والا کہے کہ وہ چیز تو موجود ہے اور دیکھیے یہ رہی اور موہوب لہ انکار کرے تب اس سے قسم لی جائے گی کہ یہ وہ شے نہیں ہے۔ایسی صورت میں جب تک دونوں راضی نہ ہوں اس چیز کا واپس لینا درست نہیں ہے یا اس کی بابت حاکم سے فیصلہ کرالیا جائے۔اگر وہ شے باہمی رضامندی سے یا حاکم کے فیصلہ سے واپس لی گئی تو یہ (شے موہوبہ کی واپسی نہیں بلکہ) سرے سے عقد ہبہ کی تنسیخ ہے یعنی پرانی ملکیت کا واپس آجانا ہے۔اسے واہب کا ہبہ کرنا ہی تصور نہ کیا جائے گا۔لہٰذا اس میں یہ شرط نہ ہوگی کہ (واہب) از سر نو قبضہ حاصل کرے اگر یہ جدید ہبہ متصور ہوتا تو اس میں قبضہ کی شرط ہوتی (اس کے یہ معنی ہیں کہ واہب کی ملک منقطع ہی نہیں ہوئی۔)

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہبہ کرنے والے کو (شے موہوبہ کے) واپس لینے کا کوئی حق نہیں کیوں کہ ہبہ ایک ناقابل شکست معاہدہ ہے۔اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جب معاملہ ہبہ طے ہو جائے تو مکمل اور اٹل ہو جاتا ہے۔لہٰذا اس کی تکمیل کے لئے (شے موہوبہ پر) قبضہ شرط نہیں ہے۔یہی قول مشہور ہے۔تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جب تک قبضہ حاصل نہ ہو ہبہ کی تکمیل نہیں ہوتی لہٰذا قبضہ اس کے مکمل ہونے کی شرط ہے۔اگر قبضہ نہ ہو تو معاملہ ہبہ اٹل نہ ہوگا اور واہب کو شے موہوبہ کے واپس لینے کا حق ہے۔لیکن ماں باپ کو (اس وقت بھی) موہوبہ شے کو واپس لینے کا حق ہے۔اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مالکیہ نے کچھ اور امور ایسے بتائے ہیں جن سے ہبہ باطل ہو جاتا ہے:

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ہبہ شدہ شے پر قبضہ کرنے میں اس سبب سے تاخیر کی جائے کہ واہب کے ذمہ اس قدر قرض ثابت ہو جو اس کے تمام مال کے برابر ہو، خواہ یہ قرض اس پر ہبہ کرنے سے پہلے کا ہو یا ہبہ کے بعد ہوا ہو۔پہلی صورت میں (جب کہ وہ پہلے ہی سے مقروض ہو اس کا ہبہ بالاتفاق باطل ہے اور دوسری صورت میں بھی (جب کہ قرضہ ہبہ کے بعد ہوا ہو) بقول مشہور باطل ہے۔

ایک امر یہ ہے کہ ہبہ شدہ شے کو ہنوز موہوب لہ لینے نہ پایا تھا کہ وہ چیز دوسرے کو ہبہ کر دیجائے اور شرط یہ ہو کہ پہلے موہوب لہ کے قبضہ کرنے سے پہلے دوسرا قبضہ کر لے کیوں کہ دوسرے کو اس شے پر پہلے قبضہ حاصل کر لینے کے باعث موہوب لہ اول پر فوقیت حاصل ہے۔ہبہ کرنے والے کو اس صورت میں موہوب لہ اول کو کوئی معاوضہ دینا ضروری

Marfat.com

نہیں ہے۔اگر چہ (بقول مشہور) موہوب لہ اول نے اس شے موہوبہ پر قبضہ کرنے میں کوئی سستی نہ کی ہو۔

قرض کو ہبہ کرنا بھی ایسا ہی ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص کا قرض کسی پر ہو پھر اس نے وہ قرض مقروض کے علاوہ کسی اور کو ہبہ کر دیا لیکن کوئی ایسی بات نہیں کی جو قبضہ کی قائم مقام ہوتی مثلاً یہ کہ قرض کی دستاویز اگر ہو تو اس کا حوالہ کرنا، ادھر موہوب لہ اول نے ایسے اقدامات کر لئے جو قبضہ کے قائم مقام ہیں تو ہبہ اس کے حق میں ہو جائے گا اور دوسرے کو کچھ نہ ملے گا۔ایک بات مبطل ہبہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے لئے کوئی ہدیہ تیار کرے، پھر وہ خود یا اس کا گماشتہ وہ ہدیہ لے کر اس (موہوب لہ) کے پاس جا رہا ہو اور واہب وفات پا جائے تو اس حال میں وہ ہبہ باطل ہو جائے گا کیوں کہ موہوب لہ نے واہب کی موت سے پہلے جو قبضہ سے مانع ہوئی شے موہوبہ پر قبضہ نہیں کیا۔اسی طرح اگر موہوب لہ کی وفات ہو جائے تب بھی اس کی طرف سے قبولیت نہ ہونے کے باعث ہبہ باطل ہو جائے گا۔ بشرطیکہ واہب نے اس امر کے لئے گواہ نہ بنالیا ہو کہ یہ ہبہ میں نے فلاں شخص کے حق میں کیا ہے۔اگر (ہبہ کا) گواہ موجود ہے تو دونوں (واہب اور موہوب لہ) میں سے کسی کی وفات سے ہبہ باطل نہ ہوگا کیوں کہ اب جسے تحفہ بھیجا گیا تھا اس کا وارث قبولیت کے بارے میں اس کا قائم مقام ہوگا۔

اگر واہب اپنی ہبہ کردہ شے کو فروخت کر دے تو ہبہ باطل نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دی اور موہوب لہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ کوئی چیز اسے ہبہ کی گئی ہے اور (چونکہ اسے اس کی اطلاع ہی نہ تھی) اس لئے ہبہ شدہ شے کے حاصل نہ کرنے پر اس کی جانب سے کوتاہی بھی نہیں ہوئی، ادھر واہب نے وہ چیز فروخت کر دی تو موہوب لہ کو اختیار ہے کہ وہ اس بیع کو جائز رکھے اور قیمت وصول کر لے یا اس بیع کو فسخ کر کے ہبہ شدہ شے حاصل کر لے۔لیکن اگر موہوب لہ کو اس ہبہ کا علم ہو گیا اور اسے لینے میں اس نے کوتاہی کی ادھر مالک نے اسے فروخت کر دیا تو اس کے حاصل شدہ دام کی بابت اختلاف ہے کہ اسے واہب لے یا موہوب لہ اور قابل ترجیح بات یہ ہے کہ وہ موہوب لہ کا حق ہے۔

ایک بات (مبطل ہبہ) یہ ہے کہ ہبہ شدہ شے پر قبضہ میں تاخیر ہو گئی اور اس دوران واہب کو مرض موت لاحق ہو گیا تو وہ ہبہ باطل ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ بدوران مرض موہوب لہ نے قبضہ کر لیا تب بھی ہبہ نہ ہوگا کیوں کہ (قبضہ کے لئے) شرط یہ ہے کہ قبضہ کے وقت ہبہ کرنے والا صحت مند ہو۔ چنانچہ حالت مرض کے ہبہ کو روک لیا جاتا ہے، یہاں تک کہ مریض (واہب) کی حالت متیقن ہو جائے اگر وفات پا گیا تو ہبہ باطل ہو جائے گا اور متوفی کے مال کے ایک تہائی حصہ میں سے یا کسی اور طرح سے کچھ وصول نہ کیا جائے گا، کیوں کہ یہ مسلم ہے کہ اس نے حالت صحت میں ہبہ کیا ہے حالت مرض میں نہیں کیا کہ وصیت کی طرح اسے ایک تہائی مال میں نافذ کیا جائے۔اگر مریض صحت یاب ہو جائے تو یہ ہبہ برقرار رہے گا۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ واہب جنون میں مبتلا ہو جائے کہ اگر اس نے حالت صحت میں ہبہ کیا تھا اور ابھی شے موہوبہ پر قبضہ نہ ہوا تھا کہ اسے یہ مرض لاحق ہو گیا تو اب ہبہ کے قبضہ میں تاخیر کی جائے گی یہاں تک کہ واہب کی حالت کا انجام معلوم ہو جائے کہ مرض سے افاقہ ہوتا ہے یا حالت جنون میں وفات ہو جاتی ہے۔

ایک امر (مبطل ہبہ) یہ ہے کہ ایک شخص امانت کا مال یا عاریتاً دیا ہوا مال اسے ہبہ کر دے جس کی تحویل میں ہے۔

Marfat.com

اس کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ موہوب لہ کو اس ہبہ کا علم ہو اور واہب کی زندگی ہی میں وہ اسے قبول کر لے، اس کے بعد اگر ہبہ کرنے والا وفات پا جائے تو یہ ہبہ بالاتفاق مکمل ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ موہوب لہ کو ہبہ کا علم تو ہو گیا لیکن اس نے واہب کی زندگی میں یہ نہ کہا کہ میں نے قبول کیا یا قبول نہ کیا ایسی صورت میں دو اقوال ہیں: ایک قول کے مطابق ہبہ درست ہے دوسرے قول کے مطابق باطل ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ موہوب لہ کو ہبہ کا علم ہی نہ ہوا، ایسی صورت میں ہبہ بالاتفاق باطل ہوگا کیوں کہ اسے قبول نہیں کیا گیا حالانکہ بقول صحیح اس کے لئے قبولیت امر ضروری ہے۔

اگر موہوب لہ نے قبولیت کا عزم کرنے سے پہلے ہی ہبہ پر قبضہ کیا بلکہ محض یہ طے کرنے کے لئے اسکو لے لیا کہ اس کو قبول کرے یا نہ کرے اسی عالم تذبذب میں تھا کہ ہبہ کرنے والے کی وفات ہو گئی اور اس کی وفات کے بعد قبول کیا تو ہبہ درست ہو گیا۔

ایسی ہی صورت یہ ہے کہ موہوب لہ نے واہب کی زندگی میں ہبہ کو قبول کر لیا اور اصرار کے ساتھ اس پر قبضہ کرنا بھی چاہا لیکن واہب ٹال مٹول کرتا رہا یہاں تک کہ بیمار ہو گیا اور اسی بیماری میں وفات پا گیا تو یہ ہبہ اسی کے مرنے کے بعد باطل نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر موہوب لہ نے ہبہ شدہ شے کو واہب سے حاصل نہ کیا تھا اور اس سے پہلے ہی اس کا سودا کر لیا یا کسی کو بخش دیا اور واہب نے اس کے بعد وفات پائی تو ہبہ باطل نہ ہوگا، کیوں کہ موہوب لہ کا اس (مال موہوبہ) میں (مذکورہ بالا) تصرف کرنا قبضہ کرنے کے قائم مقام ہے، اگرچہ خریدار یا اس دوسرے شخص نے جسے اس نے ہبہ کر دیا ہے ہنوز قبضہ نہ کیا ہو۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شے ہبہ کی جائے اور موہوب لہ کو اس کا علم نہ ہو یہاں تک کہ موہوب لہ وفات پا جائے تب بھی وہ ہبہ باطل نہ رہے گا اور ایسی صورت میں ہبہ کا واپس لینا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر نیت احسان کی ہو یا صدقہ کی لیکن اس ہبہ یا خیرات میں شرط یہ تھی کہ جب جی چاہے گا اسے واپس لے لے گا تو اسے اپنی شرط پر عمل کرنے کا حق ہے۔

ماں کو بھی اپنی ہبہ کردہ شے کو مذکورہ بالا دو شرائط کے تحت واپس لینے کا حق ہے۔ ساتھ ہی ماں کے لئے ایک تیسری شرط یہ بھی ہے کہ وہ واپس اس صورت میں لے سکتی ہے کہ اس کا لڑکا (موہوب لہ) بالغ ہو یا اگر چھوٹا ہو تو اس کا باپ زندہ ہو۔ یتیم بچہ کو کچھ ہبہ کیا تو اسے واپس لینے کا حق نہ رہے گا۔ یہ حق اسی صورت میں ہے جبکہ باپ زندہ ہو خواہ وہ باپ یا یہ بیٹا خوش حال ہوں یا محتاج ہوں۔ یہاں تک کہ اگر باپ دیوانہ ہو تب بھی اسے واپس لینے کا حق ہے۔

اگر ماں نے اپنے بیٹے کو اس کے باپ کی زندگی میں کچھ ہبہ کیا اور بعد میں باپ مر گیا تو اسے بقول مختار رجوع کا حق رہے گا۔

حسب ذیل چند امور ایسے ہیں جو باپ یا ماں کو اپنی ہبہ کردہ اشیاء کے واپس لینے سے مانع ہیں:

Marfat.com

ایک تو یہ ہے کہ جسے ہبہ کیا وہ شے موہوب کو اپنے تصرف میں لے آیا۔ مثلاً وہ شے کسی کو فروخت کر دی یا اسے رہن رکھ دیا، یا ہبہ کر دیا، یا خود اس شے کو اس طرح استعمال میں لایا کہ اس کی ہیئت بدل گئی مثلاً اسے پگھلا کر زیور وغیرہ بنوالیا۔

دوسرا امر یہ ہے کہ ہبہ شدہ شے کی مالیت زیادہ ہوگئی مثلاً (ہبہ شدہ غلام) کوئی ہنر سیکھ لے یا (جانور) چھوٹا تھا بڑا ہوگیا یا دبلا پتلا تھا اور فربہ ہوگیا (تو واپسی نہیں ہوسکتی۔)

یاد رہے کہ (ہبہ شدہ شے میں) زیادتی کی طرح کمی بھی تبدیلی ہے مثلاً فربہ جانور دبلا ہو جائے۔ یہ تبدیلی بھی واپسی کے حق سے مانع ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ اس ہبہ کے کرنے سے بیٹے کی توقیر بڑھ گئی ہو مثلاً اسی ہبہ کے سبب کچھ لوگ اسے قرض دے دیں یا اس لڑکے کے شادی اپنے بیٹی سے کریں تو اس حالت میں باپ کیلئے ہبہ سے رجوع جائز نہیں ہوگا۔

ایک بات (مبطل ہبہ) یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو ہبہ کی ہوئی چیز واپس لے لے۔ باپ کے واپس لینے پر ہبہ باطل ہو جائے گا اور وہ چیز پھر باپ کی ہو جائے گی۔ یہ حکم صرف باپ کے بارے میں ہے، دوسرے پدری یا مادری رشتہ داروں کے لئے نہیں ہے، سوائے ماں کے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

باپ کو اپنی ہبہ کردہ شے اپنی آزاد اولاد سے واپس لینے کا حق ہے، خواہ وہ بیٹا ہو یا بیٹی، صغیر سن ہو یا بالغ، مال دار ہو یا محتاج۔ یہ واپسی اولاد کے قبضہ کرنے اور اس کے ہاتھ میں آجانے کے بعد بھی ہوسکتی ہے۔ واپسی (یا رجوع) کے لئے جو الفاظ استعمال کیے جائیں وہ یہ ہیں کہ باپ کہے کہ جو کچھ میں نے دیا تھا وہ واپس لے لیا یا اس سے چھین لیا یا اس سے کھینچ لیا (یعنی جبراً لے لیا)۔ اس کو عربی زبان میں اعتصار کہتے ہیں (جس کے معنی تحفہ کو واپس لینے کے ہیں) کہا جاتا ہے کہ استعمال تو اعتصار ہی کا لفظ کرنا چاہیے لیکن زیادہ قوی بات یہی ہے کہ اول الذکر الفاظ استعمال کیے جائیں کیوں کہ اعتصار کی اصطلاح کو عام طور پر لوگ نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اس بارے میں جو حدیث آئی ہے اس میں اس لفظ کے استعمال کی شرط نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے کہ "**لا یحل لا حد ان یھب ھبۃ ثم یعود فیھا الا الوالد**" (یعنی کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ ہبہ کر کے پھر لے لے سوائے باپ کے) تاہم بیٹے کو ہبہ کردہ شے لینے کے لئے باپ پر دو شرطیں عائد ہوتی ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اس نے بیٹے کو احسان کے طور پر یا مہربان ہو کر یا ترس کھا کر کہ وہ محتاج ہے اور (ہم چشموں میں) بے توقیر ہے وغیرہ کوئی شے ہبہ کر دی اور اس کی غرض یہی تھی تو وہ ہبہ کردہ شے واپس لے سکتا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہبہ کرنے کی غرض آخرت کا ثواب ہو، بیٹے کی ذات سے کوئی غرض نہ ہو۔ اگر یہ ارادہ تھا تو وہ بلفظ ہبہ صدقہ ہے (پہلے اسے کوئی قرض نہ دیتا تھا) اب بعض لوگوں نے اسے قرض دے دیا یا اپنی بیٹی سے شادی کر دی یا اگر موہوب لہ لڑکی ہے تو اس کی شادی کسی نے اپنے بیٹے سے کر دی۔ ایسی صورت میں باپ کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی ہبہ کردہ املاک واپس لے لے۔ لیکن اگر بیٹا پہلے ہی سے شادی شدہ یا مقروض ہے (یعنی ہبہ سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی) تو باپ کو اپنی ہبہ کردہ شے واپس لینے کا حق ہے۔ کیوں کہ یہ ہبہ (اس صورت میں) کسی کی غلط فہمی کا سبب نہیں بنا۔

ایک اور امر مانع رجوع یہ ہے کہ باپ مریض ہو جائے تو حالت مرض میں باپ کو اپنی ہبہ کردہ شے کی واپسی درست نہیں ہے، کیوں کہ اگر وہ اس مرض میں وفات پا جائے تو اس ہبہ شدہ شے میں اس کے ورثاء کا حق ہو جائے گا۔ ہاں

اگر صحت یاب ہو جائے تو اسے واپس لینے کا حق ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جب ہبہ کی تکمیل ہو جائے کہ واہب کی اجازت سے (موہوب لہ) اس پر قبضہ کر لے یا وہ خود اس شے کو اس کے حوالے کر دے تو یہ ہبہ اٹل ہو جاتا ہے اور شے موہوبہ کا واپس لینا درست نہیں ہے، سوا باپ یا اس سے اوپر کی پشت والے کے یعنی باپ یا دادا اپنی ہبہ کردہ چیز کو واپس لے لے تو درست ہے، خواہ وہ اولاد ذکور میں سے ہو یا اناث میں سے چھوٹی عمر کی اولاد ہو یا بڑی عمر کی۔ البتہ واپس لینے کی چند شرائط ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ وہ اولاد آزاد ہو (غلام نہ ہو) غلام اولاد سے (ہبہ کردہ شے کا) واپس لینا درست نہیں ہے کیوں کہ کسی بردے (غلام) کو کچھ ہبہ کیا جائے تو وہ ہبہ اس کے آقا کا ہوتا ہے اور آقا اجنبی ہے (یعنی واہب کے اصلاب میں سے نہیں ہے) لہٰذا واپسی کا حق نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہبہ شدہ شے عین (کوئی چیز) ہو قرض کی شکل میں) نہ ہو۔ لہٰذا اگر والد کا قرضہ بیٹے پر ہے اور والد نے وہ قرضہ بیٹے کو ہبہ کر دیا تو اب اسے واپس لینا صحیح نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ہبہ کردہ چیز اس اولاد کے قبضہ اختیار میں ہو (جسے ہبہ کیا ہے) اور اولاد نے اس پر اس طرح تصرف مالکانہ کیا ہو کہ اب اس چیز پر اسے کچھ اختیار نہ رہا ہو مثلاً اولاد نے وہ چیز (جو اسے ہبہ ہوئی تھی) کسی دوسرے شخص کو ہبہ کر دی اور اس پر قبضہ دوسرے شخص کا ہو گیا اور اس طرح وہ شے اختیار اور ملکیت سے نکل گئی، تو اب اس کے باپ کو اس شے کے واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح کی ایک صورت یہ ہے کہ موہوب لہ نے شے موہوبہ کو رہن رکھ دیا اور وہ مرتہن کے قبضہ میں ہے تو والد کو اس شے کے واپس لینے کا حق نہیں رہا۔ کیوں کہ اس اولاد کو بھی (جس نے کسی کے پاس رہن رکھا) اس شے کے واپس لینے کا اختیار نہیں رہا اگرچہ اس کی ملکیت باقی ہے۔ لیکن اگر ہبہ شدہ شے کو کسی نے ناجائز طور پر ہتھیا لیا (یعنی غصب کر لیا) تو اس صورت میں لڑکے کا حق اس شے پر بحال رہے گا اور باپ کو اس کی واپسی کا حق ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس اولاد کو (جسے کوئی شے ہبہ کی گئی ہے) بے عقلی کے باعث نااہل معاملہ قرار نہ دیا گیا ہو۔ اگر وہ نااہل معاملہ قرار دیا جا چکا ہے تو اس چیز کو واپس لینا ممنوع ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ ہبہ شدہ شے خراب ہو جانے والی شے نہ ہو، مثلاً مرغی کے انڈے اور زمین میں پھوٹے ہوئے بیج۔

یاد رہے کہ اگر (ہبہ شدہ) زمین پر کھیتی ہو یا کرایہ پر دی گئی ہو تو یہ امر واپسی کے لئے مانع نہیں ہے، کیوں کہ اصل شے موہوبہ باقی ہے۔ اگر وہ زمین واپس لے بھی لی جائے تو اس کی کرایہ داری منسوخ نہ ہوگی بلکہ وہ علیٰ حالہ باقی رہے گی اور جب تک وہ کرایہ پر رہے والد کو اس سے منتفع ہونے کا حق نہیں ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ (موہوب لہ) اولاد نے اس چیز کو فروخت نہ کر دیا ہو، اگر فروخت کر دیا ہے تو واپس لینا ممکن نہیں۔ یہی حکم وقف وغیرہ ایسے تمام امور میں ہے جس سے اس شے پر سے اختیار سلب ہو جاتا ہے اور اگر فروخت کرنے کے بعد اس شے پر دوبارہ ملکیت حاصل ہو جائے تو رجوع کا حق واپس نہ آئے گا۔

اگر ہبہ شدہ شے میں زیادتی متصلہ ہو جائے (جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے) جیسے فربہ ہو جانا وغیرہ تب بھی

Marfat.com

والد کو حق ہے کہ اس زیادتی سمیت اس کو واپس لے لے۔ لیکن زیادتی منفصلہ کی صورت میں یعنی ایسی زیادتی کی شکل میں جو شے موہوبہ کی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ اس سے خارج ہے۔ مثلاً ہبہ شدہ جانور سے بچہ پیدا ہو جائے یا باغ میں پھل آ جائیں تو یہ زیادتی جو ہوئی ہے وہ (موہوب لہ) اولاد کی ہوگی کیوں کہ یہ اس حالت میں ہوئی ہے جب کہ وہ اس کے قبضہ میں تھی۔ پس باپ کو صرف اصل شے موہوبہ کے واپس لینے کا حق ہے۔

یاد رہے کہ اگر والد اپنے حق رجوع کو ساقط کر دے تب بھی وہ حق ساقط نہ ہوگا۔ اسے واپس لینے کا حق رہے گا۔ واپسی کے الفاظ یہ ہیں کہ جو چیز میں نے ہبہ کی تھی اس سے رجوع کرتا ہوں یا میں نے اسے واپس لے لیا یا میں اسے لوٹا کر دوبارہ اپنی ملکیت میں لیتا ہوں یا میں نے جو ہبہ کیا تھا اسے توڑ دیا یا اسے باطل یا فسخ کر دیا وغیرہ۔

اگر واہب نے اپنی ہبہ کردہ شے کا سودا کر لیا، یا وقف کر دیا یا ہبہ کر دیا یا آزاد کر دیا تو اس عمل سے رجوع ثابت نہ ہو گا۔ اور بلا سبب ہبہ سے رجوع کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر یہ اقدام کسی سبب سے کیا مثلاً اولاد کو بری نفسانی خواہشات اور گناہ کے کاموں میں خرچ کرنے پر تنبیہ پیش نظر ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ بلکہ اگر صورت حال یہ ہو کہ اسے گناہوں سے باز رکھنے کا یہی طریقہ ہو تو والد پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ ایسا ہی کرے۔ لیکن اگر اولاد عاق (نافرمان) ہو اور ہبہ کی واپسی اس کی مزید (سرکشی) نافرمانی کا موجب ہو تو واپس لینا مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ہبہ کرنے والے کو اپنی ہبہ کردہ شے کے واپس لینے کا حق ہے جب تک کہ موہوب لہ کا اس پر قبضہ نہ ہو جائے، کیوں کہ عقد ہبہ کی تکمیل قبضہ سے ہوتی ہے۔

اگر ہبہ کرنے والے نے موہوب لہ کا قبضہ ہونے سے پہلے فروخت کر دیا یا کسی اور کو ہبہ کر دیا تو ہبہ اول باطل ہو جائے گا، کیوں کہ اس کے اس فعل کو ہبہ اول سے رجوع سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر موہوب لہ کا قبضہ ہو جائے تو وہ ہبہ مکمل ہو جائے گا اور واہب کو واپس لینے کا حق نہ رہے گا۔ اس حکم سے صرف، باپ مستثنیٰ ہے کہ اگر باپ نے اپنے کسی بیٹے پر مہربان ہو کر اسے کوئی چیز ہبہ کر دی ہے اگر چاہے تو اسے واپس لے سکتا ہے۔ اور یہ واپسی اس صورت میں واجب ہو جائے گی جب کہ دوسری اولاد کی اجازت کے بغیر ہبہ کیا ہو کیوں کہ حقوق شرعیہ میں ان سب کو برابر رکھنا والدین اور دوسرے قریبی رشتہ داروں پر واجب ہے تاہم (ہبہ سے) رجوع کا حق صرف سب کے مشترکہ باپ کو حاصل ہے، خواہ اس میں وہ برابری کو ملحوظ رکھے یا نہ رکھے غرض (باپ کے علاوہ) نہ تو ماں کو نہ دادا کو اور نہ ان کے علاوہ کسی قریبی رشتہ دار کو یہ حق ہے کہ ہبہ کی تکمیل کے بعد جو موہوب لہ کے قبضہ کرنے سے ہو جاتی ہے اس ہبہ سے رجوع کرے۔

باپ کا ہبہ سے رجوع کرنا چند شرائط پر موقوف ہے:

پہلی شرط یہ ہے کہ ہبہ شدہ چیز عین (یعنی کوئی ٹھوس چیز) ہو نہ تو قرض ہو اور نہ منفعت ہو۔ پس اگر باپ کا قرضہ بیٹے پر ہے اور اس نے اپنا قرضہ بیٹے کو ہبہ کر دیا تو اب اس ہبہ کو واپس لینا درست نہیں ہے کیوں کہ قرض کو ہبہ کرنا مقروض کو قرضہ سے سبکدوش کرنا (یا معاف کر دینا ہے) کسی شے کا مالک بنانا نہیں ہے کہ باپ اس کی ملکیت منتقل کر سکے۔ اسی طرح کسی شے سے حصول منفعت کی اجازت کی تکمیل ہو گئی ہو یعنی جسے اجازت دی گئی ہے اس نے اس سے فائدہ اٹھا لیا ہو) چنانچہ اگر باپ نے مثلاً اپنے بیٹے کو اپنے مکان میں سال بھر رہنے کی اجازت دے دی۔ اور لڑکا اس میں رہنے بھی لگ

Marfat.com

گیااور سال بھر تک رہا تو باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اس عرصہ کے دوران ملکیت رہائش کے حق میں سے کچھ بیٹے سے واپس لے، ہاں اس کے بعد واپس لے سکتا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ہبہ شدہ شے بیٹے کی ملکیت میں ہو اگر وہ شے اس کی ملکیت سے نکل گئی بایں طور کہ بیٹے نے اسے فروخت کر دیا یا کسی اور کو ہبہ کیا یا اسے وقف کر دیا خواہ اپنی ذات کے لئے یا اپنے بعد کسی اور کے لئے وقف کیا ہو، یا اس مال کو بیوی کے مہر میں یا صلح کے معاوضہ میں دے دیا ہو وغیرہ تو اب باپ کو اس کے واپس لینے کا حق نہ رہے گا اگر چہ وہ چیز دوبارہ پھر کسی اور طریقہ سے بیٹے کی ملکیت میں آجائے مثلاً وہ اسے خرید لے یا وہ ورثہ آگئی ہو تو اب بھی باپ کو بیٹے سے واپس لینے کا حق نہ رہے گا۔ لیکن اگر وہ دوبارہ ملکیت میں اس طرح آئی کہ اسے فروخت کیا لیکن اس میں عیب نکلا اور خریدار نے اسے واپس کر دیا یا خریدار مفلس ہو گیا قیمت ادا نہ کر سکا اور اسے اس نے روک لیا وغیرہ تو ایسی صورتوں میں باپ کو اس شے کے واپس لینے کا حق ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ ہبہ شدہ شے ضائع ہو جائے تو باپ کو اس کی قیمت واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ شے موہوبہ، موہوب لہ کے تحت تصرف سے باہر ہو جائے اسے رہن رکھ دیا اور وہ مرتہن کے قبضہ میں ہے تو اب باپ کو اس کے واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح لڑکے کو مفلسی کی وجہ سے نااہل معاملہ قرار دینے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ مال مرہونہ کو چھڑا لیا جائے اور بیٹے پر سے معاملہ نہ کرنے کی پابندی ہٹالی جائے تو باپ کو واپسی کا حق حاصل ہو جائے گا لیکن جب تک بیٹے کو ہبہ شدہ شے پر قبضہ حاصل ہے اور اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ باپ کو اسے واپس لینے کا حق ہے، جیسے رہن، ہبہ قبل القبض یعنی موہوب لہ کے قبضہ سے پہلے پہلے، کرایہ پر دینا اور کھیتی کی شرکت یا مضاربت میں لگا دینے کی صورت میں اس چیز پر بیٹے کی ملکیت باقی رہتی ہے اس لئے باپ کو واپسی کا حق ہوگا۔ اگر باپ ہبہ شدہ شے کا معاملہ طے کرنے کے دوران ہی ہبہ سے رجوع کر لے تو دیکھنا ہوگا کہ اگر وہ معاملہ واجب النفاذ اٹل معاملوں میں سے ہے تو باپ اپنی ہبہ کردہ شے واپس لینے کے لئے اسے فسخ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اگر وہ معاملہ اٹل نہیں ہے یعنی وہ قابل تنسیخ ہے جیسے مضاربت، مزارعت اور مشارکت کا معاملہ ہے تو باپ اس کو فسخ کر سکتا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ شے موہوبہ کے وجود میں بیٹے کے پاس آنے کے بعد ایسا اضافہ متصلہ نہ ہوا ہو جس سے اس کی مالیت بڑھ جائے، جیسے جانور ہبہ شدہ کا فربہ ہو جانا یا چھوٹے سے بڑا ہو جانا یا گیا بھن ہو جانا یا مرض سے نجات پا کر اس کا صحت مند ہو جانا۔ ان تمام صورتوں میں باپ کو واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ رہی زیادتی منفصلہ یعنی ایسی زیادتی جو شے موہوبہ کے وجود سے وابستہ نہ ہو جیسے جانور بچہ دے دے یا درخت سے پھل اترے تو ایسی صورت میں اصل شے موہوبہ تو واپس لے سکتا ہے لیکن اس سے جو چیز پیدا ہوئی ہے۔ وہ بیٹے کی ملکیت ہوگی۔ لیکن شے موہوبہ میں سے کچھ تلف ہو جائے یا اس کی مالیت میں کمی آجائے تو یہ امر رجوع سے مانع نہیں ہے۔

بیٹے کو ہبہ کی ہوئی شے کی واپسی کے لئے باپ جو الفاظ استعمال کرے گا وہ یہ ہو سکتے ہیں کہ میں نے جو کچھ اس کو ہبہ کیا تھا اس سے رجوع کرتا ہوں، یا اسے واپس لیتا ہوں یا وہ ہبہ میں نے موڑ لیا یا اس چیز کو لوٹا رہا ہوں، یا اسے پھر اپنی ملکیت میں لا رہا ہوں وغیرہ اور بھی الفاظ جن سے رجوع کر لینا ظاہر ہوتا ہو۔ اس مقصد کے لئے پوری عبارت یوں ہوگی

مالی معاوضہ لے کر ہبہ کرنے کا بیان

مالی معاوضہ لے کر ہبہ کرنا صحیح ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی سے کہے کہ میں اپنا مکان آپ کو ہبہ کرتا ہوں بشرطیکہ آپ اس ہبہ کے عوض ایک سو یا اتنی اشرفی دیں۔ یہ مسئلہ مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہے۔ (۱)

کہ فلاں شے جو میں نے تم کو ہبہ کی تھی واپس لیتا ہوں۔ اس رجوع کے لئے نہ حاکم کے حکم کی ضرورت ہے اور نہ اس بارے میں بیٹے کو مطلع کرنا ضروری ہے۔

واضح ہو کہ اگر باپ (ہبہ شدہ شے) کی واپسی کا اپنا حق ساقط کر دے تو وہ حق ساقط نہ ہوگا، بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ساقط ہو جائے گا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ہبہ کرنے والے کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے ہبہ کے لئے مالی معاوضہ کی شرط لگا دے۔ اس معاوضہ کو (اصطلاح فقہ میں) ثواب (بدل) کہتے ہیں لہٰذا ایسے ہبہ کو ہبۃ الثواب کہا جاتا ہے۔ اس میں چاہے کہ (معاوضہ ہبہ) کی شرط الفاظ ہبہ کے ساتھ ہی بتا دی جائے۔ مثلاً واہب کہے کہ میں نے آپ کو فلاں شے ہبہ کی بشرطیکہ اس کام کے معاوضہ یا بدلے میں آپ مجھے اس قدر دیں۔ رہا یہ کہ اس معاملہ میں معاوضہ کی شے اور اس کی مقدار کا تعین شرط ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بقول صحیح ایسی کوئی شرط لازم نہیں ہے۔

ہبہ بالعوض کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ (ہبہ کے) معاوضہ (بدل) کی چیز اور اس کی مقدار کا تعین نہ کیا جائے۔ مثلاً واہب کہے کہ کچھ معاوضہ دو تو میں یہ چیز تمہیں ہبہ کر دوں۔ اگر موہوب لہ نے اس بات کو مان لیا اور ہبہ شدہ شے کو سنبھال لیا تو یہ ہبہ واجب النفاذ ہوگا۔ ہاں وصول کرنے سے پہلے پہلے واہب اس ہبہ سے رجوع کر سکتا ہے۔

ہبہ شدہ شے پر قبضہ ہونے کے بعد معاوضہ کی ادائیگی موہوب لہ پر لازم نہ ہوگی بلکہ اسے اختیار ہوگا کہ وہ ہبہ کی چیز مالک کو واپس کر دے یا اس کی قیمت ادا کر دے اور مالک پر لازم ہوگا کہ چاہے تو وہ چیز (ہبہ کردہ) واپس لے لے یا اسکی قیمت قبول کرے۔ لیکن قبضہ سے پہلے واہب کو حق ہے کہ قیمت خواہ دگنی ملتی ہو لینے سے انکار کر دے۔ یہ حکم ان صورتوں میں ہے جب کہ موہوب لہ نے اس چیز میں ایسا تصرف نہ کیا ہو جس سے اس کی مالیت بڑھ جائے اگر موہوب لہ کے پاس آ کر ہبہ شدہ شے کی مالیت میں بوجہ فربہ ہو جانے یا بڑا ہو جانے کے اضافہ ہو جائے یا کسی مرض کے لاحق ہونے سے اس کی مالیت کم ہو جائے تو وہ شے لازمی طور پر موہوب لہ کی ہو جائے گی اور بقول مشہور اس کی قیمت جو ہبہ والے دن تھی ادا کرے گا، واپس کرنا ضروری نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ واہب کو قبضہ ہونے سے پہلے پہلے اختیار ہوتا ہے۔ موہوب لہ کا قبضہ ہو جانے کے بعد، ہبہ کا نفاذ، واہب پر لازمی ہوگا اور موہوب لہ کو اختیار ہوگا کہ اس شے کو واپس کر دے یا اس کی قیمت جو ہبہ والے دن تھی ادا کرے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اسے نے شے موہوبہ کو لے کر اس طرح رکھا ہو کہ اس میں کچھ بڑھ جائے یا

گھٹ جائے (مثلاً جانور ہو کہ فربہ یا لاغر ہو جائے) اگر ایسا کیا تو اس پر ادائے قیمت لازم ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ معاوضہ (یا بدل) کی جنس اور اس کی مقدار متعین کر دی جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ میں یہ مکان آپ کو اس شرط پر ہبہ کرتا ہوں کہ آپ اس ہبہ کے بدلے میں سو اشرفی یا فلاں باغ دیں۔ ایسی صورت میں یہ ہبہ قبول کرنے کے ساتھ ہی مستحکم ہو جائے گا خواہ اس شخص نے جسے معاوضہ میں ہبہ کیا گیا ہے شے موہوبہ پر قبضہ کر لیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اگر موہوب لہ قبول کرنے پر تیار ہو تو یہ ہبہ فریقین میں سے ہر ایک پر لازماً عائد ہوگا۔

واضح ہو کہ معاوضہ لے کر ہبہ کرنا درحقیقت بیع کا معاملہ ہے اور چند معمولی باتوں کے سوا کسی بات میں احکام بیع کے خلاف نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہ 'ہبہ معاوضہ کا تعین نہ ہوتے ہوئے بھی درست ہوتا ہے، بخلاف بیع کے کہ اس میں دام کا تعین شرط ہے۔ اسی طرح یہ کہ 'ہبہ' کی میعاد معلوم نہ ہو تب بھی درست ہے بخلاف بیع کے۔

ہبہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ بیع کی طرح اسے فوراً قبول کیا جائے البتہ اس میں وہ سب کچھ حلال ہے جو بیع میں حلال ہے اور اس میں بھی وہ امور حرام ہیں جو بیع میں حرام ہیں۔ پس جس شے کی بیع درست نہیں ہے اس کا ہبہ کرنا بھی درست نہیں مثلاً پیٹ کا بچہ اور باغ کا پھل جو ہنوز پختگی کو نہ پہنچا ہو۔

اس میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ معاوضہ ہبہ میں جو چیز دی جائے وہ ایسی شے ہو جس کا بیع سلم میں دینا جائز ہے (بیع سلم پیشگی قیمت دے کر کسی چیز کا سودا کرنا ہے)۔ یہ شرط اس لئے ہے کہ سود کے شائبہ سے بچا جائے۔ پس اگر کسی کو مال تجارت ہبہ کیا تو اس کے معاوضہ میں نقدی، چاندی، سونا یا گندم، جو وغیرہ غذائی اشیا یا کوئی اور مال تجارت جو مال موہوبہ کی جنس سے نہ ہو دیا جا سکتا ہے۔ اور اگر کسی کو کپڑا ہبہ کیا تو بہتر یہ ہے کہ اس کے معاوضہ میں اقسام عطریات وغیرہ دے۔

اگر کسی نے چاندی ہبہ کی تو اس کے معاوضہ میں سونا دینا درست نہیں ہے تا آنکہ یہ معاملہ اسی جگہ فریقین کے جدا ہونے سے پہلے نہ کیا جائے۔ اسی مجلس میں ایسا کرنا جائز ہے، کیوں کہ یہ معاملہ صرافہ کی قسم سے ہے (صرافہ کا سودا دست بدست ہونا لازم ہے)۔ اسی طرح اگر کسی نے سونا ہبہ کیا تو اس عوض میں چاندی دینا درست نہیں ہے جب تک کہ اسی جگہ مبادلہ نہ کیا جائے۔ اگر کسی نے ذبح کیا ہوا بکری کا بچہ (گوشت کی شکل میں) ہبہ کیا تو اس کے بدلے میں زندہ بکری کا بچہ دیا یا اس کے برعکس کیا تو درست نہیں ہے۔ اگر کسی کو غذائی شے ہبہ کی جائے تو اس کے بدلے میں مال تجارت یا نقدی کا دینا جائز ہے، غلہ نہیں دیا جا سکتا تا کہ اس پر غذائی اشیاء کے بدلے غذائی اشیاء کا حکم لاگو نہ ہو۔ ایسے سودوں میں زیادتی ممنوع ہے خواہ وہ زیادتی کسی قدر بھی ہو۔

اگر ہبہ کرنے والے نے معاوضہ کی شرط واضح یا غیر واضح الفاظ میں نہ لگائی ہو اور نہ (بدلے کی چیز کا) تعین کیا گیا ہو لیکن واہب کا کہنا ہے کہ ہبہ کے وقت ''میرا ارادہ معاوضہ لینے کا تھا کہ شے موہوبہ پر قبضہ دینے کے بعد معاوضہ ہبہ وصول کر لوں گا'' تو اس کی یہ بات تسلیم کر لی جائے گی درآنحالیکہ کسی قرینے یا عام دستور العمل سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو۔ پس اگر یہ صورت حال ہو کہ واہب جیسے اشخاص موہوب لہ جیسے اشخاص سے معاوضہ ہبہ طلب نہیں کیا کرتے۔ تو اس صورت میں موہوب لہ کی بات مان لی جائے گی۔ لیکن موہوبہ شے پر قبضہ ہونے کے بعد واہب کی بات بلا شرط تسلیم کی جائے گی۔

اگر کوئی شے شادی کی تقریب پر ہبہ کی گئی اور عام دستور اس کے معاوضہ کا متقاضی ہے تو ہبہ کرنے والے کو حق ہے کہ اس کا معاوضہ فوراً وصول کر لے اور اپنے ہاں کسی تقریب شادی کا منتظر نہ رہے جیسا کہ بعض علاقوں میں یہی دستور ہے۔ غرض شادی کے تحفوں کے عوض ہدیہ کرنے والے کو اسی جیسی شے دی جائے۔

اگر ہدیہ دینے والا اپنے تحفہ کی قیمت فوری طور پر طلب کرے تو تقریب شادی والے کو یہ حق ہے کہ اس تقریب میں اس نے اور اس کے ساتھ شریک شادی ہونے والے مرد و زن نے جو کچھ کھایا پیا ہے اسے معاوضہ میں محسوب کر لے۔

اگر عام دستور واپسی کا متقاضی نہ ہو تو واہب کو مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

اگر کسی کو سکہ کی شکل میں کچھ نقدی ہبہ کی گئی اور معاوضہ کی شرط نہ تھی تو محض 'واہب' کے کہنے کی بنا پر کہ اس نے ہبہ کے وقت طلب معاوضہ کا ارادہ کیا تھا تو اس شخص کو مطالبہ معاوضہ کا حق حاصل نہ ہوگا۔

سونے چاندی کے ڈلے اور ٹوٹے پھوٹے زیورات کا حکم بھی ڈھلے ہوئے سکوں کی مانند ہے کہ ایسی چیزوں کے ہبہ کرنے میں معاوضہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی شرط نہ رکھی جائے، البتہ سالم (غیر شکستہ) زیور کے ہبہ میں واہب جو کچھ کہے اس کی بات مانی جائے گی۔

اگر میاں بیوی میں سے کسی نے دوسرے کو ایک شے ہبہ کی اور معاوضہ کی کوئی شرط نہ تھی تو معاوضہ ہبہ کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر قرینہ سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اس نے معاوضہ کے ارادہ سے ہبہ کیا تھا تو اس کی بات مانی جائے گی۔ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ معاملہ ڈھلے ہوئے سکوں کا نہ ہو، بصورت دیگر اس کی بات تسلیم نہ کی جائے گی جب تک کہ شرط معاوضہ نہ رکھی گئی ہو۔ اس میں قرینہ کا موجود ہونا کافی نہیں ہے۔

اسی طرح سفر سے آنے والے کو اگر کوئی شے ہبہ کی گئی اور اس کے معاوضہ کی شرط نہ تھی تو معاوضہ کا دعویٰ تسلیم نہ کیا جائے گا اگرچہ ہبہ کرنے والا محتاج ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ معاوضہ کی شرط پر کوئی شے ہبہ کرنا جائز ہے اور ہبہ کرنا اور معاوضہ ادا کرنا فریقین پر واجب النفاذ ہوگا بشرطیکہ واہب نے معاوضہ وصول کر لیا ہو (یعنی اب کوئی رجوع نہیں کر سکتا) ہاں اگر 'واہب' نے معاوضہ وصول نہ کیا ہو تو فریقین میں سے ہر ایک کو رجوع کا حق ہے اگرچہ موہوب لہ نے ہبہ وصول کر لیا ہو جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

ہبہ بالعوض کے بارے میں یہ شرط ہے کہ موہوب لہ معاوضہ کا ذکر الفاظ میں بیان کرے اور ہبہ کرنے والے کو بتا دے کہ یہ پورے ہبہ کا بدل ہے۔ مثلاً وہ یوں کہے کہ آپ یہ مال یا یہ متاع اپنے ہبہ کے معاوضے میں یا اس کے بدلے یا اس کے مقابلہ میں لے لیجیے وغیرہ۔ اگر اس تفصیل سے نہیں کہا گیا تو واہب کو اپنی ہبہ کردہ شے واپس لینے کا حق ہے اور موہوب لہ نے معاوضہ میں جو دیا ہے وہ بھی واپس لے سکتا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یوں کہنا ضروری نہیں ہے کہ آپ اپنے ہدیہ کے بدلے یا معاوضہ میں اس چیز کو لے لیجیے، بلکہ جو امر لازم ہے وہ ایسا عمل ہے جس سے ادائے معاوضہ سمجھ میں آجائے۔ پس اگر موہوب لہ نے معاوضہ کے ارادے سے ایک رقم دی اور عام طور پر لوگ جانتے ہیں کہ یہ معاوضہ ہبہ ہے تو اب دونوں میں سے کسی کو بھی واپسی کا حق نہ رہے گا۔

یاد رہے کہ معاوضہ کے بارے میں بھی وہی شرط ہے جو ہبہ کے بارے میں ہے کہ قبضہ کے بغیر اس کی تکمیل نہیں

Marfat.com

ہوتی اور ضروری ہے کہ معاوضہ کی چیز بلاشرکت غیر اس کی مملوکہ ہو۔اس سے فرق نہیں پڑتا کہ معاوضہ کی مالیت ہبہ کے برابر ہو یا کم ہو یا زیادہ ہو۔

اگر باپ نے اپنے صغیر سن بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی (بخشی) تو اس کے بدلے بچے کے مال میں سے معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔

اگر کسی عیسائی نے کسی مسلمان کو کوئی شے (تحفتاً دی) ہبہ کیا تو مسلمان کو اس کے عوض شراب یا سود دینا جائز نہیں ہے۔اور اس کے لئے یہ شرط ہے کہ معاوضہ ہبہ شدہ چیز میں سے نہ دیا جائے۔چنانچہ اگر ایک شخص نے دو مرغیاں ہبہ کیں تو یہ جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ایک مرغی بطور معاوضہ ہبہ کے واہب کو دے دی جائے۔اگر ایسا کیا تو واہب کو حق ہے کہ دوسری مرغی واپس لے لے۔

یہ سوال کہ آیا یہ ضروری (شرط) ہے کہ ہبہ کرنے کے وقت ہی معاوضہ کا ذکر کر دیا جائے یا معاملہ ہبہ کی تکمیل کے بعد بھی درست ہے، مثلاً موہب لہ نے ہبہ شدہ چیز حاصل کر لی اور واہب نے اپنی ہبہ کردہ شے کو واپس لینا چاہا، موہوب لہ نے اس کا معاوضہ دے دیا تو آیا ہبہ درست ہو گیا اور اب رجوع کرنا ممنوع ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ہبہ کے وقت معاوضہ کا ذکر ضروری ہے۔بعض کہتے ہیں کہ ضروری نہیں ہے بلکہ یہ امر ضروری ہے کہ معاوضہ کی چیز کو تکمیل یافتہ ہبہ کی طرف منسوب کیا جائے۔مثلاً یوں کہا جائے کہ ''آپ نے جو ہبہ کیا ہے یہ چیز اس کے بدلے کی ہے'' اگر واہب نے اس چیز کو لے لیا تو اب رجوع کا حق نہ رہے گا۔اگر یہ صراحت نہیں کی گئی کہ فلاں چیز ہبہ کے بدلے میں ہے تو یہ ایک جداگانہ ہبہ ہوگا اور فریقین میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی چیز واپس لینے کا حق ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ معاوضہ لے کر ہبہ کرنا جسے ہبۃ الثواب کہتے ہیں درست ہے بشرطیکہ معاوضہ معلوم ہو۔ایسی صورت میں یہ معاملہ بیع ہوگا اور اس پر بیع کے احکام عائد ہوں گے۔

اگر ہبہ کے وقت نہ معاوضہ کی شرط کی گئی اور نہ یہ بتایا گیا کہ یہ ہبہ شرط معاوضہ کے بغیر ہے، لیکن ایسا قرینہ موجود ہے جس کی بنا پر معاوضہ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے تو ادائے معاوضہ واجب ہے یا پھر ہبہ شدہ کو واپس کرنا ہوگا۔اگر ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے تو وہ ہبہ بلا معاوضہ مانا جائے گا۔اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہبہ کرنے والا موہوب لہ سے اونچی حیثیت کا مالک ہے یا مساوی درجہ ہے یا کم درجہ کا۔

اگر (ہبہ میں) معاوضہ کی شرط رکھی گئی لیکن معاوضہ کی تعیین نہیں کی گئی مثلاً یوں کہا کہ میں فلاں چیز آپ کو اس شرط پر ہبہ کرتا ہوں کہ آپ جانور اس کے عوض مجھے دیں تو یہ ہبہ باطل ہوگا۔اگر شے موہوبہ پر قبضہ ہو گیا ہے تو بیع فاسد کا سا معاملہ متصور ہوگا اور شے معاوضہ کی ذمہ داری (موہوب لہ پر) مال غصب کی طرح عائد ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ہبہ بشرط معاوضہ درست ہے بشرطیکہ معاوضہ معلوم ہو لیکن یہ معاملہ بیع ہوگا اور اس پر احکام بیع نافذ ہوں گے اور اس میں حق شفعہ وغیرہ بھی جو بیع میں ہوتا ہے حاصل ہوگا۔اگر معاوضہ کا علم نہ ہو تو ہبہ ہی سرے سے درست نہ ہوگا اور اس کا حکم وہ ہوگا جو بیع فاسد کا ہے۔اگر موہوب لہ نے ہبہ شدہ شے پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ چیز مثلی تھی تو ادائے مثل کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔اور اگر وہ چیز مالیتی ہے تو اس کی مالیت کا ادا کرنا لازم ہوگا۔اگر وہ شے ہنوز باقی

Marfat.com

ہے تو اسے بعینہ مع اس کے اضافہ متصل و منفصل کے اس کے مالک کو واپس کرنا ہوگا۔

اگر ہبہ کرنے والے نے معاوضہ کی شرط لفظوں میں (منہ سے بول کر) نہیں لگائی اور یہ دعویٰ کیا کہ اس نے باارادہ معاوضہ ہبہ کیا تھا تو اس کی بات نہیں سنی جائے گی، اگرچہ اس کے لئے قرینہ موجود ہو یا عرف عام اس دعویٰ کی تائید کرتا ہو، کیوں کہ لفظ ''ہبہ'' کا اصل مفہوم بلا معاوضہ ہونا ہے۔ لہٰذا قرینہ لفظی صراحت کے برابر نہیں ہوسکتا۔ پس اس پر عمل نہ ہوگا۔

Marfat.com

وصیت کا بیان

وصیت کی تعریف اور اس کا ثبوت

لفظ وصیت کا اطلاق از روے لغت تین معنوں میں ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کے حق میں اپنے مال کی وصیت کی یعنی اسے مالک بنادیا

''اس کے لڑکے کے بارے میں نے اسے وصیت کی'' یہاں وصیت کے معنے یہ ہیں کہ میں نے بیٹے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کو کہا۔

''میں نے اسے نماز کی وصیت کی'' کے معنے ہیں کہ نماز کا حکم دیا۔

''میں نے ایک شے کی وصیت دوسری شے کے ساتھ کی'' یعنی ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ جوڑ دیا۔ مثلاً ایک شخص نے جب کسی کے حق میں مال کی وصیت کی تو امر تصرف میں موت کے بعد کے معاملہ کو موت سے پہلے کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ وصیت کا اسم وصایہ بکسر واؤ ہے جو کبھی بالفتح بھی بولا جاتا ہے۔

اس لفظ کے معنے فقہا کی اصطلاح میں از روئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وصیت نام ہے ''تملیک'' کا یعنی ایک شخص کا بطریق تبرع (بطور حسن سلوک) کے اپنی کسی چیز کا دوسرے کو مالک بنادینا۔ اس تملیک کی نسبت اس وقت سے ہوگی جب وصیت کرنے والے کی وفات ہوجائے۔

لفظ تملیک ہر ایسے معاملہ کو شامل ہے جس میں ایک کی ملکیت دوسرے کو منتقل کی جاتی ہے جیسے بیع اور ہبہ وغیرہ۔ لیکن (اس تعریف میں) ''اس وقت سے جب وصیت کرنے والے کی وفات ہوجائے'' کی قید لگا دینے سے وصیت کے علاوہ اور تمام تملیکیں خارج ہوگئیں۔ اور ''بطریق تبرع'' کہنے سے کسی اجنبی شخص کے حق میں قرض کا اقرار کرنا خارج ہوگیا، کیوں کہ اگر ایک شخص نے اپنی زندگی میں اپنے ذمہ کسی کے قرض کا اقرار کیا اور اس کے بعد وفات پا گیا تو یہ بھی موت کے بعد اس قرض کی تملیک ہے۔

کہا جاتا ہے کہ قرض کا اقرار کرنا تملیک نہیں ہے، یہ تو اس حق کا تسلیم کرنا ہے جو اس کے ذمہ واجب ہے۔ یہ امر کسی کو مالک بنادینے کے مفہوم سے جدا ہے۔ بنابریں ''بطریق تبرع'' کی قید (جو تعریف میں لگائی گئی ہے) غیر ضروری ہے۔

وصیت کسی شے کی بابت ہو یا (کسی شے کی) منفعت کی بابت اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نیز وصیت کو موت کی طرف منسوب کرنے کے الفاظ کا استعمال بھی ضروری نہیں ہے، کیوں کہ اگر صرف یہ کہا کہ ''میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں'' اور یہ نہیں کہا کہ میرے مرنے کے بعد تب بھی درست ہے یہاں تک کہ اگر وصیت کا لفظ صراحتاً نہ کہا بلکہ ایسی بات کی

Marfat.com

اس کا حکم شرعی ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کتب علیکم اذا حضر احد کم الموت ان ترک خیرا الوصیة

(جب تم میں سے کسی کی موت قریب آئے اور ترکہ میں مال چھوڑ جانا ہے تو اس کی بابت وصیت کرنا تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے۔اور سنت سے اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ

ماحق امرىء مسلم له شی ء یوصی فیه یبیت لیلتین الا وصیة مکتوبة عنده

اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ یہ امر احتیاط اور رائے درست سے بعید ہے کہ کسی کے پاس قابل وصیت مال ہو اور دو رات (یعنی تھوڑے عرصہ تک بھی) اس کی بابت وصیت لکھ کر اپنے پاس نہ رکھی ہو۔اس

جو وصیت پر دلالت کرتی ہے (تب بھی وصیت صحیح ہے) مثلاً یہ کہنا کہ میرے مال کے ایک تہائی حصہ میں سے ایک ہزار قرش فلاں شخص کے لئے ہیں تو یہ بھی وصیت ہی متصور ہوگی اگرچہ موت کا لفظ نہیں کہا گیا کیوں کہ ''میرے مال کے ایک تہائی حصہ میں سے'' کہنا موت کے بعد کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔اگر یوں کہا جاتا کہ میرے مال میں سے یا میرے آدھے یا چوتھائی مال میں سے تو (وصیت کے معنوں میں) درست نہ ہوتا سوا اس صورت کے کہ وصیت ہی کا لفظ بولا جاتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فقہا کی اصطلاح میں وصیت ایک (عقد) (معاملہ) ہے جس کی رو سے وصیت کرنے والے کے ایک تہائی مال میں اس کی وفات کے بعد کسی کا حق واجب ہو جاتا ہے یا اس کے بعد (اس مال میں) اس شخص کو (متوفی کی) نیابت حاصل ہو جاتی ہے۔اس تعریف کے معنے یہ ہوئے کہ عقد وصیت پر ان دو باتوں میں سے ایک منطبق ہوتی ہے:

پہلی بات موصیٰ لہ کا موصی کی وفات کے بعد اس کے ایک تہائی مال کا مالک ہونا۔بایں طور کہ یہ عقد وصیت اس وقت لاگو ہوگا جب موصی (وصیت کرنے والا) وفات پا جائے اس سے پہلے عقد (وصیت) لاگو نہ ہوگا۔

دوسری بات تصرف مال میں موصی کا قائم مقام بننا۔پس وصیت کرنے والا یا تو اپنی موت کے بعد کسی کو اپنا نائب قائم مقام بناتا ہے جسے وصی کہتے ہیں یا مال کی بابت وصیت کرتا ہے۔

بعض اصحاب مالکیہ نے وصیت کی وہی تعریف کی ہے جو حنفیہ نے کی ہے۔ظاہر ہے کہ پہلی تعریف کی رو سے لفظ وصیت دوسری تعریف کے علی الرغم وصی بنانے کے معنوں میں آیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ وصیت کسی شخص کے حق میں بخشش کرنا ہے جس پر (عمل درآمد) کو موصی کی وفات کے بعد سے نسبت کیا گیا ہے۔خواہ اس نسبت کو الفاظ میں بیان کر دیا جائے یا نہ کیا جائے۔چنانچہ اگر ایک شخص نے کہا کہ میں زید کے حق میں اتنے (مال) کی وصیت کرتا ہوں تو اس سے مراد موت کے بعد ہی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وصیت کرنا اپنی موت کے بعد کسی شے پر تصرف کرنے کی اجازت کسی کو دینا ہے۔مثلاً ایک شخص کسی کو اس امر کی وصیت کرتا ہے کہ (اس کے بعد) اس کے صغیر سن بچوں کی خبر گیری کرے یا یہ اس کی بیٹیوں کی شادی کر دے یا اس کے مال میں سے ایک تہائی تقسیم کر دے وغیرہ۔

Marfat.com

حدیث میں جولفظ لیلتین (یعنی دورات) آیا ہے اس سے تعداد میں دوراتیں مراد نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جلد از جلد وصیت لکھ کر رکھنے کی ترغیب ہو۔

وصیت کے ارکان اور اس کی شرطیں

وصیت کے ارکان (اجزائے لازم) یہ ہیں:

موصی (وصیت کرنے والا)۔

موصیٰ لہ (جس کے حق میں وصیت کی جائے)۔

موصیٰ بہ (جس بات کی وصیت کی جائے)۔

اور صیغہ (الفاظ وصیت) اور اس کی شرطیں سو اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

وصیت کی بدیں گونہ تعریف ایصاء کے معنوں میں ہے یعنی کسی کو وصی بنانا۔ لیکن وصیت کی بایں مفہوم تعریف کہ یہ مال میں سے کچھ حصہ کسی کو عطا کرنا ہے سو یہی وصیت ہے (یعنی موت کے بعد کسی کی مالی اعانت کرنا۔)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وصیت کا صرف ایک رکن ہے یعنی ایجاب وقبول جیسا کہ وصیت کے مشابہ دوسرے معاملات میں بتایا گیا۔

ایجاب یہ ہے کہ ایک شخص کہے میں فلاں کے حق میں یہ وصیت کرتا ہوں یا میری یہ وصیت فلاں شخص کے لئے یا میں نے فلاں شخص کو اپنی موت کے بعد اپنے مال کے ایک تہائی کا حق دار بنا دیا وغیرہ اور الفاظ جو وصیت کے معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں۔

(ایجاب کے بعد) قبول سے موصیٰ بہ (مال وصیت) پر قبضہ حاصل ہوتا ہے پس موصیٰ لہ قبول کرنے سے پہلے اس کا مالک نہیں ہوسکتا۔ (وصیت میں) ہبہ کی طرح یہ شرط نہیں ہے کہ قبضہ ہو (تب ہی ملکیت حاصل ہوتی ہے)۔

قبول کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ موصی کے مرنے کے بعد ہو اگر موصیٰ لہ نے اس کی زندگی میں قبول کر لیا یا وصیت کو رد کر دیا تو بیکار ہے وصیت کی قبولیت موصی کی وفات کے بعد ہی ہوسکتی ہے، کیوں کہ وصیت میں (مال وصیت) کی تملیک اس کے مرنے کے بعد ہوتی ہے اور موت پر موقوف رہتی ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنی مملوکہ موجودہ بکریوں میں سے ایک تہائی کے لئے (کسی کے حق میں) وصیت کی لیکن ان میں سے آدھی بکریاں ختم ہوگئیں تب اس کی وفات ہوئی تو وصی صرف ایک تہائی حصہ کا یا جتنی بھی تہائی میں سے باقی بچیں مالک ہوگا۔ غرض ایجاب موت کے بعد لاگو ہوتا ہے اور قبول کرنا یا رد کرنا بھی موصی کی موت کے بعد ہی سود مند ہے مرنے سے پہلے ایجاب ہی کا تحقق نہیں ہوتا (قبولیت بعد کی چیز ہے)۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وصیت میں قبولیت کی شرط نہیں ہے کیوں کہ وصیت بھی میراث کی مانند ہے (جس میں قبولیت شرط نہیں ہے)۔

Marfat.com

واضح ہو کہ قبولیت یا تو صراحتاً ہوگی جیسے کوئی شخص (زبان سے) کہے کہ میں نے وصیت کو قبول کر لیا یا دلالتاً ہوتی ہے مثلاً موصیٰ لہ قبول کرنے یا رد کرنے سے پہلے وفات پا جائے تو اس کی یہ خاموشی قبولیت پر دلالت کرے گی اور وصیت کا مال متوفی کا وارث وصول کرے گا۔ اور موصی لہ کا طرز عمل لفظاً قبول کرنے کی بجائے متصور ہوگا۔ چنانچہ اگر موصیٰ لہ (یا وصی) نے عملاً وصیت کو پورا کر دیا تو اسے قبول کرنا تسلیم کیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ وصیت کرنے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ تملیک کا اہل ہو یعنی دوسرے کو مالکانہ حق دے سکے ۔ایسا شخص وہ ہوسکتا ہے جس میں حسب ذیل باتیں پائی جائیں:

ایک بات یہ ہے کہ وہ بالغ ہو کم عمر بچہ وصیت کرے تو وہ صحیح نہ ہوگا خواہ وہ بچہ بے عقل ہو یا نہ ہو کاروبار تجارت کی اسے اجازت ہو یا نہ ہو خواہ وہ بالغ ہونے سے پہلے وفات پائے یا بعد میں اس کی وصیت نیک کام کے لئے ہو یا نہ ہو نیز وہ صاحب شعور ہو یا نہ ہوتاہم ایک امر ایسا ہے کہ اس کے بارے میں باشعور بچے کی وصیت درست مانی جائے گی اور وہ تجہیز و تکفین کے بارے میں وصیت ہے۔ اور وہ روایت جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے صغیر سن بچے کو وصیت کرنے کی اجازت دی اسی پر محمول ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا ذی عقل ہو لہٰذا کسی مجنون کا حالت جنون میں وصیت کرنا درست نہیں ہے، گو اسے جنون سے افاقہ ہو جائے اور افاقہ کے بعد وفات پائے کیوں کہ وصیت کے وقت وہ وصیت کا اہل نہ تھا۔ اگر جنون دور ہونے کے بعد اس نے وصیت کی اور پھر جنون طاری ہو گیا اور مستقل چھ ماہ تک مسلسل حالت جنون طاری رہی تو وصیت باطل ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی۔

اگر صحت مندی کی حالت میں وصیت کی اور بعد میں وسوسوں کا غلبہ ہوا یہاں تک کہ حواس باختہ ہو گیا اور اسی حال میں مر گیا تب بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔

ایک شرط یہ ہے کہ اس پر اتنا قرضہ نہ ہو جو اس کے تمام مال کے برابر ہو۔ ایسی صورت میں وصیت کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ قرض کی ادائیگی وصیت کو پورا کرنے پر مقدم ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ اس نے وہ وصیت مذاق کے طور پر یا غلطی سے یا جبراً نہ کی ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ موت کے وقت وصیت کے وقت نہیں اس (مال وصیت) کا وارث نہ ہو، لہٰذا اگر ایک شخص نے اپنے بھائی کے حق میں وصیت کی جو اس وقت اس کا وارث تھا، اس کے بعد وصیت کرنے والے کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا جس سے بھائی وارث نہ رہا تو وصیت درست ہوگی۔ اس کے برعکس اگر اپنے بھائی کے حق میں وصیت کی جو بیٹے کی موجودگی کے باعث وارث نہ تھا پھر وہ بیٹا باپ سے پہلے مر گیا اور بھائی وارث بن گیا تو وصیت باطل متصور ہوگی۔ تاہم اگر دوسرے ورثاء کسی وارث کے حق میں وصیت کی اجازت دے دیں تو وہ وصیت لاگو ہوگی بشرطیکہ ہر اجازت دینے والا عاقل، بالغ اور صحت مند ہو، حالت مرض میں نہ ہو۔ اگر مریض نے اجازت دی اور اسی مرض میں وفات پا گیا تو اس کی اجازت لاگو نہ ہو گی۔ سوا اس کے کہ دوسرے بیشتر وارثوں نے جن میں اہلیت اجازت کی شرطیں پائی جائیں اجازت دے دی ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ وصت کرنے والا غلام نہ ہو اور مکاتب بھی نہ ہو (مکاتب وہ غلام ہے جس کو ایک خاص رقم کی

Marfat.com

ادائیگی کی شرط پر آزادی کا پروانہ دیا گیا ہو۔) ہاں اگر اس وصیت کے لاگو ہونے کی بابت غلام نے اپنی آزادی کے بعد کی شرط رکھی ہو تو وصیت درست نہ ہوگی۔

ایسے شخص کی وصیت بھی درست ہے جو سفر میں اپنے مال ومتاع سے دور ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کی زبان بند نہ ہو یعنی اس کی زبان میں کوئی ایسا مرض ہو کہ وہ بول نہ سکے تو اس کی وصیت درست نہ مانی جائے گی۔ لیکن اگر اس کی یہی حالت عرصہ تک رہی اور گونگے کی مانند ہو گیا کہ اپنے خاص اشاروں سے بات کرتا ہو تو اب اس کے اشارے کنائے بولنے کے قائم مقام متصور ہوں گے اور گونگے کا اشارہ بولنے کے برابر سمجھا جائے گا، کیوں کہ لوگوں کے لئے وہی قابل فہم ہو گیا۔

اسی طرح وہ شخص جس کی زبان کسی پرانے مرض میں مبتلا ہے اور وہ اپنے مخصوص اشاروں سے بات چیت کرتا ہے تو اس کا اشارہ معاملات وصیت طلاق ونکاح اور خریداری کے بارے میں بولنے کی بجائے مانا جائے گا لیکن اگر اس کا مرض عارضی ہے اور وہ اپنے خاص اشاروں سے کام نہیں لیتا تو جب تک اس کی زبان ٹھیک نہ ہو جائے اسے ان معاملات کا انجام دینا درست نہیں ہے۔

موصیٰ لہ سے تعلق رکھنے والی بھی چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ وہ (کسی چیز کے) مالک ہونے کا اہل ہو۔ پس ایسے شخص کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی جو مالک بننے کا اہل نہ ہو۔ مثلاً اگر یوں کہا کہ میں اس گھاس (یا بھوسے) کی بابت فلاں شخص کے جانوروں کے حق میں وصیت کرتا ہوں۔ ان الفاظ کے یہ معنے ہیں کہ اس نے جانوروں کو بھوسے کا مالک بنا دیا، لہٰذا یہ درست ہے اگرچہ اس کا ارادہ (مالک بنانا نہیں بلکہ) جانوروں کو کھلانا ہے کیوں کہ ایسی صورتوں میں لفظ کا اعتبار کیا جاتا ہے ارادہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ہاں اگر یوں کہا ہوتا کہ میں اس بھوسے کی بابت وصیت کرتا ہوں کہ فلاں شخص کے مویشیوں کو کھلایا جائے تو یہ وصیت درست ہوتی ہے۔ اس طرح کی قبولیت شرط نہیں ہے۔ وصیت کی دو شکلیں ہیں کبھی تو وہ ہبہ کی مانند ہوتی ہے ایسی حالت میں اس کے لئے قبولیت شرط ہے اور اگر قبول کرنا ممکن ہو کہ موصیٰ لہ کی طرف سے اس کی قبولیت کی جائے تو اس وصیت کے لاگو ہونے کے لئے قبولیت شرط ہے۔ کبھی وصیت میراث کی مانند ہوتی ہے اس کے لئے قبولیت کی شرط نہیں ہے در آنحالیکہ اس میں دشواری ہو مثلاً فقیروں اور مسکینوں کے لئے کوئی چیز وقف کی جائے۔

اگر یوں کہا جائے کہ میں اس شے کی بابت وصیت کرتا ہوں کہ فلاں شخص کے مویشیوں اور گھوڑوں کی خوراک میں دیا جائے تو واجب یہ ہے کہ اسے جانوروں (کی خوراک) پر خرچ کیا جائے۔ اس کا فروخت کرنا درست نہیں ہے۔ اگر وصیت کرنے والے کی وفات ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اگر موصیٰ لہ کے پاس اس کی زندگی میں کچھ مویشی ہوں، پھر اس کی وفات کے بعد اور بھی جانور خریدے گئے تو مال وصیت کو صرف ان جانوروں پر خرچ کیا جائے گا جو اس کی موت کے بعد خریدے گئے کیوں کہ وصیت میں وہی مراد ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ وصیت کے وقت وہ موجود ہو یا اس کی موجودگی واقع ہو، لہٰذا حمل (پیٹ کے بچے) کے حق میں وصیت کرنا درست ہے جیسا کہ حمل کے بارے درست ہے (یعنی وہ موصیٰ لہ بھی ہو سکتا ہے اور موصیٰ بہ بھی) مثلاً یوں کہنا

Marfat.com

کہ میں اپنے اس مادہ جانور کے حمل کی بابت فلاں کے حق میں وصیت کرتا ہوں یا اس جانور کی بابت اس حمل کے حق میں وصیت کرتا ہوں جو فلاں عورت کے بطن میں ہے۔ ایسی صورت میں وصیت کے قبول کرنے کی شرط نہیں ہے جیسا کہ بتایا گیا

۔

یاد رہے کہ حمل (پیٹ کے بچے) کی بابت وصیت کرنا اسی صورت میں درست ہے جب کہ وصیت کے وقت وہ پیٹ میں موجود ہو اور اس کا (وصیت کے وقت) موجود ہونا اس طرح پہچانا جائے گا کہ تاریخ وصیت سے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہو جائے۔ یہ اس کے لئے ہے جس کا خاوند موجود ہو اور مباشرت پر قادر ہو۔ پس اگر موصی مر جائے (جس نے بچے کے حق میں وصیت کی ہے) اور اس کی وفات کے چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ پیدا ہو تو سمجھا جائے گا کہ وہ بچہ وصیت کے وقت موجود تھا (گو ماں کے پیٹ میں ہو)۔ لیکن اگر چھ ماہ پورے گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہوا تو وصیت کے وقت اس کا موجود ہونا ثابت نہ ہوگا، کیوں کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے۔ پس ممکن ہے کہ وہ وصیت کے بعد حاملہ ہوئی ہو (کیوں کہ اس کا خاوند زندہ ہے)۔

اگر اس کا خاوند وفات پا چکا ہے یا اسے طلاق بائن (جس کے بعد رجوع نہیں ہوتا) مل چکی ہو تو ایسی صورت میں اگر موصی کی موت یا طلاق کے بعد دو سال سے کم عرصہ میں بچہ پیدا ہوا۔ تب بھی وصیت درست ہوگی۔ اگر تاریخ وصیت کے بعد چھ ماہ سے زیادہ عرصہ میں اور دو سال سے کم مدت میں زندہ بچہ پیدا ہوا تو وصیت کے وقت اس کا موجود ہونا مانا جائے گا، کیوں کہ (اس عرصہ کے اندر پیدا ہونے سے) بچہ کا نسب خاوند سے ثابت ہوتا ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ یہ حمل موت یا طلاق سے پہلے کا ہے۔ اسی بنا پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ بچہ موصی کی وفات سے پہلے موجود تھا کیوں کہ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ وصیت کرنے والے کی وفات خاوند کی وفات کے بعد ہوئی۔ اور جب یہ قرار پایا کہ وہ بچہ خاوند کا ہے جس کی وفات موصی سے پہلے ہوئی تو یہ فیصلہ از خود ہو گیا کہ وصیت کے وقت بچہ پیٹ میں موجود تھا۔ اور جس طرح انسانی حمل کے حق میں وصیت کرنا درست ہے اسی طرح جانور کے حمل کے حق میں بھی وصیت درست ہوگی کہ مال وصیت کو اس بچہ پر جو گیا بھن جانور کے پیٹ میں ہے خرچ کیا جائے۔

ایک شرط (موصیٰ لہ کے متعلق) یہ ہے کہ اس نے وصیت کرنے والے کو عمداً یا خطاً قتل نہ کیا ہو۔ پس اگر ایک شخص نے کسی کے حق میں کوئی وصیت کی پھر جس کے حق میں وصیت کی گئی اسی نے وصیت کے بعد موصی کو مار ڈالا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے ہلاک کرنے والا زخم لگایا اور زخم کھانے کے بعد اس نے وصیت کی اور پھر وفات پا گیا تو یہ وصیت بالاتفاق باطل ہے اگرچہ ورثاء اس کے نفاذ کی اجازت دے دیں۔

اگر ایک بچے یا مجنون کے ہاتھوں اس کی جان گئی تو وصیت لاگو ہوگی اگرچہ وارثوں نے اجازت نہ دی ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ موصیٰ لہ معلوم ہو (یعنی کسی کے حق میں وصیت کی گئی ہے) اگر اتنا بھی معلوم ہو کہ موصیٰ لہ ایک مسکین یا فقیر ہے تو وصیت درست ہے جب کہ موصی نے یوں کہا ہو کہ میں فقیروں اور مسکینوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں۔

موصیٰ لہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمان ذمی کے حق میں وصیت کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ دار الحرب

Marfat.com

میں اور حربی (برسر جنگ) نہ ہو۔ اگر ایسا شخص دارالحرب سے نکل کر آجائے اور مال وصیت کے حاصل کرنے کا مطالبہ کرے تب بھی اسے کچھ نہ ملے گا اگرچہ ورثاء اجازت دے دیں۔

مرتد کے حق میں مسلمان کا وصیت کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ ذمی شخص مسلمان کے حق میں وصیت کرسکتا ہے۔

موصیٰ بہ (یا مال وصیت) کے متعلق بھی چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ وہ چیز ایسی ہو کہ معاملہ کے بعد ملکیت میں آسکتی ہو، خواہ وہ مال ہو یا منفعت ہو۔ پس ہر ایسی شے جس کو عقد بیع وغیرہ کے ذریعہ ملکیت میں لیا جاسکتا ہے یا عقد اجارہ (کرایہ داری) کے ذریعہ استفادہ کا حق حاصل ہوتا ہے، جیسے مکان یا جانور وغیرہ کی منفعت ان سب اشیاء کے بارے میں وصیت درست ہے۔

وصیت کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ جس کے حق میں وصیت کی جائے وہ اس وقت وہاں موجود ہو۔ پس ایسی چیز کی بابت بھی وصیت کی جاسکتی ہے جو گو سردست موجود نہیں ہے لیکن اس کے موجود ہونے کی توقع ہے۔ مثلاً باغ کے پھل کی بابت کسی شخص کے حق میں اس کی حین حیات تک کے لئے وصیت کرنا۔

اسی طرح اگر ایک شخص نے مثلاً زید کے حق میں اپنے تہائی مال کی وصیت کی گو اس وقت اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا لیکن موت سے پہلے اسے مالی فائدہ حاصل ہوا تو زید وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد اس کے تہائی مال کا حق دار ہو گا۔ اگر مال وصیت کوئی متعین شے ہو تو اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وصیت کے وقت وہ شے موجود ہو۔ مثلاً ایک شخص نے کہا کہ میں اپنی بکریوں میں سے ایک تہائی بکریوں کی بابت فلاں شخص کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو لازم ہے کہ وصیت کے وقت وہ بکریاں موجود ہوں۔ اسی طرح کی صورت یہ ہے کہ جس چیز کی بابت وصیت کی گئی ہے وہ چیز اس کے مال کے کچھ حصہ میں شامل ہو مثلاً یوں کہنا کہ میں اپنی (بھیڑ بکریوں کے) ریوڑ میں سے ایک بکری کی بابت فلاں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو لازم ہے کہ وہ بکری وصیت کے وقت موجود ہو۔ لیکن اگر وہ شے اس کے تمام مال میں شامل ہو مثلاً وہ کہے کہ میں اپنے مال میں سے ایک بکری کے متعلق وصیت کرتا ہوں تو اس صورت میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ وصیت کے وقت موجود ہو بلکہ موت کے وقت اس کا ہونا شرط ہے۔

ایک شرط (مال وصیت کے بارے میں) یہ ہے کہ جس شے کی بابت وصیت کی جائے وہ وصیت کرنے والے کا صرف ایک تہائی مال ہو۔ ایک تہائی سے زیادہ مال کے بارے میں وصیت لاگو نہ ہوگی، سوا اس کے کہ تمام ورثاء بالغ ہوں اور اس بات کی اجازت دے دیں۔ یہ اجازت وصی (وصیت کنندہ) کی زندگی میں مقید نہ ہوگی بلکہ یہ اجازت موت کے بعد ہو تب لاگو ہوگی۔ اگر زندگی میں اجازت دے بھی دی تو اس سے رجوع کا حق انھیں حاصل ہوگا۔

اگر ایک شخص نے اپنے تمام مال کے بارے میں (کسی کے لئے) وصیت کی اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کی وصیت پر عمل ہوگا، بیت المال سرکاری خزانہ سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر خاوند نے اپنی بیوی کے حق میں اپنے سارے مال کی وصیت کی اور بیوی کے سوا اس کا اور کوئی وارث نہیں ہے تو وصیت درست ہے اور بیوی پورا مال وصول کرلے گی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیوی اپنے خاوند کے حق میں وصیت کرے۔ خاوند یا زوجہ کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی کا واحد وارث ہو اور کوئی دوسرا وارث اس کے سوا نہ ہو تو اسے تمام مال

بغیر وصیت کے مل جائے گا، خواہ ورثہ اس کی طرف لوٹا دیا جائے یا رشتہ داری کی بنا پر اسے مل جائے۔ بخلاف خاوند یا بیوی کے کہ وہ دوسرے کا تمام مال اسی صورت میں پائیں گے جب کہ وصیت کی گئی ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ موصی (وصیت کرنے والے) کے متعلق دو شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ وہ آزاد ہو لہٰذا کسی مملوک (غلام) کا وصیت کرنا درست نہیں ہے خواہ غلامی کی حیثیت کتنی ہی کم ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ صاحب تمیز ہو، لہٰذا کسی دیوانے یا بچے یا مخمور شخص کی وصیت درست نہیں ہے درآنحالیکہ وصیت کے وقت اس کی قوت ممیزہ جا چکی ہو۔ اس کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں ہے۔ اسی طرح عقل سے بے بہرہ نہ ہونا بھی شرط نہیں ہے کیوں کہ بے عقل آدمی وصیت کرے تو درست ہے، خواہ کوئی اس کا سرپرست ولی ہو یا نہ ہو۔

اگر ایسے کسی بے عقل نے جس کا کوئی وارث ہے قرض لیا اور اس کے بعد وفات پا گیا تو اس کے ورثاء پر اس قرض کی ادائیگی لازم نہیں ہے۔ ہاں اگر اس نے وصیت کر دی ہے تو اس کے مال کے ایک تہائی حصہ سے وہ قرض ادا کیا جائے گا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ قرض اس پر رہے گا اگر چہ اس کی وصیت نہ کی ہو۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا باشعور بچہ کا وصیت کرنا ہر حال میں صحیح ہے یا اس شرط کے ساتھ صحیح ہے کہ وصیت بغرض ثواب ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر بچے نے مثلاً کسی صاحب مقدرت کے حق میں وصیت کی تو یہ وصیت ان لوگوں کے نزدیک باطل ہوگی جنہوں نے بچے کی وصیت کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ ثواب کے لئے ہو، کیوں کہ صاحب مقدرت کے لئے وصیت کرنا کار ثواب نہیں ہے لیکن ان اصحاب کے نزدیک درست ہے جنہوں نے یہ شرط نہیں لگائی۔

موصی کے لئے مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے، لہٰذا کافر مسلمان کے حق میں وصیت کرے تو درست ہے، بشرطیکہ ایسی شے کی بابت وصیت نہ ہو جو مسلمان پر حرام ہے جیسے شراب اور سور۔

موصیٰ لہ (جس کے حق میں وصیت کی جائے) کی بابت شرط یہ ہے کہ جس شے کی وصیت کی گئی ہے اس کا مالک ہونا اس کے لئے درست ہو، خواہ وہ شے (سر دست) موجود ہو یا ہونے والی ہو، لہٰذا ایسے حمل (پیٹ کے بچے) کی بابت وصیت کرنا درست ہے جو اس وقت موجود ہے یا آئندہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ اگر وصیت کنندہ نے کہا کہ میں فلاں شے کی وصیت فلاں شخص کی اولاد کے حق میں کرتا ہوں تو اس میں وہ حمل جو ماں کے پیٹ میں ہے اور وہ اولاد جو اس کے بعد ہوگی سب شامل ہیں، لہٰذا اگر حمل نہیں ہے تو مال وصیت کو حمل ہونے تک رکھا جائے گا اور اگر حمل ہے تو وضع حمل تک رکھا جائے گا۔ اور بچے کا پیدائش کے وقت رونا مال وقف کا حق دار ہونے کے لئے شرط ہے یہ امر وصیت کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے۔

موصیٰ لہ کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ وصیت کنندہ کا قاتل نہ ہو۔ پس وصیت کنندہ نے اگر اپنے قاتل کے حق میں وصیت کی تو درست ہے بشرطیکہ یہ وصیت اس نے ضرب (قاتل) کھانے کے بعد کی ہو اور وہ اپنے قاتل کو (اس وقت) پہچانتا ہو۔ پس اگر ایک شخص نے کسی کو ہلاکت آفریں ضرب لگائی خواہ یہ ضرب قصداً لگائی ہو یا غلطی سے لگ گئی ہو

پھر ضرب کھانے کے بعد اس نے اپنے مال کی بابت اس کے حق میں وصیت کی اور وفات پا گیا تو وہ وصیت درست ہوگی اور اس کے ترکہ کے ایک تہائی حصہ اور خون بہا کے ایک تہائی حصہ سے وصیت پوری کر دی جائے گی درآنحالیکہ وہ قتل غلطی سے ہوا ہو۔ اگر عمداً قتل کیا ہے تو متوفی کے اصل مال سے وہ وصیت پوری کی جائے گی۔ لیکن اگر ضرب کھانے سے پہلے اس نے وصیت کی اور قتل بعد میں ہوا تو وصیت باطل ہو جائے گی خواہ بقول راجح اسے قاتل کا علم ہو یا نہ ہوا اور وصیت میں تبدیلی کی ہو یا نہ کی ہو کیوں کہ اس میں یہ شبہ ہے کہ (ممکن ہے) جلدی سے وصیت کرالی ہو اور پھر قتل کیا ہو۔ میراث کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔

صیغہ یا (الفاظ وصیت) کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ الفاظ صریحاً وصیت پر دلالت کرتے ہوں جیسے کسی کا یہ کہہ دینا کہ میں وصیت کرتا ہوں یا الفاظ صریح نہ ہوں لیکن ایسا قرینہ موجود ہو جس سے وصیت ہی سمجھی جاتی ہو، مثلاً یہ کہنا کہ میرے مرنے کے بعد اتنا کچھ فلاں شخص کو دے دینا''۔ تحریر یا قابل فہم اشارے بھی الفاظ کی مانند ہیں اگرچہ وصیت کنندہ بول سکتا ہو۔ وصیت کے لاگو ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس وصیت کو (موصیٰ لہ) وصیت کنندہ کی وفات کے بعد قبول کرے، وصیت وقت سے پہلے قبول کرنا بے فائدہ ہے۔ قبولیت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہی شخص قبول کرے جسے وصیت کنندہ نے خصوصیت کے ساتھ وصیت کی ہو۔ درآنحالیکہ وہ بالغ اور سمجھ دار ہو۔ ایسا نہ ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے قبول کرے گا۔

اگر موصیٰ لہ وصیت کے قبول کرنے سے پہلے وفات پا جائے تو اس کے وارث اس کی بجائے قبول کریں۔

اگر وصیت کسی خاص شخص کے حق میں نہ ہو بلکہ عام ہو مثلاً فقیروں اور مسکینوں کے لئے وصیت کی تو وہ وصیت بغیر قبولیت کے درست ہوگی۔

اگر وصیت کنندہ کا انتقال ہو گیا اور اس کی موت کے بعد بھی قبولیت میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ مال وصیت کی قیمت بڑھ گئی تو آیا یہ بھی موصیٰ لہ کا حق ہوگا؟ اس بارے میں تین رائیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جو کچھ زیادہ ہوا وہ وصی کا حق ہوگا۔

دوسرے یہ کہ وہ سب موصیٰ کا حق ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ موصیٰ لہ کو اس اضافہ میں سے صرف تہائی حصہ ملے گا۔ یہ تیسری رائے سب سے زیادہ قرین انصاف ہے اور مشہور ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی باغ کی بابت وصیت کی جس کی مالیت ایک ہزار اشرفی ہے جو وصیت کنندہ کے ایک تہائی مال کے برابر ہے۔ اس کے بعد وصیت کنندہ کا انتقال ہو گیا اور موصیٰ لہ نے اس وصیت کے قبول کرنے میں اتنی تاخیر کر دی کہ اس باغ میں پھل آ گئے اور اس کی مالیت بقدر دو سو اشرفی کے بڑھ گئی یعنی اس باغ کی مالیت اب ایک ہزار دو سو اشرفی ہوگئی اور اب موصیٰ لہ نے اسے قبول کیا تو قول اول کے مطابق باغ کے چھ حصوں میں سے پانچ حصے موصیٰ لہ کو ملیں گے یعنی ایک ہزار کیوں کہ چھٹا حصہ یعنی دو سو جو قبول کرنے سے پہلے اس کی مالیت میں بڑھا وہ وصیت کنندہ کے وارثوں کا حق ہے۔ اور دوسرے قول کے مطابق وہ ہزار اشرفی کا باغ دو سو کی زیادتی سمیت موصیٰ لہ کا حق ہے کیوں کہ وصیت کنندہ کی وفات پر وہ اس باغ کا مالک ہو گیا تو اب جو کچھ اس سے پیدا ہو وہ سب موصیٰ لہ کا حق ہے۔

Marfat.com

تیسرے قول کے مطابق موصیٰ لہ کو اصل (وصیت شدہ شے) جو ایک ہزار یعنی کل مال کے ایک تہائی کے برابر ہے نیز پھل کا ایک تہائی حصہ موصیٰ لہ کو ملے گا۔ کیوں کہ اگر وصیت کنندہ کی وفات کے بعد (موصیٰ لہ کے حق میں) اس کی ملکیت تو ثابت ہوگی لیکن وصیت کے لاگو ہونے کا اعتبار قبولیت کے بعد ہوتا ہے۔ اب درآنحالیکہ قبولیت نہیں ہوئی اس باغ میں جو اضافہ ہوا وہ ترکہ میں شمار ہوگا اور موصیٰ لہ اس میں سے صرف ایک تہائی کا حق دار ہوگا باقی دو تہائی ورثاء کا حق ہے۔ یہی قول سب سے زیادہ منصفانہ اور مشہور ہے۔ اس طرح اسے ایک ہزار اور چھیاسٹھ ملے گا۔ اگر صرف ایک ہزار ملا تو متوفی کے مال کا تہائی حصہ جس کا وہ مستحق تھا کم رہے گا، کیوں کہ پھل کے دو سو کو متوفی کا ترکہ سمجھا جائے گا کیوں کہ وہ اضافہ وارثوں کی ملکیت میں آنے کے بعد نہیں ہوا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ وصیت کنندہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ بالغ، عاقل آزاد اور مجاز ہو، لہٰذا بچے، یا ہوش باختہ کا وصیت کرنا درست نہیں ہے لیکن عادی نشہ باز کی بابت وہی حکم ہے جو مکلّف (پابند حکم شرعی) کے لئے ہے، یعنی جو معاملہ وہ کرے درست مانا جائے گا۔ اسی طرح غلام کا وصیت کرنا بھی درست نہیں ہے، خواہ وہ مکاتب ہو یا نہ ہو۔ نیز جبری وصیت بھی درست نہیں ہے۔

وصیت کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا کافر بھی وصیت کر سکتا ہے خواہ حربی (برسر جنگ) ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح مرتد بھی وصیت کر سکتا ہے بشرطیکہ پھر دین اسلام اختیار کر لے۔ اگر حالت ارتداد میں مر گیا تو اس کی وصیت باطل ہو گی۔

وصیت کنندہ کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مجور علیہ (نا اہل معاملہ) قرار نہ دیا گیا ہو، لہٰذا ایسے شخص کا وصیت کرنا بھی درست ہے جسے بے عقلی یا مفلسی کے باعث نا اہل معاملہ قرار دیا گیا ہو، کیوں کہ ان کی بات ٹھیک مانی جاتی ہے اور انھیں ثواب کی ضرورت ہے۔

موصیٰ لہ کے لئے چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ اگر وہ مکلّف (بالغ پابند احکام) ہے تو بذات خود کسی چیز کا مالک ہو سکے یا اگر بچہ (نابالغ) یا دیوانہ وغیرہ ہے تو وہ ولی سرپرست کے ذریعہ مالک ہو سکے۔ غرض عاقل، دیوانہ، بالغ، نابالغ یہاں تک کہ بقول معتمد ماں کے پیٹ کا بچہ اور جو ہنوز باپ سے منتقل نہ ہوا ہو ان سب کے حق میں وصیت کی جا سکتی ہے۔ البتہ صحیح یہ ہے کہ وصیت کنندہ یوں کہے کہ میں اپنی فلاں چیز کی بابت زید کی موجودہ اولاد اور اس کے بعد جو بچے پیدا ہوں گے ان سب کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ تو (اس طرح کہنے سے) یہ وصیت ان سب کے لئے درست ہوگی۔ اس بنا پر کہ غیر موجود (اولاد) حکم میں موجود اولاد کے تابع شمار ہوگی۔ وقف کا معاملہ اس سے مختلف ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے، کیوں کہ یہ بات وقف میں اس لحاظ سے درست ہے کہ وقف دائمی ہوتا ہے لیکن اس میں اس کی طرف سے جو معاملہ کا اہل نہیں ہے جیسے بچہ یا دیوانہ اسکا ولی قبول کرے گا۔

ایسا شخص جس پر مالک ہونے کا اطلاق نہیں ہوتا اس کے حق میں وصیت کرنا درست نہیں ہے جیسے میت کہ اگر اس کے حق میں جو وفات یافتہ ہے وصیت کرے تو درست نہ ہوگی۔ ہاں مردے کو نہلانے اور تجہیز و تکفین کی بابت وصیت کرنا

Marfat.com

جائز ہے، کیوں کہ یہ وصیت دراصل اسے کی جائے گی جو میت کے جنازے وغیرہ کا بندوبست کرے۔ یا پھر یہ قرار دیا جائے گا کہ یہ وصیت ایک کارثواب انجام دینے کے لئے ہے، مردہ لاش کو وصیت کرنا نہیں ہے۔

اسی طرح کسی جانور کے لئے وصیت کرنا (صحیح نہیں) ہے، کیوں کہ جانور کسی شے کا مالک نہیں ہوسکتا، ہاں اگر مقصد یہ ہو کہ یہ وصیت اس کے مالک کو کی جارہی ہے یا یہ کہ جانور کو گھاس چارہ دینے کی وصیت ہے۔ اگر وصیت جانور کے گھاس چارہ کے لئے ہے تو یہ وصیت جانور کو گھاس چارہ کھلانے کا کارثواب انجام دینے کے لئے ہوگی کیوں کہ جانور پر ترس کھانا بھی کارثواب میں داخل ہے۔ اس وصیت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جانور کا مالک اسے قبول کرے، کیوں کہ ایسی حالت میں وصیت کا مقصد ہی یہی تھا۔ لیکن وہ چارہ اس جانور کے مالک کو سپرد نہ کیا جائے گا، بلکہ اگر اس کا کوئی وصی ہے تو وہی اس کو تصرف میں لائے گا۔ اگر وصی نہیں ہے تو کار وصیت قاضی (حاکم شرع) یا اس کے نائب کو سپرد کیا جائے گا اور اسے روانہ ہوگا کہ اس مقصد کے علاوہ جس کے لئے وصیت کی گئی ہے یعنی جانور کو چارہ دینا کسی اور کام میں صرف کرے۔ اگر جانور کے مالک نے وہ جانور کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا اور وصیت کنندہ ہنوز زندہ ہے تو یہ وصیت فروخت کنندہ کے حق میں باقی رہے گی۔ اگر اس جانور کو وصیت کنندہ کی وفات کے بعد فروخت کیا گیا تو اب بقول معتمد یہ وصیت خریدار کے لئے ہوگی، کیوں کہ اس مال وصیت کو بہر حال جانور کے چارے میں صرف کرنا لازم ہے ہاں اگر کوئی قرینہ ایسا ہو جس سے اس وصیت کا جانور کے مالک کے حق میں ہونا پایا جائے تو ایسی صورت میں بہر حال مال وصیت کا مالک وہی قرار پائے گا۔

اس سلسلہ میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے مثلاً زید کی آئندہ اولاد کے لئے وصیت کی تو یہ درست نہ ہوگا کیوں کہ اس میں شرط یہ ہے کہ موصیٰ لہ ایسا شخص ہو جو مال وصیت کا مالک ہو سکے۔ پس جب کہ وہ موجود ہی نہیں ہے تو مالک نہیں ہوسکتا۔

دوسری شرط (موصیٰ لہ کے بارے میں) یہ ہے کہ وہ ایک خاص اور متعین شخص ہو جب کہ وصیت کا سبب بتائے بغیر اس کے حق میں وصیت کی جائے مثلاً خاص شخص نے زید کے حق میں وصیت کی لیکن وصیت کے وقت اس کی تعین نہیں کی تو وصیت نہ ہوگی، لیکن اگر وصیت ثواب کی غرض سے کی گئی تو موصیٰ لہ کی تعیین ضروری نہیں ہے چنانچہ اگر کہا کہ میں اپنے ایک تہائی مال کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ فقیروں اور مسکینوں کا حق ہوگا تو یہ درست ہے اور اس میں فقیروں کا تعین لازم نہیں ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا کہ میں اپنے اس قدر مال کی بابت وصیت کرتا ہوں اور جس کے حق میں وصیت کی ہے اس کا مطلق ذکر نہیں کیا تب بھی وصیت درست ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں بھی گویا موصیٰ لہ کا ذکر شامل ہے، یعنی یہ کہ وصیت بغرض ثواب ہے (لہٰذا موصیٰ لہ محتاج ہوا)۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ وصیت کسی امر مباح کے بارے میں ہو جسے دوسرے کو منتقل کیا جا سکے، لہٰذا تہمت لگانے کی حد (شرعی سزا) کی بابت تہمت لگانے والے کے علاوہ کسی اور کے لئے وصیت کرنا درست نہیں ہے۔ چنانچہ اگر قاضی کہے کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ فلاں خاتون پر تہمت لگانے کی پاداش میں زید کو سزائے تہمت دی جائے، حالانکہ زید نے تہمت نہیں لگائی تو یہ وصیت درست نہ ہوگی کیوں کہ تہمت کی سزا اس شخص سے جو فی الواقع مستوجب سزا ہے دوسرے کو

Marfat.com

منتقل نہیں کی جاسکتی۔ہاں اگر زید ہی تہمت لگانے کا مجرم ہے تو یہ وصیت درست ہے۔اسی طرح حق شفع کی وصیت بھی ایسے شخص کے حق میں درست نہیں ہے جسے یہ حق نہیں پہنچتا۔

(جانور) کے پیٹ کے بچے کے بارے میں وصیت کرنا درست ہے کیوں کہ یہ قابل انتقال ہے۔ایک شخص کے بجائے دوسرے شخص کے لئے مخصوص کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنی گائے کے پیٹ کے بچے کی بابت کسی کے حق میں وصیت کی تو یہ وصیت درست ہوگی۔جانور کے پیٹ میں بچہ کے موجود ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کا موجود ہونا بوقت وصیت مشہور ہو اور وہ زندہ پیدا ہو اور اس کی مدت حمل جاننے کے لئے ماہرین سے رجوع کیا جائے۔

اسی طرح حمل کے حق میں وصیت کرنا بھی درست ہے۔چنانچہ اگر کہا کہ میں فلاں شخص کے بچے کے حق میں جو ماں کے پیٹ میں ہے اتنے (مال) کی وصیت کرتا ہوں تو یہ درست ہوگا بشرطیکہ بچہ وصیت کے وقت پیٹ میں ہو اور استقرار حمل کی مدت کے بعد زندہ پیدا ہو۔اور (وصیت کے وقت) اس کا موجود ہونا اس امر سے ثابت ہوگا کہ وصیت کے وقت کے بعد چھ ماہ سے کم عرصہ میں پیدا ہو جائے۔درآنحالیکہ وہ عورت خاوند کے پاس بستی ہو اور حمل کو اس کی طرف منسوب کیا جاسکے بایں طور کہ وہ شادی شدہ ہو۔اگر ایسا نہ ہو تو اسے خاوند والی تسلیم نہ کیا جائے گا اور یہ وصیت درست نہ ہو گی۔لیکن اگر اس کا خاوند رہا ہو لیکن وفات پا چکا ہو یا اس نے عورت کو طلاق دے دی ہو تو وصیت بچے کے حق میں درست متصور ہوگی جب کہ وہ بچہ چھ ماہ سے زیادہ اور چار سال سے کم مدت میں پیدا ہو۔حمل کی زیادہ سے زیادہ میعاد یہی ہے۔

اگر (سردست) کوئی حمل نہ ہو تو آئندہ حمل کے بارے میں اور اس کے حق میں بھی وصیت کی جاسکتی ہے، کیوں کہ وصیت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وصیت کی چیز (یا مال وصیت وصیت) کے وقت موجود ہو۔چنانچہ باغ میں لگنے والے پھلوں اور اس سال کے اندر جانور کے حمل کے بارے میں وصیت کرنا بقول صحیح درست ہے۔اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جس چیز کے بارے میں وصیت کی جائے (مال وصیت) وہ پاک (حلال) شے ہو۔چنانچہ ایسے کتے کے بارے میں وصیت کی جاسکتی ہے جس سے جائز کام لیا جائے یا کھاد جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ہاں ایسی غیر طاہر اشیاء کی بابت جن سے نفع نہ اٹھایا جاتا ہو وصیت درست نہیں ہے۔

صیغہ (الفاظ وصیت) کے متعلق یہ شرط ہے کہ وصیت ایسی عبارت میں ہو جس سے وصیت کا مفہوم نکلتا ہو، خواہ صراحتاً یا کنایتاً۔صراحتاً تو یوں کہنا ہے کہ میں نے فلاں کے حق میں اتنے کی وصیت کی یا میری وفات کے بعد اسے اتنا دے دو، یا اس کے لئے اس قدر ہبہ ہے اور کنایتاً کہنے کی مثال یہ ہے ''کہ میرے مال میں سے اس قدر اس کا حصہ ہے'' لیکن کنایتاً کہنے میں وصیت کی نیت شرط ہے۔

(وصیت کا) قبول کرنا یہ ہے کہ موصیٰ لہ کہے کہ میں نے قبول کرلیا۔یہاں سوال یہ ہے کہ کیا اس کا منہ سے کہنا لازمی ہے اور عمل کافی نہیں ہے؟ اس بارے میں دو اقوال (رائیں) ہیں، اور دونوں میں زیادہ درست یہ ہے کہ الفاظ کا استعمال کرنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ قبول کرنا (وصیت کنندہ) کی وفات کے بعد ہو، کیوں کہ وصیت موت کے بعد ہی لاگو ہوتی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وصیت کنندہ میں چند باتوں کا ہونا ضروری ہے:

ایک یہ کہ وہ عاقل ہو۔ لہٰذا مسلسل حالت جنون میں رہنے والے کی وصیت درست نہیں ہے۔ لیکن ایسا شخص جس کے حواس جاتے رہے ہوں یا وقتاً فوقتاً اس کا گلا بند ہو جاتا ہو یا تشنج لاحق ہوتا اور پھر آرام ہو جاتا ہو اس کا حالت افاقہ میں وصیت کرنا درست ہے۔ اور کمزور عقل والے کی وصیت جو شعور سے عاری نہ ہوا ہو اس کے اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا درست ہے اور اسے حق ہے کہ وہ اپنے مال کے تہائی حصہ کی بابت وصیت کرے کہ اس وفات کے بعد بموجب وصیت اسے کام میں لایا جائے۔ اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لئے اپنے بعد کسی کو وصی مقرر کرے، کیوں کہ اسکا شعور نہیں گیا (یعنی سمجھ بوجھ باقی ہے) لہٰذا اسے حق ہے کہ اپنے مال میں تصرف اور اپنی اولاد کے حق میں فیصلہ کرے۔ لیکن اگر اس کی عقل اتنی جاتی رہی ہے کہ اس میں شعور نہیں رہا اور اسے نااہل معاملہ قرار دیا جانا واجب ہے تو اسے صرف اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا درست ہے اولاد کا وصی مقرر کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ جب وہ اپنی ذات کے لئے اچھی طرح تصرف نہیں کر سکتا تو دوسرے کے بارے میں تصرف کا مجاز بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی حکم میں وہ پاگل بھی شامل ہے جو حواس کھو چکا ہو کہ اس کی وصیت درست نہیں ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ (وصیت کنندہ) صاحب تمیز ہو، لہٰذا ایسے بچے کا جس میں تمیز نہ ہو وصیت کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں بالغ ہونا شرط نہیں ہے۔ صغیر سن (لڑکے) کا بشرطیکہ صاحب تمیز ہو، وصیت کرنا درست ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ وہ بول سکتا ہو۔ اگر زبان سے بول نہیں سکتا تو اس کا اشارہ سے وصیت کرنا کافی نہیں ہے، اگرچہ اشارہ قابل فہم ہو۔ ہاں اگر (نہ بول سکنے کے مرض سے) مایوس العلاج ہو چکا ہو اور وہ اشارہ سے ایسی بات کہے جو سمجھ میں آجاتی ہو تو (وصیت کے لئے) کافی ہے۔ جیسے گونگے کی بات ہے کہ اگر وہ اشارہ سے وصیت کرے جو سمجھ میں آجائے تو درست ہے۔ ہاں اگر اس کا اشارہ ناقابل فہم ہو تو وصیت صحیح نہ ہوگی۔

ایک شرط یہ ہے کہ وصیت کنندہ کو بے عقلی کی بنا پر نااہل معاملہ نہ قرار دیا گیا ہو۔ ایسا شخص اگر اپنی اولاد کے حق میں وصیت کرے تو درست نہ ہوگی۔ چنانچہ اگر ایسا بے عقل اور نااہل معاملہ یوں کہے کہ میں اپنی اولاد کے لئے (فلاں شخص) کو وصی بناتا ہوں تو یہ وصیت باطل ہوگی، کیوں کہ وہ اپنی ذات کے لئے حسن تصرف سے کام نہیں لے سکتا تو دوسرے کے لئے وصیت کا حسن اختیار بھی اسے حاصل نہیں ہے۔ ہاں اگر اپنے مال کے بارے میں وصیت کرے تو درست ہے کیوں کہ اس کے بارے میں وصیت کرنا روزہ نماز وغیرہ عبادات کی طرح اس کے اپنے حق میں سودمند ہے۔ یہی حکم اس کے لئے ہے جو مفلسی کے باعث نااہل معاملہ قرار دیا جائے کہ اس کی وصیت صحیح ہوگی۔

وصیت کنندہ کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ پس کافر یا فاسق کوئی وصیت کرے تو وہ درست ہے۔

موصیٰ لہ (جس کے حق میں وصیت کی جائے) یہ شرط ہے کہ وہ وصیت کنندہ کا قاتل نہ ہو، خواہ وہ قتل عمداً ہوا ہو یا بلاعمد کے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی کے حق میں وصیت کی اور اس نے (وصیت کنندہ کو) قتل کر دیا تو وہ وصیت باطل ہو جائے گی۔ اگر وصی نے موصیٰ لہ کی ضرب کھانے کے بعد وصیت کی اور اسی ضرب سے وہ وفات پا گیا تو تب بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔

موصیٰ لہ کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہو، لہٰذا کافر کے حق میں بھی وصیت درست ہے اگرچہ وہ

مرتد ہو یا وہ حربی جو دارالحرب میں ہو لیکن برسر پیکار نہ ہو۔ اگر برسر جنگ ہو تو اس کے حق میں وصیت درست نہ ہوگی۔ نیز یہ شرط بھی ہے کہ وصیت کے وقت موصیٰ لہ موجود ہو۔ پس موجودہ حمل کے حق میں وصیت درست ہے بشرطیکہ وصیت کے بعد چھ ماہ سے کم عرصہ میں زندہ بچہ پیدا ہو اور وہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ (یا بصورت لونڈی ہونے کے) اپنے آقا کے پاس بس رہی ہو۔ یا اگر طلاق بائنہ والی ہو اور خاوند کے پاس نہ رہتی ہو یا اس کا خاوند کسی دور دراز شہر میں قید ہو تب بھی وصیت (پیٹ کے بچے کے حق میں) درست ہوگی۔ بشرطیکہ وہ بچہ علیحدگی سے) چار سال کے اندر پیدا ہو جائے، جیسا کہ شافعیوں نے بیان کیا ہے۔

اگر ایک شخص نے مثلاً زید کے گھوڑے یا اس کے مویشی کے حق میں وصیت کی تو درست ہے، اگرچہ زید مال وصیت کو قبول نہ کرے لیکن وہ مال وصیت اس جانور کے چارے پر ہی خرچ کیا جائے گا۔ اگر خرچ کرنے سے پہلے وہ گھوڑا مر جائے تو جو باقی رہا وہ وصیت کنندہ کے ورثا کا حق ہے اور جانور پر خرچ کرنے کی ذمہ داری وصیت کنندہ کی ہے یا پھر قاضی کی، گھوڑے والے کی نہیں ہے۔

موصیٰ بہ (مال وصیت) کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ خاص وصیت کنندہ کا (مملوکہ) مال ہو، لہٰذا کسی دوسرے شخص کی مملوکہ شے کے بارے میں وصیت درست نہیں ہے، اگرچہ وصیت کے بعد وہ اس مال کا مالک ہو جائے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کہا کہ میں فلاں کے مال کی بابت وصیت کرتا ہوں گو اس کے بعد ہی وہ اس مال کا مالک ہو گیا تو وہ وصیت باطل ہو جائے گی۔

موصیٰ لہ (مال وصیت) کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ (مال) بوقت وصیت موجود ہو۔ لہٰذا غیر موجود شے کے بارے میں وصیت کرنا درست ہے مثلاً باغ میں آئندہ لگنے والے پھل کی بابت کچھ عرصہ کے لئے یا ہمیشہ کے لئے وصیت کرنا۔ اسی طرح مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں ان کی بابت وصیت کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح مال وصیت کے لئے یہ شرط بھی نہیں ہے کہ وہ پاک ہو۔ لہٰذا ناپاک شدہ تیل کو بشرطیکہ وہ کسی کام میں آسکے وصیت کرنا درست ہے لیکن اسے مسجد میں استعمال نہ کیا جائے اسی طرح شکاری کتے کی بابت وصیت کرنا صحیح ہے بشرطیکہ وہ زہریلا اور درندہ نہ ہو۔ نیز ہر اس چیز کے بارے میں وصیت کرنا صحیح ہے جو مباح اور سودمند ہو۔

موصیٰ بہ کے بارے میں یہ شرط بھی نہیں ہے کہ وصیت کنندہ اس کے سپرد کرنے پر قادر ہو، لہٰذا ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے اور وحشی جانور وغیرہ کے بارے میں وصیت کرنا درست ہے اور جیسے وصیت کی گئی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ایسے جانوروں کو پکڑنے کی کوشش کرے۔

صیغہ (الفاظ وصیت) کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ ایسے الفاظ ہوں جن سے وصیت کا مفہوم نکلتا ہو خواہ ایجاب کے لئے ہو یا قبول کے لئے۔

ایجاب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کہے کہ میں تمہارے حق میں فلاں چیز کی وصیت کرتا ہوں، یا زید کے لئے فلاں چیز کی وصیت ہے، یا فلاں شخص کو میرے مال میں سے اس قدر دے دینا، یا میں نے اپنے بعد اس کو اس قدر دینا کیا۔ یا میرے بعد اس قدر مال اس کا ہے وغیرہ جس کا مطلب وصیت ہو مثلاً میں نے اپنے مرنے کے بعد اسے (اس قدر کا)

Marfat.com

عمل وصیت کی شرعی حیثیت کا بیان

عمل وصیت کی شرعی حیثیت حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے، کبھی تو وصیت واجب ہوتی ہے اور کبھی مستحب ہوتی ہے اور کبھی حرام ہو جاتی ہے۔ مسالک مختلفہ کی رو سے اس کے مسائل تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

مالک بنا دیا۔

قبولیت کے لئے یہ شرط ہے کہ وصیت کنندہ کی موت کے بعد ہو۔ مدت سے پہلے قبول کرنے یا رد کرنے کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ قبولیت الفاظ سے بھی ہو سکتی ہے جیسے یوں کہنا کہ میں قبول کرتا ہوں اور عمل سے بھی مثلاً مال وصیت کا لے لینا وغیرہ ایسے امور جن سے رضا مندی ظاہر ہوتی ہو، مثلاً مال وصیت کو فروخت کر دینا یا کسی کو بخشش دینا۔ وصیت کا رد کرنا الفاظ سے ہوتا ہے جیسے کوئی کہے کہ میں وصیت کو رد کرتا ہوں یا اسے قبول نہیں کرتا وغیرہ۔ مال وصیت کو قبول کرنے سے اس کی ملکیت ثابت ہوتی ہے، اس کے بعد اس میں تصرف کا حق ہو جاتا ہے اگر چہ اس پر قبضہ نہ کیا ہو۔

اگر وہ لوگ جن کے حق میں وصیت کی گئی ہے ایک گروہ سے تعلق رکھتے ہوں جن کی تصریح نہ کی گئی ہو، مثلاً فقیروں، مسکینوں اور یا علماء کے لئے وصیت کی گئی ہو تو اس میں قبولیت شرط نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بہ اعتبار وصیت کنندہ کے وصیت کی چار قسمیں ہیں وصیت واجب و مستحب و مباح و مکروہ۔

وصیت واجب وہ ہے جو حق داروں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے کی جائے مثلاً امانتوں اور ایسے قرضوں کی واپسی کے لئے جس کی کوئی دستاویز موجود نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ فرض ہو جاتا ہے کہ امانت کی اشیاء اور قرض ان کے حق داروں کو واپس کرنے کی وصیت کر دی جائے، کیوں کہ اگر بغیر وصیت کیے موت آ گئی تو اس سے حق داروں کی حق تلفی ہو گی اور اس کا گناہ اس پر ہو گا۔

وصیت مستحب کا تعلق حقوق اللہ سے ہے مثلاً کفارہ، زکوٰۃ اور روزہ نماز کے فدیہ کے لئے وصیت کرنا یا اسلامی حج وغیرہ اور امور مستوجب ثواب کے لئے وصیت کرنا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ حقوق اللہ میں جو امور فرض ہیں ان کی بابت وصیت واجب ہے۔ پس زکوٰۃ اور کفارہ واجب کے لئے وصیت کرنا واجب ہے۔ تاہم اول الذکر خیال زیادہ قوی ہے۔

وصیت مکروہ وہ ہے جو فاسقوں اور گنہگاروں یا بری باتوں اور گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کے حق میں کی جائے۔

وصیت مباح وہ وصیت ہے جو خوش حال رشتہ داروں اور کنبہ والوں کے حق میں ہو۔ رشتہ داروں اور کنبہ والوں کے حق میں وصیت کرنا فرض نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"کتب علیکم اذا حضر احمد کم الموت ان ترک خیر اً الوصیة للوالدین الایه"

(یعنی جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور ترکہ میں مال ہو تو تم پر لازم کیا گیا ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں وصیت کر جاؤ۔)

Marfat.com

یہ ایک وقتی حکم تھا جو آیت میراث کے نازل ہونے اور حقوق وراثت کا نظام مقرر ہونے سے پہلے ماں باپ اور قرابت داروں کو مال متروکہ میں سے کچھ ملنے کے لئے تھا؛ وراثت کے احکام والی آیت کے نازل ہونے کے بعد ختم ہو گیا۔

اگر کسی نے ادائے فریضہ کے لئے وصیت کی مثلاً زکوٰۃ نکالنے، قتل یا قسم کا کفارہ دینے اور یا روزہ نماز کا فدیہ ادا کرنے کے لئے تو دیکھنا چاہیے کہ وصیت کنندہ کے مال کا ایک تہائی حصہ اگر اس وصیت کی تکمیل کے لئے کافی ہو تو فبہا، بصورت دیگر بندوں کے حقوق کی ادائیگی کو حق اللہ پر مقدم رکھا جائے لہٰذا زکواۃ کی ادائیگی اور قتل وغیرہ کا کفارہ روزہ نماز کے فدیوں پر مقدم ہے اور حقوق اللہ میں بھی جو فرض ہے وہ واجب پر اور جو واجب ہے وہ مستحب پر مقدم ہوگا۔

اگر کئی فرائض کی ادائیگی اکٹھی ہو جائے مثلاً حج اور زکواۃ (دونوں) کے لئے وصیت ہو تو حج کو تقدم حاصل ہوگا۔ اور حج وزکواۃ کو کفاروں پر اور کفاروں کو صدقہ فطر پر فوقیت حاصل ہے، کیونکہ یہ واجب ہیں فرض نہیں ہیں، اور صدقہ فطر کو قربانی پر فوقیت ہوگی۔

موصیٰ بہ (مال وصیت) کے اعتبار سے وصیت کی حیثیت یہ ہے کہ مال وصیت موصی لہ کی ملکیت میں نئے سرے سے داخل ہوگا۔ یہاں پر حیثیت سے مراد مال وصیت پر وصیت کا اثر ہے۔ مال وصیت پر وصیت کا یہ اثر پڑا کہ وہ مال از سر نو موصیٰ لہ کا مملوکہ بن گیا۔

یاد رہے کہ جو شخص تھوڑے مال کا مالک ہو اور اس کے وارث ہوں تو بہتر یہ ہے کہ وہ کسی کے حق میں کچھ وصیت نہ کرے اور زیادہ مال رکھنے والے کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ ایک تہائی مال سے زیادہ کے بارے میں وصیت نہ کرے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بہ اعتبار احکام شرعیہ کے وصیت کی پانچ قسمیں ہیں:

پہلی قسم وصیت واجب ہے اس سے مراد ان اشیاء کے بارے میں وصیت کرنا ہے جو لوگوں کی امانت کے طور پر اس کے پاس ہوں اور یا اس کے ذمہ ایسا قرض ہے جس کا علم دوسروں کو نہیں ہے۔ ایسی صورت میں واجب ہو جاتا ہے کہ ان کی بابت وصیت کر دے اگرچہ مریض نہ ہوتا کہ احیاناً موت سے لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

دوسری قسم وصیت حرام ہے، مثلاً کسی سرکش فسادی کے حق میں وصیت کرنا کہ اگر اس کا کچھ بھی حق ترکہ میں رکھا گیا تو وہ فساد پھیلائے گا۔

تیسری قسم وصیت مکروہ ہے، اس سے مراد وہ وصیت ہے جو ایک تہائی مال سے زیادہ کے لئے ہو یا کسی وارث کے حق میں ہو۔

چوتھی قسم وصیت مستحبہ ہے جو تاکیدی مستحب ہے۔ یہ وصیت وہ ہے جو وصیت کی شرائط پوری کرتی ہو لیکن واجب اور حرام یا مکروہ نہ ہو، جیسے کسی غیر وارث کے حق میں جو عقل سلیم کا مالک ہو یا فقیروں اور مسکینوں کے حق میں وصیت کرنا۔

پانچویں قسم وصیت مباح ہے جیسے کسی دولت مند کے حق میں وصیت کرنا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وصیت کی چند قسمیں ہیں:

Marfat.com

حج کرانے اور قرآن خوانی وغیرہ کے لئے وصیت کرنے اور

میت کے گھروں میں دوسری ماتمانہ رسوم کا بیان

حج کرانے کے لئے اور قبروں پر قرآن خوانی وغیرہ کے لئے اور کندھا بدلنے کے وقت کلمہ پڑھنے کے لئے نیز اسی قسم کی اور ماتمانہ رسوم کیلئے جو اہل میت میں رائج ہیں۔ مثلاً کھلانا پلانا وغیرہ یا کسی خاص جگہ

پہلی قسم وصیت واجب ہے یعنی وہ وصیت کہ اگر نہ کی جائے تو اس سے کسی کا حق یا فریضہ عبادت ضائع ہو جائے۔ چنانچہ ایسے شخص پر وصیت کرنا فرض ہے جس کے پاس (دوسروں کی) امانتیں ہوں یا اس کے ذمہ کسی کا ایسا قرض ہو جس کا کوئی گواہ (یا ثبوت) نہیں ہے۔ نیز اس پر بھی وصیت فرض ہے جس کے ذمہ زکواۃ یا حج یا منت کا کفارہ لازم ہے۔ (تا کہ ان کی ادائیگی ہو جائے)۔

دوسری قسم وصیت مستحب ہے۔ اس سے مراد کسی ایسے محتاج قرابت دار کے حق میں وصیت کرنا ہے جسے ورثہ میں کوئی حصہ نہ ملا ہو، بشرطیکہ متوفی نے اس قدر مال چھوڑا ہو جسے بالعموم زیادہ تصور کیا جاتا ہے اور یہ کہ وصیت مال متروکہ کے پانچویں حصہ سے زیادہ کے بارے میں نہ ہو تا کہ وارثوں کو دکھ نہ پہنچے۔ وصیت مستحب یہی ہے جس میں شرائط بالا پائی جائیں۔ اگر کوئی محتاج قرابت دار نہیں ہے تو فقیروں، مسکینوں اور عالموں کے حق میں وصیت کرنا امر مستحب ہے۔

تیسری قسم وصیت مکروہ ہے۔ اس سے مراد ایسے شخص کا (کسی کے حق میں) وصیت کرنا ہے جس نے زیادہ مال نہ چھوڑا ہو اور وارث محتاج ہو۔ اور احتیاج لوگوں کے مختلف حالات کے مطابق ہوتی ہے۔

چوتھی قسم وصیت حرام ہے جو ایک تہائی مال متروکہ سے زیادہ کے بارے میں ہو۔ پس ایسا شخص جس کا میاں بیوی کے علاوہ کوئی وارث ہو اور وہ اپنے مال متروکہ کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ کے بارے میں وصیت کرے تو وہ وصیت حرام ہے۔ لیکن اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ یہ وصیت (حرام نہیں بلکہ) صرف مکروہ ہے، لہٰذا اس وصیت کو مکروہ قسم میں داخل سمجھنا چاہیے۔

پانچویں قسم وصیت مباح ہے وہ ان کے سوا اور تمام وصتیں ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وصیت کی پانچ قسمیں ہیں۔

قسم اول وصیت واجب جو اس شخص پر واجب ہے جس کے ذمہ کسی کا قرض ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت ہو، تا کہ کسی انسان کا حق تلف نہ ہو۔ نیز ایسی وصیت بھی واجب ہے جو کسی (واجب الادا) عبادت کی ادائیگی کے لئے کی جائے۔

قسم دوم وصیت حرام: جو کسی امر حرام کے لئے کی جائے مثلاً میت پر نوحہ و ماتم کے لئے وصیت کرنا وغیرہ۔

قسم سوم وصیت مستحب: جو عبادت (واجب الادا) کے لئے کی جائے

قسم چہارم وصیت مکروہ: یہ اس شخص کا وصیت کرنا ہے جس کے مال کی مقدار تھوڑی ہو اور اسکا وارث موجود ہو۔

Marfat.com

پر دفن کیے جانے یا تعمیر قبر وغیرہ کی وصیت کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

قسم پنجم وصیت مباح: وہ وصیت ہے جو امر مباح کے لئے کی جائے۔

مالکیہ میں سے بعض اصحاب وصیت کی دو قسمیں بتاتے ہیں: ایک وصیت واجب جو اس شے کی بابت کی جائے جو کسی سے لینا ہے یا کسی کا دینا ہے اس کے علاوہ باقی وصیتیں مستحب ہیں۔ مسالک مختلفہ کی رو سے وصیت کی جو تفصیل تھی وہ بیان کر دی گئی۔ ان میں سے بعض مسالک کی کچھ باتیں اگرچہ رہ گئی ہیں لیکن ان کے اصول آ گئے ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قبروں پر یا مقررہ مقامات پر قرآن خوانی کی بابت وصیت کرنا فضول ہے۔ اگر کسی نے اپنے مال کا کچھ حصہ اس مقصد کے لئے صرف کرنے کی وصیت کی تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر ایسی وصیت کسی خاص شخص کے بارے میں ہو مثلاً یوں کہا کہ میں اپنے مال میں سے اس قدر مال کی بابت محمد کے حق میں وصیت کرتا ہوں کہ اس کو میری قبر پر قرآن خوانی کے لئے دیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ یہ وصیت درست ہوگی اور وصیت کنندہ کے مال متروکہ میں سے اس قدر بطور حسن سلوک اور مہربانی کے اسے ملے گا، قرآن شریف پڑھنے کی اجرت کے طور پر نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا بہر حال فضول ہے، بلکہ اس میں قرآن پڑھنے پر اجرت لینے کی کراہت ہے۔ تاہم بعض اصحاب نے اس عمل کو اور اس کے لئے وصیت کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ یہی حکم تہالیل عتاقہ کی بابت وصیت کا ہے (یعنی کندھا دینے کے وقت کلمہ شہادت وغیرہ پڑھنا) جو عام طور پر رواج ہے کیوں کہ اس بارے میں وصیت کرنا باطل ہے۔ ہاں اگر کسی خاص شخص کو یہ وصیت کی جائے تو اس پر بلا اختلاف کے عمل کیا جا سکتا ہے رہا امور عبادت کی بجا آوری کے بارے میں وصیت کرنا سو یہ امر مستحب ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ پس اگر کسی شخص پر حج واجب ہے تو مستحب یہ ہے کہ اپنی طرف سے حج یا حج بدل کی وصیت کر جائے۔ بعض اصحاب اسے واجب قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے حج بدل ادا کیا جائے اور اتنا مال ہے کہ (حج بدل) کرنے والا اپنے شہر سے حج کے لئے سواری پر جا سکے تو اس پر اپنے گھر سے (حج بدل) کے لئے سواری پر روانہ ہونا واجب ہے۔ یعنی سفر کا آغاز وہ اپنے گھر سے کر سکتا ہے۔ اگر (اس جگہ سے) سفر کرنے کے لئے کافی مال نہیں ہے تو جس طرف سے جانے کے لئے مال مکتفی ہو اسی طرف سے حج کو روانہ ہو۔ پس اگر وہ رقم جس سے حج کرنے کی وصیت کی گئی ہے مثلاً اسوان سے سفر کے اخراجات کو مکتفی ہو تو واجب ہے کہ حج کے لئے سفر کا آغاز وہیں سے کیا جائے۔ اگر مال (اسوان سے) سفر کے لئے کافی نہ ہو تو سویس سے روانہ ہو کر حج کرے وعلی ہذا القیاس پیدل چل کر حج بدل کرنا درست نہیں ہے گو وہ مال پیدل حج کرنے کے لئے کافی ہو، کیوں کہ حج اسی شخص پر واجب ہے جسے سواری پر جا کر حج کرنے کا مقدور ہو، لہٰذا یہ حکم اس کے نائب پر بھی منطبق ہوگا۔

اگر کوئی عازم حج راستہ میں وفات پا جائے اور تکمیل حج کی وصیت کرے تو اب آیا جہاں اس نے وفات پائی وہیں سے سفر حج کا آغاز کیا جائے گا یا اس کے اپنے شہر سے آغاز ہوگا؟ اس بارے میں اختلاف ہے؛ کہا جاتا ہے کہ اب اس کے شہر سے ایک شخص سوار ہو کر، پیادہ چل کر نہیں، حج بدل کرے گا۔ یہی قول معتمد ہے۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حج بدل کرنے والا وہیں سے سفر کرے گا جہاں اس نے وفات پائی۔ اس صورت میں جب کہ متوفی کے شہر سے سفر حج کے لئے رقم کافی نہ ہو تو اس مقام سے حج سفر کا آغاز کیا جائے جہاں سے خرچ سفر پورا ہو سکے۔

Marfat.com

اگر کسی نے وصیت کی کہ جہاں اسکی وفات ہوئی ہے وہاں سے اس کی میت کو کسی دوسری جگہ لے جا کر دفن کیا جائے تو یہ وصیت فضول ہوگی۔ اگر وصی نے اسے وہاں سے منتقل کیا اور اس پر خرچ کیا تو وہ خود ان مصارف کا ذمہ دار ہوگا۔ ہاں اگر متوفی کے ورثاء (ترکہ میں سے اس خرچ کی) اجازت دیں تو اور بات ہے۔

اگر یہ وصیت کی کہ قبر میں اس کے نیچے کوئی فرش وغیرہ بچھا دیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا صحیح ہے کیوں کہ یہ عمل کفن میں کچھ اضافہ کیے جانے کے برابر ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے کیوں کہ یہ بے فائدہ اتلاف مال ہے۔

اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کی قبر پر زیب و زینت اور سجاوٹ کی غرض سے تعمیر کھڑی کی جائے جیسا کہ اس زمانے میں بالعموم کیا جاتا ہے تو یہ وصیت فضول ہے۔ ہاں اگر کوئی قبر منہدم ہو رہی ہو اور محتاج تعمیر ہو اور اس کے بنانے کی وصیت کی گئی ہو تو وصیت پر عمل کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر قبر کے اوپر گنبد وغیرہ بنانے کی وصیت کی گئی تو یہ وصیت متفقہ طور پر باطل ہوگی کیوں کہ بالاتفاق اس کی ممانعت آئی ہے۔ ہاں اگر صرف یہ وصیت ہے کہ قبر پر مٹی یا چونے وغیرہ کا پوچا پھیر دیا جائے وغیرہ تو اس بارے میں مختلف رائیں ہیں، بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر اس کی ضرورت ہو مثلاً قبر کو مضبوط کرنا ہو کہ وحشی جانور اسے خراب نہ کریں یا یہ غرض ہو کہ بدبو دبی رہے وغیرہ تو ایسا کرنا بلا اختلاف جائز ہے۔

اگر یہ وصیت کی کہ اسے گھر ہی میں دفن کیا جائے تو یہ وصیت باطل ہوگی۔ ہاں اگر وہ اپنے گھر کو مسلمانوں کے لئے قبرستان بنا دے تو یہ وصیت درست ہوگی۔

اگر یہ وصیت کی کہ اس کا کفن بھاری قیمت کا ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا اور عام کپڑے میں اسے کفنایا جائے گا جیسا کہ وہ اپنی زندگی کے اندر جمعہ، عیدین یا ولیمہ میں ملبوس ہوتا تھا۔ اسی قسم کا کفن اس کے لئے لیا جائے گا۔

اگر وصیت کی کہ اس کا تہائی مال مسلمان فقرا و مساکین کی تکفین و تدفین اور قبر وغیرہ میں لگایا جائے تو یہ وصیت درست ہوگی۔ لیکن اگر فقیروں کی خصوصیت نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے کفن دفن میں لگانے کی وصیت کی تو یہ وصیت درست نہ ہوگی۔

اگر تقریبات غم میں کھانا وغیرہ کھلانے کی وصیت کی تو یہ درست ہوگا بشرطیکہ کھانے والے مسافر ہوں یا متوفی (کے گھر) سے دور علاقے میں رہتے ہوں۔ لیکن وہ شخص جس کی رہائش گاہ قریب ہے اور تھوڑی دیر ہی وہاں رہنا ہے اسے وہ کھانا جائز نہیں ہے۔ اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے کہ وفات کے روز میت کے گھر والوں کے لئے کھانا لایا جائے، کیوں کہ وہ لوگ غم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لیکن تیسرے دن ایسا کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ متوفی کے پسماندگان کا رنج و غم (اس وقت تک) دور ہو جاتا ہے، سوا اس کے کہ لوگ سوگ اور ماتم میں مصروف ہوں۔ ایسی صورت میں انھیں کھانا پہنچانا گناہ میں ان کی اعانت کرنا ہے۔

اگر ایک شخص نے مسجد میں قرآن شریف کے نسخوں کے رکھے جانے کی وصیت کی تا کہ لوگ اس کی تلاوت کریں تو یہ وصیت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فضول ہے، لیکن امام محمد کے نزدیک درست ہے۔ اسی طرح اگر وصیت کی کہ اس

Marfat.com

کی فلاں زمین کو مسلمانوں کے لئے قبرستان بنایا جائے تب بھی امام ابو حنفیہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وصیت باطل ہوگی۔ لیکن اگر یہ وصیت ہو کہ اس کی فلاں زمین پر مسجد بنائی جائے تو یہ بالاتفاق صحیح ہے۔

اگر یہ وصیت کی کہ اس کے ایک تہائی مال کو مسجد پر خرچ کیا جائے تو جائز ہے اور اس مال وصیت کو مسجد کی تعمیر اور اس کے سامان عمارت اور روشنی (یا چونا یا سفیدی) پر خرچ کیا جائے گا۔ اگر کسی نے اپنے ایک تہائی مال کو بیت المقدس پر خرچ کرنے کی وصیت کی تو جائز ہے اور اس مال کو اسی طرح تعمیری کاموں اور ان امور پر خرچ کیا جائے گا جو اس کے شعائر (خصوصیات یا مظاہر) کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کا اپنی قبر پر قرآن خوانی کے لئے وصیت کرنا حج بدل کے لئے وصیت کی طرح لازم العمل ہوگا۔ خواہ اس کے لئے کسی خاص شخص کو مقرر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ لیکن کسی کو یہ وصیت کرنا کہ اس کی طرف سے نماز پڑھے یا روزہ رکھے باطل ہے اسی طرح وہ وصیت بھی باطل ہے جس میں بے فائدہ اتلاف مال ہو جیسے کسی ولی یا نبی کی قبر یا اس کے حجلہ میں چاندی کا فانوس لٹکائے جانے کی وصیت کرنا۔ یا مزار پر کپڑا وغیرہ بچھانے کی وصیت جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں وارثوں کو حق ہوگا کہ اس کے مال کو (اس وصیت کے علاوہ) جس طرح مناسب سمجھیں صرف میں لائیں قبر پر نوحہ خوانی یا اظہار فخر کے لئے گنبد بنانے کی وصیت کا بھی یہی حکم ہے کہ یہ تمام چیزیں فضول ہیں اور ان پر عمل نہ ہوگا۔

اسی میں وہ وصیت بھی ہے جو تقاریب ولادت میں مال خرچ کرنے کے لئے کی جائے جس کا اس زمانے میں عام رواج ہے۔ ان تقاریب میں مرد عورت جمع ہوتے ہیں، اس میں خرابیاں ہوتی ہیں اور ایسی باتیں عمل میں آتی ہیں جو شرعاً ناجائز اور ممنوعات میں سے ہیں۔ ایسے تمام امور کے بارے میں وصیت کرنا باطل ہے اور اس پر عمل درآمد نہ ہوگا۔ ہاں کفن دفن، جنازہ اور غسل وغیرہ تمام ایسی باتوں کے لئے جن میں اجرت لینا جائز ہے وصیت کرنا درست ہے۔ ایسی اشیاء جن کو محض عبادت مثلاً نماز کے لئے استعمال میں لانے کے لئے مخصوص کیا گیا ہو وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن کسی بھی مسجد کے حق میں وصیت کرنا جائز ہے، اگرچہ مسجد مالک بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس کے حق میں وصیت کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی بہتری کے لئے خرچ کیا جائے مثلاً (مسجد میں) روشنی یا اس کی تعمیر کے لئے اور (مسجد کے حق میں وصیت کرنے کی) یہ غرض سب کو معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا مسجد کے حق میں وصیت کے معنے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔

اگر وصیت سے کوئی اور غرض سمجھی جاتی ہو تو وہ وصیت اسی مقصد کے لئے خیال کی جائے گی۔ مثلاً جامع ازہر کے لئے وصیت کرنے کی غرض جو لوگ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ طلبائے ازہر پر خرچ کیا جائے۔ غرض یہ ہے کہ اس قسم کی وصیتوں میں وہی مقصد پیش نظر ہوگا جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے اور اس کے مطابق جیسا کہ مشہور ہے عمل کیا جائے گا۔

ایسی زمین جو مردوں کو دفن کرنے کے لئے وقف کی گئی ہے جیسے شہر کے قریب کے قبرستان اس میں مسجد یا مدرسہ بنانے کے لئے وصیت کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ وہ زمین مردوں کو دفن کرنے کے لئے مخصوص ہے، لہٰذا وہاں کوئی اور کام انجام دینا درست نہیں ہے۔ اسی طرح ماتمی تقریبات میں جو امور منع ہیں مثلاً بین کرنا اور شامیانہ وغیرہ لگانا نیز گناہ کی اور باتیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے ان کے لئے وصیت کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ گناہ کے کاموں کے لئے

وصیت کرنا باطل ہے۔ باقی وہ امور جن کو سابقاً جنازے کے بیان میں جائز بتایا گیا ہے اس کی بابت وصیت جائز ہے۔ کارہائے ثواب کے لئے وصیت کرنا مستحب ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔

اگر ایک شخص نے متعدد عبادتوں کے لئے مثلاً زکواۃ، روزہ کے فدیہ اور مسلمان قیدی کو آزاد کرانے کے لئے وصیت کی تو دیکھا جائے گا کہ اگر متوفی کا ایک تہائی مال ان تمام وصیتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے اور ورثاء نے اجازت نہ دی تو حسب ذیل امور میں سے ہر ایک کو مخصوص ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے پر مقدم رکھا جائے گا۔

سب سے پہلے عورت کا مہر ہے جس سے نکاح کے بعد تخلیہ ہو چکا ہو درآنحالیکہ جس مرض میں اس کی وفات ہوئی ہے وہ خوفناک مرض تھا اور اسی میں اس نے وصیت کی۔ ایسی صورت ہو تو عورت کہ مہر مثل لازم ہے بشرطیکہ مہر مثل اس کے مقرر کردہ مہر سے کم ہو۔ اگر مقرر کیا ہوا مہر، مہر مثل سے کم ہو تو مقررہ مہر کی حق دار ہوگی۔ یعنی ایسی صورت میں بیوی کو مقرر شدہ مہر یا مہر مثل دونوں میں سے جو کم ہوگا بیوی اس کی حق دار ہوگی۔

اس کے بعد مسلم قیدی کی رہائی ہے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ عام قیدی کی رہائی (دوسرے درجہ پر ہے۔) اس کے بعد تباہ شدہ انسان کی امداد، پھر مریض کی امداد، اس کے بعد اس زکواۃ کی ادائیگی جو حالت صحت میں اس نے ادا نہیں کی اور وہ اس کے ذمہ قرض رہ گیا۔ ان تمام وصیتوں کی تکمیل (وصیت کنندہ کے) ایک تہائی مال میں سے کی جائے گی درآنحالیکہ اس کی بابت وصیت کی ہو مگر اپنے ذمہ واجب ہونے کا اعتراف نہ کیا ہو۔ لیکن اگر اس نے اپنے ذمہ (واجب الادا ہونے کا) اعتراف کیا ہے تو یہ زکواۃ (واجب الادا) قرض متصور ہوگی اور اسے اصل مال سے ادا کرنا واجب ہوگا، خواہ اس کی بابت اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ یہی حکم مویشی کی زکواۃ کے بارے میں ہے جب کہ زکواۃ ادا کرنے کا وقت آ گیا ہو اور پھر اس کی وفات ہوگئی ہو۔ اس صورت میں اس زکواۃ کی ادائیگی اصل مال میں سے واجب ہوگی خواہ اس کی ادائیگی کی وصیت ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح کھیتی کی زکوٰۃ ہے، بشرطیکہ دانوں کی چھڑائی ہو چکی ہو۔ باغ کے پھل کی زکواۃ جب کہ پھلوں میں رنگ آ گیا ہو (یعنی وہ پختگی پر آ گیا ہو) اگر یہ کیفیت اس کے مرنے کے وقت پیدا ہوئی تو اس کی زکواۃ راس المال سے ادا کی جائے گی۔ اس کے لئے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

تیسرے درجہ پر صدقہ فطر ہے جو ادا نہ کیا گیا ہو۔ اور وہ صدقہ فطر جس کے واجب ہونے کے ساتھ ہی وفات ہوئی ہو اور اسے ادا نہ کیا جا سکا ہو تو اس کا متوفی کے راس المال سے ادا کیا جانا واجب ہے درآنحالیکہ اس کی وصیت کی ہو۔ اگر اس کی وصیت نہ کی ہو تو اس کی ادائیگی کے لئے کہا جائے گا لیکن اگر وہ انکار کریں تو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

چوتھے درجہ پر ظہار (یعنی بیوی کو ماں کے برابر کہہ دینے کی خطا) کا کفارہ ہے اور قتل کے کفارے میں بردہ کو آزاد کرنا ہے۔ ان دونوں کو ایک درجہ میں رکھا گیا ہے۔

پانچویں درجہ پر اللہ کے نام یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم توڑنے کا کفارہ۔

چھٹے درجے پر قصداً رمضان کا روزہ توڑنے کا کفارہ، پھر کفارہ رمضان کے روزے میں کوتاہی کا کفارہ کہ دوسرا ماہ رمضان آ جانے تک ادا نہ کیا گیا ہو۔

ساتویں درجہ پر نذر (منت) کا پورا کرنا ہے، خواہ وہ نذر حالت صحت کی ہو یا حالت مرض کی اور خواہ لوگوں کو اس کا علم ہو یا صرف وصیت کنندہ کو معلوم ہو۔

آٹھویں درجہ میں اس غلام کا آزاد کرنا ہے جس کی آزادی کا وعدہ حالت مرض میں کیا گیا ہو۔

نویں درجہ پر اس غلام کا آزاد کرنا ہے جس کے آزاد کرنے کی وصیت کی گئی ہو۔ اور وہ غلام وصیت کنندہ کے پاس ہو، مثلاً یہ کہا ہو کہ میرا فلاں غلام، یا کسی اور کے پاس ہو جیسے یہ کہنا کہ سعید جو زید کا یا کسی اور کا غلام ہے۔"

دسویں درجہ پر مکاتب ہے (یعنی وہ غلام جسے ایک مقررہ رقم لے کر آزاد کرنے کا وعدہ ہو۔)

گیارہویں وہ غلام جسے ایک سال میں آزادی کا وعدہ ہو۔ ایسے غلام کو اس پر فوقیت ہوگی جسے ایک سال سے زیادہ میں آزادی ملنی ہے۔ بارہویں ایسے غلام کا آزاد کرنا جس کی تعین نہ کی گئی ہو۔ مثلاً کسی نے صرف یہ کہا ہو کہ میری طرف سے ایک غلام کو آزاد کر دیا جائے۔

تیرہویں درجہ پر وصیت کنندہ کی طرف سے اجرت پر حج کرنے کی وصیت ہے اگر حج فرض کی ادائیگی کی وصیت ہو تو وہ غیر متعینہ غلام کے آزاد کرنے کے درجہ میں آئے گا۔ ان دونوں کی مانند وہ وصیت ہے جو میت کے مال میں سے ایک حصہ کی بابت کی جائے تو یہ وصیت کے عتق مطلق (بلا تعین) غلام کے آزاد کرنے یا حج فرض کی ادائیگی کی وصیت کے درجہ میں ہے۔ اگر یہ دونوں وصیتیں اکھٹی ہو جائیں تو ان دونوں میں سے ایک کو اپنا حصہ ملے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قبر پر قرآن خوانی کی وصیت کرنا صحیح ہے کیوں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو ملتا ہے درآنحالیکہ ان تین امور میں سے کوئی امر پایا جائے یعنی قبر کے قریب قرآن خوانی ہو یا اگر ایسا نہ ہو سکے تو قرآن پڑھ کر میت کے حق میں دعا کی جائے۔ اور اگر یہ بھی نہ کیا تو قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچنے کی نیت کرے۔ ان تینوں میں سے کوئی بات بھی ہو جائے تو میت کو ثواب ملے گا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ دعا کے ساتھ نیت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر قرآن پڑھنے والے کو دنیوی اجرت لینے کے باعث ثواب نہ ملے تب بھی میت کا ثواب ساقط نہ ہوگا، جیسا کہ اجارہ (کرایہ) کے بیان میں بتایا گیا۔ کہتے ہیں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

حج کے لئے وصیت کرنا خواہ وہ حج فرض ہو یا نفل درست ہے اور جو شخص کسی کی طرف سے حج کرے گا تو اسکا خرچ میقات احرام کی جگہ سے ادا کرنا واجب ہوگا، خواہ وصیت کنندہ نے یہ شرط لگائی ہو اور یہ کہہ دیا ہو کہ میری طرف سے حج کرنے والے کا حج میری میقات کی جگہ سے ہوگا۔ (یعنی اس مقام سے جہاں لوگ بہ نیت حج احرام باندھتے ہیں) یا اگر ایسی کوئی شرط نہ ہو تو جو جگہ شرعی طور پر احرام حج کے لئے مقرر ہے وہ مراد ہوگی اور شرعاً قرار یافتہ جگہ وہ ہے جہاں سے حج شروع ہوتا ہے یعنی میقات یعنی وہ مقامات جہاں پر مختلف سمت سے حج کو آنے والے حج کا احرام باندھتے ہیں۔)

لیکن اگر وصیت کنندہ نے ایسی جگہ سے حج کرنے کی شرط لگا دی جو میقات سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو اسی کے مطابق جیسی کہ شرط ہے عمل کیا جائے گا۔ لیکن یہ اسی حالت میں ہے جب کہ مقامات مذکورہ سے حج کرنے کے لئے ایک تہائی مال میں گنجائش ہو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو وصیت کنندہ کی طرف سے یہ حج میقات کے آگے سے شروع ہوگا، خواہ مکہ سے ہو، لیکن وصیت باطل نہ ہوگی۔ اگر ایک تہائی مال کسی طرح بھی کافی نہ ہو تو اس کی تکمیل اصل مال سے کی جائے گی۔ شافعیہ اس کا

Marfat.com

ایک خاص طریقہ بیان کرتے ہیں۔

وہ طریقہ یہ ہے کہ جب زید نے لازم سمجھا اور عمرو کے حق میں اپنے مال میں سے ایک سو اشرفی کی وصیت کی اور ساتھ ہی یہ بھی وصیت کی کہ اس کی طرف سے حج ادا کیا جائے جو اس پر فرض ہے۔ اب حج کے اخراجات بھی ایک سو اشرفی ہیں۔ اور ترکہ کی کل مقدار تین سو اشرفی ہے اور وارثوں نے ایک تہائی مال (ترکہ) یعنی ایک سو سے زیادہ وصیت پر (خرچ) کی اجازت نہیں دی) اور یہ رقم دونوں وصیتوں (یعنی عمرو کے حق میں سو اشرفی اور حج کے اخراجات) کے لئے کافی نہیں ہے تو حج کی تکمیل تو اصل مال (متروکہ) سے کر دی جائے گی لیکن جب تک کہ حج کی تکمیل کے بعد یہ نہ معلوم ہو کہ کل مال کا تہائی کس قدر ہے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ حج میں کتنا صرف ہوا۔ غرض تہائی مال کی مقدار کا جاننا اخراجات حج کے جاننے پر موقوف ہے۔ یعنی ایک مقدار کا جاننا دوسری مقدار کے جاننے پر منحصر ہے۔ اسے دور کہتے ہیں (جو ایک مشکل مسئلہ ہے۔) اس دور کی مشکل کو حل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اخراجات حج کی رقم جو معلوم نہیں ہے وہ قرض کر لی جائے (جس کو نکال کر ترکہ کی مقدار تین سو اشرفی سے کم ہوگی)۔ اس باقی ماندہ مقدار کا تہائی حصہ کم ہوگا یعنی 100 - 1/3 اور یہ تہائی حصہ عمرو اور اخراجات حج کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، لہٰذا ہر ایک کا حصہ پچاس اشرفی سے نامعلوم مقدار کا چھٹا حصہ کم ہوگا یعنی پھر 1/6 اس میں اس رقم کا اضافہ کیا جائے جو حج کے حصہ کی الگ کی گئی یعنی پچاس اشرفی اور نامعلوم رقم کا پانچ سدس یعنی 50+5/6 کیوں کہ یہ فرض کیا گیا کہ عمرو کے لئے پچاس اشرفی سے ایک نامعلوم رقم کا چھٹا حصہ کم مخصوص کیا گیا (یعنی ۵۰-1\6لا) اب اس رقم میں ایک حصہ اور بڑھا دیا جائے یعنی حصے پورے بڑھائے جائیں تو اس کا حصہ پچاس مع پانچ چھٹے حصے کے ہوگا (یعنی ۵۰-5\6لا) اور مسئلہ کی بنا بطریق حساب فرائض چھ پر ہو گیا اور ر پچاس کو چھ سے ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب تین سو اشرفی ہو گیا اور اسے پانچ سدس میں تقسیم کیا جائے تو ساٹھ حاصل آئیں گے اور یہ وہ نامعلوم رقم ہے جو اصل ترکہ سے لی گئی تا کہ حج ادا کیا جائے۔ اب اگر ساٹھ کو اصل ترکہ یعنی تین سو سے خارج کیا جائے تو باقی ۲۴۰ رہیں گے جس کا تہائی ۸۰ ہوتا ہے اس کو عمرو اور اخراجات حج میں تقسیم کیا جائے گا تو عمرو کے چالیس اور حج کے چالیس ہوں گے پھر اس چالیس کو جب ساٹھ کے ساتھ شامل کیا جائے تو ایک سو اشرفی بنتے ہیں جو حج کی مطلوبہ مقدار ہے۔

یہ مسئلہ حج (کی وصیت) کے بارے میں ہے لیکن اگر نفلی حج کی وصیت ہو اور ترکہ کے ایک تہائی مال میں میقات سے حج کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ صیت باطل ہے ہوگی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ باطل نہ ہوگی۔

مسجد کی تعمیر اور مرمت وغیرہ کے لئے وصیت کرنا درست ہے بشرطیکہ مہتمم (مسجد) اس کو قبول کرے۔

اگر وصیت کنندہ نے کہا کہ وصیت کی چیز مسجد کی ملیکت ہوگی تو یہ وصیت درست ہے بشرطکیہ اس نے یوں کہا ہو کہ میں فلاں چیز کی وصیت کے مسجد کے حق میں کرتا ہوں۔ اگر یوں کہا کہ فلاں چیز کو مسجد پر لگایا جائے تو یہ (وصیت نہیں بلکہ) مسجد کے لئے وقف تصور کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ ان امور مذکور کے علاوہ ان تمام امور کے لئے وصیت کرنا جائز ہے جس پر عمل کرنا مکروہ یا حرام نہ ہو۔ ورنہ وصیت جائز نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ علوم اور قرآن کو لکھنے کے لئے وصیت کرنا درست ہے۔ کیوں کہ یہ ایک نفع بخش کار ثواب ہے

Marfat.com

مخصوص اشخاص مثلاً پڑوسیوں اور قرابت داروں
وغیرہ کے حق میں وصیت کرنے کا بیان

اگر کسی نے کہا کہ میں اپنے پڑوسیوں اور قرابت داروں کے حق میں اتنے (مال) کی وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت درست ہے لیکن پڑوسیوں اور قرابتداروں کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

اور مسجد کے بارے میں یہ وصیت کرنا کہ مال وصیت کو اسکی اصلاح کے بارے میں صرف کیا جائے درست ہے۔

اگر کسی نے اپنی طرف سے حج کرائے جانے کی وصیت کی اور حج پر صرف کی جانے والی رقم کا تعین نہیں کیا تو حج پر جانے والے کو صرف مثلی مصارف دیے جائیں گے (یعنی محض وہ اخراجات جو بالعموم حج میں ہوتے ہیں)۔ اگر وہ مال راستے میں ضائع ہو جائے تو حج کو جانے والا اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ بیمار ہو جائے یا حج سے روک دیا جائے (تب بھی صرف شدہ رقم کا وہ ذمہ دار نہ ہوگا) لیکن اگر وہی گمان لاحق ہو جائے کہ وہ مریض ہے یا مریض ہو جانے کا اندیشہ ہو اور واپس آ جائے تو جو کچھ خرچ ہوا وہ اس کے ذمہ ہوگا۔

اگر وصیت کنندہ نے رقم کا تعین کر دیا مثلاً یوں کہا کہ ایک ہزار میں میری طرف سے حج کرو تو وارث پر لازم ہے کہ متوفی کے مال کا ایک حصہ اس خرچ کے لئے نکالے بشرطیکہ ایک تہائی مال میں حج کے لئے گنجائش ہو لیکن حج پر اتنا ہی خرچ کیا جائے جو عام طور پر ہوتا ہے (اگر ایک بار حج سے مال بچ رہے تو) دوسری بار بھی کیا جائے۔ اور صحیح یہ ہے کہ حج کی ابتدا میقات سے ہوتی ہے۔ مقام میقات سے پہلے جو سفر طے کیا ہے اس کا شمار سفر حج میں نہیں ہے۔ اگر وصیت کنندہ نے ایک شخص کی تعیین کر دی ہے کہ فلاں شخص اس کی طرف سے حج کرے تو اس پر عمل درآمد لازم ہے۔ اس کے کسی وارث کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی طرف سے حج کرے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس بارے میں وصیت کنندہ نے کچھ نہ کہا ہو، کسی خاص شخص کی تعیین نہ کی ہو۔ ہاں وصیت کنندہ کا یہ کہنا کہ فلاں وارث میری طرف سے حج کرے درست ہے۔

واضح ہو کہ خیرات کرنے کی وصیت حج نفل کی وصیت سے بہتر ہے اور قبروں پر جو امور ممنوعہ کیے جاتے ہیں ان کے لئے وصیت کرنا درست نہیں ہے مثلاً قبر کی ناجائز تعمیر جس سے مراد ایک بالشت سے زیادہ قبر کا اونچا کرنا ہے وغیرہ۔ ایک بالشت تو قبر کی جگہ کا پتہ لگانے کے لئے رکھا جاتا ہے باقی امور ممنوعہ جنازہ کے ممنوعات میں سابقاً بتا دیئے گئے ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا میں اتنے (مال) کی اپنے پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت اس کے مکان سے ملحق پڑوسیوں کے حق میں ہوگی اور ہر وہ مکان جو اس کے ساتھ دائیں یا بائیں یا پشت کی جانب سے اس کے مکان کے ساتھ لگا ہوا ہے اس کے رہنے والوں کو مال وصیت برابر دیا جائے گا خواہ رہنے والے مسلمان ہوں یا ذمی یا مرد ہوں یا عورت ہوں اور دروازے ان کے قریب قریب ہوں یا فاصلہ سے ہوں۔ صرف مکان ایک دوسرے سے ملحق ہونا

چاہیے۔تاہم کوئی شخص (پڑوس کے) مکان کا مالک ہولیکن اس میں رہتا نہ ہوتو اسے وصیت میں سے کچھ نہ ملے گا۔یہ امام (ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) کی رائے ہے،لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ پڑوسی میں تمام اہل محلّہ شامل ہیں اوران سے مراد وہ ہیں جن کی مسجد ایک ہواور جو جماعت میں شریک ہوتے ہوں اور جن کے لئے ایک اذان ہوتی ہو کیوں کہ عرف عام میں پڑوسی کا اطلاق ان ہی لوگوں پر ہوتا ہے۔

اگر کسی نے کہا کہ میں اس قدر (مال) کی وصیت اپنے سسرال والوں کے حق میں کرتا ہوں تو اس میں اس کا ہر وہ شخص مستحق ہو جائے گا جو اس کی بیوی کے ساتھ رشتہ رکھتا ہے کیوں کہ سب اس کے سسرال والے ہیں۔لہٰذا وصیت کے مال میں سے بیوی کے باپ، دادا، چچا، بھائی اور ماموں اور تمام خون کے شریک رشتہ دار حق دار ہوں گے۔اسی طرح اس کی بیوی کے باپ، چچا اور ماموں کی بیوی کے تمام رشتہ دار اور پھران کے خونی رشتہ دار شامل ہیں کیوں کہ یہ سب اس کے سسرال والے ہیں،تاہم ایسی صورتوں میں عرف عام کا اعتبار ہوتا ہے،پس اگر بالعموم سسرالی رشتہ دار صرف بیوی کے باپ دادا کو سمجھا جاتا ہو تو اسی پر عمل کیا جائے گا۔یہ وصیت اس کے حق میں ہوگی جس کا سسرالی رشتہ موت کے وقت باقی ہو بایں لحاظ کہ وہ عورت جس کی وجہ سے سسرالی رشتہ واجب ہوتا ہے وہ عورت وصیت کنندہ کی ذمہ داری میں ہو۔اگر اسے موت سے پہلے اس نے طلاق بائن (یعنی عقد توڑنے والی طلاق) دے دی ہے تو اب اس کے قرابت دار اس وصیت میں شامل نہ ہوں گے، کیوں کہ ایسی صورت میں وہ لوگ اس کے سسرال والے نہیں سمجھے جائیں گے۔اگر وصیت کنندہ نے طلاق دے دی ہے لیکن ہنوز اس کی بیوی عدت میں تھی کہ اس کی وفات ہوگئی تو اگر وہ طلاق رجعی تھی (یعنی اس سے رجوع کیا جاسکتا تھا) تب تو اس کے رشتہ دار سسرال والے متصور ہوں گے اور مال وصیت کے حق دار ہوں گے۔لیکن اگر وہ طلاق بائنہ تھی (جس سے رجوع نہیں ہوسکتا) تو اس کے رشتہ دار سسرال والے شمار نہ کیے جائیں گے۔

اگر یوں کہا کہ میں اپنے دامادوں کے حق میں اس قدر (مال) کی وصیت کرتا ہوں تو اس میں اس کی بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ اور ہر خون کی رشتہ دار خاتون مثلاً بھانجی، نواسی اور پوتی کے خاوند سب شامل ہوں گے۔اور اس میں بھی عرف کا اعتبار کیا جائے گا کہ اگر بالعموم لفظ داماد کا اطلاق ہر خون کی رشتہ دار خاتون کے خاوندوں پر کیا جاتا ہے تو اس وصیت میں سب شامل ہوں گے۔مثلاً بیٹی کا خاوند داماد، پھوپھی کا خاوند داماد اور خالہ کا خاوند داماد متصور ہوگا۔اب اگر عرف عام میں دامادی کا اطلاق ان سب پر اور ان سب کے رشتہ داروں کے خاوندوں پر بھی ہوتا ہے تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا لیکن اگر دامادی کا لفظ صرف بیٹی کے خاوند کے لئے بولا جاتا ہے تو اسی پر عمل ہوگا وعلی ہذا القیاس۔

اگر کسی نے کہا کہ میں اپنے مال کی وصیت اپنے اہل کے حق میں کرتا ہوں تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ 'اہل' کا لفظ بیوی کے لئے مخصوص قرار دیتے ہیں اور صاحبین کہتے ہیں کہ اس میں نوکروں کے علاوہ وہ تمام لوگ شامل ہیں جن کا نان نفقہ اس کے ذمہ ہے۔امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اہل درحقیقت بیوی کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وسار باھلہ (یعنی حضرت موسیٰ اپنی اہل یعنی بیوی کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے) اور ارشاد باری ہے "وقال لاھلہ امکثوا" (یعنی انھوں نے اپنے اہل یعنی بیوی سے کہا کہ یہاں ٹھہرو) اور عرف کو لغت

Marfat.com

سے مطابقت ہونی چاہیئے۔ چنانچہ یوں بولتے ہیں کہ ''تاھل من جھة کذا'' (یعنی اس طرح اس کی شادی ہوئی) لہٰذا اگر ایک شخص کہے کہ میں اپنے اہل کے حق میں اتنے (مال) کی وصیت کرتا ہوں تو اس کا اطلاق حقیقی معنوں کے لئے ہوگا جن میں وہ مستعمل ہے۔

اور صاحبین کا کہنا یہ ہے کہ لغوی معنے جس میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ قریبی رشتہ داروں اور اس کے کنبہ کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''فنجیناہ واھلہ الا امراتہ'' (یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کو اور اس کی بیوی کے علاوہ اس کے کنبہ کو بچالیا)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ لفظ اہل کو عام معنوں میں استعمال ہونے کے خلاف نہیں ہیں لیکن ان کا کہنا یہ ہے اس لفظ کے حقیقی معنے بیوی کے ہیں۔ ہاں اگر کوئی قرینہ ایسا ہو جو اس کے عمومی معنے پر دال ہو جیسا کہ اس آیت میں حرف استثناء موجود ہے، تو ایسی صورت میں اس کے عمومی معنی مراد لئے جائیں گے۔ تاہم جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایسے امور میں معنی معروف مراد لئے جائیں تو عرف پر ہی تمام مسائل کو قیاس کیا جائے گا۔

اگر کسی نے کہا کہ میں اس قدر (مال) کی اپنے اہل بیت (کنبہ) کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس میں اس کا تمام قبیلہ (خاندان) جس کی جانب اس کو منسوب کیا جاتا ہے شامل ہے، کیوں کہ ''آل'' اس قبیلہ کو کہتے ہیں جس کی طرف اس شخص کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اور اس (وصیت) میں اس کے تمام آباواجداد جو وارثوں میں نہ ہوں شامل ہیں اور اس میں ایک شخص کا خاندانی سلسلہ جو اسلام کی رو سے اس کے مورث اعلیٰ تک جس سے ہر ایک کو منسوب کیا جاتا ہے سب شامل ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فلاں کے اہل بیت میں سے ہے۔ اس میں بیٹیوں، بہنوں اور ماں کی طرف کے رشتہ داروں میں سے کسی کی اولاد داخل نہیں ہے کیوں کہ اولاد کی نسبت باپ کی جانب کی جاتی ہے ماں کی طرف نہیں کی جاتی۔

اگر کہا کہ میں اپنے مال کی بابت اپنے ہم جنس (یعنی اپنے جیسوں) کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس کے باپ کے اہل بیت (کنبہ والے) شامل ہوں گے۔ کیوں کہ ایسی صورتوں میں جنس سے مراد نسب (خاندان) ہے اور نسب (یعنی خاندان) باپ سے چلتا ہے۔ اہل بیت اور اہل نسب کہنے کے بھی یہی معنے ہیں۔ پس کسی عورت کا لڑکا اس کی جنس میں سے نہیں ہوتا کیوں کہ اس کی اولاد کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ شرافت نسبی کا اعتبار بھی صرف ماں سے نہیں ہوتا اگرچہ ماں کو فی الجملہ برتری حاصل ہو اسی لے اس کے ساتھ اشراف کا سلوک نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ روا ہوگا کہ وہ خیرات لے اور ایسے شخص کو اس عورت کا ہم پلہ قرار نہیں دیا جاسکتا جو باپ کی طرف سے شرافت نسبی رکھتا ہو۔ چنانچہ وہ مال جو شرفاء کے لئے وقف ہو اس میں سے نہیں لے سکتا تا آنکہ کسی کے حق میں خاص طور پر صراحت نہ کردی گئی ہو۔

اگر کسی نے کہا کہ میں اس قدر مال کی وصیت اپنے اقارب اور رشتہ داروں کے حق میں کرتا ہوں تو ان الفاظ کے مفہوم کے بارے میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام صاحب کہتے ہیں کہ اس لفظ میں وصیت کنندہ کے قریب ترین، ان کے بعد پھر قریب ترین رشتہ دار شامل ہیں اور یہ وصیت درست نہ ہوگی، جب تک حسب ذیل چار شرطیں نہ پائی جائیں:

ایک شرط یہ ہے کہ مستحقوں کی تعداد دو یا زیادہ ہو۔ اگر قریب ترین رشتہ دار صرف ایک ہی ہے تو وہ مال وصیت میں

Marfat.com

سے نصف لے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مال وصیت کا مستحق وصیت کنندہ کا کوئی ایسا قرابت دار نہ ہو جسے کوئی اور موجود وارث ورثہ سے محروم کردے۔ اگر ایسا وارث موجود ہے جو اسے ورثہ سے محروم کردے تو وہ وصیت سے بھی محروم ہو جائے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ وصیت کنندہ کا قرابت دار خون کے (خاندانی) رشتہ سے ہو، اگر کسی اور طرح کا رشتہ دار ہے تو وہ مستحق نہ ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ رشتہ دار وصیت کنندہ کا وارث نہ ہو۔ واضح ہو کہ اس لفظ (قرابت دار یا رشتہ دار) کے تحت وصیت کنندہ کے والدین اور اس کی اپنی اولاد نہیں آتے کیوں کہ ان کو وصیت کنندہ سے ایسی گہری وابستگی ہے کہ انھیں محض قرابت دار نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن پوتا اور دادا اس میں داخل ہیں اور اس بارے میں کافر اور مسلمان چھوٹے اور بڑے سب برابر ہیں۔ صاحبین کا کہنا یہ ہے کہ اس لفظ میں ہر وہ شخص شامل ہے جس کو ماں باپ کی طرف سے وصیت کنندہ کے ساتھ نسبت ہے اور اس میں قریب کا اور دور کا رشتہ دار اور فرد یا جماعت، کافر اور مسلمان، چھوٹے اور بڑے سب شامل ہیں۔

اگر کسی نے 'اقارب' کے حق میں وصیت کی اور دو چچا اور دو ماموں چھوڑ کر وفات پا گیا اور یہ لوگ مثلاً بوجہ اس کی اولاد کے موجود ہونے کے وارث نہیں ہوئے تو امام صاحب کی رائے کے مطابق دونوں چچاؤں کے درمیان مال وصیت نصفا نصف تقسیم کیا جائے گا، کیوں کہ ان میں (وصیت کا حق دار ہونے کی) تمام شرطیں پائی جاتی ہیں یعنی وہ دو ہیں اور دونوں نسلی رشتہ دار ہیں اور کوئی وارث ایسا نہیں جو انھیں وصیت سے محروم کردے اور دونوں کا شمار وارثوں میں نہیں ہے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک مال وصیت کو دونوں چچاؤں، دونوں ماموؤں کے درمیان بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے گا۔ اس طرح ہر ایک کو وصیت کا چوتھائی حصہ ملے گا کیوں کہ اقارب کا لفظ ہر ایسے شخص کو شامل ہے جسے وصیت کنندہ کے ساتھ (خاندانی) نسبت ہے۔

اگر ایک شخص ایک چچا اور دو ماموں چھوڑ کر وفات پا گیا تو امام صاحب کے نزدیک چچا کو نصف مال اور دونوں ماموؤں کو باقی نصف ملے گا کیوں کہ چچا پر یہ شرطیں عائد ہوتی ہیں اور کوئی ایسا وارث نہیں جو اس وصیت سے محروم کردے لیکن چونکہ وہ ایک ہے اس لئے اسے نصف مال وصیت ملے گا، کیوں کہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ پورا مال وصیت نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ مستحقین کی تعداد دو نہ ہو۔ ایک ہی شخص مستحق ہو تو اسے نصف ملے گا۔ باقی نصف ان کو ملے گا جنھیں مال وصیت سے مانع کوئی امر نہیں ہے یعنی (اس صورت میں) ماموؤں کو۔ لیکن صاحبین کے نزدیک مال وصیت کے تین حصے ہوں گے اور ہر ایک کو ایک تہائی ملے گا کیوں کہ اقارب کا لفظ ان سب کو ایک ہی نسبت سے شامل ہے۔

اگر ایک شخص نے وفات پائی اور ایک چچا چھوڑا تو اسے مال وصیت کا آدھا حصہ ملے گا اور باقی نصف ورثاء کی طرف لوٹایا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک اسکا رشتہ دار لے گا گو محرم نہ ہو۔

اگر کوئی شخص ایک چچا اور ایک پھوپھی چھوڑ کر وفات پا گیا تو مال وصیت ان دونوں میں نصفا نصف برابر سرابر تقسیم ہوگا کیوں کہ رشتہ داری کے اعتبار سے ان دونوں کا درجہ ایک ہے۔

واضح ہو کہ وصیت کی تقسیم کا وہ مقصد نہیں ہوتا جو وراثت کی تقسیم کا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وصیت کا واحد حق دار چچا ہوتا پھوپھی نہ ہوتی۔ تقسیم وراثت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب بہت سے قربت دار ہوں تو قریب ترین کو قریب تر قرابت دار پر مقدم رکھا جائے گا۔

اگر کسی نے کہا کہ میں اپنے قرابت دار یا قرابت داروں یا راشتہ داروں کے حق میں وصیت کرتا ہوں اور اس کا صرف ایک چچا ہے تو وہی پورے مال وصیت کا حق دار ہوگا، کیوں کہ ایسی صورت میں یہ شرط نہیں ہے کہ قرابت دار دو ہوں۔ اسی طرح اگر کسی کے ایک چچا اور دو ماموں ہیں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف چچا مال وصیت کا حقدار ہوگا، لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ سب کو بحیثیت مساوی تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ بتایا گیا۔

اگر (وصیت کنندہ نے) کہا کہ میں بنی محمد، بنی عثمان یا بنی سعد وغیرہ کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس کی دو صورتیں ہوں گی:

پہلی صورت یہ ہے کہ محمد، عثمان یا سعد ایک بڑی جماعت کے عمومی باپ (مورث اعلی) مانے جاتے ہوں یا پھر وہ خصوصی باپ ہوں۔ یعنی جماعت کثیر کے مورث اعلیٰ نہ ہوں۔ اگر کوئی (بزرگ) عمومیت ابوت رکھتا ہے جیسے بنی تمیم میں تمیم جو قبیلہ (خاندان) کا باپ (یعنی مورث اعلی) ہے تو یہ وصیت اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد کے حق میں اور بنی آدم میں سے ہر ایسے شخص کے حق میں ہوگی، جس پر اولاد ہونے کا لفظ یکساں طور پر عائد ہوتا ہو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ بشرطیکہ ان کا شمار کیا جا سکے اور اس کا اصول یہ ہے کہ اس کی تعداد حساب کتاب کیے بغیر معلوم ہو۔ نیز کہا جاتا ہے کہ اگر ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہو جائے تو اسے لاتعداد شمار کیا جائے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا فیصلہ قاضی کی رائے پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہو کہ شمار میں نہ آ سکے تو وصیت باطل ہوگی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ تمام عورتیں ہوں یا سب مرد ہوں۔ غرض (تمام ابناء کو) وصیت میں اسی صورت میں شامل کیا جائے گا جبکہ ان کی تعداد شمار میں آ سکے۔ اور ابوت عمومی (یعنی ابوفلاں جیسے الفاظ میں، ابوالشعب، ابوالقبیلہ، ابوالعمارہ، ابوالبطن، ابوالفخذ اور ابوالعفیلہ بھی شامل ہیں (یہ تمام الفاظ تقریباً ہم معنی ہیں اور بڑے خاندان یا ان کی مختلف شاخوں یا چھوٹے خاندان کے لئے بولے جاتے ہیں) ان میں سے ہر ایک اب (یا مورث اعلی) بہ ترتیب مذکورہ ایک دوسرے سے فوقیت رکھتا ہے۔ اس کی توضیح مثلاً قبائل قریش میں یوں ہے کہ مضر، ابوالشعب (قبیلہ شعب کے مورث اعلی) ہیں۔ لہٰذا اگر یوں کہا کہ میں بنی مضر، کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس میں تمام قبائل قریش شامل ہوں گے۔ اور اگر یوں کہا کہ اس قبیلہ کا اب (مورث اعلیٰ) کنانہ ہے۔ اور اگر کہا کہ میں بنی قریش کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس سے بنو کنانہ بنو مضر دونوں نکل جائیں گے کیوں کہ قریش کا ایک مستقل قبیلہ ہے۔ اگر کہا کہ میں بنی قصی کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو بنو قریش اور اس کے اوپر کے قبائل خارج ہو جائیں گے کیوں کہ قصی بطن (قبیلہ) کا مورث اعلیٰ ہے۔ اور اگر کہا کہ میں بنو ہاشم کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو بنو قصی اور اس کے اوپر کے قبیلے خارج ہو جائیں گے، کیوں کہ ہاشم فخذ قبیلہ کا مورث اعلی ہے۔ اگر کہا کہ میں بنو عباس کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس سے بنو ہاشم اور اس سے اوپر کے قبیلے خارج ہو جائیں گے کیوں کہ عباس فصیلہ (قبیلہ)

Marfat.com

کے مورث اعلی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان ناموں میں پہلے درجہ پر شعب ہے اس سے ملحق قبیلہ، پھر عمارہ پھر بطن پھر فخذ پھر فصیلہ ہے (یعنی اوپر نیچے کے بڑے چھوٹے خاندان ہیں) چنانچہ مضر شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ اور قصی بطن ہیں، ہاشم فخذ ہے اور عباس اور ابوطالب فصیلہ ہیں۔ بعض اصحاب قبیلہ کو مقدم سمجھتے ہیں۔ غرض عشائر (خاندانوں) میں پہلا نام شعب ہے، پھر قبیلہ پھر فصیلہ پھر بطن پھر فخذ پس اب العام (یعنی ابوت عمومی) میں ابوالشعب اور اسکے ساتھ کے خاندان شامل ہیں۔ لیکن اب الخاص (یعنی ابوت خصوصی) میں ایسا نہیں ہے۔ اب العام کے فرزندوں کے حق میں جو وصیت کی جائے اس کے متعلقہ مسائل بتائے جا چکے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہیکہ وصیت ابوت خصوصی کے حق میں ہو، لہٰذا اگر کہا کہ میں بنوفلاں کے حق میں وصیت کرتا ہوں اور اس کا مورث اعلی خاص ہو اور اس کی تمام اولاد نرینہ ہو تو یہ وصیت ان سب پر لاگو ہوگی اور اگر تمام عورتیں ہوں تو انھیں وصیت میں سے کچھ نہ ملے گا۔ اگر کچھ مرد اور کچھ اولاد ہوں تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ابوحنیفہ اور ابویوسف تو کہتے ہیں کہ وصیت کنندہ کی صلبی اولاد نہ ہو لیکن اولاد کی اولاد ہو اور وہ سب عورتیں ہوں تو وہ وصیت میں داخل نہ ہوں گی ہاں اگر وہ سب مرد ہیں تو داخل ہوں گے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ یوں کہا ہو کہ میں بنوفلاں کے حق میں وصیت کرتا ہوں لیکن اگر کہا کہ میں فلاں کے ولد (فرزند) کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اگر وہ ابوت خاصہ ہے تو اس کی صلبی تمام اولاد وصیت میں داخل ہوگی خواہ وہ صرف مرد ہوں یا صرف عورت ہوں یا مرد عورت مشترک ہوں، کیوں کہ لفظ 'ولد' میں مرد عورت سب شامل ہیں اور وہ بچہ بھی جو ہنوز پیٹ میں ہے بشرطیکہ چھ ماہ کے عرصہ میں زندہ پیدا ہو جائے داخل ہے۔ لیکن پوتا وصیت میں داخل نہیں ہے۔ ہاں اگر ابوت عمومی ہو تو اس وصیت میں صلبی اولاد کے ہوتے ہوئے بھی اولاد کی اولاد شامل ہوگی۔ اگر اب (خصوصی) کا صرف ایک ہی فرزند ہو تو وہی تمام وصیت کا حقدار ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر یہ کہا ہو کہ میں فلاں شخص کی اولاد کے حق میں وصیت کرتا ہوں اگر اس شخص کا ایک ہی فرزند ہے تو اس وصیت کا صرف نصف حصہ ملے گا۔

اگر کہا کہ میں فلاں شخص کی بیٹیوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں اور اس شخص کی صلبی بیٹیاں اور بیٹے ہیں تو اس وصیت میں بیٹے داخل نہ ہوں گے۔ ہاں اگر اس کے بیٹے اور بیٹوں کی بیٹیاں ہیں تو وہ بیٹیاں داخل ہوں گی، ان کے بیٹے اس وصیت میں داخل نہ ہوں گے، لیکن اگر اس کی بیٹیوں کے سوا اور کوئی اولاد نہ ہو تو ان کے وصیت میں داخل ہونے کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ لیکن اگر ایسی کوئی بات مذکور ہوئی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اسکا ارادہ بیٹوں کی بیٹیوں سے تھا تو اس پر بالاتفاق عمل کیا جائے گا۔

اگر کہا کہ میں زید کے ورثاء کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو مال وصیت میں اس کے ورثاء کا حق میراث کے شرعی قاعدے سے تقسیم ہوگا یعنی ہر نرینہ اولاد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملے گا۔ اس وصیت کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ زید جس کے ورثاء کے حق میں وصیت کی گئی ہے وہ وصیت کنندہ سے پہلے وفات پا جائے، کیوں کہ جب تک اس کی وفات نہ ہو اس کے ورثاء کا تعین نہیں ہو سکتا۔ اب اگر وصیت کنندہ زید سے پہلے وفات پا گیا تو زید کے وارثوں کا تحقق نہیں

Marfat.com

ہوا، لہٰذا وصیت باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر یوں کہا کہ میں زید کے پس ماندگان کے حق میں وصیت کرتا ہوں (تب بھی پس ماندگان کا تحقق زید کی وفات کے بعد ہوگا)۔

اگر کہا کہ میں اس قدر (مال) بنوفلاں کے یتیموں کے حق میں وصیت کرتا ہوں، تو اس وصیت میں وہ یتیم داخل ہوں گے جن کے باپ ان کے بالغ ہونے سے پہلے وفات پا چکے ہوں، خواہ یہ یتیم مال دار ہوں یا محتاج ہوں، مرد ہوں یا عورت، لیکن شرط یہ ہے، کہ ان کا شمار کیا جا سکے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر ان کی تعداد معلوم نہ ہو سکے تو ان میں سے جو محتاج ہیں، یہ وصیت ان کے لئے مخصوص ہوگی۔

اسی طرح کی وہ وصیت ہے جو بنوفلاں کی بیواؤں یا نابیناؤں یا مریضوں کے حق میں کی جائے۔

اگر کہا کہ میں علویوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت درست نہ ہوگی کیوں کہ علویوں کا شمار ممکن نہیں ہے۔ اور وصیت میں کوئی ایسی بات مذکور نہیں ہے جس سے ان کی حاجت مندی ظاہر ہوتی ہو۔ اگر ایسا عام لفظ وصیت میں استعمال کیا جائے جو ایسی تعداد ظاہر کرتا ہو جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس میں ایسی بات ہو جس سے ان کی حاجت مندی کا پتہ چلے مثلاً یوں کہنا کہ میں بنوفلاں کے یتیموں یا اپاہجوں یا بیواؤں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت درست ہوگی اور فقیروں کے لئے مخصوص ہوگی، کیوں کہ یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ وصیت کنندہ کا مقصد ان لوگوں کی حاجت روائی ہے۔ لیکن اگر وصیت میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے (موصی لہم کی) حاجت مندی کا پتہ چلے بلکہ وہ عمومی قسم کی وصیت ہو اور لاتعداد اشخاص کے حق میں ہو تو وصیت باطل ہوگی۔

اسی طرح یہ کہنا بھی (باطل) ہے کہ میں علماء اور فقرا کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کی کوئی حد بندی نہ کی گئی ہو البتہ اگر یہ کہا جائے کہ (وصیت) ان کے فقراء کے حق میں ہے یا مخصوص طلباء کے حق میں (تو درست ہے)۔

اگر یہ کہا کہ میں اتنے (مال) کی وصیت مساکین کے حق میں کرتا ہوں تو روا ہے کہ مال وصیت کو ایک ہی مسکین پر صرف کر دیا جائے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں دو مسکینوں پر (کم از کم) خرچ کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر خاص مساکین کا ذکر کیا گیا ہے تو ان ہی پر خرچ کرنا لازم ہوگا۔

اگر کہا کہ یہ وصیت فلاں شہر کے فقیروں کے حق میں ہے تو جائز ہوگا کہ ان کے علاوہ دوسرے فقرا پر بھی صرف کر دیا جائے لیکن فتویٰ پہلی بات پر عمل کرنے کا ہے۔

اگر کسی نے محض وصیت کی جس میں فقیر اور غنی کی کوئی پابندی نہیں ہے تو یہ درست ہے، لیکن غنی کو اس میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے کیوں کہ وصیت کنندہ کی موت کے بعد مال وصیت کو ہبہ کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بخلاف صدقہ حاضر کے کہ اسے ہبہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر غنی کو صدقہ دیا جائے تو وہ ہبہ ہے اور فقیر کو اگر ہبہ کیا جائے تو وہ صدقہ ہے۔

اگر کسی نے عام وصیت کی جس میں غنی اور فقیر سب کو شامل کیا یا غنی کے لئے مخصوص وصیت کی تو وہ مال وصیت مال داروں کے لئے حلال ہے۔

Marfat.com

اگر کسی نے اپنے بھائیوں کے حق میں وصیت کی اور اس کے تینوں قسم کے بھائی ہیں یعنی ایک بھائی (حقیقی) جو کہ ماں باپ میں شریک ہے۔ دوسرا باپ شریک بھائی اور تیسرا ماں شریک بھائی اور اس کا ایک بیٹا بھی وارث ہے، تو یہ وصیت درست ہے اور تینوں بھائی ایک ایک تہائی مال وصیت کے حقدار ہوں گے۔ اگر اس کی کوئی بیٹی ہے تو یہ وصیت حقیقی بھائی کے حق میں باطل ہوگی کیوں کہ بیٹی ہو تو حقیقی بھائی وارث ہوتا ہے۔ باقی دونوں طرح کے بھائیوں کے حق میں وصیت صحیح ہوگی کیوں کہ وہ وارث نہیں ہوتے۔

اگر وصیت کنندہ کا کوئی بیٹا بیٹی نہیں ہے تو وہ وصیت باپ شریک بھائی کے حق میں ہوگی اور حقیقی بھائی اور ماں شریک بھائی کے حق میں باطل ہوگی کیوں کہ یہ دونوں وارث ہیں، باپ شریک بھائی وارث نہیں ہے۔

اگر کسی عورت نے اپنے آدھے مال کی بابت کسی اور شخص کے حق میں وصیت کی اور مر گئی اور اس کے پیچھے اس کا خاوند رہ گیا تو وہ اجنبی شخص پہلے ایک تہائی مال اس کے ترکہ سے لے لے گا، اس کے بعد باقی مال کا آدھا حصہ جو خاوند کا فریضہ ہے اسے ملے گا جو تمام مال کا ایک تہائی ہوگا۔ باقی ایک تہائی میں سے (نصف) یعنی کل کا چھٹا حصہ اس اجنبی کو اور ملے گا تا کہ (نصف مال کی) وصیت پوری ہو جائے، کیوں کہ اس نے اپنے آدھے مال کی وصیت کی تھی۔ باقی چھٹا حصہ بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جائے گا۔ اس طرح پر اگر اس عورت نے ترکہ میں تین سو اشرفی چھوڑی اور اس میں سے ایک سو پچاس اشرفیوں کی بابت کسی کے حق میں وصیت کی تو پہلے وصیت کی رقم ترکہ کا ایک تہائی حصہ یعنی ایک سو اشرفی وصیت کی تکمیل کے لئے نکالی جائے گی، باقی دو سو میں سے نصف یعنی ایک سو بطور فریضہ وراثت کے خاوند لے گا۔ باقی ایک سو میں سے نصف یعنی مزید پچاس، وہ شخص اجنبی لے گا جس کے حق میں وصیت کی گئی تھی۔ یہ تمام ترکہ کا چھٹا حصہ ہے جو اس کے سو میں شامل کیا جائے گا۔ اس طرح کل مال کا نصف جس کی وصیت کی گئی تھی مکمل ہو جائے گا۔ باقی پچاس بیت المال میں داخل کر دیے جائیں گے۔

اگر اپنے نصف مال کی بابت جس کے حق میں عورت نے وصیت کی وہ شخص اس عورت کا قاتل ہے تو اس کے مرنے کے بعد پہلے خاوند کو آدھا ترکہ دیا جائے گا کیوں کہ قاتل کے حق میں جو وصیت کی جائے میراث کی تقسیم اس سے مقدم ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا کہ میں اس قدر (مال) کی وصیت اپنے پڑوسیوں کے حق میں کرتا ہوں تو یہ وصیت ان پڑوسیوں کے حق میں ہوگی جو اس کے (گھر کے) ساتھ ملحقہ گھر میں رہتے ہوں۔ یہ گھر خواہ پیچھے سے ملحق ہوں یا آگے سے یا دائیں بائیں یا اوپر نیچے سے۔ اسی طرح آمنے سامنے رہنے والے بھی پڑوسی ہیں درآنحالیکہ درمیان میں پتلی سی گلی ہو۔ اگر درمیان میں کوئی بڑا بازار یا نہر حائل ہے تو ان کا شمار وصیت کی رو سے پڑوسیوں میں نہ ہوگا۔ پڑوسی میاں کے ساتھ بیوی بھی وصیت میں حق دار ہوتی ہے لیکن خود وصیت کنندہ کی بیوی جب کہ وہ کسی نہ کسی طرح وراثت سے محروم ہو اور وصیت کنندہ کے پڑوس میں رہتی ہو تو اسے پڑوسن نہیں سمجھا جائے گا کیوں کہ عموماً بیوی کو پڑوسن نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح خادم بھی اپنے آقا کے ساتھ پڑوسیوں میں شمار نہ ہوگا، ہاں اگر اس کا کوئی اپنا گھر وصیت کنندہ کے پڑوس میں ہو تو وہ بھی

Marfat.com

وصیت میں داخل متصور ہوگا۔

اس بارے میں کہ آیا پڑوسی کا چھوٹا بچہ اور کنواری لڑکی باپ کے ساتھ پڑوسیوں کے زمرہ میں داخل ہیں یا نہیں دو اقوال ہیں لیکن بعض اصحاب نے اس خیال کو قوی قرار دیا ہے کہ چھوٹا بچہ اور بیٹی اگر اپنا خرچ خود اٹھاتے ہوں اور اپنے باپ سے نہ لیتے ہوں تو بالاتفاق مال وصیت کے حق دار ہوں گے۔ اسی طرح بے خاوند کی عورت اور بڑا لڑکا بھی وصیت میں قطعی طور پر داخل ہوں گے کیوں کہ ان کا خرچ، ماں باپ پر واجب نہیں ہے۔ اور مال وصیت کا مستحق پڑوسی وہ ہے جو مال وصیت کی تقسیم کے وقت پڑوسی ہو۔ اگر پڑوسی وصیت کی تحریر کے بعد اور تقسیم مال وصیت کے وقت کوئی اور شخص آ گیا تو وصیت کا حق دار نیا پڑوسی ہوگا۔ وعلی ہذا القیاس

اگر کسی نے کہا کہ میں مسکینوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو مسکینوں میں فقیر بھی داخل سمجھے جائیں گے۔ اسی طرح اگر فقرا کے حق میں وصیت کی تو مساکین بھی ان میں داخل ہوں گے اگرچہ دونوں کی تعریف مختلف ہے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو لیکن اتنا رزق نہ ہو جسے بالعموم کافی سمجھا جاتا ہے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وصیت کسی ایک کے حق میں خاص نہ کر دی گئی ہو۔ اگر یوں کہا کہ مسکینوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں فقیروں کے حق میں نہیں یا اس کے برعکس کہا تو اس صورت میں وہ وصیت اسی کے لئے خاص ہوگی جس کا تعین کیا گیا۔

اگر کہا کہ میں اپنے قرابت داروں یا اپنے اہل کنبہ یا رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اگر اس کے ایسے پدری رشتہ دار ہیں جو ورثہ کے حق دار نہیں ہیں تو یہ وصیت صرف ان ہی کے حق میں متصور ہوگی، ماں کی طرف سے جو قرابت دار ہیں ان کے حق میں نہ ہوگی۔ لیکن اگر ایسے پدری رشتہ دار موجود ہوں جو ورثہ کے حق دار ہیں تو یہ وصیت ایسے مادری رشتہ داروں کے حق میں ہوگی جو وارث نہیں ہیں۔

اگر کہا کہ میں فلاں شخص کے قرابت داروں یا ان کے کنبہ والوں یا رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت اس شخص کے صرف پدری قرابت داروں کے حق میں ہوگی خواہ وہ اس کے وارث ہوں یا نہ ہوں کیوں کہ وصیت جن کے حق میں منع ہے وہ وصیت کنندہ کے ورثاء ہیں دوسروں کے ورثاء کے حق میں منع نہیں ہے۔ اگر اس شخص کے پدری قرابت دار نہ ہوں تو وہ وصیت مادری قرابت داروں کے حق میں ہوگی اور مال وصیت میں محتاج کا حصہ زیادہ ہوگا خواہ مادری قرابت دار ہوں یا پدری قرابت دار۔ اگر سب یکساں محتاج ہوں تو ہر ایک کا حصہ مساوی ہوگا۔ اگر کچھ کم محتاج ہوں اور کچھ زیادہ محتاج ہوں تو زیادہ احتیاج والے کو زیادہ حصہ ملے گا خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہو یا دور کا۔ ہاں اگر وصیت کنندہ نے (وصیت پر عمل درآمد کے لئے) خاص حالات کا تعین کر دیا ہو تو اسی کے مطابق عمل ہوگا، مثلاً وصیت کنندہ نے یہ کہا کہ پہلے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کو دیا جائے پھر اس کے بعد کے قریبی رشتہ دار کو یا یہ کہا ہو کہ فلاں شخص کو دیا جائے غرض وصیت کنندہ کی تصریح کے مطابق قریب ترین کو مقدم رکھا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو امتیازی حصہ ملے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ کل مال وصیت اسے مل جائے۔ ایسا نہ کیا گیا تو وہ وصیت جو قرابت داروں کے حق میں کی گئی ہے باطل ہو جائے

Marfat.com

گی۔

اگر کسی نے اپنے مسلمان خدمت گاروں کے حق میں وصیت کی اور اس کے خدمت گار مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی تو اس صورت میں مسلمان ملازم وہ مانا جائے گا جو وصیت کے وقت مسلمان رہا ہو۔ اگر وصیت کے بعد کوئی ملازم مسلمان ہو گیا تو وہ مال وصیت کا مستحق نہ ہوگا خواہ وہ وصیت والے دن ہی مسلمان ہو گیا ہو۔

اگر کسی نے اپنی بکریوں کے بچوں کی بابت زید کے حق میں وصیت کی یا ان بچوں کی بابت جو بکریوں سے پیدا ہوں گے یا ہو چکے ہوں تو اس میں وہ بچے بھی داخل ہیں جو ہنوز بکریوں کے پیٹ میں ہیں۔

اگر کسی کا تعین کیے بغیر کہا کہ میں بنو تمیم یا بنو زہرہ کے حق میں یا غازیوں کے حق میں یا جامعہ ازہر والوں کے لئے یا فلاں مدرسہ کے لئے وصیت کرتا ہوں تو وہ شخص جو تقسیم وصیت کا مہتمم ہے اسے چاہیے کہ وہ ان میں سے جو اشخاص مل جائیں مال وصیت کو اپنی رائے کے مطابق ان میں تقسیم کر دے۔ بالعموم یہ ضروری نہیں کہ سب ہی کو دیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کا حصہ برابر ہو۔ لیکن اگر ان اشخاص کی تعیین کر دی گئی ہو جن کے حق میں وصیت کی گئی ہے مثلاً یہ کہا ہو کہ میں بنو تمیم یا بنو محمد کے فلاں فلاں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو واجب ہے کہ ان سب کو مال وصیت سے برابر کا حصہ دیا جائے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اگر ان متعین اشخاص میں سے کوئی شخص مال وصیت کی تقسیم سے پہلے مر جائے تو اس کا حصہ اس کے وارثوں کو دیا جائے گا۔ لیکن جو اولاد (بعد میں) پیدا ہوئی وہ اس میں داخل نہ ہوگی۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ اشخاص کا تعین نہ کیا گیا ہو مثلاً یہ کہ (یہ وصیت) بنی تمیم (کے لئے ہے)۔ ایسی صورت میں اگر مال تقسیم سے پہلے ان میں سے کوئی مر گیا تو وہ مستحق نہ ہوگا اور جو اس سے پہلے پہلے پیدا ہوا وہ مستحق ہوگا۔

اگر ان اشخاص کا شمار ممکن ہو جن کے حق میں وصیت کی گئی ہے لیکن وصیت کنندہ نے ان کے نام نہیں بتائے مثلاً یوں کہا کہ میں محمد کی اولاد کے حق میں یا اپنے بھائی اور اس کی اولاد کے حق میں یا اپنے ماموؤں اور ان کی اولاد کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں وہی حکم ہے جو ایسے لوگوں کے بارے میں ہے جن کی تعیین نہیں کی گئی، لہٰذا جو لوگ مل جائیں گے ان میں مال وصیت تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور یہ ضروری نہ ہوگا کہ سب کا حصہ برابر ہو۔ پھر اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کا حصہ اسکے ورثاء کو منتقل نہ ہوگا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ان کی حیثیت معین اشخاص کی سی ہے اور یہی قول زیادہ قرین قیاس ہے۔ پس ایسی صورت میں مال وصیت اسی طرح تقسیم کیا جائے گا جس طرح متعین اشخاص کے درمیان میں کیا جاتا ہے۔

اگر کہا کہ بنو فلاں کے مردوں کے حق میں یا ان کی عورتوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت تمام چھوٹے بڑے، مردوں اور عورتوں کو شامل ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کی گئی تو اس میں اس کے چاروں اطراف میں سے ہر طرف کے چالیس گھر شامل ہیں۔ اس طرح اکثر حالات میں کل گھروں کی تعداد ایک سو ساٹھ ہوگی۔ اگر ان پڑوسیوں میں سے کوئی پڑوسی مال وصیت کو قبول نہ کرے تو اس کا حصہ بھی باقیوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور مال وصیت کی تقسیم اس ص۔۔۔

میں گھروں کی تعداد کے مطابق ہوگی، ان میں رہنے والوں کی تعداد کے مطابق نہ ہوگی۔ اس کے بعد ہر گھر کا حصہ اس میں رہنے والوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگر وصیت کا مال تمام گھروں کی تعداد کے لئے کافی ہو کہ حتی الامکان کچھ نہ کچھ مال ہر گھر کے حصہ میں آجائے تو اس پر عمل کیا جائے گا، بصورت دیگر نزدیک ترین گھر کو پہلے پھر اس کے بعد کے نزدیک ترین گھر کو ملے گا۔ اس امر میں کہ آیا پڑوسی سے مراد مالک مکان پڑوسی ہوگا یا اس میں رہنے والا پڑوسی، دو قول ہیں یعنی بعض کے نزدیک مالک مکان پڑوسی ہے اور بعض کے نزدیک رہائش رکھنے والا بہر حال پڑوسی اسے تسلیم کیا جائے گا جو وصیت کنندہ کی وفات کے وقت پڑوسی رہا ہو۔ پس اگر وصیت کنندہ وفات پا جائے اور پڑوسی اسی مکان میں رہتا ہے یا اس مکان کا مالک ہے تو وہ مال وصیت کا حق دار ہوگا۔ اگر اس کی موت کے بعد حالت بدل گئی کہ وہاں سے منتقل ہو گیا یا مکان کو فروخت کر دیا تو مال وصیت کا حق دار نہ ہوگا۔

اگر کسی نے عالموں کے حق میں وصیت کی تو مال وصیت کو علوم شرعیہ: تفسیر، حدیث، فقہ اور توحید کے عالموں پر، جو عرف عام کے مطابق عالم خیال کیے جاتے ہیں، خرچ کیا جائے گا۔ اور وصیت پر عمل درآمد کے لئے یہ کافی ہوگا کہ مال وصیت کو ان تمام علوم کے تین علماء پر صرف کیا جائے، لہٰذا اگر مفسر، محدث اور فقیہ پر خرچ کیا گیا تو وصیت پر عمل درآمد پورا ہو گیا۔

واضح ہو کہ تفسیر کا عالم وہ ہے جو کتاب اللہ کی معرفت رکھتا ہو اور اس (کے مطالب) کو بیان کرنے اور مسائل کے اخذ کرنے کا مقصد جانتا ہوں۔ پس ایک مفسر کو ان مسائل توقیفی کا جاننا واجب ہے جن کا ثبوت نقلی دلائل سے ہوتا ہے اور وہ ان نقلی دلائل کا عالم ہو۔ اسی طرح وہ ان عقلی مسائل سے واقف ہو جس کا سمجھنا دوسرے علوم کے جاننے پر موقوف ہو۔ اگر مسائل کے اخذ کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے مفسر نہیں کہیں گے۔

عالم حدیث وہ ہے جو روایت کردہ احادیث کی کیفیت سے آگاہ ہو کہ وہ روایت صحیح (درست) ہے یا سقیم (نادرست) ہے یا علیل (یعنی اس کی کوئی علت) ہے۔ حدیث کا عالم وہ شخص نہیں ہے جس کا علم محض سماعی ہو۔

فقیہ وہ ہے کہ وہ ہر قسم کے احکام (شریعت) کا اتنا وقوف رکھتا ہو کہ اس کے ذریعہ سے دوسرے احکام شریعت کو جان سکے (یعنی اس میں قوت استنباط) ہو گو مجتہد نہ ہو۔

متکلم یعنی علم کلام جاننے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس صفات کو سمجھتا ہو اور وہ باتیں جانتا ہو جو ذات باری سے بعید ہیں اور ان کے دلائل سے واقف ہو۔ علوم دینی میں یہ سب سے اہم علم ہے۔ اس میں جو امر قابل مذمت ہے وہ ایسی باتوں کا سوچنا ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔

اگر ایک شخص نے کسی خاص شہر کے علماء کے حق میں وصیت کی لیکن وصیت کے وقت وہاں کوئی عالم نہ تھا، البتہ علوم شرعیہ مذکورہ کے علاوہ دوسرے علوم کے علماء موجود تھے تو اس وصیت کا اطلاق ان لوگوں کے لئے ہوگا۔ اگر وہ بھی نہ ہوں تو وصیت باطل متصور ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اپنی بکریوں کے بارے میں وصیت کی لیکن اس وقت اس کے پاس بکریاں نہیں تھیں البتہ ہرنیاں تھیں تو وصیت کا اطلاق ہرنیوں ہی پر ہوگا۔

اگر کسی نے فقرا یا مساکین کے حق میں وصیت کی تو اس میں مساکین اور فقرا دونوں داخل ہوں گے لیکن ان سے ان فقرا و مساکین مراد ہوں گے۔ اگر ان دونوں کے حق میں یکجائی وصیت کی اور یوں کہا کہ میں فقرا اور مساکین کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو مال وصیت دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگا۔

واضح ہو کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو لیکن گزارے کے لئے ناکافی ہو۔

وصیت پر عمل درآمد کے لیے مال وصیت ان میں سے تین اشخاص کے درمیان تقسیم کر دینا کافی ہے، کیوں کہ جمع کی کم سے کم تعداد تین ہے جیسا کہ علماء کے درمیان تقسیم وصیت کے بیان میں سابقا بتایا گیا۔ مال وصیت کی تقسیم کا ذمہ دار ایسا شخص ہونا چاہیے کہ وہ علماء میں امتیاز کر سکتا ہو خواہ مال وصیت تین اشخاص میں تقسیم ہو یا زیادہ میں۔

اگر مال وصیت کی تقسیم کے لئے کسی ایک شہر کے فقرا کو خاص کیا جائے اور وصیت کے وقت اس شہر میں فقراء نہ ہوں تو وہ وصیت بے کار ہوگی۔

اگر ایک شخص نے زید کے اور فقرا کے حق میں وصیت کی تو وصیت درست ہوگی اور زید کو سب کے برابر ملے گا۔ لیکن زید کو محروم کرنا درست نہیں ہے بلکہ اسے ملنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے فقراء کے بارے میں تقسیم کنندہ کو اختیار ہے کہ کسی ایک کو دے یا نہ دے بلکہ دوسرے کو دے دے۔

اگر ایک خاص جماعت کے حق میں وصیت کی جس کی تعداد معلوم نہ ہو مثلاً یوں کہا کہ میں یہ وصیت تمام علویوں کے حق میں یعنی جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ہیں، کرتا ہوں تو وصیت درست ہوگی اور ان میں سے تین یا زیادہ اشخاص میں مال وصیت کو تقسیم کر دیا گیا تو وصیت کی تکمیل ہو جائے گی، جیسا کہ فقرا و مساکین کے حق میں وصیت کی تقسیم میں ہوتا ہے۔

اگر کسی شے کی وصیت زید کے قرابت داروں کے حق میں کی گئی تو یہ وصیت زید کے ہر ایسے قرابت دار کے حق میں ہوگی جو اس کے دادا یا نانا کی اولاد میں سے ہو، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، فقیر ہوں یا غنی اور خواہ زید کے وارث ہوں یا نہ ہوں۔ (اس صورت میں) زید کے اس دادا یا نانا کو ایک قبیلہ شمار کیا جائے گا جس میں اس سے اوپر کی اولاد اور یا اس کی اولاد جو رتبہ میں اس کے برابر ہے داخل نہ ہوگی۔ مثلاً اولاد عباس کے حق میں وصیت کی گئی تو اس میں نہ عبدالمطلب کی اولاد داخل ہوگی اور نہ ابوطالب کی۔ اسی طرح اگر زید حسنی کے قرابت داروں کے حق میں ہو تو اس میں حسین کی اولاد داخل نہ ہوگی۔ وعلی ہذا القیاس۔ نیز خود زید اس وصیت میں داخل نہ ہوگا تا آنکہ اس کا وصف یا اس کی صراحت وصیت میں نہ ہو۔ قرابت داروں میں باپ یا بیٹا داخل نہیں ہیں کیوں کہ عرف عام میں انھیں قرابت دار یا رشتہ دار نہیں کیا جاتا۔ البتہ اولاد کی اولاد داخل ہیں۔

واضح ہو کہ وصیت میں تمام قرابت داروں کا شریک ہونا اور سب کو برابر کا حصہ لینا واجب ہے، اگرچہ ان کی تعداد زیادہ ہو اور سب کو شامل کرنا مشکل ہو۔ اگر ایک کے سوا زید کا اور کوئی قرابت دار نہ ہو تو پورا مال وصیت اسی کو دے دیا جائے گا۔

Marfat.com

اگر کسی نے زید کے قریب ترین قرابت دار کے حق میں وصیت کی تو یہ وصیت زید کی ذریات کے حق میں ہوگی خواہ وہ بیٹی کی اولاد ہو۔ تاہم قریب ترین کو قریب تر پر مقدم رکھا جائے گا، لہٰذا پوتا پڑپوتے پر مقدم ہوگا اور اس وصیت میں باپ اور بیٹا بھی شامل ہوں گے۔ اگر وصیت میں اقارب کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہ لوگ اس میں داخل نہیں ہوتے کیوں کہ بالعموم اقارب کا لفظ باپ اور بیٹے کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ لیکن قریب ترین متعلقین تو باپ اور ماں ہیں لہٰذا وہ قریب ترین قرابت دار میں داخل ہیں، اقارب میں نہیں پس اس میں سب سے پہلے اولاد پھر اولاد کی اولاد اور پھر اولاد کی اولاد کتنے ہی نیچے تک چلے جائیں سب داخل ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ اس کے بعد ماں باپ اور پھر بھائی آتے ہیں۔ ان میں حقیقی بھائی مقدم ہوگا، اس کے بعد پدری اور مادری بھائی ایک ہی درجہ میں ہیں۔ یہ ایسی مثالوں میں سے ایک ہے جن میں مادری بھائی کو دادا پر مقدمہ رکھا گیا ہے۔ دوسری مثال وہ ہے کہ قریب ترین کے حق میں کوئی چیز وقف کی جائے۔ تیسری مثال وہ وقف ہے جس کا کوئی خاص مصرف مقرر نہ ہو یا جس مصرف کے لئے کوئی شے وقف ہوئی ہو وہ مصرف ختم ہو گیا ہو۔ اس کی تفصیل وقف کے بیان میں آئے گی۔ بہر حال اس مسئلہ اور مسئلہ ولایت کے سوا حقیقی بھائی یا پدری بھائی کو دادا پر مقدم نہیں رکھا جائے گا۔ بھائیوں کے بعد بھائیوں کی اولاد اور بھائیوں کی اولاد کے بعد دادا یا نانا قریب ترین شمار کیے جائیں گے۔ اس کے بعد چچا اور ماموں ایک ہی درجہ میں پھر ان کی اولاد۔ اور ہر طبقہ میں عورت اور مرد کو برابر سمجھا جائے گا، لہٰذا باپ، ماں، بیٹے، بیٹی، اور بھائی بہن میں حق دار وصیت ہونے کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ قرابت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ اور جہاں نواسہ اور پڑپوتا جمع ہوں تو نواسے کو مقدم رکھا جائے گا کیوں کہ وہ قریب ترین ہے۔

اگر وصیت کنندہ نے کہا کہ میں اپنے قرابت داروں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو زید کے قرابت داروں کا (بتایا گیا) لیکن وصیت کنندہ کے قرابت داروں میں اس کے وارث شامل نہ ہوں گے، کیوں کہ وارث کے حق میں وصیت کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا، لہٰذا یہ وصیت ان کے علاوہ باقی قرابت داروں کے حق میں خاص ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے پڑوسیوں کے حق میں وصیت کی تو اس میں ہر طرف کے چالیس چالیس مکان شامل ہوں گے اور وصیت کا مال گھروں پر ان کی تعداد کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

اگر کسی نے کہا کہ میں مسجد کے پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس کی وصیت میں وہ لوگ شامل ہوں گے جو اذان سنتے ہیں۔

اگر کسی نے کہا کہ میں اہلی سکنی، بکسر سین (یعنی اپنے آس پاس والوں) کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس کے اہل زقاق (کوچہ والے) حق دار ہوں گے۔ زقاق کہتے ہیں گلی (یا جادہ) کو جس کی جمع ازقہ آتی ہے۔ اگر کسی نے کہا کہ میں اپنے اہل خطہ بکسر خا مشہور بالضم ہے (علاقہ والوں) کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس سے گلی کے لوگ اور جنہیں اس کے راستے میں سمجھا جاتا ہے مراد ہوں گے۔ اور وصیت میں صرف وہی اشخاص داخل ہوں گے جو وصیت کے وقت موجود ہوں۔ اگر کوئی اور شخص، وصیت کنندہ کی وصیت اور اسکی موت کے درمیانی عرصہ کے اندر پڑوسی بن

متعدد اشخاص کے حق میں وصیت کرنے کا بیان

ایک تہائی مال ترکہ یا اس سے کم وبیش کے بارے میں متعدد متعین اشخاص کے حق میں وصیت کرنے کے متعلق مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

جائے تو وہ وصیت میں شامل نہ ہوگا۔ اسی طرح وہ بھی شامل نہ ہوگا جو تقسیم وصیت کے وقت پڑوسی بنا ہو۔

اگر کسی نے فقیروں کے حق میں یا مسکینوں کے حق میں یا سب کے حق میں وصیت کی یا ان آٹھوں مستحقین زکواۃ کے اقسام کے حق میں یک جائی طور پر وصیت کی تو وصیت درست ہوگی اور مستحقین زکواۃ کی تمام اقسام میں مال وصیت تقسیم کیا جائے گا۔ بخلاف زکواۃ کے کہ اگر کسی ایک قسم کے مستحق اشخاص کو دے دی جائے تو کافی ہے۔

اگر کسی نے فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کے حق میں وصیت کی تو چاہے کہ مال وصیت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے اور اسی طرح آٹھ حصوں میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ہر قسم کے مستحقین میں سے صرف ایک شخص کو ادا کیا جانا کافی ہے کیوں کہ تمام مستحقوں میں تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ خاص خاص فقراء کے نام متعین کر دیئے جائیں تو ان میں سے ہر ایک برابر حصہ کا حق دار ہوگا اور مستحب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ تعداد کے درمیان تقسیم کیا جائے اور یہ کہ انھیں ضرورت کے مطابق دیا جائے۔ لہٰذا ان میں سے جو زیادہ محتاج ہے اور اس کو دوسروں کے مقابلہ میں امتیازی حیثیت دی جائے۔ اسی طرح وصیت کنندہ کے رشتہ داروں کو اگر وہ محتاج ہوں تو مقدم سمجھا جائے۔ مال وصیت کا بھی زکواۃ کی طرح وصیت کنندہ کے شہر سے کسی اور جگہ لے جانا درست نہیں ہے۔

اگر فقیروں کے حق میں وصیت کی گئی تو اس میں مسکین بھی داخل ہوں گے اسی طرح بصورت برعکس۔

اگر (اشخاص) فی سبیل اللہ کے حق میں وصیت کی تو اسکو غازیوں اور حجاج بیت اللہ کے حق میں تصور کیا جائے گا۔

اگر اہل علم کے حق میں وصیت ہو تو اس میں وہ لوگ شامل ہوں گے جو عالم ہونے کی صفت سے متصف ہوں۔ اور اہل قرآن وہ ہیں جو اس کے حافظ ہوں۔

اگر زید کے قریب ترین قرابت دار کے حق میں وصیت کی اور اس کے قریبی رشتہ دار ہوں تو دور کے قرابت دار کو مال وصیت نہیں دیا جائے گا۔ اس میں باپ اور بیٹے کو مقدم رکھا جائے گا۔ یہ دونوں ایک ہی درجہ میں ہیں کیوں کہ ان کی نسبت زید سے یکساں ہے اور درمیانی واسطہ کے بغیر ان کو (براہ راست) زید کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حقیقی بھائی اور پھر باپ شریک پدری بھائی آتا ہے کیوں کہ جس کو دوہری جانب سے قرابت حاصل ہے وہ ایک جانب کی قرابت والے سے زیادہ قریب ہے اور ان میں سے جس طبقہ کو تقدم حاصل ہے اس کی اولاد کو بھی تقدم حاصل ہوگا۔

اس کی تفصیل ان شاء اللہ وقف کے بیان میں آئے گی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنے ایک تہائی مال کی وصیت زید کے حق میں اور ایک تہائی مال کی وصیت عمرو کے حق میں بھی کی، لیکن وارثوں نے ایک تہائی مال سے زیادہ کے بارے میں وصیت کرنے کی اجازت نہیں دی تو زید

اور عمرو کو ایک تہائی مال میں شریک کیا جائے گا۔ بایں طور کہ ترکہ کا تہائی حصہ ان دونوں میں نصفا نصف تقسیم کیا جائے گا اور اس طرح دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ترکہ میں سے ملے گا۔

اگر مال کے ایک تہائی حصہ کی وصیت زید کے حق میں اور چھٹے حصہ کی کسی اور کے حق میں کی اور ورثا نے ایک تہائی سے زیادہ وصیت کی اجازت نہ دی تو وصیت صرف ایک تہائی حصہ میں اس طرح نافذ کی جائے گی کہ ترکہ کے ایک تہائی حصہ کو تین حصوں میں تقسیم کر کے دونوں میں سے ایک تہائی مال کی وصیت والے کو دو حصہ اور چھٹے حصہ کی وصیت والے کو ایک حصہ ملے گا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ لیکن اگر دونوں میں سے ایک کے حق میں ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی اور دوسرے کے حق میں ایک تہائی یا اس سے کم وبیش کی اور وارثوں نے (ایک تہائی سے زیادہ کی) اجازت نہ دی تو وصیت کے حق دار میں ایک تہائی مال کی تقسیم کے بارے میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔

(متعدد اشخاص کے درمیان تقسیم وصیت کا) قاعدہ یہ ہے کہ اگر وصیت ایک تہائی مال یا اس سے کم کے لئے اور کئی اشخاص کے حق میں ہے اور وارث ایک تہائی سے زیادہ کی اجازت نہیں دیتے تو ایک تہائی ترکہ ان سب میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ لیکن اگر وارثوں نے (ایک تہائی سے زیادہ کی) اجازت دے دی تو کل مال میں سے ہر ایک وصیت کے مطابق اپنا حصہ پائے گا۔

اگر دو میں سے ایک شخص کے حق میں تہائی ترکہ سے زیادہ کی وصیت کی گئی اور وارثوں نے زیادہ کی اجازت نہیں دی تو امام صاحب کہتے ہیں کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت باطل ہوگی اور وصیت کنندہ نے جسے زیادہ دینے کی وصیت کی ہے۔ وہ فضول ہے۔ تہائی مال بغیر کمی بیشی کے دونوں میں بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے گا۔ لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ ایک تہائی سے زیادہ کی جو وصیت ہے وہ اگرچہ وارثوں کے اجازت نہ دینے کی وجہ سے باطل ہے اور اس میں موصی لہ کا کوئی حق نہیں ہے لیکن دوسرے شخص پر جو اسے فضیلت دی گئی ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا ایک تہائی مال جو دونوں میں تقسیم کیا جائے گا اس میں اس شخص کی برتری کا امتیاز ملحوظ رکھا جائے گا جس کے حق میں وصیت کنندہ نے زیادہ کی وصیت کی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مثلاً زید کے حق میں وصیت کی اور اپنا تمام مال اس کے لئے خاص کر دیا اور عمر کے حق میں بھی ایک تہائی مال کی وصیت کی اور ورثا نے (زیادتی) کی اجازت نہ دی تو امام (حاکم) صرف تہائی حصہ دونوں میں تقسیم کرنے کو کہے گا اور وہ شخص جسے وصیت کنندہ نے پورا مال دینے کے لئے امتیاز بخشا ہے اس کا امتیاز باقی رکھا جائے گا (اس طرح کہ) اسے ایک تہائی ترکہ کا تین چوتھائی ملے گا اور دوسرے کو صرف ایک چوتھائی اور اس تقسیم کا طریقہ علمائے فرائض (تقسیم وراثت کے علماء) کے دستور کے مطابق یوں کیا جائے گا کہ اصل مسئلہ تین سے ہوگا کیوں کہ ایک تہائی ترکہ دونوں کے درمیان تقسیم کرنا پیش نظر ہے اور تہائی کا مخرج (تقسیم حصص کے لئے) تین ہے۔ پس ترکہ کی کل مقدار تین ہوگی جس کا مطالبہ پورے مال کی وصیت والا کرے گا اور ایک تہائی اس کا ایک حصہ ہے جس کا مطالبہ ایک تہائی کی وصیت والا کرے گا۔ پس اس تین کو چار بنا لیا جائے گا۔ اس طرح ایک حصہ اور بڑھ جائے گا لیکن اس کی قیمت کم ہو جائے گی۔ ان چار حصوں میں سے ایک تہائی حصہ والا ایک حصہ لے گا اور کل مال کی وصیت والا تین حصے (یا تین چوتھائی)

لے گا اور فقہا جو کہتے ہیں کہ پورے مال کی وصیت والے کو تین جزو یعنی چوتھائی ملیں گے اور باقی ایک چوتھائی مال دوسرے کو ملے گا۔

یہ تو اس صورت میں ہے جب کہ ورثا (ایک تہائی سے زیادہ کی) اجازت نہ دیں، لیکن اگر وصیت کنندہ نے طے کر دیا اور ایک شخص کے حق میں تمام مال کی وصیت کی اور دوسرے کے حق میں ایک تہائی مال کی اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے یا وارث ہے لیکن اس نے اجازت دے دی تو اس مال کو دونوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں امام (حاکم) کے فیصلہ پر انحصار ہوگا اور دونوں میں بطریق منازعہ تقسیم کرنے کو کہا جائے گا۔ طریق منازعہ کی صورت یہ ہے کہ مال ترکہ کا ایک حصہ تو ان دونوں میں متفق علیہ ہے یعنی دو تہائی مال میں کوئی نزاع نہیں، کیوں کہ جس کے حق میں ایک تہائی کی وصیت ہے اسے دو تہائی مال سے کوئی سروکار نہیں، لہٰذا دو تہائی مال ترکہ تو پورے مال کی وصیت والے کو بغیر کسی نزاع کے دے دیے جائیں گے، باقی ایک تہائی میں نزاع رہے گا (یعنی دونوں اس پر اپنا اپنا حق جتائیں گے ایسی صورت میں اس کو نصفا نصف تقسیم کر دیا جائے گا) لہٰذا ایک تہائی کی وصیت والا بقیہ تہائی کا نصف یعنی چھٹا حصہ لے گا اور دوسرا چھٹا حصہ کل مال کی وصیت والے کو ملے گا اور جب اسے دو تہائی کے ساتھ ملا دیا جائے تو کل مال کی وصیت والے کو پانچ سدس (یعنی 5/5) ملے گا اور ایک تہائی کی وصیت والے کو ایک سدس (چھٹا حصہ) ملے گا۔

یہ طریقہ آسان ہے لیکن بعض اصحاب کا اس پر اعتراض ہے کہ ایک تہائی کا نصف (یعنی چھٹا حصہ) تو تہائی حصہ کی وصیت والے کو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کے نزدیک اس حال میں بھی مل جائے گا جب کہ ورثا نے ایک تہائی سے زیادہ کی اجازت نہ دی ہو تو دونوں حالتوں یعنی ورثاء کے اجازت دینے اور اجازت نہ دینے میں کیا فرق رہا؟ لہٰذا بطریق منازعہ تقسیم اس طرح ہونی چاہیے کہ ایک تہائی کی وصیت والے کو چوتھائی اور چھٹا حصہ ملے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے ترکہ کا ایک تہائی حصہ تقسیم کیا جائے کیوں کہ اس کی تقسیم کسی وارث کی اجازت پر موقوف نہیں ہے۔ پس ان میں سے ہر ایک کو نصف دے دیا جائے جس میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ اس کے بعد باقی دو تہائی مال کو تقسیم کیا جائے۔ اس میں مسئلہ کی بنیاد تین پر ہوگی کیوں کہ اس میں سے ایک تہائی نکالنا ہے اور تہائی کا مخرج تین ہے۔ اس طرح کل مال کی مقدار تین متصور ہوگی جس کا ایک حصہ تہائی ہوگا جس میں دونوں کا نزاع برابر ہوگا اور ہر ایک کا نصف حصہ ہوگا۔ اس میں بھی نصف کی کسر ہے اس لئے لازم ہے کہ نصف کے مخرج (یعنی دو) کو اصل مسئلہ یعنی تین میں ضرب دیا جائے اس طرح (تین کے) چھ حصے بن جائیں گے جس کا تہائی دو ہوتا ہے۔ اس دو کو دونوں کے درمیان نصفا نصف تقسیم کیا جائے گا ہر ایک کو (چھ حصوں میں سے) ایک حصہ (1/6) ملے گا باقی چار حصے (4/6) رہے جن میں سے تین حصوں کی بابت تہائی کی وصیت والے کو اعتراض نہ ہوگا کیوں کہ اس کا تنازعہ صرف ایک حصہ کے بارے میں ہوگا تا کہ وہ اسے اپنے حصہ میں جو اسے مل چکا ہے شامل کر کے اپنا تہائی حصہ پورا کر لے۔ اور پورے مال کی وصیت والا بھی یہی مطالبہ کرے گا کہ وہ حصہ اسے ملے تا کہ کل مال کی وصیت پوری ہو۔ لہٰذا یہ حصہ بھی دونوں میں نصفا نصف تقسیم کیا جائے گا۔ اور یہاں پھر کسر نصف آتی ہے جس کا مخرج دو ہے جیسا کہ معلوم ہے پس اس کو چھ پر ضرب دی جائے تو بارہ حصے ہوں گے اور ہر ایک کو جتنا مل چکا ہے اس کو دگنا کر دیا

Marfat.com

جائے گا۔ چونکہ تہائی کی وصیت والے نے چھ حصوں میں سے ڈیڑھ حصہ لیا تھا اسے دوسرے چھ حصوں میں سے بھی اتنا ہی اور ملے گا اور مجموعی طور پر اسے تین حصے ملیں گے اور پورے مال کی وصیت والے نے پہلے (چھ حصوں میں سے) ساڑھے چار حصے لئے تھے اسے بھی اتنا ہی اور ملے گا اور اس طرح اسے نو حصے ملیں گے۔ اس سے واضح ہے کہ تہائی حصہ والا کل مال کا ایک چوتھائی لے گا یعنی تین حصے اور پورے مال کی وصیت والا تین چوتھائی لے گا جو نو حصے ہوتے ہیں۔ اس طرح امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کے نزدیک ورثا کی اجازت ہونے اور نہ ہونے کی حالتوں میں جو فرق ہے وہ واضح ہو جائے گا یعنی اجازت نہ ہونے کی صورت میں وہ ایک تہائی کا نصف لے گا اور ایسا نہ ہو تو کل کا چوتھائی لے گا۔

اس طریقہ پر عمل کرنے سے صاحبین کو اتفاق ہے اور ان کے اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کے درمیان دراصل کوئی فرق نہ رہے گا کیوں کہ دونوں یہ کہتے ہیں کہ جسے کل مال کی وصیت ہے وہ کل کا تین چوتھائی لے گا اور جس کے حق میں تہائی کی وصیت ہے وہ چوتھائی لے گا۔ سوا اس کے ان کی تقسیم بطریق عول ہوگی نہ کہ بہ طریق منازعہ (عول فرائض کی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حصص کی تقسیم صحیح طور سے نہ ہو سکے تو اس میں کچھ بڑھا کر تقسیم کیا جاتا ہے اور منازعہ یہ ہے کہ جب ایک شے پر دو اصحاب کا یکساں دعویٰ ہو تو اسے نصفا نصف تقسیم کر دیا جائے گا۔) اس مسئلہ میں عول یہ ہے کہ اصل مسئلہ تین سے ہے کیوں کہ اس میں دو تہائیاں کرنی ہیں اور تہائی کا مخرج تین (کا عدد) ہوتا ہے لہٰذا کل مال ترکہ کے تین حصے ہوں گے اور کل مال کی وصیت والا تینوں حصہ کا دعویدار ہوگا اور تہائی مال کی وصیت والا ایک حصہ یعنی تہائی کا دعویدار ہوگا لہٰذا اصل مسئلہ (یعنی تین میں بقاعدہ عول) ایک حصہ زیادہ کیا جائے گا اور وہ جو تین حصے تھے انھیں چار مان لیا جائے گا اور چار حصوں کو دونوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ پس پورے مال کی وصیت والا چار میں سے ایک حصہ یعنی ایک چوتھائی لیکن تہائی کی وصیت والے کے حق میں (ورثاء کے) اجازت دینے اور نہ دینے کی حالتوں میں فرق کا نہ ہونا اس طرح کی تقسیم سے ظاہر نہ ہوگا ورنہ تو صاحبین بھی یہی کہتے ہیں کہ تہائی کی وصیت والا بہر حال ایک چوتھائی لے گا، خواہ ورثاء (ایک تہائی مال سے زیادہ کی تقسیم کی) اجازت دیں یا نہ دیں۔ ہاں اس طرح پر تقسیم کرنے سے امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اتفاق ہو جائے گا۔ اور یہی طریق بہتر ہے کیوں کہ امام صاحب نے اس باب میں کوئی صراحت نہیں فرمائی۔

اگر ایک شخص نے کسی کے حق میں اپنے چوتھائی مال کی وصیت کی اور کسی دوسرے کے حق میں آدھے مال کی وصیت کی اور اسکا کوئی وارث نہیں ہے یا وارثوں نے اجازت دے دی ہے تو ان میں سے ہر ایک اس قدر لے گا جتنے کی وصیت کی گئی ہے۔ بصورت دیگر (یعنی اگر ورثا ہیں یا ورثاء نے اجازت نہ دی تو) یہ وصیت اس کے ایک تہائی مال میں اسی نسبت سے نافذ ہوگی جس طرح کے وصیت کی گئی ہے۔ چنانچہ پہلے شخص کو کل مال میں سے نصف اور دوسرے کو چوتھائی حصہ ملے گا۔ اس بارے میں ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ نصف مال کی وصیت والے کو ایک تہائی سے زیادہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔ رہا چوتھائی حصہ کی وصیت والا وہ ایک چوتھائی لے گا اس طرح مسئلہ میں چوتھائی اور تہائی حصے جمع ہو جائیں گے۔ چوتھائی کا مخرج چار ہے اور تہائی کا تین ہے اور تین اور چار ایک دوسرے سے مختلف (اعداد) ہیں لہٰذا چار کو تین میں ضرب دیا جائے گا۔ حاصل ضرب بارہ ہوئے جس کا تہائی چار ہے اور چوتھائی تین۔ لہٰذا تہائی کی وصیت والا چار حصوں کا حق دار ہے اور چوتھائی حصہ کی وصیت والا تین حصے کا۔ پھر ان سات حصوں کو (مال) وصیت کا تیسرا حصہ قرار دیا جائے گا

Marfat.com

اور جب اس کو تین میں ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب اکیس ہوگا اور کل ترکہ کے اکیس حصے ہوں گے جس کے تہائی یعنی سات حصوں میں وصیت نافذ ہوگی اور دو تہائی یعنی چودہ حصے وارثوں کا حق ہوں گے۔

یہ تقسیم امام صاحب کے قول کے مطابق ہے لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ جسے آدھے مال کی وصیت ہے اسے وصیت کنندہ کے تہائی مال سے نصف ملے گا یعنی اسی نسبت سے جیسا کہ کل مال میں سے اس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ اور اسی طرح چوتھائی حصہ کی وصیت والا بھی اسی نسبت سے لے گا چونکہ نصف کے دو حصے بنتے ہیں اور چوتھائی اس نصف کا نصف (یعنی ایک) بنتا ہے تو اس طرح تہائی مال کے تین حصے ہوں گے۔ چوتھائی حصہ والا ایک حصہ لے گا اور نصف کی وصیت والا دو حصے لے گا۔

تین صورتیں ایسی ہیں جن میں امام صاحب اور صاحبین میں اتفاق ہے، یعنی اس شخص کے لئے جسے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہے جائز ہے کہ جتنی وصیت کی گئی ہے اتنا لے لے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ جسے محاباۃ (مراعات) کہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس دو گھوڑے ہیں یا دو غلام ہیں جن میں سے ایک ساٹھ اشرفی کا اور دوسرا تیس اشرفی کا ہے اور اس شخص نے وصیت کی کہ وہ جو ساٹھ کا ہے وہ زید کو بیس میں فروخت کر دیا جائے اور جو تیس کا ہے وہ عمرو کو دس میں دے دیا جائے۔ اب اگر وصیت کنندہ وفات پا گیا اور اس کے پاس ان دونوں کے سوا اور کچھ مال نہیں ہے تو اس فروخت (کی وصیت) میں اس رقم کو دیکھا جائے گا جس کی رعایت ان دونوں کے حق میں وصیت کنندہ نے کی ہے، یعنی ایک کو چالیس کی رعایت اور دوسرے کو بیس کی رعایت اور یہ رعایت (جو مجموعی طور پر ساٹھ ہوتی ہے) وہ وصیت کنندہ کے ایک تہائی مال ترکہ سے زیادہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے کیوں کہ اس کے تمام مال کا تہائی مال ترکہ سے زیادہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے کیوں کہ اس کے تمام مال کا تہائی تیس اشرفی ہوتا ہے اور اس نے ایک کو چالیس کی وصیت کی جو ایک تہائی سے (بقدر دس کے) زیادہ ہے۔ پس امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کے قاعدے کے مطابق تو چاہیئے یہ تھا کہ دونوں ایک تہائی مال میں دس کی رعایت والے کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے۔ لیکن اس مسئلہ میں وصیت کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا ہے اور ان میں سے ہر ایک گھوڑے (یا غلام) کے وہی دام ادا کرے گا جو وصیت کنندہ نے مقرر کیے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس وصیت میں مال کی مقدار کو دخل نہیں ہے (یعنی یہ تقسیم مال کی نہیں بلکہ کار فروخت کی وصیت ہے) رہے گھوڑے سو وہ ان دونوں شرکاء مال وصیت کے ہاتھ فروخت کے بعد وصیت کنندہ کی ملکیت سے باہر ہو جائیں گے لہٰذا اس بارے میں وارثوں کی اجازت ضروری نہیں۔

دوسری صورت دراہم مرسلہ کی ہے (یعنی وہ رقم) جس میں تہائی یا آدھے وغیرہ کی قید نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی نے زید کے حق میں تیس ریال کی وصیت کی اور عمرو کے لئے ساٹھ ریال کی اور وصیت کنندہ کے کل مال کی مقدار نوے ریال ہے۔ اور ورثاء نے (ایک تہائی سے زیادہ کی) اجازت نہیں دی تب بھی ہر ایک کو اسی قدر ملے گا جس قدر کی وصیت کی گئی ہے۔ کیوں کہ وصیت کنندہ نے مال وصیت کی مقدار میں تہائی یا کم و بیش کا ذکر نہیں کیا لہٰذا احتمال ہے کہ رقم ترکہ زیادہ ہو بایں طور کہ وصیت کنندہ کی وفات کے بعد اس کے مزید مال کا پتہ چلے جو اسے بطور ورثہ وغیرہ کے ملا ہو۔

تیسری صورت مسئلہ عتق کی ہے جس کو سعایت (آزادی بصلہ خدمت) کہتے ہیں کہ اس کی تفصیل اپنی جگہ پر

Marfat.com

بتائی گئی ہے وہاں ملاحظہ کی جائے۔

اگر ایک شخص نے کہا کہ میں زید کے حق میں اپنے بیٹے کے برابر مال کی وصیت کرتا ہوں تو وصیت درست ہوگی خواہ وصیت کنندہ کا کوئی بیٹا ہو یا نہ ہو۔ اگر صرف ایک بیٹا ہو تو مال وصیت کے حق دار کو نصف مال اور باقی نصف بیٹے کو ملے گا بشرطیکہ وارث (بیٹا) اجازت دے، بصورت دیگر اسے ایک تہائی ملے گا۔ لیکن اگر دو بیٹے ہوں تو اسے ایک تہائی حصہ ملے گا۔ (اس مسئلہ) میں بیٹیوں کا حکم بھی وہی ہے جو بیٹوں کا ہے کہ اگر کسی کے حق میں اپنی بیٹی کے حصہ کے برابر کی وصیت کی اور اس کی ایک ہی بیٹی ہے تو اس شخص کو نصف مال ملے گا بشرطیکہ اسکی وارثہ (بیٹی) اجازت دے۔ اگر اجازت نہ دے تو اسے ایک تہائی ملے گا اور اگر دو بیٹیاں ہوں تب بھی ایک تہائی ملے گا۔ اگر تین بیٹیاں ہوں اور ایک بیٹی کے حصہ کے برابر کی وصیت کی ہو تو ایک چوتھائی اسے ملے گا، اگر چہ تینوں بیٹیوں کا مجموعی حق دو تہائی ہوتا ہے، کیوں کہ وصیت ایک بیٹی کے حصہ کے برابر کی تھی اور اس کا حصہ ایک چوتھائی ہوتا ہے۔

اگر کسی نے کہا کہ میں زید کے حق میں اپنے بیٹے کے حصہ کی وصیت کرتا ہوں، یہ نہیں کہا کہ اپنے بیٹے کے حصے کے برابر تو اب اگر اس کا کوئی بیٹا موجود ہے تو یہ وصیت درست نہ ہوگی کیوں کہ اس کے بیٹے کا حصہ کتاب اللہ سے ثابت ہے، لہٰذا خدا کے مقررہ کردہ حصہ میں تبدیلی درست نہیں ہے لیکن اگر اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے تو وصیت درست ہوگی اور وارث نے اجازت دی تو اسے نصف ملے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ یوں کہا کہ اپنے بیٹے کے حصہ کی وصیت فلاں کے حق میں کرتا ہوں اگر کوئی بیٹا ہو لیکن اگر یوں کہا کہ میں اپنے بیٹے اگر کوئی ہوا کے حصہ کے برابر فلاں کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس طرح کہنے کی صورت میں کیا حکم ہے اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس شخص کو آدھا مال ملے گا بشرطیکہ وارث اجازت دے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ شخص پہلے ہی ایک تہائی کا حق دار ہو جائے گا کیوں کہ وصیت کنندہ نے ایک ایسے شخص کے حق میں وصیت کی ہے جو موجود نہیں ہے لہٰذا اس غیر موجود کا حصہ تین میں سے ایک (یعنی ایک تہائی) مانا جائے گا، لہٰذا وہ بھی ایک تہائی کا مستحق ہوگا۔

اگر کہا کہ میں زید کے حق میں اپنے مال کا ایک جزو یا ایک حصہ یا اس میں سے کچھ یا ایک مقدار یا کسی قدر زید کے حق میں وصیت کرتا ہوں تو یہ درست ہوگی (لیکن مقدار مال کا) تعین وارثوں کے سپرد کیا جائے گا اور انھیں کہا جائے گا کہ تم جس قدر چاہو (زید کو) دے دو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر وصیت میں ایک حصہ کا لفظ کہا گیا تو اسے چھٹا حصہ ملے گا اور بعض کہتے ہیں کہ وارثوں میں سے کسی کے حصہ کے برابر دے دیا جائے گا بشرطیکہ ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ اگر زیادہ ہو تو اس کی تقسیم وارث کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

اگر کہا کہ میں اپنے مال کا چھٹا حصہ زید کے حق میں وصیت کرتا ہوں اور اسی جگہ یا وہاں سے ہٹ کر دوبارہ پھر یہی کہا کہ میں اپنے مال کا چھٹا حصہ زید کے حق میں کرتا ہوں تو زید چھٹے حصہ سے زیادہ کا مستحق قرار نہیں دیا جائے گا کیوں کہ چھٹے حصے کو مالی (اپنے مال) کی طرف اضافت کرنے سے وہ معرفہ ہو گیا (واضح ہو کہ معرفہ کی چھ قسمیں ہیں جن میں سے ایک مضاف بہ معرفہ بھی ہے) اور معرفہ کو دہرایا جائے تب بھی اس کا وہی مفہوم ہوتا ہے جو پہلی بار کہنے کا تھا۔

اگر کہا کہ میں فلاں شخص کے حق میں اپنے مال کے چھٹے حصہ کی وصیت کرتا ہوں اور پھر کہا کہ میں اپنے مال کے

Marfat.com

تہائی حصہ کی وصیت کرتا ہوں تو وہ شخص تہائی کا حق دار ہو جائے گا خواہ ورثاء کچھ بھی کہیں کیوں کہ ایک تہائی میں چھٹا حصہ داخل ہے اور ایک تہائی کی وصیت میں یہ احتمال ہے کہ وصیت کنندہ کا مقصد یہ ہو۔ کہ چھٹے حصہ میں ایک چھٹا حصہ اور ملا کر تہائی حصہ مکمل کیا جائے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تیسرے حصہ کو چھٹے حصہ کے ساتھ ملا دینے کا ارادہ ہو لیکن عمل اس بات پر کیا جائے گا جو یقینی ہو اور اس میں شک نہ ہو اور یقینی امر تہائی حصہ ہے کیوں کہ چھٹا حصہ تہائی حصہ میں داخل ہوتا ہے قطع نظر اس کے کہ یہاں اس خیال کی تائید میں ایک قرینہ بھی موجود ہے اور وہ قرینہ یہ ہے کہ وصیت کنندہ اسی مقدار مال کی وصیت کر سکتا ہے جس کا وہ مالک ہو اور وہ صرف تیسرے حصہ (کی وصیت) کا مالک ہے جس میں کوئی نزاع نہیں ہے (لہٰذا قرین قیاس یہی ہے کہ اس کی مراد تیسرے حصہ کی بابت وصیت کرنا ہے) لیکن یہاں پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ خیال اس صورت میں ہے جب کہ وارث (ایک تہائی سے زیادہ کے لئے راضی نہ ہو)۔ اگر وارث چھٹے حصہ کے ساتھ تہائی حصہ کو شامل کرنے پر راضی ہو تو اس وصیت کو کیوں نہ نافذ کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں دونوں حصوں کو ملانے سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وصیت کنندہ اگر کئی وصیتیں کرے مثلاً زید کے حق میں کسی خاص چیز کی وصیت کرے اور پھر اسی چیز کی بابت عمرو کے حق میں بھی وصیت کرے مثلاً یوں کہے کہ میں اپنے اس گھوڑے کی وصیت زید کے حق میں کرتا ہوں اور پھر اسی گھوڑے کی وصیت عمرو کے حق میں کرے تو یہ وصیت دونوں کے حق میں درست مانی جائے گی اور دونوں اس میں نصفا نصف کے شریک ہوں گے اور زید کے حق میں جو وصیت تھی وہ باطل نہ ہوگی۔ ہاں اگر یوں کہا کہ وہ گھوڑا جس کی وصیت میں نے زید کے حق میں کی ہے وہ عمرو کے حق میں ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وصیت کنندہ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا، ایسی صورت میں زید کو کچھ نہ ملے گا۔

اگر ایک ہی شخص کے حق میں یکے بعد دیگرے دو وصیتیں کی گئیں تو اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ دونوں وصیتیں ایک ہی نوعیت کی ہوں اور دونوں باتیں یکساں ہوں مثلاً کسی کے حق میں دس مصری اشرفی کی وصیت کی اور پھر دوسری بار اسی کے برابر یعنی دس مصری اشرفیوں کی وصیت کر دی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں وصیتوں کی نوعیت مختلف ہو، خواہ وصیت شدہ دونوں مال (مالیت میں) برابر ہوں یا دونوں میں فرق ہو مثلاً کسی کے حق میں دس بوری گندم کی وصیت کی اور پھر ردی کی دس گانٹھوں کی وصیت کی یا دس اشرفیوں اور پانچ کپڑوں وغیرہ کی وصیت کی۔

ان دونوں صورتوں میں یہ حکم ہے کہ وصیتیں درست مانی جائیں گئیں اور جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے وہ دونوں وصیتوں کے مال وصیت کا حق دار ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں وصیتیں ایک ہی قسم کی ہوں لیکن مقدار کے لحاظ سے کم و بیش ہوں مثلاً کسی کے حق میں دس اشرفیوں کی وصیت کی اور پھر اسی کے حق میں پانچ کی وصیت کی یا اس کے برعکس (یعنی پہلے پانچ پھر دس کی وصیت کی) اسی صورت میں حکم یہ ہے کہ وصیت والا دونوں وصیتوں میں جو زیادہ مقدار کی ہوگی وہی لے گا خواہ زیادہ مقدار کی وصیت پہلی ہو یا دوسری۔ چنانچہ اگر یوں کہا کہ میں فلاں کے حق میں دس (اشرفی) کی وصیت کرتا ہوں، پھر کہا کہ میں پانچ

Marfat.com

کی وصیت کرتا ہوں تو دس والی وصیت پر عمل ہوگا اسی میں زیادہ احتیاط ہے کہ پانچ کی وصیت باطل نہ ہوگی۔اور بقول راجح اس سے فرق نہیں پڑتا کہ یہ دونوں وصیتیں ایک ہی تحریر میں کی جائیں یا دو تحریروں میں اگر زید کے حق میں مثلاً تین سو اشرفیوں کی وصیت کی اور ساتھ ہی طلبائے علوم کے لئے ہر شب پانچ قرش کی وصیت کی تو وصیت درست ہوگی۔ان میں سے ایک وصیت کی مقدار تو معلوم ہوگی جو زید کا حصہ ہے، دوسری وصیت کی مقدار نا معلوم ہوگی یعنی روزانہ پانچ قرش کا مجموعہ (اس صورت میں) اگر ورثاء اجازت دے دیں تب تو فبہا ورنہ یہ وصیت صرف ایک تہائی مال میں لاگو ہوگی اور اس کی تقسیم کا طریقہ یہ ہوگا کہ کل مال کا تہائی حصہ طالب علموں کے لئے فرض کرلیا جائے گا۔پھر اس (مفروضہ) کو اس مقدار کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو معلوم ہے۔پس ایک تہائی حصہ کو اس کے برابر حصہ سے ملایا جائے گا کیوں کہ اصل مقدار جو طالب علموں کے لئے مخصوص ہے وہ تین سو ہے اور اسی کے مساوی وصیت والے کے لئے مطلوب ہے تو مسئلہ (ایک تہائی سے) زیادہ ہو جائے گا تو ایک تہائی مال کو دونوں میں نصفا نصف تقسیم کر دیا جائے گا علی ہذا القیاس اگر کسی نے زید کے حق میں اپنے آدھے مال کی وصیت کی اور عمرو کے حق میں تہائی مال کی تو ایک تہائی حصہ مال سے زیادہ کی وصیت بقول مشہور باطل متصور ہوگی اگر چہ ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔پس وہ دونوں صرف ایک تہائی مال میں شریک ہوں گے۔ اگر ورثاء ایک تہائی سے زیادہ کی اجازت دے دیں تو یہ بقول مشہور ان کی مزید عنایت متصور ہوگی، متوفی کی وصیت کی تکمیل نہیں ہے۔اس کے لئے یہ شرط ہے۔کہ اجازت دینے والا (وارث) اس کار خیر کا اہل ہو۔نیز اس میں قبولیت شرط ہے۔ اسی بنا پر اجازت دینے والے یعنی وارث کو یہ حق ہے کہ دونوں میں سے جسے چاہے اور جس قدر چاہے امتیازی طور پر زیادہ دے دے۔

اگر کسی نے کہا کہ میں اپنے بیٹے کے حصہ کی وصیت زید کے حق میں کرتا ہوں اور اس کا صرف ایک بیٹا ہے اور اس نے اجازت دے دی تو تمام مال زید کا ہوگا۔اگر اجازت نہ دی تو ایک تہائی مال اس کا ہوگا۔اگر وصیت کنندہ کے دو بیٹے ہوں تو زید کو نصف مال ملے گا اور باقی نصف دونوں بیٹوں کو اگر وصیت کنندہ کے تین بیٹے ہیں تو موصیٰ لہ (زید) کو ایک تہائی اور باقی بیٹوں کا حق ہے۔اگر چار بیٹے ہوں تو اسے چوتھائی اور پانچ بیٹے ہوں تو پانچواں حصہ ملے گا۔

اگر ایک شخص نے کسی کے حق میں اپنے ورثاء میں سے کسی ایک کے حصہ کی وصیت کی تو ورثاء کی تعداد کی نسبت سے ان کا ایک جزو اسے ملے گا یعنی اگر وارثوں کی تعداد تین ہے تو اسے ایک تہائی اگر ان کی تعداد چار ہے تو چوتھائی اور پانچ ہے تو پانچواں حصہ وعلی ہذا القیاس۔اس کے بعد جو باقی رہے گا وہ ورثاء میں ان کے فریضوں کے مطابق تقسیم ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے چند آدمیوں کے حق میں اپنے مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ کی وصیت کی اور وارثوں نے اس کی اجازت نہ دی تو وہ سب بطریق مزاحمت (منازعت) باہم مال وصیت میں مشترک ہوں گے۔اس کی تفصیل قرآن خوانی اور حج کی وصیت کے بیان میں بتائی گئی ہے، وہاں پر ملاحظہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنے تمام مال کی وصیت کسی کے حق میں کی اور آدھے مال کی وصیت ایک دوسرے شخص کے حق میں کر دی اور وارثوں نے اس کی اجازت دے دی تو مال ان دونوں کے درمیان تہائی حصوں میں تقسیم کیا جائے گا یعنی جس کے حق میں نصف مال کی وصیت ہے وہ ایک تہائی کا اور باقی (دو تہائی) کل مال کی وصیت والا لے

Marfat.com

وصی مختار (یا وصی مجاز) کا بیان

وصی مجاز وہ ہے جسے ایک شخص نے اپنی موت کے بعد اپنا نائب مقرر کیا ہو کہ وہ اس کے مال میں تصرف کرے اور اس کے کمزور اور ناسمجھ وارثوں کی بہتری کا خیال رکھے۔ ایسے شخص کا اسطرح ذکر کیا جاتا ہے کہ اس نے فلاں شخص کو وصیت کی ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کے مال میں تصرف کرے۔

وصایت بکسر اول و بفتح (یعنی وصیت کرنے) کے متعلق بیشتر احکام حجر (یعنی معاملہ کا نااہل قرار دے جانے) کے بیان میں بتائے جا چکے ہیں اس مقام پر کچھ اور مسائل متعلقہ کا ذکر بموجب مسالک مختلفہ بیان کیا جاتا ہے۔ (۱)

گا۔ لیکن اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو ایک تہائی مال ترکہ اسی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔ اگر کسی نے زید کے حق میں اپنے مال کے ایک جزو یا ایک قسط یا ایک ٹکڑے یا ایک حصہ کی وصیت کی تو وارث کو اختیار ہے کہ مال ترکہ میں سے جس قدر چاہے دے دے۔

اگر کسی نے ایک شخص کے حق میں کل مال میں سے ایک مہم (حصہ وراثت) کی وصیت تو اسے چھٹا حصہ جو میراث (کے حصوں میں سے) ایک مقررہ حصہ ہے وہ اسے ملے گا۔

اگر ایک شخص نے کسی کے حق میں اپنے بیٹے کے حصے کے برابر کی وصیت کی اور برابر کا لفظ استعمال نہیں کیا تو اسے بیٹے کے حصے کے برابر ملے گا۔ پس اگر اس کے تین بیٹے ہیں تو اسے ایک چوتھائی ملے گا۔

اگر کہا کہ میں فلاں کے حق میں اپنی اولاد کے حصے کے برابر کی وصیت کرتا ہوں اور اس کے بیٹا بھی ہے اور بیٹی بھی تو وہ شخص بیٹی کے حصے کے برابر حق دار ہوگا۔

اگر کسی نے ایک شخص کے حق میں اس کے حصہ کے برابر کی وصیت کی جسے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملتا تو اس شخص (موصیٰ لہ) کو کچھ نہیں ملے گا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وصی مختار (یا وصی مجاز) وہ ہے جسے ایک شخص نے اپنی زندگی میں اس امر کا اختیار دیا ہو کہ وہ اس کی وفات کے بعد اس کے مال میں تصرف کرے۔ ایسے شخص کے متعلق چند امور قابل لحاظ ہیں۔ منجملہ ان کے کچھ تو شرائط ہیں جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ شخص بالغ ہونے پر وصی ہوگا۔ پس اگر کسی نے ایک بچے کو اپنے بعد کے لئے اپنا وصی مقرر کیا تو قاضی (حاکم شرع) پر لازم ہوگا کہ اس کی بجائے کسی اور کو وصی بنا دے اور اسے برطرف کر دے۔ پس بالغ ہونے پر کی جو شرط ہے وہ وصی بنے رہنے کی ہے وصیت کے درست ہونے کی شرط نہیں ہے کیوں کہ کسی کو وصی بنانا تو اس کے بالغ ہونے سے پہلے بھی درست ہے چنانچہ اگر حاکم کے ہٹانے سے پہلے اس (نابالغ وصی) نے مال میں کوئی تصرف کیا تو اسے درست مانا جائے گا۔ اور اگر ہٹائے جانے سے پہلے وہ بالغ ہو جائے تو وہ بدستور وصی رہے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ اگر ایک شخص نے کسی کافر کو وصی بنایا تو قاضی پر لازم ہے کہ اس کی بجائے کسی

Marfat.com

مسلمان کو وصی بنادے لیکن وصیت اس کے حق میں بھی درست ہوگی لہٰذا اگر ہٹائے جانے سے پہلے اس نے مال میں کچھ تصرف کیا تو وہ صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ یا اگر وہ مسلمان ہوگیا تو وصی کے منصب پر قائم رہے گا جیسا کہ نابالغ کے بارے میں اوپر بتایا گیا۔

تیسرے یہ کہ عادل (نکوکار) ہو۔ لہٰذا اگر کسی بدکار کو وصی بنایا گیا تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نابالغ کو وصی بنانا۔ لیکن بدکار وصی کو وصی کے فرائض سے ہٹانے یا برطرف کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ مالی معاملات میں بدنام ہو۔ اگر وہ دوسرے معاملات میں بدرویہ ہو لیکن مالی امور میں بے ضرر ہو تو اسے برطرف کرنا درست نہیں ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ شخص دیانتدار ہو۔ اگر اس کی بددیانتی ثابت ہو جائے تو اسے وصی کے فرائض سے ہٹا دینا واجب ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ شخص امور وصیت کی انجام دہی کی قابلیت رکھتا ہو۔ اگر وہ بعض امور انجام نہ دے سکتا ہو تو حاکم شرع اس کے ساتھ کسی اور شخص کو لگائے گا جو اس کام کو انجام دے سکے۔ لیکن اگر وصی کا بالکل ہی کام سے عاجز ہونا ثابت ہو تو اسے ہٹا کر کسی اور کو وصی بنا دیا جائے اور اس عزل ونصب کے لئے ضروری ہے کہ اس کا قابل برطرفی ہونا ثابت ہو جائے محض کوئی اطلاع یا شکایت اس باب میں کافی نہیں ہے، کیوں کہ متوفی نے اسے جو اپنی زندگی میں وصی بنانے کے لئے انتخاب کیا تھا تو اس پر وثوق تھا، لہٰذا اس وثوق کو محض شکایت کی بنا پر توڑا نہیں جا سکتا۔

پس اگر کسی شخص میں یہ تمام صفات موجود ہوں یعنی وہ بالغ ہو۔ مسلمان نکوکار ہو، دیانتدار ہو اور امور وصیت کے انجام دینے کی قابلیت رکھتا ہو تو حاکم کا اسے برطرف کرنا درست نہیں ہے۔ اگر وہ برطرف بھی کر دے تو بقول راجح اسے برطرف شدہ تسلیم نہیں کیا جائے گا کیوں کہ وہ وصی مجاز ہے اور صاحب مال کا قائم مقام ہے اور اسکے خلاف کوئی بددیانتی یا نا اہلیت ثابت نہیں ہوئی تو اسے وصیت کنندہ کے ارادہ کے خلاف ہٹایا جانا ناواجب ہے۔

(وصی کے بارے) میں ایک اور امر یہ ہے کہ جب دو وصی مقرر کیے جائیں تو (مال میں) ان کے تصرف کے بارے میں دو اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو یہ جائز نہ ہوگا کہ دوسرے کی شمولیت کے بغیر کوئی تصرف کرے۔ اگر ایک وصی نے تصرف کیا تو اس کا تصرف لاگو نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس کا ساتھی اجازت دے دے تو جو تصرف اس نے کیا وہ نافذ ہو جائے گا، از سر نو معاملہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ان دونوں کو ایک ساتھ وصی بنایا گیا ہو یا آگے پیچھے بنایا گیا ہو بایں طور کہ پہلے ایک شخص کو وصی بنایا پھر اس کے بعد ہی کسی اور کو وصی بنایا گیا۔ اکثر علماء نے اس قول کی تائید کی ہے۔ اسی طرح کی مثال وقف کے ان دو ناظروں یا مہتموں کی ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کی اجازت کے بغیر مال وقف میں تصرف کا حق نہیں ہے۔

اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو بطور خود تصرف کرنا جائز ہے۔ بعض علماء نے اس قول کو بھی درست بتایا ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ وصیت کنندہ یا وقف کنندہ نے خود دونوں کو وصی یا مہتمم بنایا ہو یا ایک قاضی نے دونوں کو مقرر کیا ہو۔ اگر دو قاضیوں نے دو مختلف اشخاص کو مقرر کیا تو ان میں سے ہر ایک کو منفرداً تصرف کرنا جائز ہے۔ اس میں کوئی نزاع نہیں ہے کیوں کہ دونوں قاضی (یا حاکم) کے مقرر کردہ ہیں، لہٰذا ہر ایک کو جائز ہے

Marfat.com

کہ اس کی جانب سے جس نے اسے نائب بنایا تصرف کرے۔ لیکن ان دونوں حاکموں میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مقرر کردہ وصی کو برطرف کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ اس میں کوئی بہتری ہو۔

اس بارے میں چند امور ایسے ہیں جن کو دونوں وصیوں میں سے ہر ایک بغیر اختلاف فقہا کے اکیلا انجام دے سکتا ہے۔ ان باتوں میں وصیت کنندہ کی وفات کے بعد اس کی تجہیز و تکفین ہے، نیز حقوق کے بارے میں دعویٰ کرنا، بچے کی ابتدائی ضروریات کا خریدنا (یا فراہم کرنا) امانت کا واپس کرنا، وصیت کو پورا کرنا، ایسی اشیاء کا فروخت کرنا جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اور جو مال معرض تلف میں ہے اسے فراہم کرنا وغیرہ بھی ہیں۔ اگر دو وصیوں میں سے ایک کی وفات ہو جائے اور وفات سے پہلے اس نے زندہ وصی کے حق میں وصیت کر دی ہو تو درست ہے اور اب اس اکیلے کو بطور خود تصرف کا اختیار ہے۔ اس لئے کہ اسے دوسرے وصی کی زندگی میں بھی اس کی اجازت سے خود تصرف کا اختیار تھا یہی صورت (وصیت کے بعد) اس کی وفات پر ہوگی۔ لیکن اگر وصی متوفی نے کسی اجنبی کے حق میں وصیت کی تو اس شخص کو زندہ وصی کی اجازت کے بغیر بطور خود تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ایک وصی وفات پا جائے اور اس نے نہ اپنے شریک کار کے حق میں وصیت کی اور نہ کسی اجنبی کے حق میں تو قاضی کوئی اور وصی مقرر کر دے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وصی کے متعلق چند امور قابل لحاظ ہیں۔ ایک امر تو وصی بننے کی چار شرطیں ہیں: مثلاً مکلف ہونا، لہٰذا ایسے شخص کو وصی بنانا درست نہیں ہے جو غیر مکلف ہو (یعنی جس پر احکام شریعت عائد نہ ہوتے ہوں) جس سے مراد یہ ہے کہ وہ دیانت دار ہو۔ اور وہ بچے کے مال کو مفید طریقہ سے کام میں لا سکے۔ جو شخص ایسا نہ ہو اسے وصی بنانا درست نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ امور وصیت کو باقاعدہ انجام دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔

اگر کوئی شخص ابتداء میں تو ان صفات کا حامل ہو لیکن بعد میں اس کے برعکس ہو جائے تو اسے برطرف کر دیا جائے گا، چنانچہ اگر وہ مسلمان ہو اور بعد میں مرتد ہو جائے تو اسے فرائض وصی سے ہٹا دیا جائے گا۔ یا وہ تصرف (مالی معاملات یا کاروبار) کی قابلیت رکھتا ہو لیکن بعد میں معذور ہو جائے تو اسے برطرف کر دیا جائے گا۔ وعلی ہذا القیاس۔

اور وصی کے متعلقہ امور کے منجملہ ایک یہ ہے کہ اگر دو اشخاص کو وصی بنایا جائے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر وصیت میں یہ تصریح کر دی گئی ہو کہ دونوں میں سے ہر ایک کو بطور خود تصرف کا حق ہوگا یا اس کے لئے کوئی قرینہ موجود ہو (تو ایسا ہو سکتا ہے) اگر ایک وصی وفات پا جائے تو حاکم یہ دیکھے گا کہ صرف زندہ وصی کے قائم رکھنے اور اس کے ساتھ کسی اور کو شامل کرنے میں کون سی بات زیادہ بہتر ہوگی۔ (اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا) اسی طرح اس وقت بھی حاکم کا فیصلہ درکار ہوگا جب کہ دونوں کے طریق کار میں اختلاف ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (وصیت کنندہ کی) موت کے وقت وصی کے بارے میں یہ (دیکھنا) شرط ہے کہ ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے وہ عادل ہو۔ ظاہری لحاظ سے عادل ہونا یہ کہ اس کی گواہی قابل تسلیم ہو۔ اور باطنی طور پر عادل ہونا یہ ہے کہ اس کی نکوکاری معتبر اشخاص کی شہادت سے حاکم شرع کے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہو اور یہ کہ وہ مال وصیت کو کام میں لانے کی قابلیت رکھتا ہو۔ آزاد ہو اور مسلمان ہو درآنحالیکہ اسے ایک مسلمان کے امور کا وصی بنایا گیا ہو اور یہ کہ جس نے اپنے معاملات کو اس کے سپرد کیا ہے اس کا بدخواہ نہ ہو۔ اور یہ کہ وہ نامعلوم الحال شخص نہ ہو۔ نیز یہ کہ وہ مکلف اور ذی عقل

ہو۔ جس میں ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو اسے وصی مقرر کرنا درست نہیں۔ اگر دو شخصوں کو بیک وقت یا مختلف اوقات میں وصی بنایا جائے تو ان میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر بطور خود تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وصی کا مسلمان ہونا شرط ہے لہٰذا کسی مسلمان کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ کافر کو اپنی اولاد کے لئے وصی بنائے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ وصی مکلّف (احکام شرعیہ کا ذمہ دار) ہو۔ لہٰذا کسی بچے یا دیوانے یا احمق کو وصی بنانا درست نہیں ہے اور یہ کہ وہ رشید (سمجھ دار) ہو۔ لہٰذا ناسمجھ کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے اور یہ کہ وہ عادل (نکوکار) ہو گو غیر مشہور یا نابینا یا عورت ہو۔ اور وصی بننے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ کام کرنے کی طاقت رکھتا ہو، لہٰذا کمزور شخص کو وصی بنانا درست ہے۔ (ایسی صورت ہو تو) قاضی کو چاہیے کہ کسی دیانت دار اور طاقتور آدمی کو اس کا معاون بنا دے لیکن وصی وہی پہلا شخص ہو گا اور دوسرا صرف اس کی مدد کرے گا۔

اگر دو شخصوں کو وصی بنایا گیا تو ان میں سے کسی ایک کو جائز نہیں ہے کہ دوسرے کی شمولیت کے بغیر بطور خود (مال میں) تصرف کرے ماسوا اس صورت میں کے جب کہ وصیت کنندہ نے اس امر کی تصریح کر دی ہو (کہ ہر ایک بطور خود تصرف کر سکے گا)۔ واللہ اعلم

ترجمہ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد سوم تمام شد

۱۹ نومبر ۱۹۷۳ء بمقام لاہور۔

Marfat.com

Marfat.com